چرا دل بود اسیر غم بفکر ی کہ [illegible]

نہ سنبدہ ی بے حداد وروغ [illegible]

کہ نگذرد ترا ای محتاج رزق تا [illegible]

1—14

1—14

1 — 1—4

4 — 4

4

1

27

گیان کلپدرم

رموز معرفت کا گنجینہ ۔ اسرار ذات کا خزینہ
علم عرفان کا نادر رسالہ ۔ گیان ویراگ کا دلچسپ مجموعہ

از

بابو شیوبرت لال ورمن ۔ ایم ۔ اے
ایڈیٹر سادھو ۔ تتودرشی ۔ مارتنڈ لاہور

آپ آپ کو آپ پہچانو
کہا اور کا نیک نہ مانو

بھارت لٹریچر لمیٹڈ کمپنی نے طبع کرایا

بھینٹ شری پیارے منشی سورج نرائن صاحب مہر دہلوی!

لو یہ بھینٹ ہماری سادھو
ست نام لو ست نام لو
مایا نہیں ہے پاس ہمارے
ست نام مالک کا سانچا
جھوٹی مایا جھوٹی کایا
نا تیتھی نا گیان دھیان کچھ
گورو دیو نے جو کچھ ہمیں سنایا
جیسا اپنی سمجھ میں آیا
سنت شرن میں جو کوئی آیا
کال کرم سے بچ کر رہتا
جھوٹی جگ کی چہل پہل چھڑائی
سچا جگ ست نام ہے سانچا
نام رتن کی کھان کھلی ہے
بن گاہک کوئی دیوے کس کو
نا ہم گیانی نا ہم دھیانی
نا ہم تپسی نا بیراگی
کہاں سے آئے کہاں جائیں گے
نرک سورگ کا پھر نہ ہم کو
پوتھی پستک نا ہم جانیں
ست نام ہے اپنی پونجی

ہم شردھا سے دیتے ہیں
ست نام ہم لیتے ہیں
نا ودیا نا گیان کا دھن
ست نام سچا ہے رتن
جھوٹا سکل پسارا ہے
صاحب ان سے نیارا ہے
ہم تم کو وہ سناتے ہیں
وہی تمہیں سمجھاتے ہیں
اُس کا ٹھور ٹھکانا ہے
چت میں یہی بسانا ہے
اُن سے نہیں ہے کام ہمیں
گورو نے بخشا نام ہمیں
گاہک کوئی نہیں اُس کا
بھول بھرم میں جگ اٹکا
نا جوگی سنیاسی ہیں
نا نرملے اُداسی ہیں
اِس کی ہم کو پرکھ نہیں
نا کچھ شوق اور ہرکھ نہیں
سیدھی بات بچاری ہے
نام ہی بھینٹ ہماری ہے

شیو

کتاب شروع کرنے سے پہلے اس کو پڑھو

(۱) **گیان کلپدرم**۔ مختلف مضامین کا مجموعہ ہے۔ ہر مضمون اپنے طور پر مکمل ہیں۔ اس لئے بہتر ہے۔ سب سے پہلے آسان آسان شاکھاؤں کو پڑھو۔ اس کے بعد ایشور پرکرتی جیو کی شاکھا کا مطالعہ کرو۔ تاکہ اصلیت کے سمجھنے میں تم کو مدد ملے

(۲) میں کسی کا مقلد نہیں ہوں۔ نہ شنکر آچاریہ جی سے مجھ کو تعلق ہے نہ رامانج آچاریہ سے۔ میں ویدانت کو سچے ویدانتی کی نگاہ سے دیکھتا ہوں۔ مطلب صرف روح اور معنے سے ہے۔ لفظوں کی بندش میں نہ میں کبھی پڑا نہ پڑونگا۔ جو بات ہے صاف صاف ہے تصنع یا بناوٹ نہیں ہے۔ اگر کہیں کسی مہاتما کے بچن سے اختلاف نظر آوے تو لفظوں پر کبھی نہ جاؤ۔ اصلیت کی طرف نگاہ رکھو اور تم نفس مضمون کے سمجھنے میں غلطی نہ کروگے۔ برعکس اس کے اگر لفظوں پر اڑنے ہو تو اڑا کرو۔ تم کو اختیار ہے۔ اتنا یاد رکھو لفظوں میں موت ہے۔ اصلی مراد میں زندگی ہے روح کو دیکھو۔ جسم کو نہ دیکھو۔ جسم فانی ہے۔ روح جاودانی ہے

(۳) یہ صرف سادھو کے عزیز پڑھنے والوں کے لئے لکھی گئی ہے۔ جلدی میں لکھی گئی ہے۔ سادھو کو مہینہ میں نکالنا پڑتا ہے پانچ کاتب کام کرتے تھے ترتیب کا خیال غیر ممکن تھا۔ جب جب کاتبوں نے تقاضا کیا قلم اٹھا کر ان کے لئے مضمون لکھ دئے ایسی حالت میں ترتیب کا خیال غیر ممکن تھا۔ ممکن ہے اس میں سقم ہوں۔ جلدی مصروفیت اور مہینہ بھر کے عرصہ میں اس کو پڑھنے والوں کی بھینٹ کرنا میری معذرت کے لئے کافی وجہیں ہیں ✦

(۴) سادھو کی پہلی جلد میں سے پانچ چار مضمون اس میں نقل کردئے گئے ہیں جو لوگ اس کو پڑھ چکے ہیں اُن کو قند مکرر کا مزہ آویگا ✦

(۵) یہ ویدانت کا صرف انٹروڈکشن یعنی دیباچہ ہے اس کے بعد جو اور اسی طرح کے سادھو کے سپیشل نمبر لکھے جائینگے وہ ویدانت کی مراد کو ترتیب و قاعدہ کے ساتھ ذہن نشین کرانے کا اہتمام کرینگے۔ ایشور اس کے پڑھنے والوں کا کلیان کریں ✦ شیو

فہرست مضامین گیان کلپدرم

گیان کلپدرم کی بھومیکا

گنگا
جمنا
سرسوتی

سگر ایک مشہور راجہ تھا منو کا۔ سچا پتر۔ اکشواکو بنس کا وچار شیل حکمران صاحب غور و فکر۔ اجودھیا کے تخت کو اُس سے زینت تھی اس کی دو رانیاں تھیں ایک کا نام کیشنی جس سے اسمنج پیدا ہُوا تھا۔ دوسری سومتی تھی جس کے ساٹھ ہزار لڑکے تھے۔ ایک دفعہ اس باکمال شخص نے اپنے کثیر التعداد لڑکوں سے کہا "سعادتمند لڑکو! میں چاہتا ہوں کہ اشومیدھ یگیہ کر دوں یگیہ کا گھوڑا آزادی کے ساتھ سب جگہ گشت لگائے اور تمام دنیا کے باشندے میری تابع حکم ہو جاویں ایک بھی ایسا آدمی نہ رہنے پائے جو میرے سامنے سر اونچا کر سکے۔ تم اس کام میں میری مدد کرو" لڑکوں نے کہا "بہت اچھا! جو آپ فرمائینگے ہم سر آنکھوں سے بجا لائینگے"۔

قصہ کوتاہ یگیہ کا گھوڑا چھوڑا گیا۔ آگے آگے وہ پیچھے پیچھے اجودھیا کے شاہزادے۔ دیکھنے کے قابل تماشہ تھا۔ یہ اولوالعزم اور بیباک نوجوان جدھر جُھکے۔ سب کو اپنے قابو میں لے آئے۔ جو سامنے آیا۔ ذلیل ہُوا۔ دیش دیشانتر کے راجے مہاراجے اُن کے ماتحت بنتے گئے۔ اندر کو خوف ہُوا کہ یہ ہمت والے انسان کہیں میرے سنگھاسن پر حملہ نہ کر دیں۔ اور مجھ کو سگر کے لئے آسمانی تخت خالی کرنا پڑے۔ اُس نے حکمت عملی سے اُن کو

زک دینے کا ارادہ کیا۔ موقع پاکر گھوڑے کو چرا لیا۔ اور کپل آشرم میں لاکر باندھ دیا ؛

کپل جی بھی انہیں کی طرح منو کی اولاد میں تھے اور منو کی لڑکی دیوہوتی کی پیٹ سے تھے۔ جس نے کردم رشی کو اپنا خاوند منتخب کیا۔ اور شاہی محل کو چھوڑ کر فقیر کے جھونپڑے کو قابل ترجیح سمجھا۔ یہاں اسکے پیٹ سے کپل جی پیدا ہوئے۔ جو قدرت کے اسرار سے واقف تھے۔ طبعاً دنیا و مافیہا سے بے خبر رہتے تھے اور اپنی زندگی ریاضت سے بسر کرتے تھے جس جگہ اُس کا آشرم تھا۔ اُس کا نام مہا ساگر ہے۔ یہ مقام بحر ناپیدا کنار کے قریب واقع ہے۔ جہاں آسمان سے باتیں کرنے والی سمندر کی لہریں ساحل سے ٹکراتی رہتی ہیں۔ سُنسان۔ لق ودق میدان۔ جہاں نہ انسان نہ حیوان۔ قدرت کے سوا اُن کا کوئی بھی مشیر و ہمراز نہیں تھا۔ رشی استغراق کی حالت میں ست کش آسن پر شانتی سے سمادھی لگائے بیٹھے تھے اندر چونکہ انسانی مزاج اور انسانی جذبات سے واقف تھا۔ اس لئے رشی کو ان بلند ہمت نوجوانوں کی سزا دہی و خرابی کا ذریعہ بنانا چاہا۔ اور اس نیت سے گھوڑے کو لاکر وہاں باندھ گیا۔

راجکماروں نے جب گھوڑے کو غائب پایا۔ اُن کو سخت حیرت ہوئی وہ سمجھتے تھے۔ آج دنیا میں کون شخص ہے۔ جو ہمارے گھوڑے کو اس طرح چرا لے جا سکتا ہے۔ ہم اُس کو ایسی سزا دینگے کہ اوروں کو عبرت ہو جائے کسی کو پھر سگر کے راجکماروں کے ساتھ اس طرح کی بے ادبی کرنے کی جرأت نہ ہو۔

اس طرح ارادہ کرکے وہ گھوڑے کی تلاش میں نکلے جنگل اور

بیابانوں کی خاک چھان ڈالی - اور اُن کے رتھوں کے پہیوں کے نشان سے زمین میں ایک باقاعدہ مگر پیچدار نہر کی صورت بن گئی - یہ تلاش کرتے کرتے مہاساگر میں بھی پہنچے - دیکھتے کیا ہیں کہ گھوڑا بندھا ہوا ہے - اور اُس کے قریب ہی ایک تپسوی بیٹھا ہوا ہے - ان بیباک نوجوانوں نے سوچا - ہو نہ ہو - یہی چور ہے - اور اس نے ہمارے غصہ کی آگ سے بچنے کے لئے یہ سوانگ بنایا ہے - ان کو کیا خبر تھی - کہ یہ مہامنی کپل ہیں - پاس جاکر اور سر کو پکڑ کر زور سے ہلایا "مکار چور! چوری کرکے تو اس طرح سوانگ بنا کر بیٹھا ہے! رشی کی سمادھی چھوٹ گئی اُنہوں نے غصہ کی نگاہ سے ان کو دیکھا اور وہ لوگ اگنی کی آنچ سے سب کے سب بھسم ہو گئے - اس طرح سگر کی اولاد کا دیکھتے دیکھتے خاتمہ ہو گیا اور رشی پھر محویت کی حالت میں چلے گئے +

ہفتوں گزرے - مہینوں گزرے - سگر کو لڑکوں کا پتہ نہیں لگا - وہ دل میں بیقرار ہوا - اسمنج کو بلا کر کہنے لگا - پتر! تیرے بھائی اشومیدھ کا گھوڑا لے کر گئے تھے - مگر واپس نہیں آئے - جا دیکھ تو - اُن کا کیا حال ہے -

سعادتمند اسمنج رتھوں کے پہیوں کے نشان کا سراغ لیتا ہوا مہاساگر تک آیا - رشی کپل کے آشرم میں راکھ کی ڈھیر پڑی ہوئی تھی - وفادار گھوڑا ابھی وہاں ہی چر رہا تھا - اس نے رشی کو چھیڑنا مصلحت نہیں سمجھا - جب اُن کی آنکھ کھلی - اسمنج نے ہاتھ باندھ کر پرنام کیا - اور اُس زمانہ کی تہذیب کے موافق اپنا اور اپنے باپ کا نام بتا کر رشی سے بھائیوں کا حال پوچھا - کپل نے جواب دیا "تیرے بھائی! سخت مدمغ

اور مغرور تھے۔ ان کو اپنے اعمال کی سزا ملی۔ تو جا۔ خوشی سے راج کر۔ یہ دنیا ایسی ہی ہے۔ جو جیسا کرتا ہے۔ ویسا پاتا ہے۔ ہر کام میں سزا اور جزا اُس کے ساتھ رہتی ہے"۔

اسمنج دل کا نیک تھا۔ اُس نے آب دیدہ ہو کر کہا "مہامُنی! مانا میرے بھائی سرکش اور مغرور تھے۔ لیکن آپ جیسے رشی کے ہاتھ سے اُن کو ایسی عبرتناک سزا ملنی تعجب کی بات ہے۔ لوہا لوہا ہی ہے۔ چاہے جس طرح کا ہو۔ مگر جب وہ پارس سے چھو جاتا ہے۔ سونا بنجاتا ہے۔ سادھو کسی کو دوست یا دشمن نہیں سمجھتے۔ وہ سم درشی ہوتے ہیں۔ دنیا سگر کے خاندان کی بربادی کے واقعہ کو سُن کر کیا کہیگی۔ جب رشی مُنی عام آدمیوں کی طرح سلوک کرنے لگے۔ تو پھر اُن میں اور سنواموں میں فرق ہی کیا رہا؟

*ناکردہ گناہ درجہاں کیست بگو
آنکس کہ گنہ نہ کرد چوں زیست بگو
من بد کنم و تو بد مکافات دہی
پس فرق میان من و تو چیست بگو

مہاراج! تمام دنیا آپ کے زیر سایہ رہتی ہے۔ نادان لڑکوں کو دھوکا ہوا۔ آپ نے یہ کیا کیا؟ آپ کی نگاہ اُن کی بدی پر نہ جانی چاہئے تھی خیر جو کچھ ہوا۔ سو ہوا۔ اب یہ فرمائیے۔ ان غصہ کی آگ سے جھلسے بھائیوں کا اُدھار کس طرح ہو؟" اسمنج نے بیقراری کی حالت میں اور جو کچھ

*ترجمہ۔ دنیا میں بے گناہ کون ہے۔ جس نے گناہ نہیں کیا وہ کیسے جی سکا۔ میں اگر بد کرتا ہوں اور تو بدی کا بدلہ دیتا ہے تو میرے اور تیرے درمیان کیا فرق ہے؟

باتیں کہیں۔ وہ سورداس جی کے اس پد سے بہت مشابہ تھیں۔

ہمارے پربھو! اوگن چِت نہ دھرو
سم درشی ہیں نام تہارو۔ سوئی پار کرو
(۱) اِک ندیا اک نار کہاوے۔ میلو نیر بھرو
دوا و جب ملے جائے گنگا میں سُر سری نام پرو
سو ہمارے پربھو! اوگن چِت نہ دھرو
(۲) اک لوہا پوجا میں راکھت۔ اک گھر بدھک پرو
سو دُبدھا پارس نہیں جانے کنچن کرت کھرو
سو ہمارے پربھو! اوگن چِت نہ دھرو
(۳) اک مایا اک جیو کہاوے۔ مور سیام جھگرو
کے یا کو نردوار کرو یہ بھو سے پران جات ٹرو
سو ہمارے پربھو! اوگن چِت نہ دھرو

کپل کا دل رحم کا دریا تھا۔ شاہزادہ کی باتوں کو سنکر اُمنڈ آیا۔ کہنے لگے۔ دو نیکبخت اسمنج! اس میں کیا قصور ہے۔ یہ شاہزادے خود اپنے جذبات کے شکار ہوئے۔ تو سمجھدار ہے۔ جانتا ہے۔ دنیا میں جو شخص کسی کو نقصان پہنچانا چاہتا ہے۔ پہلے اپنے دل کو نقصان پہنچاتا ہے آدمی کا دل پہلے خود بد ہو جاتا ہے تب دوسروں کے ساتھ وہ بدی سے پیش آتا ہے یہ دنیا عجیب و غریب چیز ہے۔ یہاں جو جیسا کرتا ہے۔ ویسا پھل پاتا ہے کرم کا قانون اٹل ہے۔ غصہ کی آگ تیرے بھائیوں کے دل میں پہلے سے مشتعل ہو رہی ہے۔ وہ سرکش تھے۔ مغرور تھے اور مدمخ تھے۔ میں سمادھی میں بیٹھا ہوا تھا۔ اُن کے خیال کی تیز دھار نے مجھ پر حملہ کیا۔ میں نے

آنکھ کھول دی۔ اُن کا خیال مجھ کو تو مغلوب نہ کر سکا۔ بلکہ میری آنکھوں کے تیج سے تقویت پا کر انہیں کے طرف الٹ گیا۔ اور اُن کو بھسم کر کے خاک سیاہ کر دیا۔ وہ خود اپنے ہی خیالات کے ہتھیار سے مارے گئے۔ اس میں میرا ذرہ بھی قصور نہیں ہے۔ کیونکہ میں سچ مچ نہ کسی کا دوست ہوں نہ دشمن ہوں۔ جو شخص جس قابلیت کا ہوتا ہے۔ وہ قدرت کے بھنڈار سے اُسی قسم کے سامان حاصل کیا کرتا ہے۔ تو خود سوچ سمجھ لے۔ وہ کس حد تک اس اپنے ناگہانی موت کے لئے جواب دہ ہیں"

اسمنج نے کہا۔ "مہاراج۔ یہ سچ ہے۔ لیکن اب یہ فرمائیے کہ ان کا اُدھار کس طرح ہو؟"

رشی نے جواب دیا۔ "اگر کسی ترکیب سے گنگا آسکے تو ان کو پھر پوتر کر سکتی ہے اور ان کا اُدھار ممکن ہے"

اسمنج نے رشی کو پرنام کیا اور اجودھیا میں واپس آکر سگر کو اصل حالات سے واقف کیا۔ شاہی محل میں کہرام مچ گیا۔ جس نے اس واقعہ کو سنا اُسے بھی رنج ہوا۔ آخر کچھ دنوں بعد مصیبت زدہ سگر نے اسمنج کو تاج و تخت حوالہ کیا اور وصیت کر گیا کہ جو شخص اس اجودھیا کے تخت پر بیٹھے۔ اُس کو ہمیشہ گنگا کے لانے کا خیال رہے اور جس سے ہو سکے وہ ہمہ تن اس کام میں متوجہ کر کے بدنصیب راجکماروں کی مغفرت کا سامان پیدا کرے"۔ یہ کہہ کر سگر نے تو اپنی دونو بیویوں کو لے کر جنگل کا راستہ لیا۔ اسمنج راج کرنے لگا۔ اُس کو ہمالہ سے گنگا لانے کا خیال تھا مگر کامیابی نہیں ہوئی۔ اُس کے بعد انشومان تخت پر بیٹھا۔ وہ بھی ناکامیاب رہا۔ پھر یکے بعد دیگرے کئی راجہ اجودھیا کے سنگھاسن پر

براجمان ہوئے۔ مگر گنگا کا لانا کسی سے نہ بن پڑا۔ سب کوشش کر کر کے مر گئے۔ گنگا نہ آئی۔ پر نہ آئی۔

آخر بھاگیرتھ کی باری آئی۔ باپ کا حکم پاکر وہ ہمالیہ کی طرف راہی ہوا اور وہاں جا کر تپ کرنے لگا۔ تپ سے اور گنگا سے کیا نسبت ہے، اس طرح کے سوال کیئے جا سکتے ہیں۔ مگر آگے چل کر ہم بتائینگے کہ گنگا سے اور تپ سے گہرا تعلق ہے۔ گنگا بغیر تپ کے نیچے نہیں اتر سکتی۔ بھاگیرتھ نے بہت دن تک گنگا کے لئے تپ کیا۔ دیالو وشنو کو رحم آیا۔ اور اُن کے چرنوں میں سے گنگا کی دھار بہ نکلی پہلے زور وشور کے ساتھ سومیر و پربت کی طرف رجوع ہوئی۔ پھر کیلاش کی طرف مڑی شیوجی سمادھی لگائے ہوئے بیٹھے تھے۔ اُن کے سر پر آکر گری۔ شیو نے اپنی جٹا جوٹ باندھ لی۔ اور گنگا اُس میں لپٹ کر رہ گئی۔ بھاگیرتھ دیکھ کر حیران ہو گیا۔

قسمت تو دیکھئے کہ کہاں ٹوٹی ہے کمند
دو چار ہاتھ جب کہ لب بام رہ گیا

امید تھی کہ اب پوتر اور پتیت پاونی گنگا ہمالیہ کے دامن میں بہ نکلیگی مگر اُس کی امید پر پانی پھر گیا اور دل میں مایوسی پیدا ہو گئی۔ اُسی وقت داخلی دنیا کے موکل نے آواز دی۔ خبردار۔ ہمت نہ ہار ہمت کا بول بالا ہے۔ گنگا کے لانے کا سہرا تیرے سر بندھیگا۔

وہ سنبھل گیا اور پھر تپ کرنے لگا۔ دیا ساگر شیو کو دیا آئی۔ اپنے جوڑے کو پکڑ کر نچوڑ دیا۔ اور دیکھو گنگا کی تین دھاریں بن گئیں۔ ایک سورگ کو چلی۔ دوسری پاتال کو۔ تیسری مرت لوک میں رہ گئی دیویہ گنگا

اور پرتھوی ہر جگہ یہ گنگا ہے۔
بھاگیرتھ کی خوشی کی کیا حد تھی۔ سمجھا۔ امید بر آئی۔ جس وقت کیلاش کی طرف سے چمکتی ہوئی صاف شفاف گنگا کی دھار نیچے کی طرف بہہ کر چلی اس کے دل کی کلی کھل گئی۔ مگر ابھی گنگا کے آنے میں کسر تھی۔ وہ کیلاش سے نکل کر ہمالیہ کے کندراؤں اور عمیق غاروں میں سما گئی اور یہ ہکا بکا کھڑا دیکھتا رہ گیا۔ یہ دنیا امتحان اور آزمایش کی جگہ ہے۔ سب کو امتحان پاس کرنے پڑتے ہیں۔ سب کو مقصد سے ہمکنار ہونے کے لئے اذیتیں و صعوبتیں جھیلنی پڑتی ہیں۔
بھاگیرتھ بڑا اداس ہوا۔ بیچارہ کیا کرتا۔ کیا نہ کرتا۔ ممکن تھا کہ وہ اب پھر اپنے ارادہ کو چھوڑ بیٹھتا۔ انسان ضعیف البنیان! کہاں تک ثابت قدمی دکھائے۔ مگر اُسی وقت کیلاش باسی شیو کے ڈمرو کی آواز سنائی دی۔

اولوالعزمان دانشمند جب کرنے پر آتے ہیں
سمندر پھاڑتے ہیں کوہ سے دریا بہاتے ہیں

ڈمرو کی آواز میں بلا کے تسلی بخش سُر تھے بھاگیرتھ کے دل میں از سر نو تقویت آئی اور اس نے پھر تپ کرنا شروع کیا۔ یہ تیسرا مرتبہ ہے۔ کہ اس کو تپ کرنا پڑا۔ کارن سوکشم۔ ستھول۔ تین طبقات کے لئے تین طرح کے تپ کرنے پڑتے ہیں۔
یا صفت کیش بھاگیرتھ تپ میں مصروف ہے اُس کی آنکھ اپنے مطلوب کی طرف لگی ہے۔ صبح پوپھٹتے ہی گنگا مہارانی کی چلبلی مورت سورج کی کرنوں کے ساتھ کھیلتی ہوئی۔ گنگوتری کے دہانہ سے نمودار ہوئی۔ وہ قوس قزح کے رتھ پر سوار تھی۔ صاف۔ شفاف۔ چاندی

کی طرح چمکتی ہوئی جس وقت اُس نے گنگوتری کے دریچہ سے منہ نکالا بھاگیرتھ کو اصلیت کا۔ حقیقت کا اور سچائی کا درشن ہُوا۔ اُس نے دونو ہاتھ جوڑ کر گنگا کو نمسکار کیا۔ گنگا نے اُس کو استتی کرنے کی فرصت نہیں دی۔ ھر ھر ھر ھر کرتی ہوئی اور شیوجی کی جٹا میں اس آواز کے ذریعہ اپنی اصلیت بتاتی ہوئی وہ گنگوتری سے مست ہاتھی کی طرح جھومتی ہوئی۔ جابجا بل کھاتی ہوئی لچھمن جھولا تک آئی۔ وہاں سے رشی کیش میں پہنچ کر شیو کے کمان کی صورت اختیار کر لی اور کیلاش کے پھاٹک پر جا پہنچی۔ جس کو لوگ ہردوار کہتے ہیں۔ متوالا بھاگیرتھ جس کو اب گنگا کے سلسلہ کے جاری ہونے کا پورا پورا یقین ہو گیا تھا۔ رتھ پر سوار ہو لیا۔ آگے آگے گنگا۔ پیچھے پیچھے بھاگیرتھ۔ دونو ساتھ ساتھ ہردوار سے نیچے اُترے۔ گنگا ہردوار سے دکن کو بہی۔ پھر پریاگ میں پہنچکر پورب کی طرف رخ بدلا۔ جہاں اس کا بہر جمنا و سرسوتی سے میل ہُوا اور وہ سنگھم کا استھان تیرتھ راج کہلایا۔ یہاں سے اُتر کاشی میں پہنچکر اُس کو وطن کی یاد آئی۔ شیو کے کمان کی طرح پیچ کھا کر وہ اتر کی طرف بہی۔ اسی وجہ سے کاشی کی بڑی عزت کی جاتی ہے۔ مگر ساتھ ہی گنگا کو بھاگیرتھ نے اُس کے زمین پر آنے کی یاد دلائی۔ اُس نے از سر نو پھر پورب کی طرف منہ موڑا۔ اور زور شور کے ساتھ دور تک اسی انداز سے بہتی چلی گئی۔ آخر میں دکن کی طرف مڑ کر گنگا ساگر پہنچی اور سگر کی اولاد کی ہڈیوں کو بہا کر سمندر میں لیجا کر ملا دیا اور خود بھی سمندر میں جا کر اپنے آپ کو غائب کر دیا۔ مگر گنگا غائب نہیں ہے۔ سمندر کے سینہ میں آرام کرتی ہوئی وہ بھاپ کی صورتوں

میں وُخانی بمان پر چڑھ کر اوپر کی طرف جاتی ہے۔ اور گروش کرتے ہوئے پھر ہمالیہ پر جاکر برستی ہے اور برف و یخ کے میدانوں کو طے کرتی ہوئی پھر ہردوار آتی ہے۔ اور مہاساگر جاکر پھر ہمالیہ کی طرف آسمان کی راہ سے لوٹتی ہے۔ اور رات دن اسی قسم کے گروش میں اپنی حقیقت کا تماشہ دکھاتی رہتی ہے۔ جو لوگ اس تماشہ کو اصلیت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ وہ سگر کی اولاد کی طرح امر پد کو پراپت ہو جاتے ہیں۔ گنگا کے آنے کی یہ مختصر کہانی ہے۔

ممکن ہے تم سوال کرو کیا شیو (مصنف کتاب ہذا) کو سچ مچ اس پورانک قصے پر اعتبار ہے؟ کیا اس کے لفظ کو وہ سچا ثابت کرنے کے لئے تیار ہے؟ شیو کا جواب ہے "میں اس کو بالکل سچ سمجھتا ہوں۔ میں اس کے ایک لفظ کو بھی غلط یقین نہیں کرتا۔ یہ کہانی دراصل زمین و آسمان کی پیدائش کا قصہ ہے یہ کائنات کی اصلیت کا اصلی سبق پڑھاتی ہے۔ اس خوبصورت حکایت کے سلسلہ میں حقیقت کا طریقت کا شریعت کا معرفت کا اور روحانیت کا جوہر بھرا ہوا ہے۔ یہ حقیقت کی خوبصورت اور بدیہی تصویر ہے اس میں طریقت کے مختلف طبقات کے کھولنے کی کنجی رکھی ہوئی ہے اس میں شریعت کے بام کے تمام زینے موجود ہیں۔ اس میں معرفت کے نکتے چھپے ہوئے ہیں اور اس میں روحانیت پسند طبیعتوں کے روحانی حالت حاصل کرنے اور کل کے ساتھ جزو کے ہمکنار ہونے کی روحانی رمز اور روحانی اسرار کے خزانے ہیں۔ مگر شرط یہ ہے:۔

گرز سرِّ معرفت آگہہ شوی
لفظ بگذاری سوے معنی روی

استعارہ کی زبان ہمیشہ مدلل و موثر زبان ہوا کرتی ہے اور جو لوگ شاعری کے اُدھیڑ بن میں رہتے ہیں۔ جو نظم کی بندشوں میں جدّت پسند مصوّروں کی طرح حقیقت کی تصویر کا رنگ و روپ دکھانا چاہتے ہیں۔ وہ اسی خاص زبان میں گفتگو کرنے کے شائق ہوتے ہیں۔ حق یہ ہے کہ وہ حق بجانب ہیں۔ کون انسان ایسا ہے جو یہ دعوے کے ساتھ کہے کہ میں اصلیّت کے لطیف جوہر کو عام آدمیوں کی زبان کی مدد کے بغیر سمجھ سکتا ہوں۔ نہ کبھی آج تک ایسا ہوا۔ اور نہ کبھی اس وقت تک ممکن ہے۔ جب تک انسان انسان ہے۔ اور بہ حیثیت انسان حقیقت سے واصل ہونے کا متمنی ہے۔ اس لئے جو لوگ حقیقت کے پہچاننے والے ہیں۔ مجبور ہیں کہ عام طبیعتوں کے جذبات کی تعظیم کرتے ہوئے اُن کے سمجھنے بوجھنے کے لئے استعارہ کی زبان میں بات چیت کریں۔

اس لئے یہ قصّہ جو اوپر کہا گیا ہے۔ محض اس وجہ سے استعارہ کے سلسلہ میں بیان کیا گیا ہے کہ سمجھنے والے اصلیّت کا پتہ پاسکیں۔

اب ہم اسی کو دوسری طرح بیان کرتے ہیں۔

جس وقت سرشٹی کا سلسلہ شروع ہوتا ہے۔ اُس وقت زندگی مختلف مدارج بتدریج طے کرنے کے بعد انسان کی صورت میں اظہار کرتی ہے۔ انسان کو منو کہتے ہیں۔ جو من سکتی سے موصوف

ہوتا ہے۔ جس میں سوچ وچار ہے۔ وہی دراصل انسان ہے۔ اور یہ سوچ وچار بھی اُس وقت پیدا ہوتا ہے۔ جب انسان اپنی شخصیت وفردیت کو علیحدہ سمجھ کر کائنات اور اُس کے کاروبار کے ساتھ اپنے تعلقات کے رشتے کو قائم کرتا ہے۔ اگر وہ تمیز وتفریق کے درجہ میں نہ آتا تو شاید بہتر ہوتا۔ قدرت کی مسلسل زنجیر کی ضروری کڑی کی حیثیت میں وہ چرخ کھاتا ہوا اپنی زندگی کے اعلےٰ مقصد کو بھی حاصل کر لیتا۔ اور اُس کو دکھ بھی نہ ہوتا۔ کیونکہ جس قدر دُکھ ہے وہ علیحدگی میں ہے۔ اتصال یا اتحاد میں کہیں بھی دکھ نہیں ہے۔ جو قدرت کے کل کے پُرزے کی طرح اپنے فرایض کو انجام دیتے ہیں۔ اور خود غرضی ونفسانیت کو اپنے اوپر قبضہ نہیں پانے دیتے۔ اُن کو بھول کر بھی کچھ دکھ نہیں ہوتا۔

مور تور کی جیوڑی بٹ باندھا سنسار
داس کبیرا کیوں بندھے جا کے نام ادبار

بندھن صرف خود غرضی میں ہے۔ اگر یہ نقص نہ ہو تو بندھن اور موکش مہمل اصطلاحیں ہیں۔ جن کو بندھن نہیں ہے۔ اُن کو موکش کی تمنا کیسی! جن کو بندھن ہے۔ انہیں کے لئے موکش ہے۔ اور یہ بندھن تمیز وتفریق کی سمجھ سے پیدا ہوتا ہے۔ اگر سوچ وچار کر کام کیا جائے۔ تب بھی خیریت رہتی ہے۔ مگر افسوس تو یہ ہے کہ جہاں تمیز پیدا ہوئی۔ انسان روحانیت کے پایہ سے گرنے لگتا ہے یہاں تک کہ سوچ وچار کی عادت بھی جاتی رہتی ہے اور وہی سُوسگر کی شکل میں اظہار کرتا ہے سگر کے معنی سنسکرت میں زہریلے کے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب انسان

خودی اور اپنے مطلب کا بالکل شکار ہو جاتا ہے۔ اُس کے جذبات مسموم ہو جاتے ہیں۔ اور وہ آپ اپنے لئے موت کو پیغام بھیجتا ہے کیونکہ موت صرف تنگخیالی اور تنگ دلی میں ہے۔

اس سگر کی دو عورتیں ہیں۔ ایک بہت نیک جس کے بطن سے اسمنج پیدا ہوتا ہے۔ جو دوسری عورت کی اولاد سے مختلف ہے۔ دوسری عورت کی اولاد ساٹھ ہزار بتائی گئی ہے۔ یہ عورتیں دراصل انسان کے جذبات ہیں۔ نیک جذبہ ہمیشہ نیکی کی طرف مایل رہتا ہے۔ اس میں یکسوئی اور یکرخی ہوتی ہے۔ وہی دراصل زندگی کا جوہر ہوتا ہے۔ دوسرے جذبات ہزاروں کی تعداد میں ہوتے ہیں۔ جن میں چنچلتا ہوتی ہے۔ جو دنیا میں اپنی بزرگی جتلانے و دوسروں کو زیر بار کرنے کی ہزاروں تدبیریں سوچتے رہتے ہیں۔ سگر نے دنیا میں اپنی شخصیت و شخصی حکومت کے سکہ بٹھانے کا کام ان ساٹھ ہزار لڑکوں کے سپرد کیا۔ اور وہ اشومیدھ کا گھوڑا لیکر ملک فتح کرنے کو نکلے کتنے انسان ہیں جو محض اپنی انانیت کی مدد سے سب کچھ کرنے کے خواہشمند رہتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ سب کچھ اسی کی وجہ سے ہو رہتا ہے۔ حالانکہ علم معرفت میں اسی کے تیاگ کرنے کی قدم قدم پر ہدایت ہے مگر جب یہ جذبات منہ زور ہو کر سیلاب بن کر چل نکلے ہیں۔ طرح طرح کی سختی اور امتحان کے مقابلہ میں اگر جہاں (کپل روپی مجسم) وچار شکتی سے دو چار ہوئے۔ پھر اُن کا پتہ نہیں رہتا۔ یہ جل کر خاک سیاہ ہو جاتے ہیں۔ اور ان کی

* اسمنج بمعنی اسمنجس کے معنی سنسکرت میں مختلف ہیں *

نیستی یا فنا رنج و دکھ کا باعث بن جاتی ہے۔ اُس وقت اسمنج پہنچ کر ان کے لافانی بنانے کے ارادہ سے باہر نکلتا ہے اور اس کو ہدایت ہوتی ہے کہ جب تک ہمالہ سے گنگا کے پاک دھارا آ کر ان کے مردہ خاک پر امرت نہیں چھڑکے گی۔ ان کا اُدھار محال ہے۔ اسمنج میں گنگا کے لانے کا ارادہ ضرور ہوتا ہے۔ مگر ابھی وہ کمزوری کی حالت میں ہے۔ اس لئے ابھیاس اور ویراگ کے زیر اثر اُس کو مضبوطی حاصل کر کے بھاگیرتھ کی شکل میں ظاہر ہونا پڑتا ہے۔ اور کتنی پشت (یعنی کئی حالتوں) سے گزرنے کے بعد وہ طاقتور بنتا ہے۔

گنگا دراصل اُس پاک کرنے والی طاقت کا نام ہے۔ جو سورگ میں رہتی ہے۔ سورگ کوئی اور جگہ نہیں ہے۔ وہ انسان کا اپنا دماغ ہے۔ جس میں نہ صرف تمام طاقتوں کا بھنڈار ہے۔ بلکہ وہی گیان کا بھی بھنڈار ہے۔ اور وچار و غور و فکر کا رخ ہمیشہ اسی طرف رہتا ہے۔ اس گنگا کے لانے کے لئے تپ کی ضرورت لاحق ہوتی ہے اگر انسان کی زندگی بالکل قدرتی طور پر بسر ہو تو تپ کرنے کی بھی ضرورت نہیں رہتی۔ لیکن چونکہ وہ مسموم کر دیتا ہے اور یہ سمّیت صرف اُس کے خیالات و سفلی جذبات و محسوسات کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے اس لئے ان سب کے روکنے اور قابو میں لانے کے لئے تپ کی ضرورت ہوا کرتی ہے۔

انسان کی زندگی میں مختلف طبقات ہیں۔ اور ان طبقات کی سمجھ

ہستی ہے یہاں مراد معدومیت سے نہیں ہے۔ کیونکہ اصل میں کوئی چیز معدوم نہیں ہوتی۔ صرف تغیر حالت۔ ضعف اور کمزوری سے مراد ہے۔

صرف تجربہ و مشاہدہ سے آتی ہے۔ وہ ایک طبقہ سے دوسرے طبقہ میں گزرتا رہتا ہے اور پھر محض اپنے تجربہ کی مدد سے زندگی کے بلند طبقے پر نشست کرنے کا خواہشمند ہو جاتا ہے۔ ان طبقات میں انسانی خیالات کی ہزاروں دھاریں ایسی نکلتی رہتی ہیں جن میں بہنا موت ہے اور اگر ان پر حادی ہو کر وہ اپنا رخ اونچے کی طرف کر دے تو اُس کو نئی اور دائمی زندگی مل جاتی ہے اور اس دائمی زندگی کو امرت کی زندگی۔ دیوتاؤں کی زندگی اور پاکی کی زندگی کہا جاتا ہے۔ اُس وقت انسان روشن ضمیر ہو جاتا ہے۔ الوہیت اور تقدیس کی معراج اُس کی خیالی آنکھوں کے سامنے قائم ہو جاتی ہے۔ اور پھر وہ موت کے خطرے سے ہمیشہ کے لئے نجات پا جاتا ہے۔

جب انسان پر ایسی حالت نازل ہوتی ہے۔ اُس کو جو پیغام اوپر کی طرف سے ملتے ہیں۔ وہ اُن کی تعمیل و تکمیل کرنے لگتا ہے۔ اور پھر اُس کے اور ایشور کے درمیان ایک ایسا تعلق پیدا ہو جاتا ہے کہ جس کی وجہ سے وہ اپنی اصلیت اپنی حیثیت اور اپنی ذات کی ہستی کو سمجھ جاتا ہے۔ پھر وہ نہ سگر کی طرح مسموم و سفلی جذبات کے دام میں پھنستا ہے۔ نہ منو کی طرح صاحب غور و فکر ہی بنا رہتا ہے۔ بلکہ وہ روحانی حالت میں آکر کچھ کا کچھ بن جاتا ہے یہ آواز یا صدائے غیب ہر وقت ہر انسان کو اُس کے دل کے کانوں میں سنائی دیتی رہتی ہے۔ مگر تپسوی اور صاحب ریاضت کے سوا نہ تو اُس کو کوئی سنتا ہے۔ اور نہ اُس کے موافق اپنی زندگی کو سانچے میں ڈھالتا ہے۔

ترا ز کنگرۂ عرش می زنند نفیر
ندانمت کہ دریں دامگاہ چہ افتاد ست
ز سروش محفل کبریا ہمہ وقت مے رسد این ندا
کہ بخلوت ادب تسو فازرہ بروں نشستن درآ

یہ اصلیت کا پیغام۔ یہ خاموشی کی صدا۔ یہ سروش غیبی کی آواز ہی دراصل زندگی کی پلٹنے والی ہوتی ہے۔ ایک مرتبہ جس نے اُس کو سُنا۔ وہ آتم پد کا ادھکاری بن گیا۔ اس کی روزانہ زندگی شاندار و خوبصورت بن گئی۔ اُس نے زندگی کی عالیشان عمارت چٹان پر قائم کر لی۔ اور پھر ہمیشہ کے لئے موت کے خوفناک سیلاب و حوادث کے ڈرانے والے طوفان سے نجات پا گیا۔

بھاگیرتھ اس قسم کا انسان ہے۔ اُس نے گنگا کے لئے تپ کیا۔ تپ سے سب کچھ مل جاتا ہے۔ گیان کی گنگا وشنو بھگوان کے قدم سے نکل کر نیچے کیلاش کی طرف رجوع ہوئی۔ اور شیو کی جٹا میں آکر سما گئی۔ شیو کا مقام انسان کا اپنا دل اور سر دے چکر ہے۔ وہ اُس جلال والی گنگا کے درشن کی تاب نہ لا سکا۔ گھبرا گیا۔ گنگا غائب ہو گئی۔ اُس نے پھر تپ کیا۔ شیو کی کرپا سے پھر اس گنگا نے تین حصوں میں اپنے آپ کو تقسیم کیا۔ ایک نورانی حصہ تو سورگ کی طرف عازم ہوا دوسرا ہمالیہ کے کندراؤں میں جا سمایا تیسرا پاتال کو چلا گیا۔ سورگ کی دھار کو گنگا کہا گیا۔ جو سفید رنگ کی ہے۔ درمیانی دھار سرسوتی کہلائی جو سرخ رنگ کی ہے۔ اور نیچے کی دھار جمنا کہی گئی ہے۔ جو کالی دھار والی ہے۔ اوپر روحانیت ہے جو گنگا سے مخصوص ہے۔ درمیانی سوچ

وچار و غور کی حالت ہے جو سرسوتی سے منسوب ہے۔ تیسری سفلی کیفیت ہے جو ہمارے غلبات نفسانی و جذبات حیوانی سے تعلق رکھتی ہے۔ یہ جمنا یم کی بہن ہے۔ اور موت سے اس کو نسبت ہے۔ یہ تینوں دراصل آپس میں اُسی طرح ملی جلی ہیں۔ جس طرح ست۔ رج۔ اور تم۔ پرکرتی کے تین گن۔ رل مل کر سرشٹی کا ظہور کرتی ہیں۔ ان میں گنگا سب میں افضل ہے۔ کیونکہ گیان کی حالت ہے۔ سرسوتی درمیانی ہے۔ جو وچار و غور کی مجسم مورتی ہے اور جمنا ادنےٰ ہے۔ جو سفلی طبقہ سے خصوصیت رکھتی ہے*

بھاگیرتھ نے دوسری دفعہ گنگا کو شیو جی کی جٹا سے اُترتے اور اس طرح تقسیم ہوتے ہوئے دیکھا۔ پھر گھبرایا۔ اور وہ ہمالیہ کی کندراؤں میں جو خود اُس کے دل کے گہرے طبقات ہیں۔ غائب ہوگئی۔ وہ مایوس ہونے لگا۔ مگر شیو کے ڈمرو کی صدا۔ اُس کے ڈمرو نما دل کی آواز نے اس کو ثابت قدم رکھا۔ اُس نے تیسری دفعہ گنگا کو گنگوتری سے اترتے ہوئے دیکھا۔ اور اُس کے ساتھ ہو لیا۔ اصل میں وچار ہی گیان کے ادہکار کا سادھن ہے۔ اس کو پا کر اُس نے اپنے مردہ بھائیوں کے جسم میں جو اس کے جذبات تھے۔ امرت کی بوندیں چھڑکیں۔ اُن کو زندہ کیا اور زندگی کے سمندر میں پہنچا کر اوپر کی طرف رجوع کر دیا۔ اور پھر امرت پتر بن گیا۔ یہ سگر کی کہانی کی مختصر تاویل ہے۔

روحانیت کی منزل میں قدم رکھتے ہوئے اپنے جذبات کے زائل کرنے کا حکم نہیں ہے۔ صرف ان کے رخ کو پلٹنا پڑتا ہے۔ کیونکہ تمام جذبات و محسوسات پر زندگی کا دارومدار ہے اس لئے ان کو دوسری طرح زندہ کرنے اور دوسری طرف رجوع کرنے سے ہی

نفس مطلب ہاتھ میں آتا ہے۔ یہ اصلی غرض نفس کُشی کی ہے۔ جو اس کے برعکس سمجھتے ہیں۔ وہ کفران نعمت کرتے ہیں۔ اور اُن کے کچھ بھی ہاتھ نہیں آتا۔

اس گنگا کے قِصّہ میں یہ سچائی ہے

گنگا کے تمام کاروبار کی وضاحت اور تفصیلی صراحت مشکل ہے۔ اور اس لئے ہم کیلاش کے اُس شکھر پر جہاں گنگا کی تین دھاریں نکلی تھیں۔ ایک خیالی "گیان کلید رم" درخت نصب کرتے جس کو اصل میں گنگا۔ جمنا اور سرسوتی۔ تینوں کے جل سے سینچینگے اور اُس کو نشو و نما دے کر اُس کی مختلف شاخوں کی خوبصورتی کا منظر دکھا کر اپنے ہمدرد ہمخیال آدمیوں کو اُس کا پھل چکھائینگے۔ اور ہم کو امید ہے جو ہماری آنکھ سے اس کو دیکھینگے ہمارے دل سے مل کر اُس کے غیر معمولی خوبصورتی کے منظر پر غور کرینگے۔ اور ہماری زبان سے اس کے پھل کو چکھینگے۔ وہ امرت پُتر بن جائینگے۔ ہاں امرت پُتر بن جائینگے۔

شبد

شبد بھید سا کھی لکھے سوئی سادھ سو جانا ہو

اُگم - نگم - گم چینہہ کے بانی پہچانا ہو
سُرت شبد گورو مل مارگ جانا ہو
لکھ اکاش اوندھا کنوان تا میں سُرت سمانا ہو
گگن گرا گرجت بھٹی پھوڑا آسمانا ہو

گنگ جمن تربیح سرسوتی بینی اشنانا ہو
جوگ گیان گم نہ لکھے آلی اگم ٹھکانا ہو
تُلسی داس دُربین کا کوئی توڑ نشانا ہو
سِندھ بُند ساگر لکھا سوئی سندھ کہانا ہو

گورو دیا کریں جو اس گیان کلپدرم کا پھل کھائیں۔ سب اُس کے امرت پُتر بن جائیں۔ اور میری طرح جھوم جھوم کر گاتے ہوئے اصل سے واصل ہوں۔

سنت دیا ست گورمیا۔ پایا آدا ناد
گت مت کہتے نا بنے سُرت بھئی بسماد

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

گیان کلپدرم

پہلی شاکھا

ایشور

جیو

پرکرتی

ایشور ہے جیو ہے اور پرکرتی ہے۔ اس خارجی دنیا یعنی واہیہ جگت میں ہر جگہ یہ تثلیث نظر آرہی ہے اور جو چیز جس وقت نظر آوے۔ اُس وقت تک اُس کی ہستی کا اقرار مجبوراً کرنا پڑتا ہے۔ ایک شخص کے سامنے دریا لہریں لے رہا ہے۔ اُس کو ہر جگہ پانی ہی پانی نظر آتا ہے۔ پانی سے آگے اُس کی نگاہ نہیں جا سکتی۔ اور اس لئے جب تک وہ پانی کو پانی کی شکل میں دیکھتا ہے۔ تم کس طرح اُس کو دکھا سکتے ہو۔ مگر ایک دوسرا شخص ہے۔ جس کی نگاہ کے سامنے بھی دریا لہریں مار رہا ہے۔ مگر اُس کی آنکھ زیادہ باریک بین ہے۔ وہ پانی کو بھی دیکھتا ہے۔ اور ساتھ ہی زیادہ توجہ کے ساتھ نظر کرتے ہوئے وہ پانی کے بلبلوں میں آگ اور

ہوا کے بہت باریک ذرات کا بھی انبھو کرتا ہے۔ کیونکہ پانی دراصل ہوا اور آگ کی مختلف شکل ہے۔ اس شخص کو پانی کی اصلیت سمجھانا مشکل نہیں ہے۔ مگر اس دوسرے شخص کو سمجھانا مشکل ہے پانی کے اجزا کو علیحدہ کر کے اُس کو غائب کر دیا جا سکتا ہے اور پھر اُن کو ملا کر ایک بنا دیا جا سکتا ہے۔ جن کو اس کی سمجھ ہے۔ وہ پانی میں پانی ہوا آگ۔ سب سمجھتے ہیں۔ جن کو ایسی سمجھ نہیں ہے۔ اُن کے لئے وہ صرف پانی ہی پانی ہے۔ تم ان میں سے کسی کو غلط نہیں کہہ سکتے۔ کیونکہ اندریوں کے گیان کے طبقات میں جہاں اختلافات کے کرشمے اپنا کام کرتے ہیں۔ اُن کا کام اُس خاص طبقہ کے لحاظ سے بالکل سچا ہے۔

ایشور۔ جیو اور پرکرتی کے بارہ میں لوگوں کے خیالات غور و مطالعہ کے مستحق ہیں۔ ایک گروہ کہتا ہے۔ ایشور۔ جیو۔ پرکرتی۔ تینوں ہیں۔ دوسرا کہتا ہے۔ جیو و پرکرتی صرف دو ہیں تیسرا کہتا ہے صرف ایک مادہ ہے۔ پہلے گروہ کی سمجھ میں ایشور ایک دائمی راجہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ جس کی سلطنت بھی دائمی ہے اور رعایا بھی دائمی ہے۔ ان میں سے کوئی پیدا نہیں کی گئی۔ سب ہمیشہ سے ہیں۔ ایشور صرف بہ حیثیت راجہ کے جیوں کو سزا و جزا دیا کرتا ہے اور اُن کو ان کے کرم کے موافق مناسب جسم عطا کرتا ہے۔ دوسرے کا خیال ہے کہ ایشور کی کوئی بھی ضرورت نہیں ہے۔ سارا تماشہ پرش و پرکرتی کے میل کا ہے۔ پُرش جیو ہیں۔ اور تعداد میں اننت ہیں پرکرتی مادہ ہے۔ جب پرش اگیان کے بس میں

آجاتا ہے۔ پرکرتی اُس کے لئے بھوگ اور موکش کا کارن بن جاتی ہے اور جب پرش کو گیان ہو جاتا ہے۔ تب، اُسی وقت پرکرتی کا جال اُس کے لئے دور ہو جاتا ہے۔ تیسرا کہتا ہے۔ نہ ایشور کوئی چیز ہے نہ جیو ہے۔ صرف مادہ ہی مادہ ہے۔ یہ مادہ چار صورتوں آگ۔ پانی۔ ہوا۔ اور مٹی کی شکلوں میں دکھائی دیتا ہے۔ اس میں خود شکلوں کے پیدا کرنے کی طاقت ہے۔ جب ان میں خاص مقدار کے لحاظ سے خواہ اور باتوں کی وجہ سے ردّ و بدل ہو جاتا ہے۔ حیوان۔ انسان۔ درخت۔ سب پیدا ہو جاتے ہیں۔

پہلا فرقہ تثلیث پرست ہے۔ کیونکہ یہ تینوں کی ضرورت محسوس کرتا ہے۔ دنیا کے تمام مذاہب قریب قریب اس سے تعلق رکھتے ہیں۔ دوسرا دو کو مانتا ہے۔ کیونکہ اس کی سمجھ میں ایشور اگر پیدا کرنے والا ہے۔ تو اس پیدا کرنے میں اُس کی کوئی غرض ہوگی۔ اور غرض کا شمول نقص میں داخل ہے۔ اس لئے ایشور ناقص ہوگا۔ مکمل نہیں ہوگا۔ اور یہ نقص عیب ہے۔ اس کے سوا جیو میں ہر طرح کی قوت تمیز موجود ہے۔ اُس کی حالت پر غور کرنے سے صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ آپ اگیان میں پھنس گیا ہے۔ اور پرشارتھ کر کے اُس سے چھوٹ جاتا ہے۔ یہ سانکھیہ مت کے معتقد ہیں۔ جس کے موجد مہرشی دمہامنی کپل ہیں۔

یہ تینوں اپنے اپنے طبقہ میں خاص حیثیت رکھتے ہیں۔ ان کا خیالی معراج خاص قسم کا ہے۔ اور جہاں تک خصوصیّت و خاص حیثیت کا تعلق ہے۔ اُن کو خاص طرح کی اہمیّت کا

درجہ حاصل ہے +

جہانتک مادہ پرستوں کا مادہ کے اوصاف سے تعلق ہے۔ وہ ثابت نہیں کر سکے۔ اور شاید کبھی ثابت نہ کر سکیں گے۔ کہ مادہ بطور خود کچھ کام کر سکتا ہے۔ مادہ میں بطور خود اُن کے خیال کے بموجب بننے اور بگڑنے کی طاقت نظر نہیں آتی۔ خارجی دنیا میں یہ بات صاف صاف دیکھی جاتی ہے۔ اگر وہ یوں ہی بلا کسی اور طاقت کی شکل اختیار کیا کرتی۔ تو مٹی خود بلا وساطت کمہار اور اُس کے چکر۔ ڈنڈا اور سوت کے گھڑا بن جایا کرتی۔ اور سونا زیور بن جایا کرتا۔ ایسا کہیں بھی دیکھنے میں نہیں آتا۔ بلکہ ہم دیکھتے ہیں۔ کہ وہ اپنی تبدیل صورت کے لئے ہمیشہ کسی نہ کسی چیز کی محتاج ہے۔ یہ سچ ہے کہ مادہ ایک چیز ہے۔ مگر اس چیز کو تبدیل ہونے دینے اور بگڑنے کے لئے کسی اور کی احتیاج ہوا کرتی ہے وہ خود تبدیل ہیئت نہیں کر سکتا۔ خارجی دنیا میں بے بسی کی حالت میں پڑا رہتا ہے۔ پس تبدیل ہیئت اور اس کو حرکت میں لانے کے لئے چیتن شکتی کی ضرورت ہے۔ اسی کو ایشور کہتے ہیں۔ اس طرح ایشور کی ہستی ثابت ہوتی ہے۔ جو نیر نگئے قدرت کا پیدا کرنے والا اور نظام عالم کا قائم رکھنے والا ہے۔ اسی طرح سے انت جیوؤں کی ہستی بھی ایک لازمی امر ہے۔ جیو مادہ نہیں ہیں کیونکہ مادہ جڑ یعنی بے علم ہے۔ اور جیو چیتن یعنی باعلم ہیں۔ جڑ اور چیتن میں بعد المشرقین ہے۔ مادہ سے جیو کا بننا اور مرنے کے بعد مادے میں لے ہو جانا ناممکن محض ہے۔ جب کارن یعنی مادے میں

چیتنا نہیں تو کاریہ یعنی جیو میں کہاں سے آئی۔ اور مر کر کچھ باقی نہ رہا۔ تو کرموں کے پھل کہاں گئے۔ اور سنسار میں یہ نیرنگی کیونکر پیدا ہوئی۔ اس واسطے قائم بالذات تین چیزیں ماننی پڑتی ہیں۔ مادہ جیو اور ایشور۔

کپل پرکرتی کو مادہ کی اصلی صورت بتاتا ہے۔ رج۔ ست اور تم کی سامیہ اوستھا کا نام پرکرتی ہے پرکرتی مادہ نہیں ہے۔ مادہ کی سب سے زیادہ لطیف حالت ہے۔ اور وہ تین گنوں کی یکسانیت کا نام ہے۔ وہ یکسانیت اُس وقت تک دور نہیں ہوتی جبتک آتما کا پرکرتی کے ساتھ میل نہیں ہوتا۔ جہاں میل ہُوا۔ پھر وہ طرح طرح کی صورتیں پیدا کرنے لگتی ہے۔ اور سنسار بن جاتا ہے اور جب وہی آتما اپنے ستّا کو علیحدہ کر لیتا ہے۔ مادہ پھر سامیہ اوستھا میں جا کر پرکرتی کی صورت میں پڑا رہتا ہے۔ جس طرح کسی کا جسم بغیر آتما کے سنجوگ کی حرکت نہیں کرتا اور نہ بیوہار کے قابل بنتا ہے۔ اسی طرح اس کا بھی حال ہے جب تک آتما ہے۔ جسم متحرک ہے۔ جب آتما علیحدہ ہو جاتا ہے جسم ناکارہ اور ناقابل رہ جاتا ہے۔ اگر آتما کے سنجوگ سے انکار کیا جائے تو پھر اس مادی جسم کو بھی ویسی ہی حرکت وغیرہ کا کام کرنا چاہئے۔ مگر ایسا دکھائی نہیں دیتا۔ اس لئے اس مادہ کے سوا کوئی چیز اور بھی ہے۔ جس کا یہ محتاج ہے۔ کپل فرماتے ہیں کہ ذرہ ذرہ میں آتما موجود رہ کر کام کیا کرتا ہے۔ اور جو کچھ تماشا دنیا میں نظر آتا ہے۔ یہ پرش اور پرکرتی کا میل ہے +

ہند و فلسفہ میں سانکھ کی بڑی عزت ہے - مورخ کہتے ہیں - دنیا میں کپل ہی نے سب سے پہلے عقل کی مدد سے سرشٹی کے معمے کے سلجھانے کی کوشش کی - اس سے پہلے اور کسی کو اس طرف خیال تک نہیں ہُوا - یہ بات کہاں تک صحیح ہے - مورخانہ و محققانہ تحقیقات سے تعلق رکھتی ہے - مگر اس میں ذرا بھی شک نہیں ہے کہ ویدانت جو مذہبی دنیا کا سب سے زبردست سائنس ہے - سانکھ کو سب سے زیادہ اہمیت دیتا ہے اور وہ پُرش و پرکرتی کے میل کو صحیح تسلیم کرتا ہُوا زور کے ساتھ کہتا ہے کہ اس میں ایشور کا ہاتھ ہے اور وہ بڑی خوبی سے اُس کے سلجھانے کی کوشش کرتا ہے -

ہمارا یہ جسم مختلف قسم کے گولکوں سے بنا ہے - اور ان سب گولکوں کے سلسلہ کو آتما کے ستا کا آدھین ہونا پڑتا ہے - آنکھ ناک - کان - وغیرہ - یہ سب گولک ہیں - یہ گولک یا گولے سوراخ بطور خود لاکھوں و کروڑوں سوراخوں کے مجموعے ہیں - جن میں خود مختلف قسم کے جاندار موجود ہیں - یہ علیحدہ علیحدہ حیثیت میں رہتے ہوئے ویسے ہی آتما میں پروئے ہوئے ہیں - جس طرح مالا کے ۱۰۸ دانے سوت میں پروئے رہتے ہیں - آتما اس ہمارے شریر میں چوٹی سے لیکر ایڑی تک اسی طرح پرویا ہُوا ہے - اور تمام گولکوں کے انتظام و نسخ و نظم میں اثر انداز رہتا ہے - یہانتک کہ جسم کا کوئی بھی حصہ ایسا نہیں ہے جو اُس کا ماتحت نہ ہو - سب اُس کے محتاج ہیں - اور سب اُس کی ستا سے ستا پاتے ہیں - سب میں اُسی کی ہستی ہے -

اگر وہ نہ ہو۔ تو آنکھیں دیکھ نہیں سکتیں۔ اگر وہ نہ ہو تو کان سُن نہیں سکتے۔ اگر وہ نہ ہو تو ہاتھ کام نہیں کر سکتے۔ پاؤں چل نہیں سکتے و علےٰ ہذا القیاس۔ جسم میں کون جگہ ہے۔ جہاں آتما نہیں ہے اگر یہ گولک اور اُن کے ابھمانی دیوتا اگر یہ کہیں کہ ہم ہی سب کچھ ہیں اور آتما کوئی چیز نہیں ہے تو یہ غلط سمجھا جائیگا۔ جیسے ایک ایک گولک کا دیوتا اپنے اپنے گولک کا ابھمانی ہے۔ ویسے ہی اس شریر روپی گولک کا ابھمانی آتما ہے۔

ہمارے جسم کے تمام گولگ سے تین باتیں مخصوص ہیں۔ جن کو گیانی ترٔپٹی یا تثلیث کہتے ہیں۔ ایک ان میں گولک یا اندری ہے دوسرا دیوتا ہے۔ تیسرا اُس کا بھوگ ہے۔ ان کو ویدانت کی اصطلاح میں ادھیاتم۔ ادھی تم۔ اور ادھی بھوت کہتے ہیں۔ ان سب گولکوں کی تفصیل محال ہے۔ ظاہرا جو چودہ اندریاں ہیں اُس تک ہم اپنے وچار کو محدود کرتے ہیں۔ یہ اندریاں ادھیاتم ہیں۔ ان کے آسمانی دیوتا ادھی دیو ہیں۔ اور اُن کے وشے ادھی بھوت ہیں۔ ان سے ترٔپٹیاں بنتی ہیں اور ان ترپٹیوں میں بیالیس تتو ہیں مثلاً

گیان اندری

کان -	ادھیاتم	دِشا	ادھی دیو	شبد	ادھی بھوت
چرم یا توچا	"	وایو	"	سپرش	"
آنکھ	"	سورج	"	روپ	"
ذائقہ (زبان)	"	ورُن	"	رس	"
شامہ (ناک)	"	اسونی کمار	"	گندھ	"

گیان اندریاں

بانی (کلام)	ادھیاتم	اگنی	ادھی دیو	بچن	ادھی بھوت
ہاتھ	″	اندر	″	آدان	″
پاؤں	″	وامن	″	گمن	″
اُپستھ	″	پرجاپتی	″	رتی	″
گدُو	″	یم	″	مل تیاگ	″
		انتہ کرن			
من	ادھیاتم	چندرماں	ادھی دیو	سنکلپ کلپ	ادھی بھوت
بدھی	″	برہما	″	نشچے	″
چت	″	وایو دیو	″	چیتن	″
اہنکار	″	رُدر	″	اہم پنا	″

ہمارے جسم میں ظاہری طور پر یہ اندریاں ہیں۔ان کا ابھمانی ایک ایک دیوتا ہے۔ان کا ایک ایک وشے ہے۔اس طرح ان کے میل ملاپ سے جسم بنتا ہے۔یہ سب شریر روپی جسم کی ایک ایک کڑیاں ہیں۔جن سے مکمل زنجیر بنتی ہے اس جسم کا ابھمانی جو دیوتا ہے وہی آتما ہے جو نسبت کہ ان سب کو جسم سے ہے۔وہی نسبت جسم کو کل برہمانڈ سے ہے۔کیونکہ جو کچھ ہمارے جسم میں ہے۔وہی برہمانڈ میں ہے۔"پنڈے سو برہمانڈے"۔یہ انسان کا جسم برہمانڈ ہے اور اس میں جو شکتی ادت پردت ہے۔وہ ہمارا اپنا آتما ہے۔اس کا ابھمانی اس وجہ سے آتما کہلاتا ہے۔

جس طرح آتما ہمارے جسم میں ادت پردت ہے۔ ویسے ہی باہر کی رچنا میں جس میں سورج۔ چاند۔ ستارے وغیرہ ہیں۔ اُن کے پس پشت بھی ایک ابھمانی پُرش ہے۔ جو کرم۔ کلیش وغیرہ سے آزاد ہو کر سب میں مالے کے سوت کی طرح پرویا ہے۔ جو سب جگہ ہے۔ جس سے کوئی خالی نہیں۔ جو سب میں رہ کر سب کو قاعدہ میں رکھتا ہے۔ اور اسی کو ہم ایشور کہتے ہیں۔

ہم اس چھوٹے برہمانڈ کے حاکم ہیں۔ ویسے ہی ایشور بڑے برہمانڈ کا حاکم ہے۔ جس طرح ہمارے جسم کے تخت پر آتما بیٹھ کر راج کرتا ہے۔ ویسے ہی اُس بڑے تخت پر جو راجہ اجلاس کرتا ہے۔ وہ ایشور ہے۔ جو لوگ ایشور کی ہستی سے انکار کرتے ہیں۔ وہ سخت غلطی پر ہیں ہر جگہ قدرت میں ایک ہی بات کا اعادہ ہے۔ برہمانڈ میں وہی بات ہے جو ہم میں ہے۔ ایک کی ماہیت دریافت کر لو۔ سب کی ماہیت پر تم کو عبور حاصل ہو جائیگا۔ ایک گھڑے کا علم حاصل کر لو۔ سب گھڑوں کا تم کو علم ہو جائیگا۔ اپنی نرکھ پرکھ کرو۔ اور تم برہمانڈ کی بھی نرکھ پرکھ کر سکو گے۔ کیونکہ سب جگہ ایک ہی قانون اور ایک ہی اصول کام کر رہا ہے۔ دو چار یا دس بیس اصول نہیں ہیں۔ اگر جسم میں آتما رہتا ہے۔ تو برہمانڈ میں ضرور آتما ہو گا۔ اگر یہاں نہیں ہے تو وہاں بھی نہیں ہو گا۔ جب وچار سے ہمارے شریر میں آتما کی ہستی کا ثبوت مل گیا۔ تو پھر ہم کیسے مان لیں کہ برہمانڈ روپی شریر آتما سے خالی ہو گا۔ پنڈی پرش جیو کہلاتا ہے۔ برہمانڈی پرش ایشور کہلاتا ہے وہی سب کا دھرتا کرتا ہے اور وہی ہمارا آدرش ہے اور اسی سے

سے رشیوں سے نے کہا ہے۔

"وہ جو پرتھوی میں رہتا ہے۔ پرتھوی کے اندر ہے۔ جس کو پرتھوی نہیں جانتی۔ جس کا شریر پرتھوی ہے۔ جو پرتھوی میں رہ کر اس کو قاعدہ میں رکھتا ہے۔ وہ تیرا اندر رہنے والا آتما لافانی ہے۔"

"جو پانی میں رہتا ہے۔ پانی کے اندر ہے جس کو پانی نہیں جانتا جس کا شریر پانی ہے جو پانی میں رہ کر اس کو قاعدہ میں رکھتا ہے وہ تیرا اندر رہنے والا آتما لافانی ہے۔"

"جو آگ میں رہتا ہے۔ آگ کے اندر ہے۔ جس کو آگ نہیں جانتی جس کا شریر آگ ہے۔ جو آگ میں رہ کر اُس کو قاعدہ میں رکھتا ہے۔ وہ تیرا اندر رہنے والا آتما لافانی ہے۔"

"جو آکاش میں رہتا ہے۔ آکاش کے اندر ہے۔ جس کو آکاش نہیں جانتا۔ جس کا شریر آکاش ہے۔ جو آکاش میں رہ کر اس کو قاعدہ میں رکھتا ہے۔ وہ تیرا اندر رہنے والا آتما لافانی ہے۔"

"جو سُرگ میں رہتا ہے۔ سورگ کے اندر ہے۔ جس کو سورگ نہیں جانتا۔ جس کا شریر سورگ ہے۔ جو سرگ میں رہ کر اُس کو قاعدہ میں رکھتا ہے۔ وہ تیرا اندر رہنے والا آتما لافانی ہے۔"

جو سورج میں رہتا ہے۔ سورج کے اندر ہے۔ جس کو سورج نہیں جانتا۔ جس کا شریر سورج ہے جو سورج میں رہ کر اُس کو قاعدہ میں رکھتا ہے۔ وہ تیرا اندر رہنے والا آتما لافانی ہے۔"

جو دشاؤں میں رہتا ہے۔ دشاؤں کے اندر ہے۔ جس کو دشائیں نہیں جانتے۔ جس کا شریر دشائیں ہیں۔ جو دشائیں ہیں رہ کر اس کو

قاعدہ میں رکھتا ہے۔ وہ تیرا اندر رہنے والا آتما لافانی ہے"۔
"جو چاند اور ستاروں میں رہتا ہے۔ چاند اور ستاروں کے اندر ہے۔ جس کو چاند اور ستارے نہیں جانتے۔ جس کا شریر چاند اور ستارے ہیں۔ جو چاند اور ستاروں میں رہ کر اُس کو قاعدہ میں رکھتا ہے۔ وہ تیرا اندر رہنے والا آتما لافانی ہے"۔
"جو تاریکی میں رہتا ہے۔ تاریکی کے اندر ہے۔ جس کو تاریکی نہیں جانتی۔ جس کا شریر تاریکی ہے۔ جو تاریکی میں رہ کر اُس کو قاعدہ میں رکھتا ہے۔ وہ تیرا اندر رہنے والا آتما لافانی ہے"۔
یہ ادھی دیو وشئے میں کہا گیا۔ اب اس کا تعلق بھوتوں سے بیان کیا جاتا ہے۔
جو تتو میں رہتا ہے۔ تتوں کے اندر ہے۔ تتو جس کو نہیں جانتے۔ جس کے شریر تتو ہیں۔ جو تتوں کے اندر رہ کر اُن کو قاعدہ میں رکھتا ہے۔ وہ تیرا اندر رہنے والا آتما لافانی ہے"۔
"جو پران میں رہتا ہے۔ پران کے اندر ہے۔ پران جس کو نہیں جانتے۔ جس کے شریر پران ہیں۔ جو پران کے اندر رہ کر ان کو قاعدہ میں رکھتا ہے۔ وہ تیرا اندر رہنے والا آتما لافانی ہے"۔
"جو پران میں رہتا ہے۔ پران کے اندر ہے۔ پران جس کو نہیں جانتے۔ جس کے شریر پران ہیں۔ جو پران کے اندر رہ کر اُن کو قاعدہ میں رکھتا ہے۔ وہ تیرا اندر رہنے والا آتما لافانی ہے"۔
"جو بانی میں رہتا ہے۔ بانی کے اندر ہے۔ بانی جس کو نہیں جانتی۔ جس کا شریر بانی ہے۔ جو بانی کے اندر رہ کر اس کو قاعدہ

میں رکھتا ہے۔ وہ تیرا اندر رہنے والا آتما لافانی ہے۔"
"جو آنکھ میں رہتا ہے۔ آنکھ کے اندر ہے۔ آنکھ جس کو نہیں جانتی جس کا شریر آنکھ ہے۔ جو آنکھ کے اندر رہ کر اس کو قاعدہ میں رکھتا ہے۔ وہ تیرا اندر رہنے والا آتما لافانی ہے۔"
"جو کان میں رہتا ہے۔ کان کے اندر ہے۔ کان جس کو نہیں جانتے۔ جس کے شریر کان ہیں۔ جو کانوں کے اندر رہ کر اُن کو قاعدہ میں رکھتا ہے وہ تیرا اندر رہنے والا آتما لافانی ہے۔"
"جو من میں رہتا ہے۔ من کے اندر ہے۔ من جس کو نہیں جانتا جس کا شریر من ہے۔ جو من کے اندر رہ کر اس کو قاعدہ میں رکھتا ہے۔ وہ تیرا اندر رہنے والا آتما لافانی ہے۔"
"جو چرم میں رہتا ہے۔ چرم کے اندر ہے۔ چرم جس کو نہیں جانتا۔ جس کا شریر چرم ہے۔ جو چرم کے اندر رہ کر اس کو قاعدہ میں رکھتا ہے۔ وہ تیرا اندر رہنے والا آتما لافانی ہے۔"
"جو گیان میں رہتا ہے۔ گیان کے اندر ہے۔ گیان جس کو نہیں جانتا جس کا شریر گیان ہے۔ جو گیان کے اندر رہ کر اُن کو قاعدہ میں رکھتا ہے۔ وہ تیرا اندر رہنے والا آتما لافانی ہے۔"
"جو ویرج میں رہتا ہے۔ ویرج کے اندر ہے۔ ویرج جس کو نہیں جانتا جس کا شریر ویرج ہے۔ جو ویرج کے اندر رہ کر اس کو قاعدہ میں رکھتا ہے۔ وہ تیرا اندر رہنے والا آتما لافانی ہے۔"
"وہ نہیں سُنی ہوئی کو سُنتا ہے۔ نہ دیکھی ہوئی کو دیکھتا ہے۔ نہ سوچی ہوئی کو سوچتا ہے نہ جانی ہوئی کو جانتا ہے اس کے سوا دیکھنے والا

کوئی نہیں - اس کے سوا سننے والا کوئی نہیں - وہ تیرا لافانی اندر رہنے والا آتما ہے - اس سے جو مختلف ہے - وہ برباد ہو جائیگا"
اس قدر - ایشور - جیو اور پرکرتی کے بارہ میں کہا گیا -

دوسری شاکھا

ایشور جیو پرکرتی (مسلسل)

ایشور کیا ہے؟ جیو کیا ہے؟ پرکرتی کیا ہے؟ ایشور شکتی مان ہے پرکرتی یا مایا اُس کی شکتی ہے - اور جیو اُس ایشور اور مایا کا پُتر ہے - یہ اُن کے باہمی تعلقات ہیں -

ایشور سُگن ہے یا نرگن ہے؟ ایشور سُگُن اور نرگن دونو ہے - رج - تم - ست - یہ تین گُن ہیں - رج میں کریا سکتی ہے - یہ سرگرمی اور کشمکش کی حالت ہے - تم اندھکار ہے - ست گیان و پرکاش ہے - یہ تین گُن ہیں جو پرکرتی میں رہتے ہیں اور چونکہ پرکرتی ایشور کی شکتی کہی گئی ہے - اس لئے وہ ہمیشہ اُس کے آشرے رہتی ہے -

ایشور ایک ہے دو تین خواہ چار نہیں ہے - مگر جب ان صفات ثلاثہ کے خیال سے اُس کی شخصیت کے تین پہلوؤں کو علیحدہ علیحدہ دیکھا جاتا ہے تو وہ تین صورتوں میں نظر آتا ہے - انہیں تین صورتوں کو برہما - وشنو اور مہیش کہتے ہیں - یہ جدا جدا نہیں ہیں - ایک ہی ہیں صرف گنوں کی کمی و بیشی کے لحاظ سے جب اُس پر نگاہ کی جاتی ہے

تب اُس میں فرضی تثلیث قائم ہو جاتی ہے۔ ایشور کی جو فرضی شخصیت دنیا کے پیدا کرنے کا کام کرتی ہے۔ اس کو برہما کہتے ہیں۔ برہما رجوگنی ہے۔ اس میں رجوگن پردہان ہے۔ رجوگن کے پردہانتا کی وجہ سے اس میں سوچ وچار۔ غور و فکر کی اُدہکتا ہے۔ جہاں غور و فکر کی ادہکتا ہوتی ہے۔ وہاں عقلی نظارے زیادہ نظر آتے ہیں۔ اس عقلی کاروبار کے سلسلہ کی وضاحت کا نام وید ہے۔ وید اُس کے لامحدود گیان ہیں۔ سار اکرم کانڈ اُن کے تابع ہے۔ انہیں کے ذریعہ سے ہر چیز کا علم ہوتا ہے۔ دنیا میں تم کو جہاں کہیں عقلی و علمی کاروبار نظر آویں۔ سمجھ لو وہاں وید اپنا ظہور کر رہے ہیں۔ ویدوں کو اسی وجہ سے نِرگُن آتمک وشے کہتے ہیں۔ اسی برہما کو جب پیدا کرنے والا خالق تصور کرتے ہیں۔ تب اُس کو دو حصوں میں فرضی طور پر تسلیم کر لیتے ہیں۔ ایک اُن میں پُرش اور دوسری استری بن جاتی ہے پُرش برہما ہے۔ اور استری خواہ شکتی کو ساوتری کا نام دیا جاتا ہے۔ پیدائش یا اس قسم کے دوسرے کام ایک سے کبھی نہیں ہوتے۔ جب دو مختلف چیزیں ملتی ہیں۔ تب ان کے رلنے ملنے سے تیسری حالت پیدا ہوتی ہے اور اسی تیسری حالت کا نام سرشٹی ہے یہ جو کچھ سرشٹی تم دیکھتے ہو۔ برہما اور ساوتری کے میل سے پیدا ہوئی ہے۔ پرورتی مارگ میں اس میل ملاپ کی قدم قدم پر ضرورت رہتی ہے۔ جب برہما نے ساوتری سے میل کیا۔ تب اُن سے اِس جگت کی اُتپتی ہوئی۔ جس میں نیکی۔ بدی۔ زہر۔ امرت۔ خوبصورتی بدصورتی۔ دُکھ سکھ بھوک۔ پیاس۔ گرمی۔ سردی وغیرہ کا شمول

ہوتا ہے - اور اسی وجہ سے اس کو دوند کہتے ہیں - چونکہ رجبی ورتی ہر چہار طرف دوڑتی ہے - اس لئے برہما کی چار آنکھیں بتائی گئی ہیں -

شیو میں تموگن پردھان ہے - وہ سنسار کا سنگھار کرتا کہلاتا ہے برہما کی طرح شیو بھی دو حصوں میں منقسم کر دیا گیا ہے - کیونکہ یہ ہمیشہ سمجھ لینا چاہئے کہ جہاں کسی طرح کا کام ہو وہاں ہر جگہ دو خصوصیتیں سرگرمی کی حالت میں نظر آوینگی - ایک ان میں سے شیو اور دوسری اُما ہے - اور دونو مل کر سرشٹی میں کاٹ چھانٹ کیا کرتے ہیں - تم اپنے طور پر مساوات پر قائم رہنے کا خواہشمند رہتا ہے - یہ رج کا برودھی ہے - اور دوند کو توڑ پھوڑ کر ایک خاص صورت میں لاتا ہے - اس وجہ سے شیو تین آنکھ والا بتایا گیا ہے - مگر یہ حالت مجہولیت کی ہوتی ہے - جو قابل پسند نہیں مانی گئی -

وشنو میں ستوگن پردھان ہے - وہ سنسار کے پالن پوشن کا کام کرتا ہے - اُس کی شکتی لکشمی کہلاتی ہے - ستوگن آنند اور پرکاش ہے - اس سے سرشٹی کو سہارا ملتا ہے - کیونکہ یہ چیتن سے سمیپ ہوتا ہے - رجوگن کا رخ اونچے کی طرف رہتا ہے - تموگن نیچے کی طرف لیجانے والا ہے - ستوگن برعکس ان کے پھیلنے کا خواہشمند رہتا ہے - اس لئے وہ زیادہ قابل پسند تسلیم کیا گیا ہے - خودی و خود بینی سکھاتا ہے - تموگن پست ہمت بناتا ہے - ستوگن فراخدلی اور وسیع الخیالی بخشتا ہے - خودی میں دکھ ہے پست ہمتی مجہولیت اور بے بسی ہے - ستوگن خوشی اور آنند ہے - کیونکہ خوشی صرف وسیع الخیالی میں ہے -

سرشٹی میں ان تمام گنوں کی ضرورت رہتی ہے - اپنے اپنے درجہ میں سب کو امتیاز اور اہمیت کا رتبہ حاصل ہے - ایک کے دور ہونے سے دو ناکام ہو جاتے ہیں - ان میں سے کوئی کبھی دور یا زائل نہیں ہوتا - ان میں سے تم اور ست میں بعد المشرقین کا فاصلہ ہے - رج ان دونوں کو حرکت میں لاتا ہے اور اگر وہ ایک طرف ست کو جنبش دیتا ہے تو دوسری طرف تم کو بلا دیتا ہے - سرشٹی میں رج درمیانی حالت ہے -

زندہ جاوید والمیکی نے اپنی لاثانی کتاب رامائن میں ان گنوں کی وضاحت استعارہ کی زبان میں اس خوبصورتی کے ساتھ کیا ہے کہ جس کی نظیر اور جگہ نہیں ملتی - رامائن میں رام ستوگن ہیں - بھرت تموگن ہیں - جو کوشلیا اور کیکئی کے بطن سے پیدا ہوئے کوشلیا و کیکئی بالترتیب ست اور تم ہیں - دونوں نکمے رہتے اگر رجوگنی سومترا کے دونو لڑکے لکشمن اور سترہن پیدا ہو کر ان کا ساتھ نہ دیتے - لکشمن رام کے ساتھ رہتے ہیں - سترہن بھرت کے ساتھی بنتے ہیں - اور قدم قدم پر اُن کو متحرک کرتے رہتے ہیں - کوئی بھرت کو تموگن کا روپ سُن کر بُرا نہ مانے - تموگن کی بھگتی بشرطیکہ اس میں رجوگن شامل ہو - حد درجہ کی ایک انگی ہوتی ہے - اس کی نظیر ہم کتے کی محبت میں دیکھتے ہیں - ان کی نسبت کبھی کوئی شخص بھول کر بھی دھوکا نہ کھائے - سرشٹی میں ان کی خصوصیت قابل غور ہے اور جب ہم شیو کو تموگن پردھان بتا چکے ہیں - تو دھوکا کھانے اور برا نتیجہ اخذ کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی +

یہ تین گن ہیں۔ ان تینوں گنوں کے لحاظ سے ایشور سگن کہلاتا ہے اور جب ہم تین گنوں کو نظر انداز کر کے صرف اُس کے چیتن روپ کو دیکھتے ہیں۔ تب اُس کو پرکرتی سے علیحدہ مان کر نرگن کہتے ہیں۔ کیونکہ یہ پرکرتی اصل میں اُس میں کلپت ہے۔ یہ سگن اور نرگن کی مختصر تشریح ہے۔

کیا ایشور میں من بدھی۔ اندریاں وغیرہ بھی ہیں یا نہیں ہیں؟ اس کا جواب نفی اور اثبات دونوں میں دیا جا سکتا ہے۔ سگن خیال سے اس میں سب کچھ ہے۔ کیونکہ اس میں یہ سب نہ ہوتے تو جیو میں جو ایشور کا پُتر اور ایشور کا انش ہے کیسے آتے۔ نرگن کے نقطہ خیال سے اُس میں من بدھی۔ اہنکار۔ گیان۔ اندریاں اور کرم اندریوں کا خیال تک نہیں جاتا۔ اس کا سمجھنا و سمجھانا کسی قدر مشکل ہے۔ اور اس لئے مجبوراً سگن ایشور کو منتہا ئے نظر و انتہائے خیال سمجھنا ہوتا ہے۔ اور ہم بھی یہاں اپنے غور و فکر کو صرف اس تک محدود رکھتے ہیں۔

یہ ایشور سرو گیہ۔ سرو شکتیمان اور سرو انتریامی ہے اُس کی شکتی مایا ہے۔ اور یہ اُسی طرح اُس کے انگ سنگ رہتی ہے۔ جس طرح مکڑی میں جالا بنانے کی قدرتی طاقت حاصل ہوتی ہے۔ مکڑی اپنے جالے کے تار پود کو کہیں اندر سے نہیں لاتی۔ اُس کا ذخیرہ اُس کے اندر ہے۔ اسی طرح مایا یا پرکرتی کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو ایشور سے الگ ہو۔ بلکہ اُس میں اور اُسی کے آشرے ہے اور اُس سے جدا نہیں ہے۔ اور اسی شکتی کی وجہ سے ایشور کو سرو شکتیمان

کہتے ہیں۔ کیونکہ یہ تمام شکتی جو تم کو سنسار میں نظر آتی ہے۔ اُسی کی ہے تم اس شکتی کو ایشور سے کب الگ کر سکتے ہو۔ اصل میں شکتی اور شکتی مان دو جُدا چیزیں نہیں ہیں کہنے سننے میں دو معلوم ہوتی ہیں اور انہیں دونو کے میل سے جو مخلوق پیدا ہوتے ہیں وہ جیو کہلاتے ہیں۔ جیو ایشور کی ستا ہیں۔ وہ ایشور کے انش ہیں اُن کی مشابہت اکثر سمندر اور سمندر کے بوند۔ سورج اور سورج کی کرنوں کے ساتھ دی جاتی ہے۔ یہ جیو انادی اور اننت ہیں۔ ان کے پیدا کرنے کا لفظ بھی نسبتی ہے۔ ورنہ یہ پیدا نہیں ہوتے۔ بلکہ ہمیشہ ایشور میں رہتے ہیں کبھی سرشٹی میں ایسا وقت نہیں آتا۔ جب یہ نہ رہے ہوں اور کبھی ایسا وقت نہ آویگا۔ جب یہ نہ رہینگے۔ جیسے ایشور دائمی ہے پرکرتی دائمی ہے۔ ویسے ہی جیو بھی دائمی ہیں۔ اصل میں نہ یہ پیدا ہوتے ہیں نہ مرتے ہیں۔ جب ایشور اور پرکرتی کے میل سے ان کا ظہور ہوتا ہے اور یہ ستھول شریر میں آتے ہیں۔ تب پیدا شدہ کہلاتے ہیں اور جب ستھول شریر جاتا رہتا ہے ان کی موت مانی جاتی ہے۔ ورنہ سارا برہمانڈ نانا پرکار کے جیوؤں سے پری پورن بھرا ہے۔ اور وہ اپنے کرم کی وجہ سے جو انادی ہے۔ سرشٹی کے سلسلہ میں چکر کھاتے رہتے ہیں۔ یہ اُن کا چکر اُس وقت تک رہتا ہے۔ جب تک اُن کو گیان نہیں ہوتا۔ جب گیان ہو جاتا ہے۔ پھر وہ اپنی ذات اور ایشور کے ساتھ اپنے حیثیت و نسبت کو سمجھ کر اُس میں قائم ہو جاتے ہیں اور پھر مرنے جینے کے کھٹکے سے چھوٹ جاتے ہیں۔ یہ ایشور مایا اور جیو کے باہمی تعلقات ہیں ✦

تیسری شاکھا

ایشور جیو پرکرتی

(مسلسل)

ایشور - جیو - پرکرتی - یہ تین نام ہیں - ظاہراً ان کی ہستی بھی تین ہی معلوم ہوتی ہے اور سوچنے و خیال کرنے میں وہ علیحدہ علیحدہ سمجھے جاتے ہیں - مگر سوال یہ ہے کہ اصلیت کیا ہے۔

جس وقت ہم اپنی نگاہ کھول کر دنیا کو دیکھنے لگتے ہیں - ہم کو ہر جگہ پرکرتی یعنی مادہ ہی کا ظہور نظر آتا ہے۔ زندگیوں کی تمام صورتیں سورج - چاند - ستارے - آسمان - زمین - اور نباتات - حیوانات - سے لیکر سارے انسان مادہ کے ظہور کے سامان اور مختلف حالتیں معلوم ہوتی ہیں - مگر جس وقت دنیا کے سارے کاروبار کو ہم گہری نگاہ سے دیکھنے لگتے ہیں - تو ہم رفتہ رفتہ ایک ایسے نقطہ پر پہنچ جاتے ہیں - جہاں مادہ کی صورت تحلیل ہو جاتی ہے۔ اور وہاں پہنچ کر کسی ایسی حالت کا گمان ہوتا ہے - جو نہایت لطیف ہے - اور معاً ہمارا دل قبول کر لیتا ہے کہ یہی ایک اصلی چیز ہے - جس سے سب کچھ بنا ہے - جو سب میں ہے اور سب کی ابتدا وسط اور انتہا اُسی میں ہے۔

جہانتک انسان کی عقل و سمجھ بوجھ کا تعلق ہے - اُس سے صاف پتہ لگتا ہے کہ قریب قریب ہر زمانہ - ہر قوم - ہر مذہب

اور ہر ملک کے عقیل ودانشمند آدمیوں نے سوچ سمجھ کر یہ نتیجہ نکالا ہے کہ تمام ہستیوں کا سرچشمہ ایک ہے۔ وہ ایک سے زیادہ نہیں ہے۔ انسان میں اختلافات ضرور ہیں۔ اور چونکہ کثیر التعداد آدمیوں کی نگاہ اختلافات کی طرف رجوع رہتی ہے۔ اس لئے وہ فروعات میں پھنس کر لڑتے ہیں۔ لیکن جب اُن کی نگاہ ذرہ اوپر کی طرف مائل ہوجاتی ہے۔ تب وہ اصلیت کا پتہ پاکر اُس عام ہستی کا اقرار کرنے لگتے ہیں۔ ایشور۔ جیو۔ پرکرتی۔ ہستی کے لحاظ سے ایک ہیں۔ کیونکہ اگر اُن کی ہستی علیحدہ علیحدہ مانی گئی تو پھر ان میں سے کوئی مکمل ہستی نہ کہلاویگی اور نہ وہ محیط ہوگی۔

آؤ۔ اور تھوڑی دیر کے لئے غور کرو۔ مختلف خیالات والے۔ غور و فکر کے طبقہ میں کس طرح کام کرتے ہیں۔

مادہ پرستوں کو ہمیشہ سے روح کے اقرار سے انکار رہا ہے مگر وہ بھی اس بات کو مانتے چلے آئے ہیں۔ کہ اصلیت صرف ایک ہے اور وہ مادہ ہے۔ من۔ پراکرم۔ وغیرہ اسی سے پیدا ہوتے ہیں۔ اور اُسی کے کام کرنے کی مختلف حرکتیں ہیں۔ فلسفہ دان گروہ کہتا ہے۔ مادہ اور مادہ کے کام کرنے کی طاقت من سے پیدا ہوتی ہے اور یہ من ایک ہے جو محیط کائنات ہے۔ اسی کو اہل مذہب ایشور کہتے ہیں۔ اور اُس میں طرح طرح کے اوصاف قائم کرتے ہیں۔ شکتی مارگ والے اصل چیز شکتی کو مانتے ہیں اور ہر شے کو اس میں اور اُس سے پیدا شدہ تسلیم کرتے ہیں۔ یہ لوگ اس زمانہ کے نیچر پرست گروہ کے ہمخیال ہیں۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ تمام فلسفہ۔تمام مذہب۔تمام خیالات سے اصلیت کے ایک ہونے کا پتہ ملتا ہے۔اور یہ سب یک زبان ہو کر اقرار کرتے ہیں۔کہ اصلیت ایک ہے۔اور نام روپ کا جگت اُس میں اسی قسم کی حیثیت رکھتا ہے جو حیثیت کہ لہر کو سمندر سے ہے یا کرن کو سورج سے ہے۔یہ ایک ایسا اصول ہے۔جس پر تمام مذاہب اور فلسفہ متفق الرائے ہو جاتے ہیں۔اس ایک کو چاہے تم ایشور کہو۔چاہے برمہ کہو۔چاہے اس میں وصف قائم کرو۔خواہ نہ کرو۔یہ تم کو اختیار ہے۔مگر وہ ایک ہے دو۔تین۔یا چار نہیں ہے۔

یہی ایک سب میں محیط ہے۔اور کائنات کی تمام صورتوں میں یہ رما ہوا نظر آتا ہے۔

یہاں اس قسم کا اعتراض کیا جاتا ہے کہ "شخصی ایشور کی تعلیم دینے والے اس خیال کے مخالف ہیں۔وہ ایشور کو ایک کاریگر سمجھتے ہیں۔جس کو کاریگری کے سامان کی ضرورت ہے۔اور جو اپنی صفت کے کاروبار کو بنا کر مثل دنیاوی کاریگر کے اس سے علیحدہ ہو جاتا ہے"۔مگر اس اعتراض کی یہاں گنجایش نہیں ہے اگر ایشور محیط ہے تو وہ روم روم میں محیط ہوگا۔وہ اپنی صفت کے سامان کہیں باہر سے نہیں لاتا۔بلکہ اپنے ہی اندر سے لاتا ہے۔اور یہ جو کچھ پرکرتی۔پران اور من ہیں۔سب اسی سے ہیں۔اُسی میں ہیں۔اور اُسی کے ہیں۔اور یہ بات اُس وقت تک نہیں ہو سکتی۔جب تک ایک عام زندگی محیط کل ہو کر کام نہ کرے

مادہ پرست مادہ کو لاتحد - لامحدود اور محیط کُل مانتے ہیں - مگر مادہ کی جو تعریف کی جاتی ہے - وہ مادہ میں نہیں پائی جاتی - سرشٹی کا کام کسی قانون کے ماتحت نظر آتا ہے - اور یہ قانون اس وقت تک نہیں ہو سکتا - جب تک کسی مَن نے اُس کو وضع نہ کیا ہو یہ مَن اُس قانون سے اونچا رہیگا - اب جہانتک - مادہ اور من کی حالت پر غور کیا جاتا ہے - اُن میں ہر لمحہ تغیر و تبدیلی پائی جاتی ہے - اس لئے مذہب و فلسفہ کے جاننے والوں نے یہ تعلیم دی ہے کہ یہ سب حالتیں ایسے وجود کے ماتحت ہیں - جس میں تبدیلی نہیں ہے - اور وہ سب کے پس پشت ہے - اسی کو برہمہ کہا گیا ہے - اور وہ اپنے خواص سے محیط ہے - اس کا نہ کوئی نام ہے نہ روپ ہے - یہ سب کا جوہر ہے - اور جو کچھ ہے - یہی ہے - اس کو تم جس نام سے چاہو موسوم کرو - جیسی تمہاری سمجھ ہے ویسا سمجھ لو" وہ ایک ہے - اور گیانی اُس کو مختلف ناموں سے یاد کرتے ہیں -

تمہارے اپنے جسم میں مَن - بدھی - اندریاں - سب کچھ ہیں مگر ان سب کے پس پشت تمہارا آتما ہے - من - بدھی - اندریاں سب چل ہیں - مگر تمہارا اپنا آتما اچل ہے - وہ آتما ان سب میں ہے - یہ سب بغیر آتما کے نہیں رہ سکتیں - یہ سب آتما ہی کے ظہور کے سامان ہیں - مگر تم ان کو آتما نہیں کہتے - کیونکہ آتما تغیر و تبدل کے ہلبلہ سے اونچا ہے - تاہم یہ سب اُسی سے ہیں - اُسی طرح اس برہمہ کا حال ہے - وہ اَچل ہے - اَجر ہے - اُمر ہے -

اُس کی سمجھ کسی کو نہیں آتی۔ اس لئے گیانی "نیتی" "نیتی" کہتے ہوئے اُس کے سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

یہی برہم سب کچھ ہے۔ یہی سب کا اصلی سبب۔ اور علت اولی ہے۔ اس کا اور کوئی کارن نہیں۔ کارن کا کارن ماننا نادانی ہے۔ اُس میں موت اور زوال نہیں ہے۔ اس لئے وہ دائمی ہے۔

دائمیت کا مضمون اس قسم کا مشکل معمہ ہے۔ جو سمجھ میں کم آتا ہے۔ ہم سب لوگ چونکہ ایسے طبقہ میں رہتے ہیں۔ جہاں کال۔ کارن اور کارج یعنی زمان۔ علت و معلول کے مناظر پیش نگاہ رہتے ہیں۔ اس لئے ہماری نگاہ ان سے آگے نہیں جاتی۔ یہ سب علت و معلول صرف نسبتی الفاظ ہیں۔ نسبتی اصطلاحات اُن کو کہتے ہیں۔ جو کسی خالص حالت یا شے کی نسبت سے استعمال کئے جاتے ہیں۔ اصل میں وہ بھی کچھ نہیں ہوتے۔ اسی طرح جگت کی اُتپتی۔ استتھی اور پرلے کی بابت بھی صرف نسبتی نقطہ نگاہ سے گفتگو کی جاتی ہے۔ ورنہ اصل میں ان کی اصلیت کچھ نہیں ہے۔ جزو کی حالت پر غور کرنے سے یہ مناظر دکھائی دیتے۔ اگر کل پر نگاہ ڈالی جائے تو پھر یہ کہیں نہ رہینگے۔ چونکہ تم جزو کو دیکھتے ہو۔ اس لئے ان مناظر پر نگاہ جاتی ہے۔ ہمارے چاروں طرف علت معلول اور کارن کارج کے تماشے ہوا کرتے ہیں اور اس لئے بدھی اپنے آپ کو ان میں محدود رکھنے کی عادی ہو گئی ہے۔ اور اُس کو اس کی سمجھ نہیں آتی۔

انسان اگر ذرہ بھی دلیں۔ کال اور نمت کے محدود دائرہ سے باہر نکلنے کی کوشش کرے۔ تب اُس کو اصلیت کا انبھو ہونے لگیگا۔

لیکن گیا یہ وقت کوئی اصلی چیز ہے؟ وقت یا کال اصل میں کچھ نہیں ہے۔ اُس کی ہستی صرف ہمارے خیال میں ہے۔ اور ارد گرد کی تبدیلیوں میں اس کا پتہ لگتا ہے۔ کیونکہ اگر یہ تبدیلیاں نظر نہ آویں تو پھر کال کی کوئی حیثیت نہیں رہتی۔ یوں نہ دیکھو۔ جب ہم خوش رہتے ہیں وقت کا پتہ بھی نہیں رہتا کہ کب آیا اور کب چلا گیا۔ لیکن ابھی ذرہ دکھ درد ادر غیر دلچسپی کے سامان پیدا ہو جانے دو۔ ایک ایک لمحہ برس برس معلوم ہوگا۔ اور بارہ گھنٹے کی رات پہاڑ ہو جائیگی۔ یہ جو تم اپنی سو برس کی زندگی ٹھہراتے ہو۔ یہ اصل میں کیا ہے؟ میں ایک لمحہ کے لئے خواب میں گیا۔ سینکڑوں تماشے دیکھ ڈالے۔ برسوں کی مسافت دم کے دم میں طے کر لی۔ سینکڑوں قسم کے تجربے حاصل کر لئے۔ آنکھ کھلی۔ ابھی مشکل سے ایک لمحہ بھی نہیں گزرا۔ بتاؤ۔ وقت کہاں رہا۔ جو لوگ مصروفیت کی زندگی بسر کرتے ہیں۔ اُن کے لئے کال نہیں رہتا۔ کال صرف ہمارے اور تمہارے داغ کا مخلوق ہے۔ کال وہاں نہیں ہے۔ جہاں دائمیت اور برہمہ کا سوال ہے +

یہی حال دیس کا ہے۔ فاصلہ بعد۔ دوری یہ سب بھی نسبتی لفظ ہیں۔ اور ایک دوسرے کی نسبت سے استعمال میں آتے ہیں۔ دو چیزیں کے درمیان کوئی چیز نہیں ہے اور اسی کو ہم فاصلہ کہتے ہیں اور اس کو اپنے فرضی۔ پیمانہ۔ گز وغیرہ سے ناپتے ہیں۔ لیکن اگر غور کیجئے تو دیس یا وسعت کی ہستی کہاں ہے۔ جہاں لامحدود کا خیال ہوتا ہے۔ وہاں اس وسعت کا پتہ بھی نہیں رہتا۔ یہ بھی محض ہمارے دماغ میں رہتا ہے۔ اصل میں کچھ نہیں ہے چھوٹے بڑے قد و قامت

گا اندازہ بھی صرف نسبتی اصطلاح ہے۔ اور وہ صرف خارجی دنیا میں خارجی اشیاء کے لحاظ سے استعمال ہوتی ہے۔

ہمت یا سامان بھی ایسے ہی ہیں۔ یہ سب بھی برہمہ کے اندر ہی اندر ہیں۔ اس سنسار کی نہ ابتدا ہے نہ انتہا ہے۔ اور اس کا تمام کاروبار اُسی کے اندر ہوتا ہے۔

الغرض ہماری تمیز اور ادراک کا دائرہ صرف محدود طبقہ کے اندر اندر ہوتا ہے۔ اگر ہم نظر کو ذرا اونچی کر کے دیکھنے لگیں۔ تو پھر کسی قدر اصلیت کا انبھو ہونے لگتا ہے۔

سوال کیا جائیگا کہ آخر یہ رچنا جو ہم کو نظر آرہی ہے کیا ہے؟ جواب مشکل ہے اور اس وجہ سے اُس کی سنجیدگی اور زیادہ بڑھ جاتی ہے۔ کہ لوگ ہر بات کو اپنے اردگرد کے سامان سے ملا کر دیکھنے اور نتیجہ نکالنے کے شائق رہتے ہیں۔ تاہم لوگ بغیر کیے ہوئے نہیں رہتے۔ اور جنہوں نے اس پر وچار کیا ہے۔ اُن کا کلام ہے کہ یہ جگت برہمہ کے سنکلپ سے پیدا ہوتا ہے۔ یہ سنسار جو نظر آرہا ہے۔ سنکلپ ماتر ہے۔ یہ سنکلپ برہمہ میں اُٹھا۔ اور جگت بن گیا یہ کہیں باہر نہیں بنا۔ بلکہ اُس کے اندر بنا۔ جیسے رات کے وقت تم خواب میں ہزاروں قسم کے تماشے دیکھتے ہو۔ اُن تماشوں کی ابتدا وسط اور انتہا تم میں ہوتی ہے۔ اسی طرح اُن کے سنکلپ میں بھی اُتپتی استتھتی اور پرلے ہوتا ہے۔ ہم تم اور سب سنکلپ ماتر ہی ہیں۔ اس سے تم یہ نتیجہ نہ نکالنا کہ چونکہ خیال اصل میں [illegible] نہیں ہوتا۔ اس لئے ہم بھی خیالی صورت ہونے کی وجہ سے کچھ نہیں ہیں۔ نہیں۔ ایسا

نہیں ہے۔ خیال بھی اپنی ہستی رکھتا ہے اور خاص کر ایشور کا خیال متھیا نہیں ہوتا۔ چونکہ وہ ست ہے۔ اس لئے اُس کا سنکلپ بھی ست ہے اور تم اُس کے اس معنے میں انش ہو کیونکہ خیال کبھی صاحب خیال سے علیحدہ نہیں مانا گیا ہے۔ اور اسی وجہ سے اس خارجی دنیا میں عام طور پر کہا جاتا ہے۔ کہ جیو ایشور کا اُسی طرح انش ہے۔ جیسے سورج کے انش اُس کی کرنیں اور سمندر کے انش اُس کی لہریں اور اُس کے قطرے ہیں لفظوں میں نہ اٹکو۔ صرف اصل مراد کو سمجھو۔ تمہاری ہستی اصلیت ہے۔ تمہارا تعلق ذات پاک سے ہے۔ تم برہم سے جدا نہیں ہو۔ تم سے میں سچ سچ کہتا ہوں۔ جس طرح جلتی ہوئی آگ سے چنگاریاں نکلا کرتی ہیں۔ اُسی طرح تم بھی لاوانیت کے آتشکدہ کی چنگاری ہو۔ یہ نہ سمجھو۔ تم حصّوں میں منقسم ہو گئے اور وہ برہم ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔ نہیں وہ لاتیجزا ہے۔ وہ لامنقسم ہے۔ اور اسی وجہ سے یاگیہ ولکیہ نے اس طرح کہا ہے " اے میتریئی۔ جیسے گیلی لکڑی میں آگ لگنے سے دھواں۔ چنگاریاں وغیرہ مختلف قسم کی چیزیں پیدا ہوتی ہیں۔ اُسی طرح اُس مہاں آتما کے سانس۔ رگ وید۔ یجر وید۔ سام وید اتھروید۔ اتہاس۔ پوران۔ ودیا۔ سلوک۔ سوتر۔ انو ویاکھیہ منتر وغیرہ اُس کے سانس ہیں " سب کی پیدائش اُس سے ہے ؂

اس اپار۔ اننت۔ اور ادوتیہ برہم کو انسانی عقل کے پیمانہ سے ماپنا سخت نادانی ہوگی۔ کیونکہ اُس کا سمجھ میں آنا غیر ممکن ہے اُس کے خیال کرنے ہی سے عقل چکر کھانے لگتی ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ اُپنشد کار دل سے بار بار اپنے اندر دیکھنے کی ہدایت

کی ہے۔ جو کوئی اپنے آتما کو سمجھ لیتا ہے۔ اُس کو برہمہ کا انبھو ہوتا ہے۔

یہ برہمہ اپنی لایزالی ہستی کے ذریعہ سب جگہ ویاپک ہے۔ وہ ہاتھی سے لیکر چیونٹی تک۔ پہاڑ سے لے کر گھاس کے تنکے تک۔ برہمہ سے لے کر رینگتے ہوئے کیڑے تک میں موجود ہے۔ مگر تم ہاتھی۔ چیونٹی۔ پہاڑ۔ گھاس۔ برہمہ اور کیڑے کو برہمہ نہیں کہہ سکتے۔ کیونکہ برہمہ میں جزو کا امکان نہیں۔ اور یہ سب جزو ہیں۔ تاہم کل ہونے سے وہ پرانوں کا پران۔ منوں کا من۔ اور جانوں کی جان ہے۔ اُس سے کوئی خالی نہیں ہے۔ وہی اصلیت ہے۔ وہی اصلی ہستی ہے۔ وہ ہم سے بہت نزدیک ہے اور ساتھ ہی دور بھی ہے۔ وہ سب کچھ کرتا ہے۔ پھر کچھ نہیں کرتا۔ کیونکہ وہ کرم کے طلبقہ سے پرے ہے۔

ممکن ہے تم کہو۔ اگر برہمہ کی ذات کوئی چیز ہے تو وہ بہت بڑی بیدرد ہوگی۔ مگر یہ خیال غلط ہے۔ وہ درد۔ بیدردی۔ اور ہمدردی کا خیال ہی نہیں جانتا۔ اُس کا کام نقص سے خالی ہے۔ جو کچھ ہو رہا ہے۔ اچھا ہی ہو رہا ہے وہ مکمل ہے۔ اس کا کام بھی مکمل ہے۔ اُس میں نقص کا امکان نہیں ہے اور جب نقص نہیں ہے تو وہ لوگ جو اُس کی جگت کے سدھار و اپکار کی کوشش میں لگے ہوئے اپنی انانیت اور اہم بھاو سے کام لے رہے ہیں۔ کیسے نادان ہونگے! شیوجی مہاراج کا قول ہے۔

چاہے کین کراوے موئی یہ گت ادما جان کوئی کوئی

کیا اندھیر کی بات ہے - ہم اس میں رہتے ہیں - اس کے ہیں اور اُس سے ہیں - مگر اُس کو نہیں جانتے - " بغل میں لڑکا شہر میں ڈھنڈھورا "

جو کچھ ہے برہمہ ہی برہمہ ہے - پرکرتی اور جیو - اُس کے سنکلپ کی صورتیں ہیں - اسی برہمہ کو شخصیت کے لحاظ سے لوگ ایشور کہتے ہیں - مگر برہمہ وہ وجود ہے - جس میں شخصیت کا امکان نہیں ہے -

چوتھی شاکھا

مچھلی و سمندر
پرندہ و ہوا - گل و گلشن
انسان و خدا

مچھلیاں پوچھتی ہیں مجھ سے سمندر کیا ہے ؎ باہر اس بحر کے کیا چیز ہے اندر کیا ہے
ہم نے دیکھا نہیں ہاں نام سنا ہے بیشک ؎ دید کا شوق ہے پر دیکھئے دیکھیں کب تک
کہتے ہیں بحر کی ہے لامتناہی وسعت ؎ انتہا جب نہیں تو ہووےگی کیا ہی وسعت
اس میں طوفان جب آتا ہے بہت شور کے ساتھ ؎ تو اٹھا کرتی ہیں امواج بہت زور کے ساتھ
جب فرو ہو گئی طوفان کی شورش تو کہاں ؎ جھاگ اور لجہ وگرداب و تلاطم کا نشان
پھر مصفا و مسکن ہے وہی بحر ایسا ؎ کہ اسے دیکھ کے حیرت میں رہے آئینہ

ایک ہی چیز کے دو حال مخالف اس طرح
ہمیں لِللہ بتاؤ کوئی سمجھیں کس طرح

پوچھتے مجھ سے ہیں طائر کہ ہوا ہے کیا چیز ؎ متحرک ہے کہ ساکن ہے نہیں ہم کو تمیز

نام سنتے ہیں بہت پر نہیں دیکھا ہم نے ایسا کب دیکھا کسی چیز کا لیکھا ہم نے
کہتے ہیں گرد بادی کا ہے پھیلاؤ بہت دیکھنے کا ہمیں کس طرح نہ ہو چاؤ بہت
کبھی آندھی میں ہوا گرد سے اٹ جاتی ہے کبھی بارش سے وہ مرطوب نظر آتی ہے
لیک جب لوٹ آپادھی کی ہوئی دور اس سے وہ ہے بے لوث ہر ایک چیز ہے بھرپور اس سے
اس میں عالم کا قیام اس میں جہاں کا ہے قیام کیا ہی حیرت کی ہے جا کیا ہی تعجب کا مقام

سب اسی میں ہیں مگر بھید کسی کو نہ ملا
ہمیں للہ بتاؤ کوئی کیا شے ہے ہوا

مجھ سے گل پوچھتے ہیں باغ میں گلشن کیا ہے دید گلزار کا برسوں سے ہمیں سودا ہے
نام گلزار بہت ہم نے سنا کانوں سے شوق کہتا ہے کہ دیکھیں کبھی اُسے آنکھوں سے
سنتے رہتے ہیں کہ گلشن کی نرالی ہے فضا سنتے رہتے ہیں نرالی ہے گلستاں کی ہوا
غنچۂ خاطرِ افسردہ وہاں کھلتا ہے جس طرح یار سے یار آ کے کوئی ملتا ہے
وہاں آتا ہے طبیعت میں سکوں اور تسکیں وہاں جا کر کوئی رہنے نہیں پاتا غمگیں
جس جگہ غم کا نہ ہو نام وہ جا اچھی ہے واں کی اچھی ہے ہوا اور فضا اچھی ہے

ہم بھی مشتاق ہیں گلزار کا منظر دیکھیں
ہمیں للہ بتاؤ کوئی کیونکر دیکھیں

آدمی پوچھتا ہے مجھ سے خدا کیا شے ہے عمر برباد گئی ہم نے نہ جانا ہے ہے
ہم ہیں انسان ضعیف اور وہ اللہ قدیر قادرِ مطلق و خلاق و خبیر اور بصیر
ذات نوری ہے وہ انسان ہے کیا مشتِ خاک ہم گنہگار ہیں ناپاک ہیں اور وہ ہے پاک
وہ ہے نور اور سرشت اپنی تو آب و گل ہے ہمیں دیدار الٰہی ہو بہت مشکل ہے
گو بہت دیکھے مناظر و مرایا ہم نے سرِ حق چیز ہے وہ کھوج نہ پایا ہم نے
ہم کو آنکھیں وہ ملی ہیں کہ زمیں پر دیکھ سکیں ہائے وہ آنکھ کہاں عرش بریں پر دیکھیں

کس طرح ملتا ہے حق اور کہاں ملتا ہے
ہمیں للٰلہ بتاؤ وہ جہاں ملتا ہے

چشم بینا پہ ہے کیا پردۂ غفلت طاری | کیا سوالات جہالت میں زباں پر جاری
مجھے سن سن کے ہنسی آتی ہے اللہ اللہ | واہ کیا بات ہے کیا بات ہے کیا بات ہے واہ
مچھلیاں بحر میں ہیں بحر سے آگاہ نہیں | گو ہوا میں ہیں طیور انکو ملی راہ نہیں
گل میں گلزار ہیں پر ہے انہیں گلزار کی چاہ | اور انسان کو اللہ کے دیدار کی چاہ
جس خدا کی تجھے رہتی ہے شب و روز تلاش | وہ جدا تجھ سے کبھی بھی نہیں اے نیک معاش
ہے پس و پیش وہی اور چپ و راس وہی | دور ہر گز نہیں ہر دم ہے ترے پاس وہی

دور و نزدیک کا لاؤ نہ طبیعت میں خیال
ہر وہ دور ہے کب کیسی جدائی و وصال — سورج نرائن مہر

پانچویں شاکھا

دھرم
ادھرم
دھرما دھرم

ایک مرتبہ کا ذکر ہے۔ جب مہابھارت کی لڑائی میں کرن نے یودھشٹر کی فوج کو سخت پریشان کر دیا۔ اور ارجن نے اُس کے مغلوب کرنے میں غفلت کی۔ یودھشٹر کو غصہ آیا۔ اور اُس نے نہ صرف ارجن کو سخت سُست کہا۔ بلکہ اُس کے تیر و کمان کی مذمت کی ارجن نے اسی وقت اپنے کمان کو حرکت دی۔ کرشن بھگوان موجود تھے۔ پوچھا۔ کہو ارجن! کیا ارادہ ہے۔ اُس نے کہا "مہاراج

دھرم کے نام پر میں آج یودھشٹر کو ہلاک کرونگا۔ ان کو سخت حیرت ہوئی۔ سوال کیا۔ اس سے دھرم ادھرم کا کیا تعلق ہے؟ ارجن نے جواب دیا "میں نے قسم کھائی تھی کہ جو شخص میری کمان کو گالیاں دیگا۔ میں اس کو مارے بغیر نہ چھوڑونگا۔ یہ ایک کشتری کا عہد ہے اور سچ پر قائم رہنا۔ قول کو پورا کرنا دھرم ہے۔" کرشن بھگوان قہقہ مار کر ہنسے۔ ساری دنیا رات دن دھرم دھرم کہہ کر چلاتی رہتی ہے۔ لیکن سو میں ایک آدمی بھی ایسا نظر نہیں آتا۔ جو دھرم کی اصلیت کو جانتا ہو۔" ارجن کو سخت حیرت ہوئی۔ پوچھنے لگا۔ بھگوان! کیا سچ پر قائم رہنا دھرم نہیں ہے؟ آپ نے جواب دیا "میں نے کب کہا کہ کوئی سچ نہ بولے یا سچ کی تعظیم نہ کرے۔ مگر اے ارجن! دھرم صرف اتنے ہی میں نہیں ہے وہ کچھ اور بھی ہے۔ بھلا بتا تو سہی۔ کیا یودھشٹر کو مار کر تو دھرماتما کہلائیگا؟" ارجن کو سخت پیچتاب ہوا۔ کہنے لگا "بھگوان! میں نے قسم کھائی تھی کہ کمان کو برا بھلا کہنے والے کو قتل کرونگا۔ اب میں کیا کروں؟" کرشن جی نے کہا "یودھشٹر کو دو چار برے کلمہ سنادے۔ بڑوں کو برے کلمہ کہنا ان کا مارنا ہے۔" اور ارجن نے ایسا ہی کیا۔

بھگوان کا فرمانا غلط نہیں ہے۔ صحیح ہے۔ ہزاروں میں کوئی شاذ آدمی نظر آویگا۔ جو دھرم کی اصلیت کو سمجھتا ہو۔ ورنہ سب یوں ہی بغیر سمجھے ہوئے لکیر کو پیٹ رہے ہیں۔

دھرم ایک سنسکرت لفظ ہے جس کا ترجمہ کسی اور زبان میں کرنا مشکل ہے۔ کیونکہ اصل میں دنیا کے اور کسی زبان میں اس کا مرادف لفظ نہیں ہے۔ عام طور پر دھرم کے معنی ہیں۔ قانون۔ نیکی

فرض۔ راستبازی وغیرہ وغیرہ ۔ مگر یہ سب لفظ وضاحت کے ساتھ اس مراد کو ظاہر نہیں کرتے جو دھرم سے مخصوص ہے۔ اپنے طور پر اُس کی تشریح کسی حد تک اس طرح کی جاسکتی ہے "لوک اور پرلوک کے سُدھارک کام جو خاص خاص روح کو اُس کی ضروریات کے موافق اس کو روحانی ترقی کا موقع دیتے ہیں۔ اور جن کی وجہ سے آتما کو اپنے اصلی جلال اور آب وتاب میں چمکنے کا موقع ہاتھ آتا ہے۔ دھرم کہلاتے ہیں۔" کچھ کچھ ان لفظوں سے دھرم کی وضاحت ہوگی۔ لیکن سوال کیا جاسکیگا۔ کہ یہ تو مفرد روح کی بابت دھرم کی تشریح ہے۔ سوسائٹی اور مجلس کا بھی کچھ دھرم ہُوا کرتا ہے یا نہیں اس کی بابت کیا کہا جاسکیگا اس کا جواب بھی وہی ہے۔ جو اوپر دیا گیا ہے۔ یعنی" جو کام خاص خاص سوسائٹی یا جماعت کو اس کے اپنے ضروریات کے موافق روحانی ترقی کا موقع دیتے ہیں۔ اور جن کی وجہ سے اس کے آتماؤں کو اپنے اصلی جلال وآب وتاب میں چمکنے کا موقع ملتا ہے۔ دھرم کہے جاسکتے ہیں"۔ بات ایک ہے۔ اس کو جس طرح چاہو سمجھ لو۔ اچھے۔ مناسب اور نیک کاموں کا کرنا دھرم ہے۔

مگر پھر سوال کیا جائیگا۔ کہ نیک اور بُرے کام کی تمیز کیسے آوے؟ جس کام کو ایک شخص نیک کہتا ہے۔ اُسی کو دوسرا بُرا کہتا ہے۔ جو جو فعل کسی خاص ملک یا خاص سوسائٹی میں اچھا باور کیا جاتا ہے وہ دوسرے ملک اور دوسری سوسائٹی میں معیوب تصور کیا جاتا ہے اس کے سوا دنیا میں ایسے آدمی بھی ملتے ہیں۔ جو ہر کام کو اچھا سمجھتے ہیں۔ اور اچھا کہتے رہتے ہیں۔ اُن کا عقیدہ ہے۔ جو کچھ ہو رہا ہے۔ اچھا

ہو رہا ہے۔ چونکہ سارا کام پرماتما کی طرف سے ہو رہا ہے۔ اس لئے اس میں کہیں بھی برائی نہیں ہے ان سب باتوں سے ایک قسم کی پریشانی ہوتی ہے اور حقیقت کے سمجھنے میں دقت حایل ہوتی ہے۔ اگر ایک کی بات کو صحیح تسلیم کرلیں۔ تو دوسرے کی غلط ثابت ہوتی ہے۔ مثلاً شیر اپنی قدرتی عادات کی وجہ سے اور جانوروں کا گوشت کھاتا ہے۔ کیا ایسی حالت میں انسان کو بھی قدرتی فعل اور قدرتی خواہش کے سلسلہ کو سمجھ کر گوشت کھانا چاہئے۔ غرضیکہ یہ سوال کچھ اس قدر پیچیدہ ہے۔ جس کا سلجھانا دشوار ہے۔

دھرم کے سوال کی وضاحت کئی طریقوں پر ہوتی ہے۔ اوّل ویدوں سے دوسرے اپنے ضمیر کی آواز سے تیسرے اخلاق کے اصول پر چلنے سے۔ چوتھے انسان یا سوسائٹی کی مجموعی ہیئت کی نگاہ سے نفع اور نقصان پر غور کرنے سے۔

ان سب میں سچائی ہے۔ اس میں ذرہ بھی کلام نہیں۔ یہ سب دھرم کے سمجھانے میں مددگار ہوتے ہیں۔ مگر یہ عام طور پر دیکھا جاتا ہے۔ کہ ان تمام باتوں میں عامۂ خلائق کا اتفاق نہیں ہے۔

مثلاً جن کا ویدوں کی تعلیم پر وشواس ہے۔ اُن پر یہ اعتراض کیا جا سکتا ہے۔ کہ کیا ویدوں کی تاویل و تفسیر میں خود غرض پوجاریوں کے حوصلوں۔ اور خواہشات کے عکس کا شمول نہیں ہے؟ ممکن ہے الہام صحیح ہو۔ لیکن اس میں خلط بیجا اور غلط تاویل کا خوف رہتا ہے۔ اسی طرح جو لوگ ضمیر کی آواز کے قایل ہیں۔ اور اپنے ضمیر کی آواز کو ایشور کی آواز سمجھ کر اُس پر چلنا دھرم بتاتے ہیں۔ اُن پر بھی نکتہ چینی

کی جاسکتی ہے۔ تیسرا یہ خیال کہ جس کام میں بہت سے آدمیوں کا فائدہ اور ایک آدھ آدمیوں کا نقصان ہو۔ وہ دھرم ہے۔ زیادہ مغالطہ پیدا کرنے والا ہے۔ آپ دیکھتے ہیں۔ انسان کا کوئی کام مکمل نہیں ہے نہ اُس کا قانون مکمل ہے۔ پھر محض اُس کے بنائے ہوئے ضابطہ پر امنّا صدقنا کہنا کیا بیجا و بیہودہ بات نہ ہوگی۔

جو کچھ اعتراض کئے جاتے ہیں۔ وہ سب کے سب غلط نہیں ہیں۔ اُن میں سچائی بھی ہے اور غلط فہمی بھی ہے۔ نہ سب کے سب غلط ہی ہیں نہ سب کے سب صحیح ہیں۔ الہام کے کام کی تاویل کی غلطی کا ہونا ایک مسلّمہ بات ہے۔ ضمیر کی آواز میں انسان کی عادات تعلیم اور سمجھ بوجھ کے شمول سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ زیادہ آدمیوں کے نفع پہنچانے کا اصول صرف ایسے آدمیوں سے تعلق رکھتا ہے۔ جن کے عقلی قوے مکمل ہیں۔ وہ تمام طبائع کی پابندی کے قاعدے نہیں ہوسکتے۔ ایسی حالت میں کیا کرنا چاہئے کس طرح دھرم کی سمجھ پیدا کرنی چاہئے۔ یہ سوال ہے۔ جس کا جواب دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔

مہابھارت میں ایک جگہ یکش نے یودھشٹر سے یہی سوال کئے تھے۔ جس کا جواب یودھشٹر نے اس طرح دیا تھا "شرتی اور سمرتی کا آپس میں میل نہیں ہے۔ رشی بہت سی باتوں میں متفق الرائے نہیں ہیں۔ دھرم کا تتو اس طرح کا مشکل اور دقت طلب مضمون ہے جس کی بابت کچھ کہا نہیں جاسکتا۔ اس لئے اے یکش! جس راہ پر بڑے بڑے آدمی چلے ہیں۔ وہی دھرم ہے"۔ یکش اس جواب سے

مطمئن ہوگیا۔ ممکن ہے کہ اس سیدھے سادھے مگر سچے جواب میں دھرم کے اطمینان کا سامان رہا ہو۔ مگر آج کل کی بال کی کھال نکالنے والی طبیعتوں کو شاید یہ تشفی و تسکین نہ دے سکے اور ہم اُسی پر غور کرینگے۔

یودھشٹر کہتے ہیں "جس راہ پر بڑے لوگ چلے ہیں۔ وہی دھرم ہے"۔ بڑوں سے یہ مراد نہیں ہے کہ جو عمر کے لحاظ سے۔ قدامت کے لحاظ سے خواہ رتبہ و دولت کے لحاظ سے بڑے تھے۔ بلکہ بڑے وہ کہلاتے ہیں۔ جن کے عقلی قوے بہ مقابلہ اور انسان کے زیادہ نشو و نما یافتہ تھے۔ جو اصلیت کو جانتے تھے۔ اور خود اصلیت کی راہ پر چلتے تھے۔ ان میں سے بہتیرے تو وہ ہیں جو مریادا پرشوتم ہیں۔ دوسرے وہ ہیں جو دھرم کی سکشا دیتے تھے۔ مریادا پرشوتم کی زندگی ہی بہت بڑا سبق ہے۔ رامائن اور مہابھارت کے سلسلہ میں شری رامچندر اور شری کرشن چندر کے کارنامے دھرم کے کارنامے اور دھرم کے واقعات ہیں۔ ان پر غور کرنے سے اصلیت کا پتہ لگتا ہے اور جو لوگ ان پاک زندگیوں کو اپنی تاریک راہ کا مشعل بنائینگے ان کو حقیقت کے سمجھنے میں دقت نہ ہوگی۔ وہ دھرم کے اصلی تتو کو پا جائینگے۔ اور اس سے روشنی پاکر ضرورت مصلحت۔ اور مقتضاء وقت کو سمجھ کر دھرم کے معاملہ میں سچا فتوے دے سکینگے اور اُن کا فیصلہ صحیح ہوگا۔

سوامی شنکراچاریہ جی ویدانت کی تعلیم کے سلسلہ میں ایک جگہ فرماتے ہیں۔ جس تعلیم میں (۱) شروتی کا (۲) گورو کا۔ اور (۳) تمہارے اپنے انبھو کا میل ہو۔ اُس کو قبول کرو۔ باقی اوروں کو چھوڑ دو۔ اور اُن کو اس وقت تک قابل غور بنا رکھو۔ جب تک اُن پر عبور نہ ہو" اور دیکھئے

اس پاک - دلپسند اور قابل پذیرائی تعلیم کے سلسلہ میں کس قدر سچائی سے کام لیا گیا ہے۔

الہام یا شروتی کی عزت ہر شخص کے دل میں ہے مگر نہیں کہا جا سکتا کہ وہ پوجاریوں کے خلط بیجا سے محفوظ ہے - اس لئے تم کو بغور دیکھنا چاہئے کہ آیا شروتی کا جو مضمون ہے - وہ تمہارے گورو کی تعلیم سے ملتا ہے یا نہیں اور آیا تمہارا دل بھی اس کو قبول کرتا ہے یا نہیں - اگر تینوں باہمدگر متفق ہیں - تو اُس کو قبول کرو - اگر اختلاف ہے - تو اس کو چھوڑ دو - شروتی کا تمام و کمال مضمون ایسا نہیں ہے جس پر ہر شخص کو عبور ہو سکے - اس لئے اپنے دل کو ناحق کے پیچ و تاب میں کیوں پریشان کرتے ہو - صرف اُن باتوں کو قبول کرو جس میں سب کا اتفاق ہے - کرشن بھگوان ایسا ہی کیا کرتے تھے - اور اسی وجہ سے اُنہوں نے ارجن کو فرمایا تھا کہ نادان آدمی دھرم دھرم کرتے رہتے ہیں - مگر ہزاروں میں سے کسی کو بھی دھرم کی سمجھ نہیں ہوتی - جو دھرم کے جاننے والے ہوتے ہیں - وہ تینوں کال کو سمجھ کر تب نتیجہ نکالتے ہیں اور اس کے موافق کام کرتے ہیں - اور اسی وجہ سے دھرم کی سمجھ مشکل کر مانی گئی ہے - ویدوں کی بہت سی باتیں ایسی ہیں - جو کسی خاص زمانہ کے لئے مخصوص تھیں - اب نہیں ہیں - بہت ایسی باتیں ہیں جو آگے چل کر ظاہر ہونگی - پس تم کو کس طرح ان کے سمجھنے کا دعوےٰ ہو سکتا ہے - تمہارا تعلق تو دھرم کے سمجھنے کا صرف وہاں تک ہے - جہاں تک تمہاری روح کے خلاف اثر گئے ہیں - اور بس -

الہام۔ ضمیر کی آواز۔ اور زیادہ آدمیوں کے نفع پہنچانے کے اصول کی پابندی۔ تینوں ضروری۔ تینوں مفید اور تینوں کارآمد ہیں۔ مگر ان کے کسنے کی کسوٹی وہ ہے۔ جو سوامی شنکراچاریہ نے تم کو دی ہے۔ اور جس کا اوپر ذکر آگیا ہے۔

اوپر کے تینوں مضمون۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو ہمیشہ برابر ساتھ ساتھ رہا کئے ہیں۔ الہام دراصل اُن آدمیوں کو ہوا کیا ہے جو دل کے نیک تھے۔ جن کی روح کے غلافوں کی کثافتیں اُتر چکی تھیں۔ وہ اپنے اندر کی آواز کو سنتے تھے اور انسان کی عام طبیعتوں کے خیالات کی تعظیم کیا کرتے تھے اور وہ بات آج تم کو بھی میسّر آسکتی ہے۔

اگر دھرم کی سچی سمجھ منظور ہے تو الہام کا مطالعہ کرو۔ یہ سو ادھیائے ہے۔ اس سے تمہارے خیالات وسیع ہونگے۔ تمہارے معلومات بڑھینگے۔ اور تم سوچنے سمجھنے کے قابل ہوگے۔ ساتھ ہی اپنے ضمیر کی آواز کو اپنے اندر سُنو۔ یہ روحانی عمل ہے۔ اپنے ضمیر کی آواز کو سُننا ایشور کے قریب جانا ہے۔ یہ ایشور پرندھان ہے۔ اس عمل سے تم کو دل کے اندرونی طبقوں میں باریابی کا موقع ملیگا تم خود غور و فکر کرکے اصلیت کو جان جاؤگے۔ اور آتما کی بزرگی کے وارث ہوگے۔ تیسری بات زیادہ تعداد کے نفع کے اصول کی پیروی بیجا نہیں ہے تم کو اپنی ذاتی غرض کا اتنا لحاظ نہ ہونا چاہئے نہ جماعت کے مقابلہ میں دو چار رشتہ داروں کے فلاح کا خیال کرنا چاہئے۔ تم کو ایسے کام کرنا چاہئے۔ جس میں مجموعی طور پر تمہاری

سوسائٹی مضبوط رہے۔کیونکہ اُسی کی مضبوطی میں تم اپنی روحانی و دنیاوی ترقی کر سکتے ہو۔ ذاتی نفع اور چند عزیزوں کے نفع کو بھُلا کر عام سوسائٹی کا خیال رکھنا تپ ہے تپسیا ہے۔ریاضت ہے۔ جو شخص ایسا کام کرتا ہے۔وہ ایشور کے قریب رہتا ہے اور روحانی بزرگی اُس کے حصہ میں آویگی۔

اس لئے یہ تینوں باتیں دھرم کی انگ ہیں اور جو لوگ سوچ سمجھ کر ان کا سادھن کرتے ہیں۔ وہ جہان دنیا میں نیکنامی حاصل کرتے ہیں۔ ساتھ ہی اپنا پرلوک بھی بنا لیتے ہیں۔

دھرم کے معاملہ میں یودھشٹر اور شنکر آچاریہ کی یہی مراد ہے اور اسی کی طرف کرشن بھگوان کا اشارہ ہے۔

میں تم سے سچ سچ کہتا ہوں۔آزادی سے پڑھو۔ آزادی کے ساتھ غور کرو۔ آزادی کے ساتھ عمل و شغل کرو۔ جہاں میں نے تم کو شروتی کے منتر اور مہاتماؤں کے کلام کی تعظیم کی تعلیم دی ہے ساتھ ہی میں نے یہ بھی کہہ دیا ہے کہ اپنے من کی جذبات کی بھی نرکھہ پرکھ کرتے رہو۔ شروتی کی بہت تعلیم ایسی ہے جو آجکل ہمارے موافق نہیں ہے۔ اس سے اپنے آپ کو پابزنجیر نہ کرو۔ بچہ کی تعلیم بوڑھوں کی تعلیم سے مختلف ہوا کرتی ہے۔ لیکن اگر کوئی بوڑھا اسّی برس کی عمر تک بچوں ہی کے سبق پڑھتا جائے تو اس کو کیا فائدہ ہوگا۔ ایسے پیر نابالغ کو کبھی دھرم کی سمجھ نہ آویگی۔ ہر کار سے ہر مردے ہر ملکے۔ ہر رسمے۔ ہر وقتے ہر حالتے۔ اس پر غور کرتے رہو اور تم نہ صرف وقت اور وقت کے دھرم کو سمجھ سکوگے۔ بلکہ دھرم کی

اصلی مراد تمہارے دل میں جگہ پالیگی۔
اپنے دل کو کھلا رکھو تاکہ اندر کی آواز اپنا اثر پیدا کرتی رہے الہام کے کلام کی تعظیم کرو۔ اور اُن کے صفحات میں روحانی مفاد کے سامان تلاش کرو۔ تاکہ دھرم کی بابت نئی نئی باتیں معلوم ہوتی رہیں ساتھ ہی سوسائٹی کے مفاد اور اصلاح کو کبھی نظر انداز نہ کرو۔ اور اسطرح تم دھرم کے سمجھنے والے کہلاؤ گے۔ اور اس عمل کی وجہ سے تم کو روحانی عروج نصیب ہوگا۔ اور دنیا میں بھی سکھ سے بسر کرسکو گے

چھٹی شاکھا

دھرم ادھرم دھرما دھرم

جس بات میں شرتی کا۔ گورو کے بچن کا اور اپنے من کے انبھو کا میل ہو۔ اور اُس کے موافق جو کام کئے جائینگے۔ وہ دھرم ہونگے اور دھرم کے کام کہلائینگے۔ اور جہاں ان میں سے کسی میں بھی برودہ ہوگا۔ وہ اس کے برعکس ہونگے۔ اس سے یہ غرض نہیں ہے۔ کہ وید کے جن احکام کو ہمارا دل قبول نہیں کرتا وہ غلط ہیں۔ بلکہ نہیں اُس کا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ابھی تک ہم کو اُن کے سمجھنے کی قابلیت حاصل نہیں ہے۔ وقت آویگا جب روح کے پردے اٹھینگے۔ اُس وقت ہم کو سمجھ سکیں گے۔ اسی طرح جو باتیں ہماری عقل و سمجھ سے باہر کی ہیں۔ اور جو روح کے بگڑی کی

حالت سے تعلق رکھتی ہے۔ اُن سے زیادہ ترواسطہ نہ رکھو۔ لیکن اُن کی بیعزتی نہ کرو۔ بچہ چھوٹے کپڑے پہنتا ہے۔ جب بڑھ جاتا ہے وہ کپڑے اس کے جسم میں نہیں آتے۔ مگر وہ پھر بھی کمسن لڑکے کے لئے مفید ہیں۔

شروتی اور گرو دونو قابل تعظیم ہیں۔ لیکن یہ پھر بھی آتما کی ترقی کے خارجی و باہری سادھن ہیں۔ سچا ودھارک انسان وہ ہے جو اپنے من میں اپنے ساتھ بات چیت کر سکتا ہے۔ جس کے ضمیر کے پردے دور ہو گئے ہیں۔ اور جو اپنی اصلی شان میں جو آتما سے مخصوص ہے چمکتا ہے۔

اس من کے تین حصے ہیں۔ سفلی۔ درمیانی اور علوی۔ سفلی حصہ بالکل جسمانی ہے۔ اس میں جسم کے سیری۔ جسم کی خوشی۔ جسم کے خطوط نفس کے سنسکار رہتے ہیں۔ درمیانی سوچ وچار غور و فکر کی حالت ہے۔ علوی آتما کی قربت کا ہمسایہ ہے۔ سفلی نیچے کی طرف گراہتا ہے۔ درمیانی لالچ اور حرص کا غلام ہو جاتا ہے۔ علوی ان خطرات سے آزاد ہوتا ہے۔ اور اسی من کے حاصل کرنے کی کوشش قابل تعریف کہی گئی ہے۔ اور اس کی ابتدائی حالت وہاں شروع ہوتی ہے۔ جہاں نیکی کا پیار اور بدی سے نفرت پیدا ہوتی ہے اگر تمہارا من جھوٹ سے پرہیز کرنے کے لئے صدا دیتا ہو۔ تو اُس سے نفرت نہ کرو۔ اُس کو سنو۔ یہ تمہاری اپنی آتما ہی کی آواز ہے۔ اس من کی پراپتی اُس وقت سے ہونے لگتی ہے۔ جب سے انسان ایشور کے پریم۔ مہاتماؤں کے ست سنگ اور نیکی کے کاموں

سے رشتہ جوڑتا ہے - ابتدا میں نیک کام کرنے کی سخت ضرورت ہوتی ہے تاکہ بدی کے کاموں کی مخالفت ہو - یہ جو تم کو اکثر اپنے اندر سے آواز آیا کرتی ہے کہ فلاں بُرا کام نہ کرو - اُس کے معنے یہ ہیں کہ روح یا آتما کو پہلے اُس کا تجربہ ہو چکا ہے - اور اب وہ اُس سے علیحدہ رہنے کا خواہشمند ہے اگر غور کرکے دیکھو تو یہ من کا وہ حصّہ ہے جو غور و فکر کو ساتھ لئے ہوئے علوی من کا مقرب ہو رہا ہے - جب کبھی یہ اس قسم کی آواز دے - تم کو چاہئے - اُس کو سنو - اُس سے بے پروائی نہ کرو ورنہ وہ ناراض ہو کر پھر توجہ نہ کریگا - آواز مر جائیگی - اور تم بہت دنوں کے لئے نیچے گر جاؤ گے من کا درمیانی حصہ سوچتا سمجھتا ہے - علوی حصہ صرف جانتا ہے - اُس میں سوچنے سمجھنے کا مادہ نہیں ہے - اس میں گیان ہے - مگر وہ گیان کیسا ہے اُس کا سمجھنا و سمجھانا دونو مشکل ہے - جیسے تم کسی ایک بچہ سے کوئی بات پوچھو تو وہ جواب "ہاں" یا "نہیں" میں دیدیگا کیونکہ وہ روحانی طور پر اس کو جان رہا ہے لیکن اگر تم اُس سے سبب پوچھوگے تو وہاں دلیل یا پرمان نہیں ہیں - اسی طرح علوی من کا حال ہے -

درمیانی من کی غور و فکر کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بدی کی مخالفت و مزاحمت کی جاتی ہے - جب اچھی طرح نیکی کا پیار دل میں قائم ہو جاتا ہے تب علوی من کے طبقہ میں نشست کا موقع ملتا ہے - وہاں نہ کوئی چیز بُری ہے نہ بھلی ہے - یہ یاد رکھو - نیکی اور بدی دراصل نسبتی الفاظ ہیں - ان کی اصلیت کچھ بھی نہیں ہے - آتما میں نہ نیکی ہے نہ بدی ہے - مگر یہ روح کی ترقی کا انتہائی درجہ ہے اور یہی دھرم ہے - تاہم تمہارے سمجھانے کے

لئے یہاں اس قدر اور کہہ دینا ضروری سمجھتے ہیں - کہ جس کو اس وقت ابتدائی مرحلے میں بدی کہا جاتا ہے - وہ اس قسم کی عادتیں ہیں - جن پر آتما غالب آگیا ہے - وہ بچپن کے کوٹ کی طرح اب آتما کے غلاف نہیں ہو سکتے - اور اس لئے اُن سے بچ کر نیکی کرنے کی ضرورت رہتی ہے - کچھ دنوں بعد یہ نیکی کا کوٹ بھی چھوٹا ہو جائیگا - آتما کا غلاف اتر جائیگا اور اس میں کرم کا امکان نہ رہیگا - اور اگر وہ کرم کریگا بھی تو وہ نیکی و بدی کی صراحت سے اونچے درجہ کے ہونگے - جن سے بندھن نہ رہیگا -

ان تینوں میں سے ہم ایک کو جسمانی - دوسرے کو دلی و دماغی اور تیسرے کو روحانی من کہہ سکتے ہیں - سمجھ لو یہ تین غلاف ہیں - جو آتما پر پڑے ہوئے ہیں نیچے کا سب سے زیادہ کثیف ہے جس کی موٹی تہہ کی وجہ سے آتما کی روشنی نظر نہیں آتی - دوسرا اس سے کم کثیف ہے - مگر اس میں میلا ہے - اس لئے یہاں بھی وہ روشنی نظر نہیں آتی - مگر تیسرا زیادہ شفاف ہے - یہاں اس کا نور پرگٹ ہوتا ہے - اور اس نور کو پرگٹ ہونے کا موقع دینا دھرم ہے - اور اس کو کثیف غلافوں سے ڈھکتے رہنا ادھرم ہے - جس میں جتنے گہرے غلاف ہوتے ہیں - اس کے ضمیر کی آواز اتنی ہی کمزور ہوتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ سب ایک رائے کے نہیں ہوتے - مگر اس ضمیر کی آواز کو قریب قریب بہت لوگ سمجھتے ہیں اکثر سوال کئے جاتے ہیں گفتار تک کہہ اٹھتا ہے " بھٹی ایسرا رہمہ

ایسا نہیں کہتا۔" اور یہ گنوار غلط نہیں کہتا - گو وہ برہم کا ارتھ نہ جانتا ہوگا
بدی کی مخالفت کرنا ایک بات ہے - بدکار سے نفرت کرنا دوسری بات ہے - ہم جہاں بدی کا مقابلہ کریں - اور اپنی نیکی سے اُس پر غالب آویں - ساتھ ہی یہ بھی خیال رہے کہ کہیں غلطی سے کسی انسان سے جس کو ہم بُرا سمجھ رہے ہیں نفرت تو نہیں کر رہے ہیں - ورنہ وہاں ادھرم ہوگا - مخالفت و مقابلہ تو بدی کا ضرور کرو - لیکن تمہارے ضرر سے یہ نہ معلوم ہو - کہ تم انسانیت سے نیچے گرتے جا رہے ہو - کیا اُن لوگوں میں سے جو بدی کی مخالفت کرتے ہیں - کوئی شخص سینہ پر ہاتھ دھر کر کہہ سکتا ہے کہ وہ بالکل بدی سے خالی ہونگے؟ ایسا کبھی نہیں ہوتا - جہاں نیکی کا خیال رہتا ہے - وہاں ہی اس کے ساتھ بدی کا خیال رہتا ہے - جہاں سچائی بستی ہے - اُس کے ہم پہلو جھوٹ رہتا ہے - اکثر سچائی کے زبردست حامی جھوٹے اور مکار دیکھے گئے ہیں - اور وہ اپنی غلطی کی معذرت میں کہہ بیٹھے ہیں "گر ضرورت بود روا باشد۔" اگر تم جھوٹ بولتے ہو تو میں تم کو بُرا نہیں کہتا - نہ بُرا سمجھتا ہوں - صرف محبت و پیار سے اتنا کہونگا کہ جھوٹ کو ترک کرو - اور غور سے دیکھو دنیا کس طرح خود بخود ترقی کرتی جا رہی ہے - تم اپنا حال مطالعہ کر کے نتیجہ پر سوچو - ایشور کی سرشٹی میں سب کچھ ہو رہا ہے اور اچھا ہو رہا ہے - کسی انسان خواہ حیوان سے نفرت کرنا ادھرم ہے سب سے پیار و محبت کے ساتھ پیش آنا دھرم ہے - جس سے ملو دل کھول کر ملو - ہمدردی سے پیش آؤ - نیکی کی صلاح دو - مہربانی کے کام کرو - مدد دو - اور تم دھرماتما کہے جاؤ گے۔

اس قسم کے کام دھرم ہیں۔ اس کے برعکس ادھرم ہے۔ اور جہاں دھرم ادھرم کی آمیزش ہوتی ہے اُس کو دھرمادھرم کہتے ہیں بہ حیثیت آتما ہمارا اور تمہارا بڑا دھرم یہ ہے کہ اپنے روح کو چمکنے کا موقع دو۔ ہر وقت روحانی ترقی کی فکر رہے۔ کام ایسے کرو۔ جو اپنے سنسکار کے لحاظ سے تم کو خوش رکھ کر ایشور کے سمیپ لیجائیں ایسے کام نہ کرو جو اپنے بُرے سنسکاروں کی وجہ سے تم کو ناراض رکھ ایشور سے دور اور جدا کرتے رہیں۔

ساتویں شاکھا

سُکھ دُکھ اُداسینتا

زندگی نہ دکھ ہے نہ سُکھ ہے نہ اداسینتا ہے۔ بلکہ وہ ان سب سے نیاری ہے۔ تاہم دنیا میں ایسے انسان بہت کم ملینگے جو ان کو اچھی طرح سمجھ سکینگے۔ کیونکہ سمجھ بوجھ کا تعلق من اور بُدھی سے ہے۔ اور تاوقتیکہ من اور بُدھی اچھی طرح نشو دنما نہ پائیں۔ اصلیت کا پتہ ملنا مشکل ہے۔ اور یہی سبب ہے کہ دنیا کے معلم ان تین کیفیتوں میں سے کسی ایک سے ابتدا کر کے انسان کو اصلیت کی حالت تک پہنچانے کا اہتمام کرتے ہیں۔

دُکھ۔ سُکھ اور اُداسینتا کی نسبت کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ محض فرضی و مُہمل اصطلاحات ہیں۔ کیونکہ جب تک انسان بلند نگاہ اور وسیع نظر ہو کر نہیں دیکھتا۔ اسوقت تک وہ ہر چیز کو اصلیت کا جامہ پہنانے

کے لئے مجبور ہے اور جب تک وہ مجبوری و معذوری کے طبقہ میں نشست کرتا ہے تب تک اُس کو انہیں کی مدد سے اور انہیں کی وساطت سے حقیقت کے سمجھانے میں سہولیت ہُوا کرتی ہے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ ویدک زمانہ کے رشیوں نے اپنی زندگی کی ابتدا سکھ سے کی تھی۔وید کے منتروں کو پڑھو۔اُن میں تم صاف صاف دیکھو گے کہ وہ قدرت کی زبردست طاقتوں کو دیکھ کر اتنے خوش ہو جاتے ہیں کہ اپنی ذاتی ہستی تک کو بھول جاتے ہیں۔اور محویت کی حالت میں آکر وجد اور سرور میں گانے لگتے ہیں۔ان کو ہر جگہ خوشی اور شادمانی کے منظر نظر آتے ہیں اور یہ بالعموم بچوں کی طرح خوش ہو کر پرماتما کا شکرانہ ادا کرتے ہیں۔اور اُس سے اُن چیزوں کو مانگتے ہیں جو خوشی اور خوشحالی کی ترقی میں معاون ثابت ہوتی ہیں۔نہ صرف ویدوں میں بلکہ اُپنشدوں کے صفحات میں بھی جو ویدوں کے گیان کانڈ کہلاتے ہیں۔اس قسم کے دلچسپ اور فرحت بخش نظارے نظر آئینگے۔

مابعد زمانہ کے مصنفوں کی حالت دوسری طرح کی ہے وہ سنسار کو دکھ روپ دیکھ کر ایسے متاثر ہو جاتے ہیں کہ سب کے سب بلا استثنا، دکھوں سے نجات پانے ہی کو پرم پرشارتھ بتاتے ہیں۔

بُدھ دیو بالخصوص اپنی تعلیم کا سلسلہ اسی جگہ شروع کرتے ہیں۔وہ صاف صاف لفظوں میں فرماتے ہیں کہ "دکھ ہے۔دکھ کا کارن ہے۔"دکھ سے بچنے کی صورت ہے۔اور "دکھ سے بچاؤ ہوتا ہے"۔یہی سچائی ہے۔بس پر وہ اپنی تعلیم کی بنیاد کھڑی کرتے ہیں۔

بُدھ دیو کے بعد تیسری قسم کے روحانی معلم جو سنت اور پنتھائی کہلاتے ہیں۔ ادا سینتا سے اپنی تعلیم شروع کرتے ہیں اُن کا قول ہے۔ انسان کو سکھ اور دکھ دونو سے بے پرواہ ہو کر بیخوف ہو جانا چاہئے اور بیخوفی کے ساتھ روحانی تکمیل کی طرف توجہ کرنی چاہئے۔

ان میں سے کوئی بھی غلطی پر نہیں ہیں۔ سب کے سب صحیح ہیں۔ اور سب میں سچائی ہے اور سب اس قابل ہیں کہ آدمی اُن پر غور کر کے اصلیت سے واصل ہو۔

یہ تین حالتیں اصل میں جاگرت۔ سوپن اور سوشپتی ہیں جو اپنی بنیاد رکھتی ہیں۔ جاگرت یعنی حالت بیداری کشمکش وجد وجہد ہے۔ کشمکش اور جد وجہد میں دکھ ہوتا ہے۔ دکھ کا ہونا لازمی ہے۔ سوپن میں سکھ ہے۔ کیونکہ یہاں آکر من کو اپنے حسب خواہش سکھ کے خیالی سامان پیدا کرنے کی زیادہ طاقت حاصل ہو جاتی ہے اور اس لئے یہاں سکھ کا حاصل ہونا ضروری ہے۔ سوشپتی اداسینتا کی حالت ہے جس میں دکھ و سکھ دونو کا ابھاؤ ہوتا ہے اور اس وجہ سے وہ سوچنے کے قابل ہے۔

مگر دیکھنے والے دیکھ سکتے ہیں کہ ان تینوں میں سے کوئی حالت ایسی نہیں ہے۔ جو سکھ دکھ کی آمیزش سے پاک ہو۔ بیداری کے وقت انسان کشمکش کرتا ہوا سکھ کا خواہشمند رہتا ہے اور اُس کو سکھ ملتا ہے۔ کیونکہ اگر سکھ نہ ہو تو پھر کشمکش وجد وجہد کا خیال بھی نہ پیدا ہو۔ خواہش کا پورا ہونا سکھ ہے خواہش کا نہ پورا ہونا دکھ ہے۔ جو چیز ہم چاہتے ہیں۔ اگر وہ مل جائے تو ہم کچھ دیر

کے لئے سکھی ہو جاتے ہیں۔ گو یہ نہیں کہا جاتا کہ وہ دائمی خوشی کا باعث ہو گی۔ اسی طرح سوپن میں بھی سکھ کے ساتھ دکھ رہتے ہیں گو اس طبقہ میں انسان کے من کی قوت ارادی بہت بڑھ جاتی ہے مگر کون ایسا شخص ہے جس کو بُرے اور ناخوشگوار خواب نہیں آتے اور وہ یہاں بھی دکھی نہیں ہوتا۔ سوشپتی میں اداسینتا کی زبردست و موثر مثال ہاتھ آتی ہے مگر وہ قابل پسند حالت نہیں ہے۔ کیونکہ اگیان کی اوستھا ہے۔ اور اگیان ہی اصل میں دکھوں کا کارن بتایا گیا ہے۔

اس لئے ان تینوں حالتوں سے جو کچھ مراد ہے۔ وہ صرف اتنی ہی ہے کہ ان میں سے کسی پر نشست کر کے دوسروں کی اور نیز اُس کی سمجھ حاصل کی جائے اور بتدریج اصلیت کی طرف توجہ کے رخ کو پلٹتے ہوئے زندگی کے مقصد کو حاصل کیا جائے اور وہ مقصد اُس وقت ہاتھ آتا ہے۔ جب انسان اپنے آپ کو چوتھی اوستھا میں پہنچا دے۔ جس کا اصطلاحی نام تُریا اوستھا ہے۔

دکھ۔سکھ۔اُداسینتا۔ ان تینوں میں سے کوئی حالت روح کی اصلی حالت نہیں ہے۔ بلکہ اُس کی نیچی اور اُس سے مختلف حالتیں ہیں۔ اور ان سے مراد صرف اتنی ہے کہ ہم کو غور و فکر کا موقع ہاتھ آئے اور ہم اصلیت کو سمجھیں۔

بچے جب دنیا میں آتے ہیں روتے ہوئے آتے ہیں۔ اور اس بدیہی واقعہ کو دیکھ کر اکثر آدمی کہتے ہیں کہ زندگی رونے کا نام ہے۔ ایک شاعر نے بڑی جرأت کے ساتھ کہا ہے کہ ہم جس دن دنیا میں آئے۔ روتے ہوئے آئے۔ اور اُس کا سبب معلوم ہوا

کہ کیوں روتے ہوئے آئے تھے"۔ اس مقولہ سے وہ ہمارے ذہن نشین کرانا چاہتا ہے۔ کہ دنیا مصیبت سرا ہے۔ یہاں کوئی بھی دکھ سے بچ نہیں سکتا۔ یہ سچائی بھی ہے۔ اس کے سچ ہونے میں کیا کلام ہے مگر یہ صرف جزوی سچائی ہے۔ بچے کے رونے کا سبب ہے۔ اور وہ سبب یہ ہے کہ وہ کشمکش کی حالت میں آیا۔ جو شخص سُوشپتی کی حالت سے سوپن یا جاگرت کی حالت میں آتا ہے۔ اُس کو انگڑائی لینا پڑتا ہے۔ ہاتھ۔ پاؤں میں تشنج آتی ہے اور یہ انگڑائی و تشنج کوئی خوشگوار حالت نہیں ہے۔ اس کے سوا جہاں کہیں تبدیلی حالت کے درجہ سے گزرنا ہوگا۔ وہ کسی نہ کسی قدر دُکھ اٹھانا پڑیگا مگر قدرتی کاروبار میں یہ دکھ اس قسم کی چیز نہیں ہے کہ اس کو اس قدر بیجا اہمیت دی جائے جیسی کہ دی جاتی ہے۔ قدرت میں تبدیلی ہوتی رہتی ہے۔ تبدیلی کا ہونا ضروری ہے۔ قدرتی رونا۔ ہنسنا بھی اس قدر اہم نہیں ہے۔ یہ یوں ہی ہوتا رہتا ہے اور ہُوا کریگا اس سے ہمارا نقصان نہیں ہوتا۔ مگر نقصان وہاں ہوتا ہے۔ جہاں انسان اپنی ذاتی خواہش اور اپنی ذات کی انانیّت کو بیجا طور پر داخل کر دیتا ہے۔ کاش اگر ایک مرتبہ کے لئے اس کی سمجھ آجاوے تو پھر دکھ۔ سکھ۔ اداسینتا تینوں بے معنی لفظ بن جاتے ہیں۔

ایک صاحب خیال ہندو دیوی فرماتی ہے:۔

(۱) دھنونتے دُکھئے سبھی۔ نِردھن دکھ کا روپ
سادہ سُکھی سمجھو کہے پایا بھید انوپ

(۲) نا سُکھ دِدیا کے پڑھے نا سُکھ باد بواد

سادھ سُکھی سہجو کہے لاگی سُن سماد
(۳) جیسے سنڈسی لوہ کی چھن پانی چھن آگ
تیسے دکھ سکھ جگت کے سہجو تو تج بھاگ
سہجو جگ میں یوں رہے جیون جہیا مکھ مانہہ
گہیو گھنا بھکش کرے - تو بھی چکنی نانہہ

جس وضاحت کے ساتھ ان دوہوں کے سلسلہ میں حقیقت کے بھید کے کھولنے اور سچائی کی زیارت کرانے کا اہتمام کیا گیا ہے اور جگہ وہ کہیں مشکل سے ملیگا - یہ دیوی کہتی ہے " دولت مند دکھی ہیں غریبی اور مفلسی دکھ کا روپ ہے - صرف ساد ہو سُکھی ہیں جنہوں نے اصل حال کو جان لیا ہے - سکھ نہ تو علم حاصل کرنے سے ہاتھ آتا ہے - نہ بحث مباحثہ میں ملتا ہے - صرف سادھو سکھی ہیں جن کو سُن سمادھی کا درجہ پراپت ہو گیا ہے - جس طرح لوہے کی سنڈسی کبھی آگ اور کبھی پانی سے گزرتی ہے مگر گرمی و سردی کا ذرہ بھی خیال نہیں کرتی اس طرح دنیا میں زندگی بسر کرنی چاہئے - انسان کو دنیا میں اس طرح رہنا چاہئے جیسے زبان منہ میں رہتی ہے - گھی و طرح طرح کی چکنی چیزیں غذا کھاتی رہتی ہے - مگر چکنی کبھی نہیں ہوتی "

یہ حقیقت کا نہایت موثر سبق ہے اور یہ سبق اگر انسان سچائی کے ساتھ قبول کر لے - تو نہ صرف دکھ سکھ اور اداسینتا سے اُس کو نجات مل جائے - بلکہ وہ روحانی حالت میں واصل رہے اور تمام خطرات و بلیات سے ہمیشہ کے لئے محفوظ ہو جائے -

دنیا کے تمام مذاہب ان تینوں میں سے کسی ایک کو نظر کے

سامنے رکھ کر ویراگ اور ابھیاس کے ساتھ اصلیت تک پہنچانے کا اہتمام کرتے ہیں۔ کیونکہ کام کرنے کے لئے ہمیشہ کسی نہ کسی قسم کا مرکز بنانا ضروری ہے۔ مگر وہ مرکز معراج نہیں ہوتا۔ وہ صرف ابتدائی مرحلہ ہے۔ اگر وہ نہ ہو تو اس عالم اسباب میں ممکن نہیں ہے کہ کبھی حقیقت کا پتہ مل سکے۔

چو در اوّل الف ۔ با ۔ تا ۔ نہ خوانی
بہ قرآں درس کردن کے توانی

مگر اُن کے مقلد و پیرو کار غلطی میں پڑ جاتے ہیں اور حقیقت سے گمراہ ہو کر اسی ابتدائی مرحلے میں اٹکے رہتے ہیں۔ ایک کہتا ہے خوشی کرو۔ چین سے زندگی گزارو۔ یہی سب کچھ ہے۔ دوسرا کہتا ہے سنسار دکھ ہے اور وہ چیتھڑے لپیٹ کر بری طرح زندگی کے سفر کو طے کرتا ہوا ہر وقت دکھ کا نعرہ مارتا رہتا ہے۔ تیسرا نفرت و کراہت کو دل میں جگہ دے کر دکھ و سکھ دونوں کے برخلاف جہاد کا وعظ سناتا ہے ان میں سے کسی ایک کے ہاتھ بھی سار وستو نہیں آتا۔ اور اگیان کے مناظر پیدا ہو جاتے ہیں۔ کاش اگر یہ حقیقت کو سمجھتے تو یہ کیفیت نہ ہوتی دو مارگ ہیں۔ ایک شریے کہلاتا ہے۔ دوسرے پریے۔ پریے مارگ ابتدا میں کشادہ و فراخ نظر آتا ہے۔ اس میں سفلی جذبات کے مطمئن کرنے کا سامان بہت ہے۔ لیکن اگر اصلیت کو نہ سمجھ کر سالک اس کی پیروی کرتا ہے تو جیوں جیوں اس کی راہ آگے کو جاتی ہے تنگ و تاریک بنتی جاتی ہے۔ قدم قدم پر کانٹے اور جھاڑیوں میں دامن اٹکتا ہے اور وہ پریشان ہو کر نہ صرف گھبرا جاتا ہے۔ بلکہ برباد ہو

کے منہ میں چلا جاتا ہے۔ مگر شریے مارگ میں اس کے برعکس حالت ہے۔ ابتدا میں اُس کی راہ تنگ و تاریک نظر آتی ہے۔ قدم رکھنے میں دقت ہوتی ہے۔ مگر جوں جوں وہ آگے بڑھتا ہے راہ کشادہ ہوتی جاتی ہے۔ قدم قدم پر روشنی کے جلوے نظر آتے ہیں۔ راہ کے دونو طرف خوشنما پھول کھلے ہوئے ملتے ہیں۔ اور اُن کو دیکھ کر اہل طریقت کا دل بشاش ہو کر آگے بڑھنے کی طرف مائل ہوتا رہتا ہے ان دونو میں شریے مارگ اچھا کہا گیا ہے۔ کیونکہ وہ تادیب اور دلی تربیت کی منزل سے گزار کر آہستہ آہستہ سچائی۔ حقیقت اور معرفت کے طبقہ میں لیجا کر پہنچا دیتا ہے اور دکھ سکھ واداسینتا تینوں سے علیحدہ کر کے اُس کو سچائی تک واصل ہونے کا باآسانی موقع بخشتا ہے۔

دکھ۔ سکھ۔ اور اُداسینتا۔ ان تینوں کی حقیقت کو سمجھ لینا چاہئے۔ ان تینوں میں ہماری اپنی ذاتی خواہش مالا کے سُوت کی طرح پروئی رہتی ہے۔ خواہش سے ہمکنار ہونا سکھ ہے۔ خواہش کے سامان سے علیحدہ کیا جانا دکھ ہے۔ دکھ میں سکھ اور سکھ میں دکھ دیکھ کر جھوٹی نجات کو نگاہ کے سامنے رکھ کر ایک غلط اور مصنوعی حالت دل میں پیدا کرنا۔ اور بے پرواہ بننے کی کوشش میں لگا رہنا اداسینتا ہے۔

ہم کیوں دکھی ہوں۔ کیونکہ ہم اصل میں دکھ روپ نہیں ہیں نہ یہ سرشٹی ہی دکھ روپ ہے۔ آنکھوں میں خاص رنگ کی عینک چڑھالی ہے۔ اس لئے ہم کو خواہ مخواہ دکھ پر تیت ہوتا ہے۔ ہم

کیوں سکھی ہوں۔ کیونکہ اصل میں ہم سکھ روپ نہیں ہیں۔ نہ یہ سرشٹی ہی سکھ روپ ہے۔ ہم نے دل میں سکھ کا خیال پیدا کیا۔ اس لئے ہم کو خواہ مخواہ سکھ پرتیت ہوتا ہے۔ ہم کو اُداسین بنیں۔ کیونکہ اصل میں ہم اُداسین روپ نہیں ہیں۔ ہم نے ناحق اُداسینتا کے خیال کو اپنے میں جذب کر رکھا ہے۔ اس لئے ہم کو خواہ مخواہ اُداسینتا پرتیت ہوتی ہے۔ ہم ان تینوں میں کوئی بھی نہیں ہیں۔ ہم آتما ہیں۔ جو ست ہے چیت ہے اور آنند ہے۔ اور ان تینوں لفظوں کی اصلیت کی سمجھ اُس وقت آتی ہے۔ جب روحانی حالت میں واصل ہو کر ہم اپنے روپ کو دیکھتے ہیں۔

تم تھوڑی دیر کے لئے میرے ہمخیال بن کر سوچو۔ دکھ۔ سکھ اور اُداسینتا تینوں میں اہنکار ویاپک ہے۔ اہنکار "اہم پنا" ہے اور یہ "اہم پنا" گنوں کا مخلوق ہے۔ تین گنوں میں سے ست سکھ کی حالت ہے۔ رج جدوجہد کی اوستھا ہے۔ تم اندھکار اور اگیان ہے۔ سوپن کی اوستھا میں ست کی ادھکتا ہوتی ہے۔ جاگرت اوستھا میں رج وشیش رہتا ہے۔ سوشپتی میں تم کی پردھانتا رہتی ہے۔ اس لئے سوپن میں و نیز سکھ کی دوسری حالتوں میں انسان کہتا ہے۔ میں سکھی ہوں۔ اسی وجہ سے جاگرت اور کشمکش کی حالت میں انسان کہتا ہے میں دکھی ہوں۔ خواہ کشمکش کر رہا ہوں اور اسی سبب سے سوشپتی یا دوسری قسم کی مدہوشی کی حالت سے گزر کر آدمی کہتا ہے۔ "میں غافل اور بیہوش ہو گیا"۔ اس لئے ان میں "اہم پنا" یا تو ظاہر ظہور کام کرتا ہے یا چھپا ہوا رہتا ہے۔ اور جہاں اہنکار ہو وہاں "آتما پنا"

مفقود ہوگا۔ اور جہاں آتما پنے کی یہ حالت ہوگی۔ وہ روحانی حالت نہ ہوگی۔

"سکھ۔ دکھ اور اُداسینتا"۔ یہ تینوں کسی کسی حالت میں ضروری چیزیں ہیں۔ اس سے ہم کو انکار نہیں ہے۔ مگر یہ اُس جگہ بہت ہی خطرناک دشمن ہوتے ہیں۔ جہاں ان کو انسان پر حکومت کرنے کا موقع غلطی سے دے دیا جاتا ہے۔

ہم اس دنیا میں ہیں۔ جب تک ہماری نگاہ اونچی نہیں ہوتی ہم کو منصب نہیں ہے کہ ہم ان کی طرف سے خواہ مخواہ آنکھ میچ لیں دنیا میں تم کو موقع ہے کہ ان سے فائدہ اٹھاؤ۔ اور ان کو حقیقت کے سمجھنے کا مددگار بناؤ۔ موقع کو ہاتھ سے نہ جانے دو۔ اس موقع کو مجبور کرو۔ کہ وہ سچائی کے پردہ کے دور کرنے میں معاون ثابت ہو۔ اور ابتدائی حالت میں جس یقینی ابھیاس سے اُن پر فتح حاصل ہونی ممکن ہے۔ وہ یہ ہے کہ جو کچھ حالت ہو۔ جو کچھ کرو۔ جو کچھ سمجھو سب ایشور کے ارپن کر دیا کرو۔ یہ رضا صبر و تسلیم کہلاتا ہے۔ اُس کے موج کے ادھین رہو۔ "اپنا پنے" کو دخل نہ دو۔

دنیا میں انسان کو کس طرح زندگی بسر کرنا چاہئے۔ وہ ایک مثال سے تمہاری سمجھ میں اچھی طرح آجائیگا۔

ایک تھال میں کچھ شہد رکھا ہُوا تھا۔ چند مکھیاں اُس کی طرف رجوع ہوئیں۔ بعض جو زیادہ لالچی تھیں۔ شہد کے تھال میں گر پڑیں۔ ہاتھ پاؤں پھنس گئے۔ اور وہ چلاتی ہوئیں مرگئیں۔ اور دنیا کو سنا گئیں۔

مکھی بیٹھی شہد پر۔ پنکھ گئے لپٹا
ہاتھ ملے اور سر دُھنے۔ لالچ بُری بلا

دوسری جو ذرہ کم درجہ کی حریص تھیں۔ شہد پر گر نو پریں۔ مگر تجربہ سے فائدہ اٹھاکر۔ پروں کو جلد صاف کرلیا۔ جو عقلمند تھیں۔ کنارہ بیٹھی۔ اور مناسب مقدار میں اُس کو کھا پی کر چلتی ہوئیں۔ ان پر مصیبت نہیں آئی۔

یہ دنیا شہد کا تھال ہے۔ مکھیاں انسان ہیں۔ جن میں "اہم پنا" بہت ہے۔ وہ پریشان ہوکر دنیا میں مرجاتے ہیں۔ جن میں کم ہے وہ اس میں پھنس کر جلد عقل و تمیز سے کام لیکر آزاد ہو جاتے ہیں۔ مگر جو گیان وان دسمجھ والے ہوتے ہیں۔ وہ شہد کو بھی چکھتے ہیں۔ اور اُن کو دکھ۔ سکھ کچھ نہیں ہوتا۔ کیونکہ کرم وسنسیار کی وجہ سے وہ کھا پی کر دنیا میں رہتے ہیں۔ مگر دنیا کے نہیں ہوتے۔

اگر انسان آتما کی حالت پر غور کرلے تو وہ آزاد مطلق رہتا ہے اگر یہ نہ ہو تو وہ جو کچھ کھائے پیئے۔ سب ایشور کے ارپن کرتا رہے ایشور کے ارپن کرنے سے اُس میں بتدریج سمجھ بوجھ آتی جائیگی۔ اور وہ زندگی کے سفر کو طے کرتا ہوا اپنے مقصد کو پورا کرلیگا۔

کسی حالت میں اپنے آپ کو تقویت نہ دو۔ یہ نہ کہو "یہ میرا ہے" "یہ میں کرتا ہوں" "یہ میرے لئے ہے" بلکہ اُس کو سمجھو کہ تمہارا آتما سب میں ہے۔ وہ کسی سے علیحدہ نہیں ہے۔ وہ سب میں ملا ہوا ہے اور اس سمجھ کو لیکر وہ منکر او دا ابینا سے اونچے اگر وہ اپنے لازوال اور ذوالجلال نور کو دیکھیگا۔ اوہماں کا خاتمہ کرکے "اہم پد" میں استھت ہو جائیگا۔ کبیر صاحب فرماتے ہیں:۔

مور تور کی جیوری بٹ باندھا سنسار
داس کبیر اکیوں بندھے جاکے نام ادھار
مور تور کو تیاگ کر بوجھا۔ سار اسار
تج اسار سار ہی گہا پایا بھید اپار
مور کو تیاگ کر نج روپ پہچان
میرا تیرا کیا لیئے گہہ لے پد زبان
مور تور میں بندھ رہا سہے نرنتر دکھ
ست نام جگ است ہے یہی سار ہے مکھ
مور تور میں بھرمتا رہا بھرم کے کہاں
کہیں کبیر کیا کیجیئے ملا نہ آتم گیان
مور تور کے بس پڑا ڈوبا بھنور منجدھار
کہیں کبیر گورد یو بن کون لگاوے پار
مور تور کرتا پھرے نس دن آٹھوں جام
کہیں کبیر کیا کیجے ناہیں ملا ست نام

آٹھویں شاکھا

ست
چت
آنند

زندگی کی تین علامتیں ست۔چت۔آنند ہیں۔ایک معنی میں ان کو علامت کہنا غلطی ہے۔اصل یہ ہے کہ یہ زندگی کے تین پہلو ہیں۔ جہاں زندگی ہوگی۔وہاں یہ تینوں موجود ہونگے۔جہاں یہ تینوں نہ

ہونگے۔ وہاں زندگی نہ ہوگی۔

ست سے مراد ہستی سے ہے۔ سب سے پہلے زندگی اپنی ہستی کا اقرار کرتی اور کراتی ہے۔ یہ سارے برہمانڈ کا خاصہ ہے اور انسان میں بھی یہ خصوصیت ہر جگہ نظر آتی ہے۔ جس کو اپنی ہستی کا یقین نہیں ہے جو اوروں پر اپنی ہستی کا عکس نہیں ڈال سکتا۔ جو دوسروں سے اپنی ہستی کا اقرار نہیں کراتا۔ جس کو اور لوگ ہست نہیں سمجھتے۔ وہ زندہ نہیں کیا جا سکتا۔ کاروبار کے سلسلہ میں۔ تحریر و تقریر کے کاروبار میں راج کاج کے معاملات میں۔ غرضیکہ ہر جگہ جن آدمیوں کا جن قوموں کا اور جن فرقوں کا اس پر عمل درآمد ہے۔ اُن کو زندہ سمجھو۔ جہاں یہ بات نہ ہو۔ وہاں زندگی کو کالعدم یقین کرلو۔ قدرت کا یہ خاصہ ہے کسی کو چھپنے یا گوشہ تنہائی میں بیٹھنے کی خواہش نہیں رہتی۔ ہر چیز عالم شہود میں آنے کی خواہشمند رہتی ہے۔ بیج کو زمین میں چھپا دو۔ وہ موقع پاکر مٹی کے پردوں کو چیر کر کھلی ہوا میں باہر نکل آویگا۔ کسی کے خیال کے دبانے کی کوشش کرو۔ وہ کسی نہ کسی طرح دنیا میں اپنا ظہور کئے بغیر نہ رہے گا۔

نکورو۔ تاب۔ مستوری ندارد

چو در بندی سر از روزن بر آرد

یہ زندگی ہے۔ زندگی ہی ہستی ہے۔ قدرت کی چلبلی مخلوقات یونہی تمہارے دل کو لبھایا نہیں کرتیں۔ وہ تمہارے دل پر اپنی خوبصورتی۔ اپنی ہستی اور اپنی زندگی کے نقش کا عکس ڈالتی ہیں۔ تاکہ تم اُن کی ہستی کو محسوس کرو۔ اس لئے تم میری زبان سے زندگی کے اس پہلے پہلو کو

مگر شک وشبہ میں نہ پڑو۔ بلکہ اس کو لفظ بہ لفظ اپنے ذہن میں رکھ لو اور زندگی کے راز سے واقف ہو کر دنیا میں پھلنے پھولنے کا اہتمام کرو۔

یہ سارا جگت ہمارا ہے۔ ہمارے لئے ہے۔ ہم سے ہے۔ کچھ ہم جگت کے لئے نہیں ہیں جبکہ چونکہ ہم ہیں۔ اس لئے یہ جگت بھی ہے ہم مرکز ہیں۔ اور ہمارے ارد گرد تمام برہمانڈ گردش کر رہا ہے۔ چونکہ ہماری ہستی ہے۔ اس لئے یہ سب کائنات ہماری ہے۔ پولیس عدالتیں ہاتھی۔ گھوڑے ہماری خدمت کے لئے ہیں۔ چونکہ ہم میں زندگی ہے اس لئے ہماری زندگی کا عکس لیکر تمام آئین۔ قانون۔ جنگ وصلح سب کچھ ہے۔ اگر ہم نہ ہوں تو ان میں کوئی بھی نہیں رہ سکتا۔ چونکہ ہم ہیں۔ اس لئے ایشور۔ برہمہ اور وید بھی ہیں۔ اگر ہم نہ ہوتے تو کون ایشور کو جانتا اور سمجھاتا۔ کون وید کو پڑھتا پڑھاتا۔ کون برہمہ پر بچار کرتا اور وچار کراتا۔ ہم ہی سب کچھ ہیں۔ ہم ہی سے سب کی ہستی ہے۔ ہم ہی سب کی مراد ہیں۔ ہمارے سوا اور کچھ بھی نہیں ہے۔ ایک مرتبہ تم اس کو ذہن نشین کر لو۔ ایک مرتبہ تم اپنے روپ کو پہچان لو۔ ایک مرتبہ تم اپنی ذات کو جان لو۔ پھر تم کو اور کسی کے جاننے۔ کسی کے پہچاننے کسی کے سمجھنے کی ضرورت باقی نہ رہیگی۔ میں تم سے سچ کہتا ہوں۔ تمہارا آتما ست ہے اور تمہاری ہی ہستی سے کائنات کا کاروبار جاری ہے۔ اسی وجہ سے ورہدارنیک اُپنشد کا مصنف برہمہ رشی یاگیہ ولکیہ اپنی استری میتر یئی سے اس طرح کہتا ہے:-

دیکھ۔ فی الحقیقت شوہر کے خیال سے شوہر پیارا نہیں بلکہ آتما کے خیال شوہر پیارا ہے۔ دیکھ فی الحقیقت استری کے خیال سے

استری پیاری نہیں ہے بلکہ آتما کے خیال سے استری پیاری ہے۔ دیکھ فی الحقیقت اولاد کے خیال سے اولاد پیاری نہیں ہے۔ بلکہ آتما کے خیال سے اولاد پیاری ہے۔ دیکھ فی الحقیقت جائداد اپنی حیثیت کے خیال سے پیاری نہیں ہے۔ بلکہ آتما کے خیال سے جائداد پیاری ہے۔ دیکھ فی الحقیقت برہمہ کے خیال سے برہمہ پیارا نہیں ہے بلکہ آتما کے خیال سے برہمہ پیارا ہے۔ دیکھ فی الحقیقت کشتری کے خیال سے کشتری پیارا نہیں ہے۔ بلکہ آتما کے خیال سے کشتری پیارا ہے۔ دیکھ فی الحقیقت دنیا کے خیال سے دنیا پیاری نہیں ہے۔ بلکہ آتما کے خیال سے دنیا پیاری ہے دیکھ فی الحقیقت دیوتا اپنی حیثیت کے لحاظ سے پیارے نہیں ہیں بلکہ آتما کے خیال سے دیوتا پیارے ہیں۔ دیکھ فی الحقیقت وید کے خیال سے وید پیارے نہیں ہیں۔ بلکہ آتما کے خیال سے وید پیارے ہیں دیکھ فی الحقیقت بھوت کے خیال سے بھوت پیارے نہیں ہیں۔ بلکہ آتما کے خیال سے بھوت پیارے ہیں۔ دیکھ برہمانڈ کے خیال سے برہمانڈ پیارا نہیں ہے۔ بلکہ آتما کے خیال سے برہمانڈ پیارا ہے۔ دیکھ یہ آتما۔ دیکھنے۔ سننے۔ سوچنے اور دھیان کرنے کے قابل ہے۔ دیکھ اے میتر یئی! آتما کے دیکھ لینے۔ سن لینے۔ سوچ لینے اور دھیان کر لینے سے اس برہمانڈ کی سمجھ آتی ہے۔

یہ رشی کا کلام ہے۔ اور کیسا سچا صحیح کلام ہے۔ ہمارے سوا دنیا میں اور ہے کیا؟ یہ سارا جگت ہم سے ہے اور ہم میں ہے اور ہمارا آتما ہے۔ ہم سے مختلف نہیں ہے۔ ہماری ہستی لیکر یہ ہست ہے۔ ہماری [illegible] کا [illegible] پاکر یہ زندہ ہے۔ جو اس طرح نہیں سمجھتے۔ وہ نادان

اور اگیانی ہیں۔ اور کسی طرح عزت کے مستحق نہیں ہیں۔ رشی یگیہ ولکیہ۔ اسی سلسلہ میں فرماتے ہیں:۔

"برہمہ کو چاہئے۔ ایسے شخص کو پرے پھینک دے۔ جو برہمہ کو اپنے آتما سے مختلف سمجھتا ہے۔ کشتر کو چاہئے۔ ایسے شخص کو پرے پھینک دے جو کشتر کو اپنے آتما سے مختلف سمجھتا ہے۔ دُنیاؤں کو چاہئے ایسے شخص کو پرے پھینک دیں۔ جو دُنیاؤں کو اپنے آتما سے مختلف سمجھتا ہے۔ دیوتاؤں کو چاہئے ایسے شخص کو پرے پھینک دیں۔ جو دیوتاؤں کو اپنے آتما سے مختلف سمجھتا ہے۔ بھوتوں کو چاہئے ایسے شخص کو پرے پھینک دیں۔ جو بھوتوں کو اپنے آتما سے مختلف سمجھتا ہے۔ برہمانڈ کو چاہئے ایسے شخص کو پرے پھینک دے۔ جو برہمانڈ سے اپنے آتما کو مختلف سمجھتا ہے۔ یہی اپنا آتما برہمہ ہے۔ کشتر ہے۔ دنیائیں ہے۔ دیوتائیں ہے۔ بھوت ہے اور یہی برہمانڈ ہے"۔

یہ آسمان۔ زمین۔ یہ چمکتے ہوئے ستارے۔ یہ سربفلک کشیدہ پہاڑ۔ خوفناک زلزلے۔ ڈرانے والے طوفان ہم ہی تو ہیں۔ دوسرا کوئی نہیں ہے۔ کس کو اپنے سے علیحدہ سمجھیں۔ اگر علیحدہ ہو تو علیحدہ کہا جائے۔ جس طرح ہمارے اس جسم میں ہاتھ۔ پاؤں۔ سر۔ ناک۔ کان۔ بال۔ ناخن۔ سب ہمارا ہی ہے۔ اور ہم ہی سب ہیں۔ ویسے ہی یہ تمام برہمانڈ۔ گھاس کے تنکے سے لیکر ہمالیہ کے جسامت تک سب ہمارا ہی روپ ہے۔ اور سب میں ہماری ہستی ہے۔ اس قدر ست کے متعلق سمجھ لو۔

زندگی کا دوسرا پہلو چت ہے۔ چت چیتن کو کہتے ہیں چیتن پرکاش

ہے۔ چیتن گیان ہے چیتن وگیان ہے۔ اسی چیتن کی دوسری شکل بُدھی ہے۔ یہی من ہے۔ بشرطیکہ اس میں سفلی و علوی کی تمیز کو دور کر دیا جائے۔ چیتن ویاپک ہے چیتن سے کوئی چیز علیحدہ نہیں ہے جس کو تم اپنی غلطی سے جڑ کہتے ہو۔ وہ بھی جڑ نہیں ہے۔ جڑ کی اصطلاح صرف نسبتی ہے۔ دو چیز کے مقابلہ کرنے سے ایک کا نام جڑ رکھ دیا گیا ہے۔ جس کو تم جڑ کہتے ہو۔ اُس میں زندگی ہے۔ وہ بیجان نہیں ہے اُس کو ذرہ چھیڑ دو۔ وہ اپنی کراہیت کا اظہار کریگی۔ ذرہ لوہے کے چھڑ پر تیزآب چھڑک دو۔ وہ ناراضگی کا اظہار کریگا۔ لاجونتی کے پتوں کو چھو لو۔ وہ سکڑنے لگیں گے۔ غرضیکہ دنیا میں جہاں کہیں جس چیز کو تم دیکھو گے۔ اُسی میں تم کو چیتن کا ظہور نظر آئیگا۔ تمہارے جسم میں جتنے اعضا ہیں۔ سب اپنا اپنا فرض ادا کر رہے ہیں۔ برہمانڈ میں جو کچھ نظارے ہو رہے ہیں۔ سب میں باقاعدگی نظر آرہی ہے۔ پانی بہتا ہے۔ ہوا چلتی ہے۔ جوار بھاٹا آتا ہے۔ کونسی چیزیں ایسی ہیں جن سے چیتن کے کرشمہ کا اظہار نہیں ہوتا۔ ایک رائی کا دانہ زمین میں دب جاتا ہے۔ اُس کے اوپر پتھر کی چٹان پڑی ہوئی ہے مگر دیکھو باریک اور نازک انکھوا کس طرح پتھر کے بوجھ سے بچتا ہوا کناروں کی طرف بڑھنے اور حرکت کرنے کا خواہشمند ہے۔ آہستہ آہستہ وہ بڑھتا چلا جا رہا ہے جہاں موقع پایا زمین کی تہہ کو چیر کر کھلی ہوئی ہوا میں آگیا۔ اور قدرت کی گود میں چھلتا ہوا آکاش کے بھنڈار سے نہ صرف اپنی غذا کا سامان لینے کی تمیز رکھتا ہے۔ بلکہ قدرت کی تمام طاقتوں کو اپنی طرف رجوع کر لیتا ہے کہ وہ اُس کے پتوں کو بنائیں۔ اُس کا سنسکار کریں۔ اُس میں

رنگ آمیزی کا کرتب دکھائیں۔ اور اُس کو خوبصورت بنائیں۔ کیا یہ جڑ کے کاروبار ہیں۔ کیا بیجان کی تعریف یہی ہے۔ یہاں زندگی کے نشوونما کی صورت دوسرے طرح کی ہے۔ یہ طبقہ انسان اور دیوتاؤں کے طبقہ سے مختلف ہے۔ اُس کی نسبت اور ہے۔ اُس کی حالت اور ہے۔ اس لئے نسبتی نقطہ نگاہ سے اس کو جو چاہے کہہ لو۔ مگر وہ بیجان نہیں ہو سکتا۔ بیجان میں بڑھنے کی طاقت نہیں رہتی۔ مگر وہ بڑھتا ہے۔ بیجان میں قدرت کے خزانہ سے رسد لینے کی طاقت نہیں ہے۔ مگر وہ آکاش سے اپنی غذا مانگتا ہے۔ بیجان میں موقع بینی نہیں مگر اُس میں موقع بینی ہے۔ آخر تم اُس کو کیوں چیتن کے وصف سے خالی سمجھتے ہو۔ جہاں زندگی ہوتی ہے۔ وہاں چیتن شکتی ہوتی ہے اور یہ چیتن شکتی ہم دیتی ہیں۔ چیتن ہماری ذات ہے۔ چیتن نے چیتن کی حیثیت میں اپنے سنکلپ سے جگت بنایا۔ یہ پہاڑ۔ یہ دریا یہ جنگل۔ یہ شہر یہ نہر۔ یہ سب چیتن کے سنکلپ کے نیچے ہیں۔ سب کچھ جو کچھ تم کو نظر آرہا ہے وہ چیتن کے سنکلپ کا ظہور ہے۔ ہم چیتن ہیں۔ چیتن بڑی شکتی ہے۔ چیتن جو چاہے وہ کرے اور یہی وجہ ہے کہ چیت والا صاحب ہمت انسان شیر پر سواری کرتا ہے۔ ہاتھی پر چڑھتا ہے۔ سمندر کا سینہ چاک کرکے اُس پر جہاز چلاتا ہے۔ آگ کو غلامی کے لئے مجبور کرتا ہے۔ سورج سے براہ راست گرمی لیتا ہے۔ بجلی سے روشنی حاصل کرتا ہے اور سب اُس کے تابع فرمان بنتے ہیں ذرا اس کو اپنے چیتن روپ کو سنبھال لینے دو۔ پھر کون ہے جو مقابلہ پر آوے۔ کسی کو مقابلہ پر آنے کی طاقت ہی نہیں رہتی۔ یہ چیت شکتی زندگی کی دوسری علامت ہے جس کے

ماتحت تمام طاقتیں ہیں اور جو خود بہت بڑی طاقت ہے۔

اس چت۔ چیتن۔ گیان وپرکاش سے ہی سب جانا جاتا ہے اسی سے ذات کی سمجھ آتی ہے۔ اسی سے انسان سمجھتا ہے کہ جو کچھ سنسار میں ہے۔ وہ آتما ہے۔ اور آتما سے ہے۔ یاگیہ ولکیہ کہتا ہے جب نقارہ بج رہا ہو۔ ایک شخص نہیں دیکھ سکتا کہ آواز کہاں سے آرہی ہے۔ مگر نقارہ کے دیکھ لینے سے بجتے ہوئے نقارہ کے آواز دیکھے جا سکتے ہیں"۔ "جیسے۔ ترلکڑی سے دھواں۔ چنگاڑی وغیرہ مختلف قسم کی چیزیں برآمد ہوتی ہیں۔ ویسے ہی اس مہاں آتما سے رگ وید یجروید وغیرہ وغیرہ برآمد ہوتے ہیں۔ یہ سب اُس کے سانس ہیں"۔ جس طرح نمک کی ڈلی اگر پانی میں ڈال دی جائے تو پانی میں مل کر ایک ہو رہتی ہے اور کوئی اُس کو نہیں دیکھ سکتا۔ لیکن کہیں سے کوئی پانی کیوں نہ لے۔ اُس میں نمک کی لذت محسوس ہوگی۔ دیکھ۔ اس طرح وہ مہاں آتما ہے جو بیحد۔ آزاد مطلق اور گیان محض ہے"۔ "جہاں دو ہوتے ہیں۔ وہاں دوسرا دوسرے کو دیکھتا ہے۔ وہاں دوسرا دوسرے کو سونگھتا ہے۔ دوسرا دوسرے کو سنتا ہے۔ دوسرا دوسرے کو بولتا ہے۔ دوسرا دوسرے کو جانتا اور غور کرتا ہے۔ لیکن جب سب آتما ہی آتما ہے۔ تو پھر کون کس کو دیکھے۔ کون کس کو سنے۔ کون کس کو جانے وغیرہ وغیرہ یہ گیان اور چیتن کی معراج ہے۔ یہاں پہنچ کر معلوم ہو جاتا ہے کہ گیان اپنا روپ ہے۔

زندگی کا تیسرا پہلو آنند ہے۔ آنند سکھ کو کہتے ہیں۔ جس کو اپنی

ہوتا ہے۔ دُکھی ہیں وہ جو اپنا روپ نہیں جانتے۔ یہ فرضی مصیبت کی قید میں بندھے ہوئے پریشان رہتے ہیں۔ یہ تمام دنیا کو ماتمکدہ سمجھے ہوئے ہیں۔ ورنہ اس کائنات میں کہیں بھی دکھ کا نام نہیں ہے جو کچھ ہے۔ سب سکھ روپ ہی ہے۔ کیونکہ زندگی کا نام ہی آنند ہے پھول کی گلابی مسکراہٹ۔ سورج کے نکلنے کے وقت کی سرخی۔ چاند کی فرحت بخش روشنی۔ سب سکھ ہی سکھ ہے۔ طوفان کی تیزی میں سکھ ہے۔ آتش فشاں پہاڑ کے شاندار کام میں سکھ ہے۔ سیلاب میں سکھ ہے۔ زلزلہ کی گھڑگھڑاہٹ میں سکھ ہے۔ کیسے خوبصورتی کے ساتھ سکھ کے ساتھ سارے کام ہو رہے ہیں۔ ایک ہنڈولا جھول رہا ہے جس میں برہما۔ وشنو۔ مہیش اور سارے پرانی جھول رہے ہیں۔ اور سب ہستی و سرور میں حقانی راگ گاتے ہوئے سکھ لوٹ رہے ہیں دکھ کا کہیں نام و نشان نہیں ہے۔ دکھ صرف وہاں ہوتا ہے۔ جہاں مغایرت و دوئی کے پر حسرت سلسلہ میں "میرا تیرا اپنا" آجاتا ہے۔ یہ میرا تیرا اپنا محض عارضی و فرضی حالت ہے۔ کون کس کا ہے اور کون کس کا نہیں ہے۔ مغایرت اور دوئی وہاں ہے۔ جہاں اپنے سروپ کی ہستی کا گیان نہیں ہے۔ جہاں یہ گیان ہے کہ ہم ہیں۔ اور سب ہمارا ہے۔ وہاں کون کس سے نفرت کرے۔ کون کس حالت کو بُرا کہے۔ کون کس کی حقارت کرے۔ کوئی اپنے سے نفرت نہیں کرتا۔ کوئی اپنی ذات کو بُرا نہیں کہتا۔ کوئی اپنی ہستی و شخصیت کی حقارت نہیں کرتا۔ کیونکہ اس میں دراصل نفرت۔ بدی اور حقارت کی گنجائش نہیں رہتی۔ میں

دیکھتا ہے۔ وہ سکھ روپ۔ گیان روپ اور ہستی محض ہے۔ اسی کو ست چت۔ آنند کہتے ہیں۔ آنند کہیں اور جگہ نہیں ہے۔ تم ہیں ہے۔ اور تم سوچ وچار کر سمجھ سکتے ہو کہ سوشپتی کی حالت میں سواد تمہاری اپنی ذات کے اور کچھ نہیں رہتا۔ اور تم سکھی رہتے ہو۔ اپنی ذات کو سمجھو۔ اور تم کو سب سکھ کا سروپ نظر آویگا۔ اسی وجہ سے مہرشی یگیہ ولکیہ ورہدارنیک اُپنشد میں کہتا ہے:۔

پرتھوی سارے پرانیوں کے لئے شہد ہے۔ پرتھوی کے لئے سارے پرانی شہد ہیں۔ دونو امرت اور تیجومے دیوتا جو پرتھوی میں رہتے ہیں اور امرت تیجومے دیوتا جو جسم میں رہتے ہیں۔ آتمک سنبندھ سے ایک دوسرے کے لئے شہد ہیں۔ یہ آتما ہے یہ امرت ہے۔ یہ برہم ہے۔ یہ سب کچھ ہے۔" پانی سارے پرانیوں کے لئے شہد ہے سارے پرانی پانی کے لئے شہد ہیں۔ دونو امرت۔ تیجومے دیوتا جو پانی میں رہتے ہیں۔ اور امرت تیجومے دیوتا جو بیج میں رہتے ہیں۔ آتمک سنبندھ سے ایک دوسرے کے لئے شہد ہیں۔ یہ آتما ہے یہ امرت ہے۔ یہ برہم ہے۔ یہ سب کچھ ہے۔" آگ سارے پرانیوں کے لئے شہد ہے۔ سارے پرانی آگ کے لئے شہد ہیں۔ دونو امرت تیجومے دیوتا جو آگ میں رہتے ہیں۔ اور امرت تیجومے دیوتا جو پانی میں رہتے ہیں۔ آتمک سنبندھ سے ایک دوسرے کے لئے شہد ہیں۔ یہ آتما ہے۔ یہ امرت ہے۔ یہ برہم ہے۔ یہ سب کچھ ہے۔" "سورج سارے پرانیوں کے لئے شہد ہے۔ سارے پرانی سورج کے لئے شہد ہیں دونو امرت تیجومے دیوتا جو سورج میں رہتے ہیں۔ اور

امرت تیجومے دیوتا جو پانی میں رہتے ہیں۔ آتمک سنیندہ سے ایک دوسرے کے لئے شہد ہیں۔ یہ آتما ہے۔ یہ امرت ہے۔ یہ برہم ہے یہ سب کچھ ہے۔" بجلی سارے پرانیوں کے لئے شہد ہے۔ سارے پرانی بجلی کے لئے شہد ہیں۔ دونو امرت تیجومے دیوتا جو بجلی میں رہتے ہیں۔ اور امرت تیجومے دیوتا جو شریر میں رہتے ہیں۔ آتمک سنیندہ سے ایک دوسرے کے لئے شہد ہیں یہ امرت ہے یہ آتما ہے۔ یہ برہم ہے۔ یہ سب کچھ ہے۔ "چاند سارے پرانیوں کے لئے امرت ہے۔ سارے پرانی چاند کے لئے امرت ہیں۔ دونو امرت تیجومے دیوتا جو چاند میں رہتے ہیں۔ اور امرت تیجومے دیوتا جو من میں رہتے ہیں۔ آتمک سنیندہ سے ایک دوسرے کے لئے شہد ہیں یہ امرت ہے۔ یہ آتما ہے۔ یہ برہم ہے۔ یہ سب کچھ ہے۔" بجر سارے پرانیوں کے لئے شہد ہے۔ سارے پرانی بجر کے لئے شہد ہیں۔ دونو امرت تیجومے دیوتا جو بجر میں رہتا ہے۔ اور امرت تیجومے دیوتا جو آواز میں رہتا ہے۔ آتمک سنیندہ سے ایک دوسرے کے لئے شہد ہیں۔ یہ آتما ہے۔ یہ امرت ہے۔ یہ برہم ہے۔ یہی سب کچھ ہے۔" آکاش سارے پرانیوں کے لئے شہد ہے۔ سارے پرانی آکاش کے لئے شہد ہیں۔ دونو امرت تیجومے دیوتا جو آکاش میں رہتا ہے۔ اور امرت تیجومے دیوتا جو من کے آکاش میں رہتا ہے۔ آتمک سنیندہ سے ایک دوسرے کے لئے شہد ہیں۔ یہ آتما ہے۔ یہ امرت ہے۔ یہ برہم ہے۔ یہ سب کچھ ہے۔" انصاف سارے پرانیوں کے لئے شہد ہے۔ سارے پرانی انصاف کے لئے

شہد ہیں۔ دونو امرت تیجومے دیوتا جو الضاف میں رہتا ہے اور امرت تیجومے دیوتا جو الضاف میں سے پیدا ہوتا ہے۔ آتمک سنیدہ سے ایک دوسرے کے لئے شہد ہیں۔ یہ آتما ہے۔ یہ امرت ہے۔ یہ برہم ہے یہ سب کچھ ہے۔" ست سارے پرانیوں کے لئے شہد ہے۔ سارے پرانی ست کے لئے شہد ہیں۔ دونو امرت تیجومے دیوتا جو ست میں رہتا ہے اور امرت تیجومے دیوتا جو سچائی میں پیدا ہوتا ہے۔ آتمک سنیندہ سے دونو ایک دوسرے کے لئے شہد ہیں۔ یہ آتما ہے۔ یہ امرت ہے۔ یہ برہم ہے۔ یہ سب کچھ ہے۔" منشیہ جاتی سارے پرانیوں کے لئے شہد ہے۔ سارے پرانی منشیہ جاتی کے لئے شہد ہیں۔ دونو امرت تیجومے دیوتا جو منشیہ جاتی میں رہتا ہے۔ اور امرت تیجومے دیوتا جو منشیہ جاتی میں پیدا ہوتے ہیں۔ آتمک سنیندہ سے ایک دوسرے کے لئے شہد ہیں۔ یہ آتما ہے یہ امرت ہے۔ یہ برہم ہے۔" آتما سارے پرانیوں کے لئے شہد ہے۔ سارے پرانی آتما کے لئے شہد ہیں۔ دونو امرت تیجومے دیوتا جو آتما میں رہتا ہے اور امرت تیجومے دیوتا جو آتما ہے۔ آتمک سنیندہ سے ایک دوسرے کے لئے شہد ہیں۔ یہ آتما ہے یہ امرت ہے۔ یہ برہم ہے۔ یہ سب کچھ ہے۔" "آتما سارے پرانیوں کا مالک ہے۔ سارے پرانیوں کا راجہ ہے۔ جس طرح پہئے کے تمام ارے۔ پہیہ کے ناف سے جکڑے رہتے ہیں۔ اسی طرح سارے پرانی سارے دیوتا۔ سارے برہمانڈ۔ سارے اندریاں۔ ساری آتمائیں اُس سے جکڑی ہوئی ہیں۔"

نویں شاکھا

صحت عقل دولت

بہت کم آدمی ملینگے۔ جو صحت۔ دولت اور عقل کی صحیح مراد کو سمجھ سکینگے۔ عام طور پر تن و توش والا جسیم و شحیم۔ الفربہ خواہ مخواہ مرد آدمی ہونا۔ تندرستی کی علامت ہے۔ روپیہ پیسہ۔ گھوڑا۔ گاڑی وغیرہ سامان کا بہتایت سے پاس ہونا دولت مندی ہے۔ دماغ کو کتابوں کے عاریت لئے ہوئے خیالات سے ٹھونس کر بھرنا اور ہر وقت بال کی کھال نکالتے رہنا عقلمندی کی علامت ہے۔ یہ تینوں حالتیں ممکن ہیں۔ عام آدمیوں کی سمجھ کے موافق اُن کی مراد کا اظہار کرتی ہیں۔ اور ساتھ ہی یہ بھی ممکن ہے کہ اُن سے اصلیت کا کوسوں فاصلہ ہے۔ ایک آدمی رات دن مگدر ہلایا کرتا ہے۔ دیکھنے میں موٹا تازہ ہے۔ مگر پھر بھی ممکن ہے۔ وہ تندرستی کی نعمت سے محروم رہے دوسرے آدمی کے پاس مال دولت کا سامان موجود ہو مگر وہ پھر بھی محتاج کہا جا سکتا ہے۔ تیسرے شخص نے بہت کچھ پڑھا لکھا ہے وہ بھی نادان اور بیعقل سمجھا جا سکتا ہے۔ صحت۔ دولت اور عقل کی صحیح مراد کچھ اور چیز ہے۔

یہ دنیا عالم اسباب ہے۔ یہاں اسباب کی ہمیشہ ضرورت ہوا کرتی ہے۔ ہر نتیجہ کا کوئی نہ کوئی سبب ہوا کرتا ہے اور جب سب کے نتیجوں یا نتیجہ کا خیال اور اُس کی اصلیت کی سمجھ خوب ذہن نشین ہو جاتی

ہے۔ اسی وقت انسان عالم اسباب کے ساز و سامان سے سچا سچا فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ اور اُسی میں صحت۔ دولت اور عقل اپنا اپنا تماشا دکھاتے ہیں۔

زندگی کے کاروبار میں ان تینوں کی قدم قدم پر ضرورت رہتی ہے اگر یہ نہ ہوں تو پھر زندگی کے مقصد کے حاصل کرنے میں سخت ناکامیابی ہوتی ہے۔ جنگل کے رہنے والے فقیروں کو جانے دو۔ کون کہہ سکتا ہے کہ اُن کی زندگی کامیاب ہے۔ ہاں جن کو گرہست آشرم میں رہ کر کام کرنا ہے اُن کی بابت بحث کرو۔ اُن کے لئے صحت وعقل ودولت اس قدر ضروری چیزیں ہیں کہ ان کے بغیر کوئی کام نہیں چل سکتا زندگی کا مقصد سکھ ہے۔ چاہے اس کو ظاہری نگاہ سے دیکھو چاہے باطنی نگاہ سے دیکھو۔ سکھ کے سوا اور کوئی مقصد انسانی زندگی کا نہیں ہو سکتا۔ اور صحت عقل اور دولت اُس سکھ کے حاصل کرنے کے ذریعے ہیں۔ قدرت بھی ہمارے زندگی کے عمارت کی تعمیر انہیں تین قسم کے سامان سے کرتی ہے۔ پہلے بنیاد بنتی ہے۔ پھر دیوار کھڑی جاتی ہے۔ اس کے بعد چھت ڈالی جاتی ہے جب چھت پڑ جاتی ہے۔ تب رہنے والے کو رہنے کا سکھ حاصل ہوتا ہے۔ اسی طرح بچپن میں دوڑ۔ دھوپ۔ کھانے پینے۔ کھیل کود سے جسم کی مضبوطی حاصل کی جاتی ہے۔ یہ بنیاد ہے۔ پھر برہمچریہ کے سلسلہ میں لکھنا پڑھنا۔ سوچنا۔ وچارنا وغیرہ سیکھا جاتا ہے۔ یہ دیوار ہے۔ پھر دولت حرمت۔ شہرت۔ اقبال مندی حاصل کی جاتی ہے۔ یہ چھت۔ اور جب یہ تینوں مکمل حالت میں ہوں۔ تو پھر زندگی کا لطف ملتا ہے

ورنہ سارا مزہ کرکرا ہو جاتا ہے۔ اور بڑی بے لطفی سے زندگی کٹتی ہے۔
پرمارتھ کی بات کہ تو تھوڑے دن کے لئے چھوڑ دو۔ دیکھو تو سہی۔
کیا کبھی بغیر ان کے کسی کو دنیا کا سکھ ملا ہے۔ رام رام کہو۔ زندگی
صحت وعقل و دولت سے شروع کی جاتی ہے۔ اور جب ان کا کام
ہولیتا ہے۔ تب مزہ۔ آنند اور سکھ کا موقع آتا۔ لڑکپن کھیل کود کے
دن ہیں نوجوانی پڑھنے لکھنے وعلم سیکھنے کا زمانہ ہے۔ جوانی محنت کرکے
روپیہ کمانے کا وقت ہے۔ جب سب کیل کانٹا درست ہو گیا۔ تب
سکھ چین لوٹنے کا وقت آتا ہے۔ یہ سکھ چین کس میں ہے یہ مضمون
بھی مختلف ہے۔ تاہم بطور اشارہ کچھ یہاں کہہ دینا ہی اچھا ہوگا۔
تاکہ پڑھنے والے غلط فہمی کے الجھن میں نہ پڑیں۔

بچپن میں انسان کی سرگرمی کا رخ جسم کی طرف رہتا ہے۔
اس لئے بچے قدرتاً۔ فطرتاً اور طبعاً دوڑ دھوپ۔ کھیل کود۔ کبڈی۔
لپاڈکی کیا کرتے ہیں۔ نوجوانی میں اس کی سرگرمی کا رخ۔ پڑھنے۔
لکھنے۔ دماغی مشاقی کے کاروبار۔ سوال جواب وبحث مباحثہ کی طرف
رہتا ہے۔ اس لئے وہ قدرتاً۔ طبعاً۔ فطرتاً۔ دلیل بازی۔ حجت منطق
وتحقیقات کے کاروبار کی جانب مائل ہوتے ہیں۔ جوانی میں ان کا رخ
دنیاوی سازوسامان کے اکٹھا کرنے کی جانب رہتا ہے۔ اس لئے
وہ طبعاً۔ فطرتاً۔ اور قدرتاً۔ کام۔ کاج۔ محنت مزدوری اور صنعت
حرفت میں دلچسپی لیتے ہیں۔ ان تینوں حالتوں کے گزرنے پر اُن
کی سرگرمی کا رخ آتما کی طرف مائل ہوتا ہے۔ اسلئے جہاں ادھیڑپن
کا زمانہ آیا۔ طبعاً۔ فطرتاً۔ اور قدرتاً وہ آتما کی طرف جھکے اور اسکے سکھ کو پراپت کرنے لگے

یہ سنسار اگیان کا استھان ہے۔ انسان بھرم اور اگیان سے اصلیت کو نہیں سمجھتا۔ ورنہ اگر وہ غور کر کے دیکھے تو قدرت خود بخود سہولیت و آسانی کے ساتھ اس کو آتما روپی منزل مقصود کی طرف لئے جا رہی ہے اور اگر کسی نے اس بات کو سمجھ لیا۔ اور صحت عقل و دولت کا سرمایہ اکٹھا کر کے آخر میں اُس طرف جھک کر اپنا کام بنا لیا تو خیر۔ ورنہ کال بھگوان کا ترسول ان کو مار مار کر آواگون کے پوتر کرنے والے حوض میں غوطہ دے دے کر جبر و سختی کے ساتھ ادھر رجوع کرتا رہیگا۔

خیر۔ یہ جملہ معترضہ تھا۔ مگر اچھا ہی ہُوا۔ ان تینوں کی غرض پہلے ہی کسی نہ کسی قدر سمجھا دی گئی۔

اب اس بات کا بتانا مقصود ہے کہ صحت عقل و دولت کی اصلی مراد کیا ہے اور وہ کس طرح حاصل ہو سکتی ہے۔

کوئی مجھ سے یہاں یہ اُمید نہ رکھے کہ میں تفصیلی وضاحت کے دلدل میں پھنس کر خواہ مخواہ لفظوں کے گورکھ دھندے میں خود پھنسوں اور دوسروں کو پھنساؤں۔ اس لئے جو کچھ کہا جائیگا۔ اختصار کے ساتھ کہا جائیگا۔ اور ساری بات نپی تلی ہوگی۔

اصحت و تندرستی سے جسم کا موٹا ہونا کبھی مراد نہیں ہے کیونکہ جو لوگ پہلوانوں کی طرح ساری توجہ جسم کو دے دیتے ہیں۔ وہ صحت کی دولت سے محروم رہ جاتے ہیں۔ ان کو تم بڑا جانور کہہ سکتے ہو۔ کیونکہ حیوان کی تمام توجہ جسم و جسمانی ضرورت کی طرف رہتی ہے۔ گھوڑے کو چارہ گھاس دیکر یہ اُمید کی جاتی ہے کہ وہ منزل مقصود تک پہنچا دے۔ اگر رات دن اُس کو ملتے دلاتے رہیں۔ تو

سمجھ لو۔ منزل پر وہ کیا پہنچیں گے۔ راہ ہی میں قزاق اُن کو لوٹ لینگے اور وہ کتوں کی موت مرینگے۔ یہ جسم تمہارا دراصل گھوڑا ہے۔ اس کو آتمارُوپی منزل مقصود کی طرف لے جاتا ہے۔ اس لئے اس کی پرداخت و پرورش کی غرض یہ ہے کہ یہ توانا ہو، مقصد کی تکمیل میں مددگار بنے اور بس۔

صحت کی تعریف سینکڑوں طریقوں پر کی جاتی ہے۔ مگر میں اُس کی اصلیت کو ایک لفظ "ہم آہنگی" کے سلسلہ میں سمجھانے کی کوشش کرونگا۔ خارجی اور اندرونی دنیا کے ساتھ ہم آہنگی اور موافقت رکھنا صحت ہے۔ اور ہم جس طرح اپنے اور دوسروں کے ساتھ اپنے تعلقات کو خوش اسلوبی کے ساتھ برتتے ہیں۔ اُسی سے تم بہ آسانی نتیجہ نکال سکتے ہو۔ کہ آیا ہم کو اصل میں صحت کا درجہ حاصل ہے یا نہیں ہے جس طرح ستّ۔ رج۔ تم کی سامیہ اوستھا کا نام پرکرتی ہے اور یہ آتما کی صحت ہے۔ اُسی طرح جب ہمارے جسم کے پرزے ہم آہنگی کی حالت میں رہتے ہیں۔ وہی ہماری جسمی صحت ہے۔ کیونکہ جس طرح ستّ رج۔ تم کے سامیہ اوستھا میں فرق آجانے سے سرشٹی کا نقص پیدا ہوتا ہے۔ ویسے ہی ہمارے جسمی کل کے حصّوں میں ناموافقت و غیر ہم آہنگی کی وجہ سے بیماری پیدا ہوتی ہے۔ اور مرض دامن گیر ہوتا ہے۔ سرشٹی و پرلے۔ دراصل نامرغوب حالتیں ہیں۔ اُسی طرح ہمارا مرنا جینا بھی پسندیدہ حرکت نہیں ہے۔ اس سے بدتر اور کیا حالت ہوگی۔ جو باہر ہے وہی اندر ہے۔ جو سمشٹی میں ہے۔ وہی ویشٹی میں ہے۔ جیسے سامیہ اوستھا اچھی حالت ہے۔ ویسے ہی ہمارے جسم کے تمام پرزوں کا

ہم آہنگ ہونا صحت کی دلیل ہے۔ اور اگر تمہارے جسم کو یہ حالت نصیب ہے تو کیا کہنا ہے ہم تم کو صحیح الجسم کہینگے۔ اس طرح کی صحیح الجسمی سامیہ اوستھا۔ ہم آہنگی۔ اور باہمی موافقت کہلاتی ہے۔ جب تک یہ موجود ہے جسم صحیح ہے جہاں یہ دور ہوئی۔ ستار کے ناموافق تاروں کے آواز کی طرح ان کے بیوہار میں کرختگی آجاتی ہے۔ اور یہ سب برباد ہوجاتے ہیں۔

چار طبع مخالف و سرکش چند روزے بُوند باہم خوش
گر یکے زیں چہار شد غالب جان شیریں برآید از قالب

بیماری اور کوئی چیز نہیں ہے۔ ہم آہنگی کا دور ہونا بیماری ہے صرف اتنا ہی مقصود نہیں ہے کہ ہمارا جسمی کل اپنے ہی اندر ہم آہنگی کا تماشا دکھلائے بلکہ باہری دنیا کے ساتھ بھی اس کے تعلقات اُسی قسم کے ہوں۔ تب وہ صحیح الجسم کہلائے جانے کا مستحق ہوگا۔

مگر سوال یہ ہے کہ جسم کس طرح صحیح رہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ تمہارے جسم میں اس قسم کے مرکز ہیں۔ اگر تم کو اُن کے ساتھ اپنی توجہ کے جوڑنے کا راز معلوم ہو جائے تو تم مساوات کی حالت پر ہمیشہ قائم رہ سکوگے۔ اور وقت ضرورت اُن سے طاقت کی کافی مقدار حاصل کر سکوگے۔ مگر اس کے ساتھ یہ بھی شرط ہے کہ ان مرکزوں سے صرف ضروری طاقت حاصل کرنے کا ہمیشہ خیال رہے۔ ورنہ اگر کام زیادہ کیا گیا۔ خواہ بہت کم کیا گیا۔ تو مساوات میں فرق آجائیگا مرکز سے علیحدگی ہو جائیگی۔ اور بگڑے ہوئے ناموافق ستار کے تاروں کی آواز کی طرح ایک ناخوشگوار اور کریہہ کیفیت پیدا ہوگی۔ یہ مرکز اصل میں ہمارا دل ہے۔ جس سے سوچ وچار۔ طاقت اور محسوسات

خیالات کی دھاریں نکلتی رہتی ہیں۔ ہم جو کام کرتے ہیں۔ اُس میں من کی شرکت ہوتی ہے۔ اور یہ من اپنے سلسلہ میں کچھ اس طرح کام کرتا ہے کہ جس کو دیکھ کر سخت حیرت ہوتی ہے۔ چار طرح کے من جسم کے چار حصّوں میں پھیلے ہوئے ہیں۔ ان میں سے ایک من ہے۔ جو سفلی طبقہ سے تعلق رکھتا ہے۔ دوسرا چت ہے۔ جس سے سنکلپ وکلپ اُٹھتے ہیں۔ تیسرا اہنکار ہے جو اپنی ہستی کا اقرار کرانے کا شائق رہتا ہے۔ چوتھا بُدھی ہے جو نشچے آتمک ہے۔ اور یہی یقین دلانے والی حالت ہے۔

ان کے کام کے سلسلہ کو دیکھو۔ جسم کو مچھر نے کاٹا۔ من نے اس کو محسوس کیا۔ چت نے اس کو دھیارا۔ اہنکار نے اس کو دوڑایا اور بدھی نے اُس کا یقین کرایا۔ اس طرح یہ ملے جُلے ہوئے کام کرتے ہیں۔ اور ہر قسم کے کام میں چاہے وہ جسمانی ہوں یا اور طرح کے ان سے زندگی۔ خیالات اور محسوسات کی دھاریں نکل کر سب کو متحرک کر دیتی ہیں۔ یہ مرکز سب کی پہنچ میں ہیں۔ ان کے قابو میں لانے کا راز سیکھ لو۔ اور تم بہ آسانی اپنے جسم کے تمام کل پرزوں میں ہم آہنگی حاصل کرا کر صحت و تندرستی کے وارث بن سکو گے مشاق شرط ہے۔ اور جہاں یہ ایک مرتبہ حاصل ہو گئی۔ پھر تم ساری عمر کے لئے بے خوف ہو جاؤ گے۔ دنیا سمت غفلت میں ہے۔ ایک طرف غفلت سے سستی ہے۔ دوسری طرف زندگی کی شکل وہ تو طرف سے چل رہی ہے۔ موجودہ تہذیب کے انسان رات دن کی سرگرمی سے پریشان ہیں۔ بیماری اس تیز رفتار سے بڑھ رہی ہے کہ جس کا

حد و حساب نہیں۔ چونکہ ان مرکزوں کے سمجھنے۔ اُن کے قابو میں رکھنے
اور اُن سے مناسب کام لینے کا ڈھنگ نہیں معلوم ہے۔ ہر جگہ بربادی
کے منظر نظر آرہے ہے۔ اور ہم قدرت سے براہ راست صحت کی حاصل نہیں کرسکتے
اس کو کبھی نہ بھولو کہ صحت ایک سے دوسرے کے جسم میں منتقل کی جاسکتی ہے۔ ابھی ایک بیمار کے پاس جاکر
اُس کے دل کو صحت کے خیال قبول کرنے کے قابل بنادو۔ بیماری
رخصت ہونے لگیگی۔ اور یہ عمل تم روزا اپنی گفتگو کے سلسلہ میں کرتے
رہتے ہو۔ اسی طرح ہم قدرت کے زبردست بھنڈار سے صحت کو لے
سکتے ہیں۔ بشرطیکہ ہم کو لینا آتا ہو۔ ہم ایشور میں رہتے ہیں۔ اُسی میں
بستے ہیں۔ وہ ہمارے ارد گرد ہے۔ اور وہی صحت کا خزانہ
ہے۔ اگر کسی طرح اس کی سمجھ آجائے۔ اور اُس سے
فائدہ حاصل کرنا سیکھ لیا جائے۔ تو پھر بیماری کا مطلق خوف
نہ رہے۔

دو باتیں ہو چکیں۔ ایک تو محسوسات اور خیالات کے مرکز کا
جان لینا۔ دوسرے ایشور سے تعلق رکھنا۔ تیسری بات صحت کے
متعلق معمولی معمولی اصول کا سمجھ کر عملدرآمد کرنا ہے۔ کچھ مشکل کام نہیں ہے
چوتھی ضروری بات یہ ہے کہ دل میں مضبوطی کے ساتھ یہ خیال
قائم کرلیا جائے۔ کہ بیماری اور موت صرف کمزور خیالات کا نتیجہ ہیں
تندرستی زندگی کے کاروبار کا نام ہے۔ اور وہ دیوتاؤں کی میراث
ہے۔ موت صرف فانی جسم۔ کمزور جسم اور بیمار جسم کے لئے ہے۔
بھیم - ارجن - نکل - سہدیو سب مر جاتے ہیں۔ مگر یودھشٹر نہیں
مرتا۔ سبب یہ ہے۔ کہ تمام آتما کے دھرم میں درتہ -

تندرستی کے لئے پانچویں شرط یہ ہے کہ جو کام کیا جائے سہولیت و آسانی سے کیا جائے۔ سلامت روی اور سہولیت کو کبھی ہاتھ سے نہ دیا جائے۔ چڑچڑے پن کو یک لخت علیحدہ کر دیا جائے۔ دل کی تربیت ایسی ہو کہ گذشتہ ناخوشگوار حالات و واقعات ہمیشہ فراموش ہوتے رہیں۔ کیونکہ زندوں کے لئے شرم کی بات ہے کہ وہ مردہ خیالات مردہ حالات و مردہ واقعات کے بوسیدہ گوشت ہڈیوں کے ڈھیر میں پڑے رہیں۔ "گذشتہ را صلوٰۃ" کا مسئلہ یاد رہے۔ حضور رائے سالگرام صاحب بہادر کا قول ہے کہ جو شخص سہولیت کے ساتھ اپنا کام کرتا ہے اور دوسروں کے کام میں دخل در معقولات کرنے کا عادی نہیں ہے۔ اُس کا کام بہت آسانی سے بنتا ہے۔" اور یہ ٹھیک بھی ہے۔ تم صرف اپنا کام کرو۔ کام کرنے کا ڈھنگ سیکھ لو۔ اپنے جسم سے طاقت کی دھاروں کے کھینچنے کے راز سے واقف ہو جاؤ۔ ضرورت کے موافق کام کرو۔ تو تم کو بیماری سے نجات رہیگی۔

جو لوگ دنیا کے سدھار کے پیچھے پڑے رہتے ہیں۔ وہ اکثر پریشان اور اکثر بیمار رہتے ہیں۔ قاضی کیوں دُبلا؟ شہر کے اندیشہ سے۔ دنیا میں کہاں اور کس جگہ سدھار کی ضرورت ہے؟ میں اس کو مکمل دیکھتا ہوں۔ تم اصلاح کس کی کر رہے ہو۔ تمہاری اپنی ہستی ہی کیلئے ہے۔ جو مکمل ایشور کی مکمل سرشٹی کی درستگی کا حوصلہ کر رہے ہو اپنا کام کرو اور بس۔ ورنہ ہمیشہ صحت سے ہاتھ دھوتے رہو گے۔ کیونکہ زندگی میں اوروں کے اصلاح کی کہیں بھی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔ جو کچھ ہو رہا ہے اچھا ہو رہا ہے۔ یہ چھٹویں شرط ہے +

ساتویں شرط یہ ہے کہ کبھی بیکار نہ رہو۔ بیکاری بیماری لاتی ہے بیکاری شیطان کے کارخانہ کی گودام ہے"۔ اور اسی طرح حد درجہ کی سرگرمی اور عجلت کا کام بھی شیطان کا کام ہے۔ باکار رہنا اور ضرورت کے موافق کام کرنا دیوتاؤں کا وصف ہے۔ جو کام تم کو پسند ہے۔ جس کے لئے قدرت نے موزوں طبیعت دی ہے۔ اس کو کرو اور دل لگا کر کرو۔ اور پرماتما کی مہربانیوں کا شکریہ ادا کرتے ہوئے زندگی کو ایسی خوش اسلوبی کے ساتھ بسر کرو۔ کہ تمہاری صورت و شکل۔ قول و فعل سے صحت کے کرشمے نظر آئیں۔ اور جو تم سے ملیں۔ ان کو بھی تمہاری صحت کا فیض پہنچتا رہے۔ اس قدر صحت کے لئے کافی ہے۔

ب۔ زندگی کی دوسری چیز عقل ہے۔ حیوان و انسان میں صرف اتنا فرق ہے کہ ایک میں عقل ہے۔ دوسرے میں عقل نہیں۔ مگر جس طرح صحت کے لئے لازمی ہے کہ اصلیت کی سمجھ لیکر صحیح الجسم بنا جائے۔ اسی طرح عقل کی اصلیت کی سمجھ لیکر صحیح العقل بننے کی کوشش کرنی چاہئے۔ سوچ وچار کا بھی تعلق من ہی سے ہے۔ یہاں بھی عقل حاصل کرنے کے لئے قریب قریب اتنی ہی شرطیں ضروری ہیں۔ جتنی صحت کے لئے اوپر بتائی گئی ہیں۔ تم کبھی بیجا طور پر دماغ کو ٹھونس ٹھونس کر اوروں کے خیالات سے نہ بھرو۔ اُن سے ضرورت کے موافق صرف اشارہ لینا ضروری سمجھو۔ باقی کام تم خود کرو۔ جس مکان یا کمرہ میں بلا ضرورت فضول چیزیں بھری رہتی ہیں۔ وہاں صحت بخش ہوا کا گذر نہیں ہوتا۔ کیڑے پیدا ہوتے ہیں۔ بعض

غلاظت اور بیماری آتی ہے۔ ویسے ہی جس کے دماغ میں خواہ مخواہ تمام قسم کے معلومات کا کوڑا کرکٹ بھرا رہتا ہے۔ اس کو صحیح الدماغی اور صحیح العقلی کا رتبہ نہیں ملتا۔ بلکہ وہاں سڑاہند رہتی ہے۔ دنیا میں بہت پڑھنے لکھنے والے زیادہ فاترالعقل ہوتے ہیں۔ ضرورت تو صرف اتنی ہے کہ انسان سوچ سمجھ والا بنے۔ اسی کے لئے سب کچھ عمل و شغل کیا جاتا ہے۔ لیکن اگر وہ اصل غرض نہ سمجھ کر دوسروں کی رائے کا خواہ مخواہ مقلد بنا ہوا ہے۔ خود سوچ کر نتیجہ پر نہیں پہنچ سکتا۔ تو وہ عقل سے خالی ہے اور اس کا پڑھنا لکھنا فضول ہے۔ دوسروں کی جوٹھی پتل چاٹنے والے۔ دوسروں کے پس خوردہ پر بسر کرنے والے دوسروں کے دماغ کا فضلہ چبانے والے کبھی کسی حالت میں عاقل سمجھے جانے کے قابل نہیں ہیں۔ اس لئے تم کو اور ہم کو چاہئے کہ عقل کے مرکز میں قائم ہونے کا ابھیاس کریں۔ ایشور جو عقل کا بھنڈار ہے اس سے تعلق پیدا کریں۔ عقل کو برکت اور کام کی چیز سمجھ کر بلا سوچے وچارے کوئی کام نہ کریں۔ اپنی عقل کو صرف ضروری اور اپنے سے متعلق باتوں سے کام رکھنے کی ہدایت کیا کریں پرماتما کی سرشٹی میں اننت عقل ہے۔ تم کس کس کو لے سکو گے۔ یہ وہ بحر بے پایاں کنارہ ہے کہ جس کا وار پار نہیں۔ اس لئے ایک جگہ مرکز بنانے کی کوشش کرو۔ جو مضمون تم کو پسند ہے بمقابلہ اور دل کے اس کے مطالعہ کی طرف دھیان دو۔ اور اگر اس میں تم کو اچھی مہارت آگئی تو ممکن ہے عام طور پر تم بہت سے مضامین کو بھی سمجھنے لگ جاؤ۔ جس مضمون کے لئے قدرت نے تم کو موزوں بنایا ہے۔ اس کو حقارت کی

نگاہ سے کبھی نہ دیکھو۔ وہی سب کچھ ہے۔ اُسی سے سب کچھ ہو گا۔ اور اگر تم مرکز پر قائم ہو جاؤ گے۔ تو بدھی نرمل بنجاویگی اور اُسی کی طفیل سے تم پر بھی ویسے ہی بالہام و وحی نازل ہونگے جو اوروں کو ہُوا کرتے تھے اگر عقل کا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ ہم خود سوچ وچار والے بنتے ہیں۔ تو ٹھیک ہے یہ صحیح العقلی ہے۔ ورنہ وہ لعنت کی چیز ہے۔

ج۔ اسی طرح دولت کا مضمون ہے۔ دولت صرف روپیہ پیسہ ہی کو نہیں کہتے۔ بلکہ جن چیزوں سے زندگی کی ضروریات بہ آسانی رفع ہوں۔ وہ دولت ہے۔ قدیم زمانہ میں لوگوں کے پاس تھوڑی سی زمین اور گائے بیل ہُوا کرتے تھے۔ اور وہ زمین کو بیل کی مدد سے جوت کر غلہ پیدا کرتے تھے۔ اور گائیں دودھ دہی بہ افراط دیا کرتی تھیں۔ یہی اُن کی دولت تھی۔ زمانہ نے پلٹا کھایا۔ تجارت کے سلسلہ میں اشیاء کے تبادلہ کا کاروبار جاری ہُوا۔ اور چونکہ روپیہ۔ پیسہ بآسانی اس غرض کو پورا کرنے لگا۔ وہی دھن۔ دولت کا مرادف ہُوا۔ اور اس تہذیب کے زمانہ میں اُس کو خصوصیت کا جو رتبہ حاصل ہے۔ کسی کو بھی نہیں۔ حالانکہ وہ اتنے کام کی چیز نہیں ہے۔ تاہم جس کا راج اُس کی دہائی دنیا میں جب جیسے بیوہار کا زمانہ آتا ہے۔ ویسے ہی کام کرنے کی مجبوری ہوتی ہے۔ اس لئے اس وقت جو لوگ روپیہ کی جائز قدر نہیں کرتے وہ آخر میں پچھتاتے ہیں۔ ہم سب کے لئے جس قدر صحت اور عقل ضروری ہیں۔ ویسے ہی دھن۔ دولت کا ہونا بھی ضروری ہے۔ دھن۔ دولت کو ہم نے مکان کی چھت سے مشابہ کیا تھا۔ بغیر چھت کا مکان کیا ہے۔ اور اس لئے اگر صحت ہے اور عقل ہے

مگر دولت پاس نہیں ہے تو زندگی کے مقصد کے حاصل کرنے میں بے لطفی ہوگی۔ اور وہ سکھ کبھی پراپت نہ ہوگا۔ جس کا پہلے ذکر کر آئے ہیں

دنیا کی تواریخ میں ایک وقت ایسا تھا۔ جب لوگوں کی ضرورتیں کم تھیں۔ زندگی سادہ تھی۔ روٹیوں کے لئے اس قدر کشمکش نہیں کی جاتی تھی۔ اگر کوئی شخص جنگل میں رہتا تھا۔ تو پھل پھول اُس کی ضرورت کو رفع کر دیتے تھے۔ اب وہ حال نہیں ہے۔ اب دوسری طرح کا وقت ہے۔ نہ جنگل ہیں نہ ویسی بستیاں ہیں۔ پہاڑوں میں بھی زندگی کی ضروریات بہم پہنچانے کا سامان نہیں۔ اس لئے جو بات پہلے زمانہ کی نسبت صحیح تھی۔ اب غلط ہوگئی۔ اور آیندہ جو زمانہ عنقریب آنے والا ہے۔ وہ اس سے بھی بہت بُرا ہوگا۔ اس لئے سب کو مقتضائے وقت دیکھ کر صحت و عقل کے ساتھ دھن کے کمانے کا بھی جتن کرنا چاہئے تاکہ جس وقت انسان آتمک وچار کے میدان کی طرف رجوع ہو۔ یہ آسانی آتمک سکھ کا لابھ اٹھا سکے۔

دھن کی پراپتی کا بھی تعلق صحت اور عقل کی طرح من سے ہے۔ من میں قائم ہو کر دھن کی کامنا کرنا ایک ہی قسم کا پیشہ یا کام کرنا جس کے لئے طبیعت موزوں ہے۔ دھن کے پیدا کرنے کا بہتر سادھن ہے۔ جو لوگ فضول کام کاج سوچا کرتے ہیں۔ اور یہ نہیں جاننے کی کوشش کرتے۔ کہ وہ نیچر کے نظام میں کس خاص کام کے لئے وضع ہوئے ہیں۔ اور محض تقلید یا غیروں کی رائے سے پیشہ کا انتخاب کرتے ہیں۔ وہ ساری عمر دولت مند نہیں ہوتے ضرورت ہے۔ کہ صرف ایک کام کیا جائے۔ جو طبیعت کے

موافق ہو۔ اور اُس کو دھن کے کمانے کا وزیعہ بنایا جائے۔

دھن کا جائز قدر کرنا بُرا نہیں ہے۔ اُس میں اپنے من کا باندھنا بُرا ہے۔ دھن بطور خود سکھ نہیں ہے۔ بلکہ صحت اور عقل کی طرح اُس کا سادھن ہے۔ جو لوگ اس سے زیادہ دھن کو اہمیت دیتے ہیں۔ وہ اپنا سخت نقصان کرتے ہیں۔

انسان کو لازم ہے کہ سہولیت کے ساتھ زندگی کے مدارج کو سمجھتا ہوا۔ دھرم۔ ارتھ۔ کام۔ موکش سب کو پراپت کرے۔ اور اپنی زندگی کے مقصد کو حاصل کرے۔ نیہایوگیہ ہر چیز کے ساتھ برتاؤ کرنا اور اپنے روپ میں استھت ہونے کا اپاؤ سوچنا انسان کا پرم دھرم ہونا چاہئے۔

دسویں شاکھا

پاروتی
سرسوتی لکشمی

صحت عقل اور دولت تینوں ہی ضروری چیزیں ہیں صحت عقل اور دولت تینوں ہی لوک پرلوک کی بھلائی کی سادھک ہیں مگر ان سے یہ نہ نتیجہ نکالنا چاہئے کہ وہ بطور خود مقصد ہیں۔ مقصد تو کچھ اور ہی چیز ہے۔ اور وہ اپنے سروپ کا پہچاننا دکھ کی نورتی اور سکھ کی پراپتی ہے۔ مگر یہ تینوں اس کے سادھک ہیں۔

تین پہئے کی گاڑی میں ایک آگے کی طرف رہتا ہے۔ دو دائیں بائیں ہوتے ہیں۔ اور یہ تینوں منزل مقصود کی طرف لے جانے کا

اہتمام کرتے ہیں۔ آگے والے پہیئے میں اُس گاڑی کے باقاعدہ رکھنے کا انتظام رہتا ہے۔ اسی طرح صحت اور دولت یہ بھی زندگی کے پہیئے دار رتھ کے دو پہیئے ہیں۔ اور عقل تیسرا پہیئہ ہے۔ اور جب اس پر سوار ہوکر مسافر چلنے لگتا ہے۔ وہ آہستہ آہستہ منزل کو پہنچ جاتا ہے۔ لیکن اگر غلطی سے کہیں پہیئوں کو خوبصورت دیکھ کر چپت کی ورتی کو اُن میں پھنسا دیا۔ تو پھر غار میں گر پڑتا ہے۔ اور پریشان ہو جاتا ہے۔

اکثر گاڑی میں خواہ اور قسم کے بار برداری کے سامان میں تین طرح کے پُرزے کام کرتے ہیں۔ اگر دو پہیئے ہیں۔ تب بھی گاڑی کے برابر رکھنے کے لئے کوئی اور تدبیر سوچی جاتی ہے۔ کشتی کھینے میں جہاں دو ڈانڈوں سے کام لیا جاتا ہے۔ ساتھ پتوار بھی حرکت میں رہتی ہے۔ پرند کے دو پر ہوتے ہیں جو حرکت کرتے ہوئے پرواز میں آتے ہیں۔ لیکن اگر دم نہ ہو تو پھر جا بجا سنبھل کر حرکت کرنے کے قابل نہ ہو سکینگے۔ یہی صورت مچھلیوں کی بھی ہے جو پانی میں تیرتی رہتی ہیں۔ اونچے طبقہ میں بھگتی۔ یوگ۔ اور گیان کی بھی یہی حیثیت ہے اسی طرح اس وقت ہم جس جگہ بیٹھے ہوئے جس خاص طبقہ سے گفتگو کر رہے ہیں۔ وہاں صحت۔ دولت۔ اور عقل بھی یہی رتبہ رکھتے ہیں۔ اگر یہ نہ ہوں تو دنیاوی زندگی بالکل نشیھل جاوے گی صحت اور دولت اس زندگی کے دو پہیئے ہیں۔ جو دائیں بائیں حرکت میں رہتے ہیں۔ اور عقل تیسرا پہیہ ہے جو اُس کو مناسب اور ضروری رُخ کی طرف وقتاً فوقتاً پلٹا دیتی رہتی ہے۔

جو کوئی اُن تینوں میں سے کسی ایک سادھن سے تعلق رکھتا ہے وہ
اپنے سادھن کی حیثیت سے اعلےٰ درجہ کی عزت حاصل کر لیتا ہے۔
ایک شخص نے ڈنڈ بل کر کے خوب طاقت حاصل کی۔ پہلوان بن گیا۔
ممکن ہے جو کام کسی سے نہ ہو وہ کر لیتا ہے۔ شاید عمر بھی زیادہ ہو
جائے۔ چت کی ورتی کو بالکل تندرستی کی طرف رجوع کر دینے سے
اُس کو پہلوانی کی سند مل گئی۔ مگر کیا اُس کے رسوخ کا دائرہ اُس
دولتمند سے زیادہ ہو سکتا ہے۔ جو اُس کے ایسے پچاسوں پہلوان
نوکر رکھ سکتا ہے؟ اس سے ثابت ہے کہ جسمی طاقت والوں سے
دھن والے زیادہ عزت و اختیار والے ہوتے ہیں۔ مگر کیا دولتمند
کبھی عالموں سے زیادہ توقیر کے مستحق سمجھے گئے۔ نہیں علم کی قدر
ہر جگہ ہوتی ہے۔ اس کا اثر دولتمندوں پر بھی ہوتا ہے اور عالم عاقل
تم دیکھتے ہو۔ جب اپنے آن پر آجاتے ہیں۔ ساری دنیا کو تہ و بالا کرتے
ہیں۔ ان کی طاقت جسم و دھن کی طاقت سے کہیں زیادہ ہے
مگر ان عالموں کو بھی وہاں متحیر ہونا پڑتا ہے۔ جہاں آتمک بل والوں
سے کام پڑتا ہے۔ اس سے آتما کا درجہ ان سب سے اونچا ہے
اور یہ تینوں اُس تک پہنچانے میں مددگار ہوتے ہیں۔

اگر لوگ صحت۔ دولت و عقل سے جائز فائدہ اٹھا کر زندگی کے
اعلےٰ مقصد کو نگاہ کے سامنے سے اوجھل نہیں ہونے دیتے تو وہ
اپنا کام بنا لے جاتے ہیں۔ لیکن جو ایسا نہیں کرتے اُن کی حالت
قابل افسوس ہو جاتی ہے۔

آؤ۔ کچھ دیر کے لئے اس پر وچار کرو۔

پاروتی صحت۔ بل اور طاقت کی دیوی ہے۔ جو خونخوار شیر پر سواری کرتی ہے۔ جو صحت کے بھروسے اصلیت کی طرف نہیں چلتے پاروتی اُن کو مار کر کیلاش کی چوٹی پر پھینک دیتی ہے۔ جہاں بھوت۔ پشاچ۔ بیتال اور پریت ناچنے والے ہیں۔ ہڈیوں کی مالا پہنے۔ ہاتھوں میں خون کا کھپر لئے ہوئے یوگنیاں ڈراتی ہیں۔ سانپ پھنکارتے ہیں۔ بچھو کاٹتے ہیں۔ برف اور پالے سے جان کو عذاب پہنچتا ہے۔ بھسماسُر نے ایک مرتبہ اسی جسمانی طاقت کے ارادہ سے شیوجی کی تپسیا کی۔ آشوتوش شیو نے بردان دے دیا۔ وہ آفت ڈھانے لگا۔ آخر وشنو نے پاروتی کے سروپ میں اُس کو جلا کر خاک سیاہ کر دیا۔ یہ جسمانی طاقت کے بل اور پراکرم پر غرور کرنے کا نتیجہ ہوتا ہے۔ پاروتی اُن لوگوں کو کبھی پسند نہیں کرتی جو محض جسمانی بل کے بھروسے رہتے ہیں۔

اسی طرح لکشمی دھن دولت اور سمپتی کی دیوی ہے جو وشنو بھگوان کے بائیں طرف نشست رکھتی ہے۔ جو محض دھن پر اتراتے ہیں۔ اُن کو وشنو بھگوان لکشمی کا اشارہ پا کر چھل لیتے ہیں اور پاتال میں گرا دیتے ہیں۔ راجہ بل نے لکشمی و دولت کے دان کا گھمنڈ کیا۔ اور اسی دھن کے دان سے اونچے چڑھنے کا ارادہ کیا وامن جی نے نہ صرف اُس کا دھن چھین لیا۔ بلکہ نیچے سے نیچے طبقہ میں جا گرایا۔ جہاں لکشمی رہتی ہے وہاں اتھاہ سمندر ہے۔ مگرمچھ گھڑیال منہ کھولے ہوئے ہڑپنے کو تیار رہتے ہیں۔ اور شیش ناگ کے ہزار منہ سے آگ کے شعلے نکلتے دیکھ کر

خوف ہوتا ہے۔ جو دھن کی اصلیت نہ سمجھ کر دھن ہی کو زندگی کا مقصد بنا لیتے ہیں۔ وہ خزانے کے سانپ ہوتے ہیں۔ اپنا جنم اکارتھ کھوتے ہیں۔ اور سب کچھ برباد کر جاتے ہیں۔ لکشمی ایسے پاپیوں سے نفرت کرتی ہے۔

سنو۔ ایک مرتبہ کسی لالچی برہمن کو لکشمی کے سدھ کرنے کا خیال پیدا ہوا۔ وہ ایک سادھو کے پاس گیا۔ کئی دن اُس کی سیوا کرتا رہا۔ سادھو نے خوش ہو کر پوچھا بچہ! کیا چاہتا ہے۔ اُس کی عقل ٹھکانے نہیں رہی تھی۔ بالعوض لکشمی مانگنے کے اُس نے کہا مجھ کو لکشمی کے درشن کی خواہش ہے۔ سادھو نے جواب دیا بہت اچھا۔ کل رات فلاں پیپل کے تلے جا۔ وہاں اُس کا درشن ملیگا۔ برہمن وقت مقررہ پر وہاں گیا۔ رات اندھیری تھی۔ درخت کے تلے ایک دیوی کھڑی تھی۔ جو بقعہ نور تھی۔ اُس نے برہمن سے کہا دیکھ دیکھ۔ میری صورت دیکھ لے۔ سادھو نے صرف اتنا ہی بر دیا ہے۔ برہمن کو اب اپنی غلطی کی سمجھ آئی۔ درشن کر لیا۔ پھر حیرت سے پوچھنے لگا۔ خیر جو کچھ مہاتما نے کہا سچ ہوا۔ آپ صرف ایک سوال کا جواب دے دیجئے پھر میں چلا جاؤنگا۔ لکشمی نے پوچھا وہ کیا ہے۔ برہمن بولا آپ کا سارا جسم تو روشن ہے۔ مگر پاؤں اور پیشانی دونو سیاہ ہیں۔ اس کا کیا مطلب ہے۔ لکشمی ہنسی۔ "پاپی! سن میری پیشانی تو اس وجہ سے کالی ہے کہ میں سادھو مہاتماؤں کے چرنوں پر اپنا ماتھا رگڑتی ہوں۔ کہ مجھ کو سیوا میں قبول کریں۔ مگر وہ نہیں قبول کرتے۔ اور پاؤں اس واسطے کالے ہیں کہ تیرے ایسے زبردست میرے پاؤں ہیں

اپنا ماتھا رگڑا کرتے ہیں - کہ میں اُن کے گھر جا کر بسوں - مگر میں نہیں جاتی یہ کہہ کر لکشمی غائب ہوگئی اور وہ ہکا بکا ہو کر چلا آیا - دیکھا - لکشمی زبردستوں کے ساتھ ایسا سلوک کرتی ہے -

اسی طرح سرسوتی - عقل - تمیز و سمجھ بوجھ کی دیوی ہے جو ہنس پر سوار انترکش میں پھرا کرتی ہے - اور ایک لمحہ کے لئے بھی کہیں سکونت اختیار نہیں کرتی - جو محض عقل پا کر اُسی کے زعم میں رہتے ہیں سرسوتی اُن سے ناراض ہو جاتی ہے اور اُس کو ایسی ڈانواڈول حالت میں پھینک دیتی ہے - جہاں ایک لمحہ کے لئے بھی قرار کی حالت نصیب نہیں ہوتی - وہ ہمیشہ ادھر ادھر سے لڑھکتے رہتے ہیں - اور اُن سے کچھ کرتے دھرتے نہیں بن پڑتا - اگر - مگر - سوچ وچار کا بھوت اس طرح اُن پر سوار ہو جاتا ہے - کہ آخر میں وہ سنبھل نہیں سکتے - بری طرح مارے جاتے ہیں - راون بڑا بدھمان تھا - اُس کو ویدوں تک کی اچھی سمجھ تھی - یہانتک کہ وہ کیلاش کی چوٹی پر کھڑا ہو کر جس وقت شام وید کی تلاوت کرتا تھا - وجد کی حالت طاری ہوتی تھی اور اسی وجہ سے بالعوض دش گریو کے اُس کا نام راون پڑ گیا مگر دیکھو اُس کا کیا انجام ہوا - رام کے ہاتھ سے بری طرح مارا گیا -

بل بدھی اور دولت تینوں ہی اچھے ہیں - اور تینوں ہی برے ہیں - اگر ان کو پا کر انسان کا رخ زندگی کے اصلی مقصد کی طرف ہے - تو یہ سب برکت کی چیزیں ثابت ہوتی ہیں - ورنہ لعنت کی چیزیں ہیں - جن کو یہ سب میسر ہیں - اُن کو چاہئے -

کہ اُن کو آتمک سکھ پراپت کرنے کا سادھن بناویں۔کیونکہ یہ رہنے والی چیزیں نہیں۔ اَنِّما پائی ہیں۔ کچھ دیر کے لئے ہم کو ملی ہیں پھر چھین لیجاویگی۔ اس لئے وہ جب تک میسّر ہیں کیا وجہ ہے کہ اُن کو کسی بہتر حالت حاصل ہونے کا ذریعہ نہ بنالیا جائے۔جو لوگ ایسا نہیں کرتے۔وہ لکشمی۔پاروتی اور سرسوتی کے موردِ عتاب ہوتے ہیں۔

مانش جنم ملاہے۔اس کو پاکر غلطی نہ کرو۔اور سہولیت کے ساتھ اپنا کام بنالو۔ ورنہ آخر میں پچھتاؤگے اور پھر کچھ نہ ہوسکیگا۔

مانش جنم دُرلبھ ہے جنم نہ بار مبار
ترور سے پتا جھڑے بُہر نہ لاگے ڈار
آج کہے میں کال بھجو لنگا کال کہے پھر کال
آج کال ہی کرتے ہی اوسر جاسی چال
کبیر بابا جات ہے سُنو شبد رنج منور
سنجیوں کے گھر سادھ جن سُومُوں کے گھر چور

گیارھویں شاکھا

پُنرجنم آواگون جنم مرن

"آتما اس مادی جسم میں رہ کر بچپن۔جوانی۔ادھیڑپن اور بڑھاپا کی حالتوں سے گزرتا رہتا ہے۔اسی طرح مناسب وقت پر وہ ایک جسم سے دوسرے جسم میں منتقل ہوتا ہے۔دھیر پُرش اس کا رنج نہیں کرتے"

"جس طرح انسان پھٹے پرانے لباس کو اتار کر نئے لباس پہن لیتا ہے - اسی طرح جسم کا رہنے والا ناکارہ جسم کو دور پھینک کر دوسرے نئے قالب میں داخل ہوا کرتا ہے۔

"یہ جسم جنہوں نے غلاف بن کر آتما کو ڈھک رکھا ہے - محدود چیزیں ہیں - عارضی ہیں - وہ آتما نہیں ہیں - جیسے اور محدود چیزیں مر جاتی ہیں - ان کو بھی مرنے دے۔"

"آتما کو ہتھیار پھاڑ نہیں سکتے - آگ جلا نہیں سکتی - پانی تر نہیں کر سکتا - ہوا سکھا نہیں سکتی۔"

"وہ پھاڑا نہیں جا سکتا - وہ جلایا نہیں جا سکتا - وہ تر نہیں کیا جا سکتا - نہ سکھایا جا سکتا ہے - وہ دائمی - پائدار - قائم - لاحرکت اور قدیم ہے۔"

یہ تعلیم کتنی خوبصورت - کتنی دلپذیر - اور کیسی اچھی ہے کرشن بھگوان کرکشیتر کے میدان میں اس طرح ارجن سے فرماتے ہیں - اور کلش اگر انسان اس سچی تعلیم کو قبول کرلے - تو اس میں ذرہ بھی شک نہیں کہ وہ مختلف قسم کا آدمی بن جائے - اور دنیا کے کسی جابر اور ظالم طاقت کا خوف اس کو مغلوب نہ کر سکے نہ صرف آتما ہی ہو بلکہ وہ اصلیت کا علم حاصل کر کے بھوساگر سے پار ہو جائے۔

ہم روزانہ گفتگو میں کہتے رہتے ہیں "ہمارا شریر تھک گیا۔" "اب ہمارا ہاتھ کام کرنے سے انکار کرتا ہے۔" "ہماری بدھی کام نہیں دیتی" ان چھوٹے چھوٹے روزانہ گفتگو کے معمولی جملوں سے تم کیا سمجھتے ہو؟ گیان سے یہ مراد نہیں ہے کہ ہم اس جسم سے اس ہاتھ

پاؤں سے اور اس بدھی سے کوئی مختلف چیز ہیں! مگر پھر بھی کتنے آدمی ہیں۔ جو ان جملوں کا روزانہ استعمال کرتے ہوئے اپنے آپ کو جسم سے علیحدہ سمجھتے ہیں۔ اس کا سمجھ لینا ہی آتم گیان ہے "آتما شریر نہیں"! ان تین لفظوں کے بیچ میں اصلیت موجود ہے۔

اصلیت کیا ہے؟ اس پر ہم سب آدمیوں کو ہمیشہ غور کرنا چاہئے۔ جب ہم جاگتے رہتے ہیں۔ اپنے جسم کی کثیف اندریوں سے کام لیتے رہتے ہیں۔ مگر جہاں نیند آگئی۔ جسم ناکارہ اور اندریاں بیکار ہو جاتی ہیں۔ مگر اندرونی طاقت حالت خواب میں لطیف اندریوں کے ساتھ کھیلتی ہوئی اپنی ہستی کا تماشا دکھاتی ہے اگر یہ جسم آتما ہوتا تو نیند کی حالت میں نکما کیوں ہو جاتا۔ یہ تمہارا دل جانتا ہے اور تم خوب یقین کرتے ہو کہ نیند کی حالت میں بھی اندر ہی اندر کھیل تماشے ہو رہے ہیں۔ مگر باہری ہاتھ۔ پاؤں یوں ہی شل ہو کر پڑے رہتے ہیں۔ کیا اس سے تم سمجھ نہیں سکتے کہ یہ ہاتھ پاؤں آتما نہیں ہیں۔ آتما ان سے علیحدہ ہے۔ یہ سب آتما کی ستّا پاکر زندہ رہتے ہیں۔ اسی طرح جب آتما ذرہ اور اوپر کھسک جاتا ہے۔ یعنی سوشپتی کی گہری نیند میں چلا جاتا ہے۔ تب سوپن اوستھا کے کھیل تماشے بند ہو جاتے ہیں۔ غرضیکہ یہ آتما نہ یہ ہے۔ اور نہ وہ ہے۔ وہ ان سب سے نیارا ہے۔ مگر یہ سب اُس کی زندگی سے زندہ ہیں اسی طرح جب کسی کے جسم میں درد ہوتا ہے۔ اگر اُس کی توجہ کو درد کی جگہ سے ہٹا دیا جائے۔ اور پانچ چار آدمی بات چیت میں اُس کے دل کو بہلانے لگیں۔ تو جاگرت اوستھا میں بھی شریر کا

دُکھ نہیں ہوتا۔ کیا اس سے یہ نہیں ثابت ہوتا کہ وہ جس کی موجودگی کی وجہ سے شریر دُکھ یا سکھ محسوس کرتا تھا۔ کوئی اور ہی چیز ہے۔ اسی طرح مرنے کے بعد جب آتما شریر کو چھوڑ جاتا ہے تو پھر یہ جسم ہمیشہ کے لئے برباد ہو جاتا ہے۔

شریر کے مرنے کے بعد آتما کہاں چلا جاتا ہے؟ یہ سوال ہے جو ہمیشہ سے مذہب اور فلسفہ کی دنیا میں زیر بحث رہتا ہے۔ کرشن بھگوان فرماتے ہیں "جب جسم اس کے رہنے کے قابل نہیں رہتا۔ وہ پھٹے پرانے کپڑوں کی طرح اس کو چھوڑ کر نئے قالب اختیار کرتا ہے۔" سوال کیا جائیگا۔ کیا یہ سچ ہے؟ اور باوجودیکہ مختلف مذاہب۔ مختلف فلسفے اپنی دلیل اور حجت بازی سے اب تک ہزار در مسئلے گھڑتے چلے آئے۔ اور اب بھی پُنر جنم کے اصول کی تردید کرتے رہتے ہیں۔ مگر دنیا اُس کی سچائی کے قبول کرنے کے لئے مجبور ہے۔ فروعی مذہب چاہے کتنا جھگڑتے ہے اس کی تردید کیا کریں مگر جہاں کہیں تصوف کے پیرایہ میں اصول کی طرف نگاہ رکھ کر اصلیت کی تلاش کا خیال ہوگا۔ وہاں اس پُنر جنم یا آواگون کے مسئلہ کی صداقت تسلیم کرنے کی مجبوری ہوگی۔ یہ مجبوری کسی اور کی طرف سے نہیں ہوتی۔ سچا مذہب جبر وسختی کا آرزو نہیں ہے۔ دل کو اور کسی طرف سے اطمینان نہیں ہوتا۔ کوئی مذہب کوئی عقیدہ تحقیقات کرنے والے کے دل کو مطمئن نہیں کرتا۔ اور اس کو لاچار اسی کی طرف رجوع ہونا پڑتا ہے۔

ایک گھر میں پانچ چار لڑکے ہیں۔ سب کی طبیعت مختلف

سب کی حالت مختلف۔ سب کے سوچنے اور کام کرنے کے ڈھنگ مختلف۔ آخر اس اختلاف کا سبب کیا ہے؟ کیا ایشور نے سب کو اسی حیثیت میں پیدا کیا؟ اگر ایشور کسی کو تندرست۔ کسی کو بیمار کسی کو دولتمند اور کسی کو غریب بناتا ہے۔ تو وہ ایشور نہیں ہوگا۔ کیونکہ ایشور بیں انصاف ہے۔ مگر ہم صاف دیکھتے ہیں۔ ایک شخص تخت شاہی پر بیٹھا ہوا لاکھوں اور کروڑوں پر حکومت کرتا ہے اس کے مال دولت واختیار وحکومت کی کوئی انتہا نہیں۔ دوسرا انسان کوڑھی ہے جزامی ہے۔ ساری دنیا اُس سے نفرت کرتی ہے۔ کتے کی طرح اُس سے سلوک کیا جاتا ہے۔ پیٹ کو روٹی اور تن کو کپڑا نہیں جُڑتا۔ کیا ایشور نے ان دونو کو اسی حیثیت سے پیدا کیا۔ عقل اس کو یقین نہیں کرتی۔ اور نہ یہ معمہ کسی طرح سمجھ میں آتا ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص ہندو فلسفہ ہندو مذہب اور ہندو دھرم کی طرف رجوع کرے تو اُس کو فوراً یہ جواب ملیگا۔ یہ اس کے کرموں کا پھل ہے۔ اس نے پہلے جنموں میں جیسا کیا تھا۔ اس کا پھل ویسا بھوگ رہا ہے۔ جس نے نیکی کی۔ اُس کو نیک بدلا ملا۔ جس نے بُرا کیا اُس نے بُرا پھل پایا۔ اس سیدھے سادھے جواب سے کیسی کچھ تشفی ہوجاتی ہے۔

بعض لڑکے دو ہی تین برس کی عمر سے ایسے کام کرنے لگ جاتے ہیں۔ جن کو دیکھ کر طبیعت حیران ہوجاتی ہے۔ اُس کا سوا پُنر جنم کے اور کوئی سبب نہیں ہے جس خیال کو لے کر پہلے جنموں میں کام کیا گیا تھا۔ اُسی خیال کا ظہور اس جنم میں لڑکپن ہی سے ہونے

لگتا ہے - اور لڑکے بالعموم وہاں سے اس کام کو شروع کرتے ہیں جہاں پہلے جنم میں اُنہوں نے چھوڑا تھا - ان کو ابتدائی تعلیم کے درجوں کے باآسانی طے کرنے میں بڑی سہولیت ہوتی ہے اور وہ نہ صرف جھٹ پٹ اُستاد کی مراد سمجھ لیتے ہیں - بلکہ بسا اوقات اُستاد کی باتوں کی کمی و نقص کو اپنی سمجھ سے دور کر دیتے ہیں -

اکثر لوگ جو روحانی رموز سے ناآشنا ہیں بھولے پن سے سوال کر بیٹھتے ہیں کہ اگر آواگون صحیح ہے تو پھر ہم کو پہلے جنم کی باتیں یاد کیوں نہیں رہتیں ؟ یہ سوال اہم اور ضروری بھی ہے - اور خاص دلچسپی رکھتا ہے - لیکن اگر کوئی اُن سے خود یہ سوال کرے کہ آج کے دن سال گذشتہ کے اسی مہینے میں تم نے کس سے ملاقات کی تھی کیا کیا باتیں ہوئی تھیں تو کیا کوئی صاحب اس کا جواب دے سکینگے معمولی طور پر سوال کر دینا اور بات ہے اور سوچ سمجھ کر سوال کر دینا دوسری بات ہے - قدرت میں تفضلی و ضاحت کے انحفاظ کا کہیں سامان نظر نہیں آتا - مگر اس کے ساتھ یہ بھی نہیں ہے کہ بالکل اس کو معدوم ہی کر دیا جائے - انسان کی بہت بڑی تعریف یہ ہے کہ اُس کا قوت حافظہ اچھا ہے - اور اکثر دانشمند اور صاحب طبیعت انسان اچھے حافظے کے لئے مشہور ہوتے ہیں - یہ حافظہ یا قوت یادداشت ہر شخص میں ہے - اور اسی کا نام سنسکرت میں سنسکار ہے - وہ بیج کی شکل میں دل کے پردوں میں منقش ہو جاتا ہے اور موقع پا کر اُسی طرح کام کرتا ہے - جس طرح اکثر ہم کو رہ رہ کر کسی خاص بات کی یاد آجایا کرتی ہے - یہ حافظہ ہی تو ہے جو دو برس کے بچے سے

عجیب و غریب کام کرا لیتا ہے۔ یہ حافظہ ہی تو ہے جو نیند کی حالت میں طرح طرح کے خواب دکھاتا رہتا ہے۔ پہلے جنم میں ہم نے جو کچھ دیکھا تھا۔ جو کچھ سنا تھا۔ دل پر اس کا نقش رہتا ہے۔ اور اکثر اس قسم کے خواب دیکھنے میں آتے ہیں۔ جن کا اس دنیا میں کہیں نام و نشان نہیں رہتا۔ کبھی کبھی عین خواب کی حالت میں انسان سوچنے لگتا ہے کہ میں نے پہلے بھی ایسا دیکھا ہے۔ مگر وہ اس کا پتہ نہیں دے سکتا۔ کیونکہ یہ خبر نہیں کہ روح کس کرہ سے آئی ہے اور کس جگہ کے مناظر اُس نے دیکھے ہیں۔ اس قسم کے واقعات ہم سب کی زندگیوں سے مربوط ہیں۔ عام آدمی اُن کے ساتھ ایسا سلوک کرتے ہیں۔ یوگی البتہ اپنی زبردست سنجم کی طاقت سے اُن کو تفصیل وار جان سکتا ہے۔ مگر یہ یوگیوں کی طاقت کا مضمون ایسا نہیں ہے۔ جو عام طبیعتوں کے موافق ہو۔ مگر اتنا تو کبھی کبھی کسی کسی آدمی کو خیال آجاتا ہے کہ ہم نے اس شخص کو یا اس تصویر کو یا اس چیز کو کہیں دیکھا ضرور ہے۔

پنر جنم کی نسبت صرف اسی قدر سمجھنے کے لئے کافی ہے مگر اب سوال یہ ہے کہ یہ پنر جنم کیسے ہوتا ہے؟ پنر جنم اصل میں ایک قدرتی اصول ہے۔ جو ہر جگہ ایک قاعدہ کے موافق کام کر رہا ہے۔ اصول ایک ہے۔ صرف فروعات میں غور و فکر کی ضرورت ہوتی ہے۔

یہ آتما کس وجہ سے شریر کے غلاف میں آگیا ہے۔ کیوں آگیا ہے۔ اس کا جواب ہمارے پاس نہیں ہے۔ آتما بندھن کی

حالت میں ہے - اور وہ چونکہ فطرتاً آزاد ہے - وہ چاہتا ہے - کہ یہ بندھن دور ہو جائیں - اس لئے ساری جدوجہد کر رہا ہے - سنسار اسی جدوجہد کا نام ہے اور اسی جدوجہد کے جاری رکھنے کے واسطے وہ اس وقت تک برابر قالب بدلا کرتا ہے - جب تک سارے بندھن دور نہیں ہوتے اسی جدوجہد کے سلسلہ میں کبھی کبھی جب وہ غلطی کر بیٹھتا ہے - اُس کو دکھ اُٹھانا پڑتا ہے - مگر وہ قدرتاً ایک لمحہ کے لئے بھی آزادی کے خیال کو دل سے دور نہیں ہونے دیتا - چور چوری کیوں کرتا ہے؟ آزادی کے لئے بھگت بھگتی کیوں کرتا ہے؟ آزادی کے لئے - گیانی گیان کیوں سیکھتا ہے؟ آزادی کے لئے - بات ایک ہے - جذبات جُدا جُدا ہیں - اور اس لئے نتیجے بھی جُدا جُدا ہوتے ہیں - گیانی اور بھگت تو بندھن کٹوا لیتے ہیں مگر چور اور بندھن پیدا کرتا ہے - کیونکہ وہ غلط راہ پر چلا ہوا ہے - ساری کوشش آزادی کے لئے ہے اور جب تک یہ جسم اس کوشش کے لئے موزوں ہے - تب تک وہ برابر صحیح خواہ غلط طریقہ پر کام کرتا جا رہا ہے - جہاں اس میں نقص واقع ہوا - خواہ وہ اُس کے مقصد کی تکمیل کے لئے غیر موزوں اور ناقص ہو گیا - وہ کمزوری محسوس کرنے لگتا ہے - اُسی وقت اس پر بیماری کے حملے ہوتے ہیں - اور جب وہ دیکھتا ہے کہ حملے ہو رہے ہیں - اور جن اَوزاروں سے وہ کام لے رہا تھا - وہ نکمے بن گئے - وہ گھبراتا ہے - ان کے درست کرنے کی اندر ہی اندر کوشش

کرتا ہے۔ مگر لاحاصل۔ تب وہ شریر چھوڑنے کا خواہشمند ہو جاتا ہے تاکہ دوسرے جسم میں جاکر اپنے کام کو جاری کر سکے۔ اسی خیال۔ اسی فکر اور اسی پریشانی کی حالت میں اُس پر موت کی حالت طاری ہوتی ہے۔ مرنے میں دکھ پرتیت ہوتا ہے۔ حالانکہ اصل میں ایسا نہیں ہے۔ اور اس دکھ کے پرتیت ہونے سے وہ چاہتا ہے کہ کسی طرح دوسرا قالب مل جائے اور اُس کو چین آئے۔ بہتوں کو تو اسی وقت نئے قالب میں داخل ہونے کا موقع مل جاتا ہے۔ مگر جن کو پہلے قالب سے لگاؤ اور محبت رہتی ہے۔ وہ آوارہ گرد بن کر اُس کے اردگرد اپنے سوکشم شریر میں پھرا کرتے ہیں۔ اور جب تک ستھول شریر جل کر خاک سیاہ نہیں ہو جاتا۔ یہی حالت رہتی ہے۔ اس لئے لوگوں کو چاہئے کہ جہاں تک ہو سکے جھٹ پٹ مردے کو جلا کر خاک کر دیں ورنہ روح سوکشم شریر میں رہ کر ایک طرح کا دکھ برداشت کرتی رہتی ہے۔

دنیا میں مردوں کی لاش کے ساتھ سلوک کرنے کے تین طریقے ہیں۔ آگ میں جلانا۔ زمین میں دفن کر دینا۔ یا کیڑوں مکوڑوں اور قدرت کی طاقتوں کے حوالہ کر دینا۔ ان سب میں جلانے کا طریقہ سب سے اچھا ہے۔ اور اس سے روح کے تعلق کا رشتہ جلد برباد ہو جاتا ہے۔ جو لوگ جانوروں کے حوالہ کر دیتے ہیں۔ اور سڑی گلی ہڈیوں کو پانی وغیرہ میں ڈال دیتے ہیں۔ وہ بھی کسی قدر اچھے ہیں۔ لیکن جو لوگ دفن کرتے

ہیں۔ وہ پھرا کرتے ہیں۔ روح کو ناحق کا عذاب ہوتا ہے۔ اور جب تک قبر کی لاش سڑ کر پیوند زمین نہیں بنجاتی۔ تب تک روح یونہی پھرا کرتی ہے۔

مرتے وقت جو خیال کہ زبردست ہوتا ہے۔ اُسی کے موافق انسان کو نیا قالب ملتا ہے۔ کیونکہ خیال کی تہ میں پکے ہوئے کرم اپنا پھل دینے کے لئے تیار رہتے ہیں اور جو خیال کہ مضبوطی سے قائم ہے۔ وہ متحرک بن کر آتما کو خاص سمت کی طرف رجوع کریگا۔ اور وہ ویسا قالب پاویگا۔ اگر اس وقت آدمی سچا ہے اور اچھے کام کئے ہیں۔ اور اسی طرح کے کام کی دھن لگی ہوئی ہے۔ تو اس کو مناسب اور موزوں شریر ملیگا۔ جو بھگت اور گیانی ہیں۔ اور کوئی خواہش نہیں رکھتے وہ موکش پاتے ہیں۔ جنہوں نے برے کام کئے ہیں اور اب بھی بری باسنائیں لگی ہوئی ہیں۔ تو ان کو بھی اُسی کے موافق نئی یونی دھارن کرنی پڑیگی۔ اور جن کے شُبھ کرم ہیں۔ وہ سورگ نرگ کے سکھ بھوگ کر پھر کرموں کے چھین ہونے پر نیچے کی طرف گرینگے۔ اور وایو منڈل سے گزر کر اناج میں دخل پاکر کسی کے بیرج بنکر ماتو سار قالب اختیار کرینگے۔

یہ سلسلہ برابر اُس وقت تک رہتا ہے۔ جب تک موکش نہیں حاصل ہوتی۔

بارہویں شاکھا

سنچت کرم۔ کریہ مالن کرم۔ پرار بدھ کرم

کارن وکارج کے قانون کا نام کرم ہے۔ اور یہ تمام سنسار جو تم کو نظر آتا ہے۔ کرم ہی کا بنا ہؤا اور کرم ہی کا بنایا ہؤا ہے۔ جب تک جگت میں کرم کرنے کی شکتی رہتی ہے۔ تب تک سرشٹی ہے۔ اور جب کرم کرنے کی شکتی جاتی رہتی ہے۔ خواہ کمزور ہو جاتی ہے تب سرشٹی بند ہو جاتی ہے۔ یہ بیوہار ٹھیک ٹھیک اُسی طور پر ہوتا ہے جیسے ہمارے اور تمہارے جاگنے اور سونے کا بیوہار ہے۔

جب سرشٹی کا ابھاو ہوتا ہے۔ تب پرلے کی اوستھا رہتی ہے پرلے کی اوستھا میں قدرت کی تمام طاقتیں سکوت کی حالت میں اگر کچھ عرصہ کے لئے لاحرکت بن جاتی ہیں۔ ہندو مذہب کی اصطلاح میں اس کو یوں کہا جاتا ہے کہ اس وقت کرم میں پھل دینے کی طاقت نہیں رہتی۔ اور جب کچھ عرصہ تک یوں ہی چپ چاپ حالت میں پڑے رہنے سے کرم میں پھر پختگی کی حالت پیدا ہوتی ہے۔ تب سرشٹی کا دور شروع ہوتا ہے۔ تم دیکھتے ہو۔ درخت کا پھل جب پک جاتا ہے۔ تب اُس میں بیج پیدا ہوتا ہے۔ اور یہ بیج پھر کچھ عرصہ کے بعد درخت کے پیدا کرنے کے قابل ہوتا ہے اور اس میں درخت کے تمام آکار موجود ہوتے ہیں۔ اسی طرح کرم کے سنسکار اسی طرح دبے رہتے ہیں۔ اور اندر ہی اندر

پکتے رہتے ہیں۔ ان میں پہلے سرشٹیوں کے سنسکار مجموعی طور پر موجود رہتے ہیں۔ اور جہاں یہ پختگی پر آئے اور پھل دینے کے قابل ہوئے۔ تب پھر سرشٹی ہونے لگتی ہے۔ اس طرح کرم کا قانون دنیا میں کام کرتا ہے۔

جو کارن و کارج کا قانون برہمانڈ میں کام کرتا ہے۔ وہی ہماری اپنی ہستی سے بھی تعلق رکھتا ہے۔ جو یہاں ہے وہی وہاں ہے۔ جو برہمانڈ میں ہے وہی پنڈ میں ہے۔ جیسے جیسے اور جس جس طرح کے کرم برہمانڈ میں ہوتے ہیں۔ ویسے ویسے کرم ہمارے اپنے شریر میں بھی ہوتے ہیں۔ جیسے وہاں پرلے میں کرم سو جاتے ہیں اور پھر جاگ اٹھتے ہیں۔ ویسے ہی ہمارے کرم بھی ہوتے ہیں۔ ہم میں بھی قدرت کی تمام شکتیاں ملی جُلی ہوئی پڑی رہتی ہیں۔

کرم انادی ہیں۔ ان کی ابتدا نہیں ہے۔ کوئی نہیں بتا سکتا کہ کب سے ہیں۔ کیونکہ اس سرشٹی کا پرواہ بھی انادی کال سے ہے۔ اور یونہی یہ تماشہ ہمیشہ سے ہوتا آیا ہے۔

اس کرم کی تین قسمیں ہیں۔ کارن۔ سوکشم۔ استھول۔ اور تینوں قسم کے کام کے ظہور کے طبقہ بھی تین ہیں۔ جن کو من بانی اور شریر کہتے ہیں۔ من کا سنکلپ کارن کرم ہے۔ زبان کی گفتگو سوکشم کرم ہے۔ اور ہاتھ کے کام استھول کرم ہیں۔ ہمارے اپنے شریر میں یہی تین ذریعے ہیں۔ جن سے کرم کا بیوہار ہوتا ہے۔

سب سے پہلے من میں سنکلپ یعنی خیال پیدا ہوتا ہے ۔ اس خیال میں جس قدر زیادہ طاقت ہوگی ۔ ویسے ہی کام اور بیوہار میں بھی طاقت ہوگی ۔ اگر خیال کمزور ہے ۔ تو پھر اُس کا اثر جلد ظاہر نہ ہوگا اثر ظاہر کرنے کے لئے اس کو بہت عرصہ لگیگا ۔ بسا اوقات کمزور خیالات گھس گھس کر ضائع بھی ہوجاتے ہیں ۔ اور اُن کا کوئی نتیجہ نہیں ہوتا ۔ اس طرح سمجھو کہ تمہارا دل ایک قسم کا شیشہ ہے ۔ جب تم شہر کے گلی کوچوں سے ہوکر گزرتے ہو ۔ چیزوں کے عکس پڑتے ہیں ۔ ان عکسوں کی کثیر تعداد بالکل کمزور ہوتی ہے ۔ بعض بعض ایسے ہوتے ہیں کہ جو مضبوط ہوتے ہیں ۔ اور دل پر قائم ہوجاتے ہیں ۔ تم لاکھوں آدمیوں کو سرسری طور پر دیکھتے جاؤ ۔ لیکن اُن کی صورتیں یاد نہ ہونگی ۔ لیکن ذرہ توجہ کے ساتھ کسی خاص آدمی کو دیکھو تو اُس کا عکس دل پر گہرا ہوگا ۔ اور جب پھر کبھی تم اس کو دیکھوگے تو تم یا تو اُس کو پہچان لوگے ۔ یا تمہارا دل کہنے لگیگا ۔ اس کو کہیں دیکھا ضرور ہے ۔ یہ مضبوط خیال کہلاتا ہے ۔ ان خیالوں کی بابت تین مختلف اصول کام کرتے ہیں ۔ ایک تو یہ کہ مضبوط خیال جلد اثر انداز ہوکر من کے طبقہ سے اتر کر کرم اور بانی کے طبقہ میں آجاتے ہیں دوسرے کمزور خیال ۔ جن میں ذرہ زیادہ طاقت ہے ۔ کثیر تعداد میں ایک دوسرے کا سہارا لے کر مضبوط ہوجاتے ہیں ۔ اور وقت پر کام کرنے لگتے ہیں ۔ تیسرے بالکل ہی کمزور خیالات ہیں جو دل پر اپنا عکس تک نہیں چھوڑ جاتے ۔ اور یونہی برباد ہوجاتے ہیں یہ من کے کرم کے متعلق سمجھو ۔

یہی حال قریب قریب کچھ تھوڑے فرق کے ساتھ بانی کے کرم کا ہوتا ہے۔ اگر انسان مضبوط ارادہ سے کوئی بات کہتا ہے تو اُس کا اُسی وقت اثر ہوتا ہے۔ جو مضبوط کم ہیں۔ وہ روز روز کی مشاقی سے طاقتور ہو کر کسی دن اپنا اثر دکھلائیں گے۔ اور جو بالکل ہی کمزور ہیں۔ وہ یوں ہی بے اثر رہتے ہیں۔ اور اُن کی کچھ بھی ہستی نہیں رہتی۔

ہاتھ یا شریر کے کرم کی بابت بھی اسی طرح سمجھو۔

ان سب کرموں کی بابت اتنا خیال رہے کہ جس پر زیادہ توجہ دی جاویگی۔ وہ زیادہ پختگی اور مضبوطی حاصل کرینگے۔ اور اُن کے کام کا سلسلہ جاری رہیگا۔ جدھر توجہ نہ ہوگی۔ وہ کمزور ہونگے۔ سارا کھیل توجہ کا ہے۔

من بچن اور کرم کے کاموں کی گنوں کے حساب سے تین قسمیں ہیں۔ ساتوک۔ راجسک اور تامسک۔ گیان اور بھگتی کے کرم ساتوک ہیں۔ راگ اور دویش کے کرم راجسک ہیں۔ آلسیہ اور پرماد کے کرم تامسک ہیں۔ ست گُن اور تم گُن میں دراصل کریا شکتی نہیں ہے کریا شکتی تو صرف رجو گُن کا دھرم ہے اسلئے اگر غور سے دیکھا جائے تو گنوں کے لحاظ سے دو ہی قسم کے کرم ہیں۔ ستوگنی اور تموگنی۔ ستوگنی کا روپ سفید ہے۔ کیونکہ ستوگن پرکاش ہے۔ تموگنی کا روپ سیاہ ہے۔ کیونکہ تموگن اندھکار ہے اور جہاں ملے جلے کام ہوتے ہیں۔ ان کو تم رجو گنی کہہ لو۔ مگر وہ بھی ست اور تم کی کمی اور زیادتی کے لحاظ سے

تموگنی اور ستوگنی ہی ہیں۔ جن کاموں سے سکھ کی پراپتی۔ پرکاش کی پراپتی اور گیان کی پراپتی ہو۔ وہ ستوگنی ہیں۔ جن سے آلسیہ۔ پرماد۔ اندھکار۔ پیدا ہو۔ وہ تموگنی ہے۔ ستوگنی اچھے کہلاتے ہیں۔ کیونکہ یہ آتما سے ملانے والے ہیں اور قریب ہیں۔ تموگنی بُرے کہلاتے ہیں کیونکہ ان سے اندھکار پیدا ہوتا ہے۔ اور آتما سے دوری ہوتی ہے ستوگنی کرموں سے تین طرح کی حالتیں پیدا ہوتی ہیں۔ پہلی حالت تو یہ ہے کہ اپنی ہستی کی سمجھ آتی ہے۔ دوسری حالت یہ ہے کہ چیتنا کا ظہور ہوتا ہے۔ اور انسان جاننے لگتا ہے کہ میں چیتن ہوں۔ تیسری حالت یہ ہے کہ اُس کو سکھ کا انبھو اپنی ذات میں ہونے لگتا ہے اور آخرکار کوئی وقت ایسا آجاتا ہے۔ کہ وہ ست چت اور آنند روپ ہو جاتا ہے۔ جو اُس کا اپنا روپ تھا۔ اسی طرح تموگن کرموں سے تین طرح کی حالتیں پیدا ہوتی ہیں۔ پہلی حالت اگیان کی ہے۔ تموگن کے پردے کے پڑتے ہی اُس کو بھرم ہوتا ہے بھرم ہی کا نام اگیان ہے۔ اور جب بھرم پیدا ہُوا تو پھر چنچلتا آتی ہے اور اگر تم بڑھتا گیا۔ تو یہ اندھکار آلسیہ اور پرماد کی شکل میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ تموگن کی زیادتی سے انسان ملیں۔ اگیانی اور چنچل ہو جاتا ہے۔ اور اُس کو ذرہ بھی اپنی خبر نہیں رہتی۔ اور آہستہ آہستہ اُس کے دل پر مل۔ وکشیپ۔ اور بھرم کا گہرا پردہ پڑ جاتا ہے۔ اور اُس کو نہ اپنی ہستی کی خبر رہتی نہ سوچ وچار کی تمیز آتی ہے۔ اور نہ آنند پراپت ہوتا ہے۔

تموگن اور ستوگن کے درمیان رہ کر رجوگن کریا شکتی کی حیثیت

ئیں کام کرتا ہے۔ اور یہ حالتوں کا فرق اُس کی کمی وبیشی کی وجہ سے ہوتا ہے۔

ان کرموں کا یہ قاعدہ ہے کہ بغیر اثر پیدا کئے ہوئے نہیں رہتے ان کا پھل ضرور ہوتا ہے۔ جو جیسا کرتا ہے۔ ویسا بھوگتا ہے۔ جو جیسا سوچتا ہے۔ ویسا بنتا ہے۔ جو جیسا بولتا ہے۔ ویسا ہوتا ہے۔ ہم سب لوگ جیسے بنے ہوئے ہیں اور ہماری جو کچھ حالت ہے وہ صرف ہمارے اپنے کرموں کی وجہ سے ہے اور آیندہ جو ہم بنینگے۔ وہ بھی کرموں کی وجہ سے ہوگا۔ یہ کرم اپنے سلسلہ میں بیشمار کرموں کو پیدا کرتے رہتے ہیں۔ اور اگر انسان ان سے بچ کر نہ رہے۔ تو یہ ایسی زبردست زنجیر بنا دیتے ہیں۔ کہ وہ جنم جنمانتر اُسی میں پھنسا رہتا ہے۔ اور اُس کی موکش نہیں ہوتی۔ جب شبھ کرم زیادہ ہوتے ہیں۔ وہ سورگ کو جاتا ہے۔ اور جب اُشبھ کرتا ہے۔ نرک کو جاتا ہے۔ مِلے جُلے کرم اُس کو درمیانی حالت میں رکھتے ہیں۔ دونو ہی زنجیر ہیں۔ ایک سونے کی ہے۔ دوسری لوہے کی ہے۔ اور دونو میں سے کوئی ایسی نہیں ہے کہ جو بالکل پاک یا بالکل ناپاک ہو۔ کیونکہ نیکی میں بدی اور بدی میں نیکی کا شمول رہتا ہے۔ جہاں یہ خیال کیا گیا۔ کہ یہ کام نیک ہے۔ وہاں ہی بدی کا سنسکار خود بخود پیدا ہو جاتا ہے۔ ویسے ہی جب کوئی شخص اپنے کسی کرم کو بُرا سمجھنے لگتا ہے۔ اُسی وقت اُس کے دل میں نیکی کا خیال بھی آتا ہے۔ یہ دونو ساتھ ساتھ رہتے ہیں۔ ایک لمحہ کے لئے بھی جُدا نہیں ہوتے۔ ہاں کمی وبیشی کی نظر سے اُن کو بُرا بھلا کہا جاتا ہے۔

یہ بُرے اور بھلے کام اپنے سلسلہ کے لحاظ سے پھر تین طرح کے ہیں۔ سنچت۔ پرابدھ۔ کریہ مان۔

سنچت کہتے ہیں جمع کئے ہوئے کرم کو۔ یعنی وہ کرم جس کا پھل اس وقت نہیں مل رہا ہے۔ مگر جس کے سنسکار اکٹھا ہوتے جا رہے ہیں۔ آگے چل کر پھل دینگے۔ یہی سنچت دوسرے جنم یا دوسرے جنموں میں جا کر پراربدھ بنیگا۔ تم دیکھتے ہوگے کہ بعض آدمی ایک کرم کرتا ہے لیکن اُس کو اس وقت سزا نہیں ملتی۔ اور وہ اُس کے اثر سے ظاہرا بچا ہوا نظر آتا ہے۔ لیکن اس سے یہ نہ سمجھو کہ اُس کو اپنے کرم کے پھل پانے سے نجات ہوگی۔ نہیں کسی دیوتا کو بھی یہ طاقت نہیں ہے جو اُس کو کرم کے پھل سے بچا سکے۔ اسی طرح جو نیک کام کرتے ہیں۔ اُن کو بھی اُس کا پھل ملنا ضروری ہے۔ کسی کی بھی طاقت نہیں ہے جو نیک کرم کی جزا سے اُس کو محروم رکھ سکے۔ موجودہ وقت میں سزا و جزا نہ پانے کا سبب صرف یہ ہے کہ پراربدھ کرم کا پھل زور پر ہے۔ ان میں اتنی طاقت نہیں ہے کہ اُس کو دبا سکیں۔ جب پراربدھ بھوگ لیا جائیگا۔ اور اُن میں پھل دینے کی طاقت آویگی۔ اُس وقت وہ اپنا تماشا دکھائینگے۔ یہ نہیں کہا جا سکتا۔ وہ کس وقت پھل دینگے مگر پھل ضرور دینگے۔ اس میں شک نہیں ہے۔ کارن اور کارج کا قانون اٹل ہے۔ یہ یونہی نشپھل نہیں جاتا۔

پراربدھ کرم اُس کو کہتے ہیں جو بھوگا جا رہا ہے اور جو پرانی کی موجودہ حالت میں اثر انداز نظر آتا ہے۔ یہ سکھ دکھ۔ یہ امیری و غریبی کی حالت یہ مرض اور صحت کی کیفیت۔ یہ علم اور جہالت کے

کاروبار - یہ تمیز اور بدتمیزی کے کرشمے - یہ خوش قسمتی اور بدقسمتی کے تماشے - یہ سب پراربدھ کرم کی وجہ سے ہیں - جس نے جیسا کیا تھا - ویسا بھوگ رہا ہے - جس نے جیسی فصل بوئی تھی - ویسی کاٹ رہا ہے - کوئی تخت پر بیٹھا ہوا حکومت کرتا ہے - کسی کو پیٹ کی روٹی نہیں ملتی - ایک ہزاروں کو کھلا کر کھاتا ہے - دوسرا اپنے ہی لئے جھینکتا رہتا ہے - یہ پراربدھ کرم کی خوبیاں ہیں - یہ پراربدھ کو بھوگے جا رہے ہیں - مگر یہ آئندہ کرموں کے سلسلے بھی ساتھ ساتھ پیدا کر رہے ہیں - یہ کوئی شخص نہ سمجھ لے کہ جو کچھ ہونے کو تھا ہو گیا - نہیں - اس کے بعد دوسرے کرموں کی باری آتی ہے اور پراربدھ بہت کچھ نئے نئے کرم کرانے کی طاقت رکھتا ہے - اور اگر ست سنگ سے - یوگا بھیاس - سدشاستروں کے مطالعہ سے یا اور کسی وجہ سے طبیعت کے رخ کو پلٹا نہ ملا - دھارا ایک طرف بہتی ہوئی چلی جائیگی -

کریہ مان - جو کرم کئے جا رہے ہیں - وہ کریہ مان ہیں ان میں سے بہتوں کی سزا جزا اسی وقت مل رہی ہے - بہتیرے سنچت ہو رہے ہیں جو آگے چل کر پراربدھ بنینگے - اور جن میں بہتر اور بدتر نتیجے پیدا کرنے کی طاقت ہے

کرم کا مسئلہ اس قدر باریک ہے کہ اس پر جلد عبور پانا بہت مشکل ہے - کرم کچھ اس طرح ملے جلے ہوئے کام کرتے ہیں کہ ان کے درمیان تمیز کا خط کھینچنا غیر ممکن نہیں تو آسان بھی نہیں ہے سنچت پراربدھ اور کریہ مان ایک دوسرے کے سلسلے میں پیدا ہوتے ہیں یکے بعد دیگرے اپنا تماشہ دکھاتے ہیں - اور ممکن ہے کہ وہ کسی جنم میں

کسی وقت پھل دیں۔ یا کسی دوسرے جنم میں ظہور کریں۔ جو آج کریہ مان ہے۔ وہ کل کے لئے کرم کے پھل کا سنچن کر رہا ہے۔ پرسوں وہی پرا ربدھ ہو گا۔ وعلےٰ ہذا القیاس۔

اس کے سوا کس وقت کون سا کرم اپنا پھل دینے لگیگا۔ کوئی نہیں کہہ سکتا۔ ایک آدمی حد درجہ کا شریر اور بُرا ہے۔ اتفاقاً کوئی ایسا واقعہ ہو جاتا ہے کہ جس کی وجہ سے وہ نیک بن جاتا ہے۔ اور لوگ تعجب کرتے ہیں۔ والمیکی لوٹیرا تھا۔ ساری عمر بُرائی کرتا رہا۔ ایک دن ایک مہاتما کا درشن مل گیا۔ اور وہ رشی بن گیا۔ رامائن اُس کی تصنیف ہے۔ گوسائیں تلسی داس جی حد درجہ کے وشئی تھے۔ ایک لفظ اُن کی عورت کی زبان سے برآمد ہو گیا اور وہ پرم بھگت ہو گئے اس کا سبب صرف یہ ہے کہ بُرے پرا ربدھ کرم اپنا بھوگ دیتے دیتے کمزور ہو رہے تھے۔ اور شبھ سنچت کرم آہستہ آہستہ ابھرنے کے خواہشمند ہو رہے تھے۔ ایک اُدھر کمزور ہُوا۔ دوسرا جھٹ اُبھر کھڑا ہُوا۔ یہ بالکل قدرتی بات ہے۔ اس میں ذرہ بھی تعجب کرنے کی ضرورت نہیں ہے اسی طرح نیک آدمی بھی کبھی کبھی بُرے ہو سکتے ہیں۔ مگر یہ شاذ ہوتا ہے کیونکہ نیکی بطور خود بدی سے کہیں زیادہ مضبوط ہے۔ تاہم چونکہ نیکی و بدی ملی جلی ہوئی کام کرتی ہیں۔ کسی کو جرأت کے ساتھ کہنے کا حوصلہ نہیں ہو سکتا۔ درخت کے بیج کو بھی پیدا ہونے کے لئے کچھ وقت چاہئے۔ اُسی طرح یہ کرم بھی وقت چاہتے ہیں۔ اور وقت پا کر اپنا پھل دیتے ہیں۔

سنچت۔ کریہ مان۔ اور پرا ربدھ کا بیوہار عجیب و غریب طور پر

ہوا کرتا ہے۔ اس کا سمجھنا صرف غور و فکر سے متعلق ہے۔
اب سوال کیا جائیگا کہ جب پرار بدھ اور سنچت کرموں میں ایسی طاقت ہے۔ تو انسان ان کے جال سے کس طرح بچ سکتا ہے۔ کیونکہ یہ یکے بعد دیگرے وقتاً فوقتاً اپنا اثر دکھاتے رہتے ہیں۔ انسان خواہ مخواہ ان کے جال میں پھنسا ہی رہتا ہے۔ اس کا جواب کسی قدر اوپر دے دیا چکا ہے۔ تاہم مزید تشریح کے خیال سے پھر دوبارہ لکھا جاتا ہے۔ کرم تو اپنا زور کرتے ہی رہتے ہیں۔ اس میں شک نہیں۔ مگر ان کرموں کے پیدا کرنے والے ہم آپ ہی ہیں۔ جس طرح ہم بُرے بنے ہیں۔ ویسے بھلے بھی بن سکتے ہیں۔ دنیا میں کوئی آدمی ایسا نہیں ہے جو بالکل بھلا یا بالکل بُرا ہی ہو۔ انسانی قالب ملے جُلے کرموں کا نتیجہ ہے اور یہ کرم ہمیشہ ایک دوسرے کے بعد پھل دیتے رہتے ہیں۔ اس طرح سمجھ بوجھ لیکر آدمی کو کوشش میں رہنا چاہئے۔ کہ اچھے آدمیوں کی صحبت حاصل ہو۔ اور وہ آہستہ آہستہ نیک کاموں کی طرف توجہ کرتا رہے۔ کوئی دن آویگا۔ جب وہ نیک بنجائیگا اور ابھیاس دیراگ کی بدولت شبھ اور اشبھ دونو قسم کے کرموں سے نجات پاکر اپنے روپ میں ستھت ہوگا۔ جہاں نہ ست ہے۔ نہ رج ہے۔ نہ تم ہے۔ اور جہاں کال کرم کے چکر کا پتہ نہیں ہے ✦

تیرہویں شاکھا

عالم گیر اخوت
تنگدلی و وسیع خیالی سچی و جھوٹی سمجھ

ہرایک بات کے کئی پہلو ہوتے ہیں۔ اور ایسے آدمی دنیا میں کم ہوتے ہیں۔ جو ہر پہلو کو نگاہ کے سامنے رکھ کر صحیح نتیجہ نکالنے اور صحیح نتیجہ پر پہنچنے کی کوشش کرتے ہوں۔ ورنہ عام طور پر ہر شخص صرف اُسی پہلو کے دیکھنے کا عادی ہوتا ہے جو اُس کی نگاہ کے سامنے رہتا ہے۔ اور جہانتک کہ اس پہلو کا اُس کی نگاہ سے تعلق ہے۔ وہاں تک وہ صحیح ہے۔ اُس کو اس تنگ نگاہی کے لئے مطعون کرنا یا ملامت کا نشانہ بنائے رہنا حد درجہ کی غلطی ہے۔

فکر ہر کس بقدر ہمت اوست

جس کی جیسی سمجھ ہے۔ وہ ویسا ہی کام کرتا ہے اور ویسے ہی کام کرنے سے اس کی بہتری ہے۔

دنیا میں ہمیشہ لوگ عالم گیر اخوت کا وعظ سناتے آئے ہیں ایک بچہ بھی کہا کرتا ہے کہ تم تنگدل نہ بنو۔ سب کے ساتھ خندہ پیشانی سے سلوک کرو۔ یہ بات بہت اچھی ہے۔ مگر یہ دیکھنا چاہئے کہ ہر شخص موجودہ حیثیت میں کس طرح کام کرنے کے لئے موزوں بنایا گیا ہے۔ اور اُس کی قابلیت کس حد تک اس کو کام کرنے کی تمیز عطا کرتی ہے۔ عالم گیر اخوت کا وعظ بہت اچھا ہے۔ یہی سچائی صدلیت ہے۔ اور جو لوگ خواہ مخواہ تمیز و امتیاز کی حالت

پیدا کرتے کراتے رہتے ہیں۔ وہ اچھا نہیں کرتے۔ رونا بھی اسی بات کا ہے۔ اسی میں خرابی ہے۔ اسی کے اصلاح سے سب کی درستگی ہوتی ہے۔ اور زندگی کا مقصد ہاتھ آتا ہے۔ مگر ہر سمجھدار آدمی کو خیال کرنا چاہئے کہ معراج کی حالت میں اور موجودہ عملی حالت میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ معراج تو انتہائی منزل ہے اور عمل اس تک پہنچانے کے مرحلے ہیں۔ کوئی شخص ایک دم اچھل کر آسمان پر نہیں پہنچتا۔ ہر قسم کی حرکت میں بندش کا اہتمام نظر آتا ہے اور اگر حرکت میں بندش نہ ہو تو پھر ممکن ہے اُس کا رُخ غلط راہ کی طرف ہو جائے۔ اور خرابی واقع ہو۔ حرکت جس حالت کو پہنچانا چاہتا ہے۔ وہ دراصل لاحرکتی کی حالت ہے۔ وہ آیڈیل ہے۔ وہ حرکت کرنے ہی سے ہاتھ آویگی۔ یوں ہی نہیں مل جائیگی۔ مگر حرکت کو باقاعدہ ہونا چاہئے۔ قاعدہ بندش کا نام ہے اور جس طبقہ کے ساتھ جس قسم کی حرکت کا تعلق ہے۔ وہاں اُس کو ہمیشہ بندش میں رہنا پڑیگا۔ ورنہ کبھی منزل مقصود تک پہنچنے کی نوبت نہ آویگی۔ بندش میں ایک طرح کی مزاحمت ہوتی ہے۔ اور یہ مزاحمت قدرتی کاروبار میں خاص حیثیت اور خاص غرض رکھتی ہے۔ ایک شخص لاہور سے کلکتہ جانے کا ارادہ رکھتا ہے۔ اُس کو دو پہیہ کی گاڑی میں چڑھ کر جانا ہے۔ وہ یوں ہی کلکتہ نہیں جاسکیگا۔ بلکہ اُس کو بندش اور حرکت کے قانون کے زیر اثر کام کرتے ہوئے جانا پڑیگا۔ دو پہیہ کی گاڑی یونہی نہ پہنچیگی۔ بلکہ اُس کو ہاتھ کے ماتحت رہ کر آگے کی طرف باقاعدہ حرکت کرنا پڑیگا۔ اور چھوٹے چھوٹے لاکھوں لاکھوں دائرے بنا کر

تب کہیں اُس کو کلکتہ تک پہنچنے کا موقع ملیگا۔ اور اسی طرح کلکتہ سے وہ پھر لاہور کو آجائیگا۔ اس میں تم نے دیکھا۔ دو پہیہ کی گاڑی نے دو قسم کی حرکتوں کا تماشہ دکھایا۔ ایک تو وہ قدم قدم پر چھوٹے چھوٹے دائرے بناتی گئی۔ اور دائرے بناتے ہوئے ساتھ ساتھ آگے کی طرف حرکت کرتی گئی۔ اور آخر میں لاہور سے کلکتہ اور کلکتہ سے لاہور تک ایک بہت بڑا دائرہ بنالیا۔ اگر وہ چھوٹا دائرہ نہ بناتی تو ممکن نہیں تھا کہ اُس سے بڑا دائرہ بنتا۔ حرکت ہمیشہ دائرے کی صورت میں ہوا کرتی ہے۔

اسی طرح دنیا میں ہم سب لوگ ہمیشہ رات دن چھوٹے دائرے بناتے ہوئے بڑے دائرے کے بنانے کا اہتمام کرتے رہتے ہیں۔ اگر چھوٹے دائرے نہ بنیں تو بڑے دائروں کے بننے کا گمان بھی نہ ہو۔

کہا جاتا ہے تم عالم گیر اخوت کا دم بھرو۔ تنگدلی کو چھوڑ دو تنگ خیالی بُری بات ہے۔ کہنے میں تو یہ بات کتنی اچھی معلوم ہوتی ہے۔ مگر جس طبقہ میں ہم نشست رکھتے ہیں۔ آیا اس کے لئے بھی یہ اچھی ہے یا نہیں۔ نادان آدمی اصلیت کو کم سمجھتے ہیں۔ سنی سنائی بات پر یوں ہی چلے جاتے ہیں۔ اور اپنا اور دوسروں کا نقصان کر گزرتے ہیں۔

ایک مسئلہ ہے "گھر میں چراغ جلا کر تب مندر میں جلاؤ" لوگ اس کو ہمیشہ سنا کرتے ہیں۔ مگر مجھ کو ہندوؤں میں بالخصوص بہت کم آدمی نظر آتے ہیں۔ جو اُس کو سمجھتے ہوں۔ اور سمجھ کر اُس پر

عمل کرتے ہوں۔ اس مسئلہ کی تہہ میں بھی اُنہیں دو قسم کی حرکتوں کا ذکر ہے۔ جس کا بطور مثال اوپر بیان کیا گیا ہے اس کی مراد یہ ہے۔ اوّل خویش بعدہٗ درویش۔ پہلے چھوٹا دائرہ بناؤ۔ پھر بڑا دائرہ بنیگا۔ پہلے بھائی بند۔ کٹنب۔ قبیلہ۔ برادری اہل قوم و اہل ملک کی اخوت کا دم بھرو۔ پھر ساری دنیا کے ساتھ محبت کرنے کا حوصلہ کرو۔ اگر گھر کو تباہ کر دیتے ہو تو پھر نہ تو کسی فقیر کو خیرات دے سکو گے۔ نہ تم سے نیکی کا کام ہو سکیگا۔ فرض کرو۔ ایک شخص کے پاس سیر بھر آٹا ہے۔ اس سے اُس کا کُنبہ ممکن ہے کہ شکم سیر ہو جائے۔ لیکن اگر وہ عالمگیر اخوت کی غلط مراد لیکر سیر بھر آٹا تمام دنیا کو تقسیم کرنے لگے تو وہ کچھ بھی کسی کو نہ دے سکیگا۔ اور اپنے لڑکے بالوں کے ساتھ فاقہ کشی کی تکلیف اُٹھا کر مر جائیگا۔ جو محدود دائرے میں رہتے ہوئے محدود عقل رکھتے ہوئے محدود تعلقات کا برتاؤ کرتے ہوئے دھرم کی غلط سمجھ رکھتے ہیں وہ برباد ہو جاتے ہیں۔ نہ اُن سے دنیا کا کام ہوتا ہے۔ نہ دین کا ہوتا ہے۔ اور وہ آپ تو خودکشی کرتے ہیں۔ اپنے متعلقین کو بھی مصیبت کا شکار بنا جاتے ہیں۔ کیا تم سمجھتے ہو۔ ایسے لوگ دھرماتما ہیں؟

لوک اور پرلوک۔ دنیا اور آخرت۔ دین اور دنیا۔ یہ چھوٹے اور بڑے دائرے ہیں۔ اور نجات کی خواہشمند روح کو بتدریج ان دونوں سے یکے بعد دیگرے گزر کر تب اصلیت کے طبقہ میں آنا ہوتا ہے۔ اور جب تک انسان چھوٹے دائروں کو نہیں بنا لیتا تب تک اُس سے بڑا دائرہ نہیں بنتا۔ اخلاق کی مشاقی۔ دھرم کی

مشاقی۔ بلند حوصلگی کی مشاقی۔ سیک نیتی کی مشاقی۔ پریم اور بھاؤ کی مشاقی پہلے گھر ہی میں ہوتی ہے۔ اور یہاں ہی پتہ لگتا ہے۔ کہ لڑکے کا مستقبل کیسا ہوگا۔ پوت کے پاؤں پالنے ہی میں نظر آجاتے ہیں۔

ہونہار بروا کے ہوت چکنے پات "

جو بھائیوں کے ساتھ پریم کا برتاؤ نہیں کرتا۔ جس کو اپنوں کے ساتھ اچھا بیوہار نہیں ہے۔ کیا تم بھول کر بھی خیال کر سکتے ہو۔ وہ دنیا کا اخلاقی و روحانی معلم ہو سکیگا۔ چھوٹے دائرے پہلے بنینگے۔ بڑا دائرہ ہمیشہ پیچھے بنیگا۔ چھوٹے دائرے کو بناتے ہوئے چلے جاؤ۔ بڑا دائرہ خود بخود بن رہیگا۔ لوک کو سدھار پرلوک آپ سدھر جائیگا۔ دنیا کا کام ایمانداری سے کرو۔ تم دینداربنوگے۔ شرط یہ ہے کہ چھوٹے دائرے اچھے بنیں۔

یہ ہماری من گھڑت بات نہیں ہے۔ قدرت میں ہر جگہ اس سبق کے سیکھنے کا انتظام ہے۔ زمین چوبیس گھنٹے متواتر اپنے اردگرد چکر لگاتی ہے اور اس طرح چکر لگاتی ہوئی تین سو ساٹھ چکروں کے خاتمے پر سورج کے اردگرد اس کا بڑا دائرہ بنجاتا ہے یوں اگر وہ چاہتی تو کبھی بڑا دائرہ نہ بنتا۔ مگر اپنے اردگرد گھومنے سے دیکھو کس سہولیت سے بڑا دائرہ بن گیا۔ اور کچھ وقت بھی محسوس نہیں ہوئی۔ اسی طرح سورج بھی اپنے نظام شمسی کو لئے ہوئے اپنے اردگرد چھوٹے دائرہ بناتا ہوا اُس بڑی طاقت کا پرکرما کر رہا ہے جس سے اُس کو نور اور پرکاش ملتا ہے۔ یہی کیفیت تمہارے اپنے جسم میں ہو رہی ہے۔ تمہارے جسم کے اندر تمام قسم کی طاقتوں کے

چکر کا انتظام ہے پہلے وہ اپنی خاص ہستی کے اردگرد چکر لگا لیتے ہیں تب تمام جسم میں چکر لگاتے ہیں۔ اس تماشہ کو کبیر صاحب اس طرح بیان فرماتے ہیں۔

لُو کی بوڑے ۔ سِل اُترائے

اینڈری کا پانی ۔ بنڑ بری جائے

محدودیت اور وسعت کے تعلقات کو نظر سے دور ہٹا کر جو کام کیا جاتا ہے۔ اُس میں نقصان ہوتا ہے۔ یہاں اُن لوگوں کا ذکر نہیں ہے۔ جو بلند نظر ہیں۔ اور جن کے سامنے محدودیت اور وسعت کی اصطلاحیں بے معنی ہیں۔ جو کچھ کہا جارہا ہے۔ معمولی انسانوں کے لئے معمولی انسانیت کی نگاہ سے کہا جارہا ہے لیکن اس سے بھی شاید کسی کو انکار نہ ہوگا کہ دنیا میں جو بلند نظر اور عالی ہمت بزرگ گزرے ہیں۔ اُن کو بھی محدودیت کے کاروبار سے بہ تدریج وسعت کے طبقہ میں آنا نصیب ہوا ہے۔ گوتم بدھ جو انسانی ہمدردی سچی فراخدلی اور اصلی عالم گیر اخوت کی بے نظیر مثال ہیں۔ اُن کو بھی یہ چھوٹے دائرے بنانے پڑے ہیں۔ اور جنم جنمانتر اسی طرح کے بیوہار میں رہ کر تب اعلیٰ جذبات اور روحانیت کی میراث حاصل کی ہے۔ بچپن میں اُن کو اپنے رشتہ داروں سے اپنے جانوروں سے حد درجہ کی الفت تھی۔ وہ کسی جاندار کو نہیں ستاتے تھے۔ اور پھر رفتہ رفتہ دل و دماغ کے نشوونمائی کے ساتھ ساتھ اُن کو یہ رُتبہ نصیب ہوا کہ تواریخی دنیا اعلیٰ انسانیت کی اُن سے بہتر نظیر نہیں دکھلا سکتی۔

شام کا وقت تھا۔ جس وقت سورج دیوتا است ہو رہے تھے۔ سدھارتھ اور دیودت ہاتھوں میں تیر و کمان لئے ہوئے سیر کر رہے تھے۔ اتفاق سے راج ہنسوں کا جھنڈ آسمان پر منڈلاتا ہوا نظر آیا۔ سدھارتھ اُن کی خوبصورتی اور اُن کے پرواز کی حالت کو دیکھ کر محو حیرت ہو گیا۔ مگر دیودت نے تیر کو کمان سے جوڑ دیا۔ اور ایک راج ہنس زخمی ہو کر زمین پر گر پڑا۔ سدھارتھ نے اُس کے رونے کی آواز کو سُنا۔ جھپٹ کر اُس کو گود میں اٹھا لیا۔ پانی سے اُس کے خون کو دھویا۔ اور مرہم پٹی کی۔ دیودت کہتا رہا۔ کہ میں نے اس کو مارا ہے یہ میرا ہے مجھ کو دیدو۔ مگر اُس نے ایک نہیں سنی دونو میں جھگڑا ہو پڑا۔ جیوں تیوں کسی طرح رات گزری۔ صبح کے وقت جب راجہ شدھودھن اپنے وزیروں کے ساتھ دربار میں بیٹھا تھا۔ دو چھوٹے چھوٹے لڑکے فریادی بن کر عدالت میں حاضر ہوئے راجہ نے پوچھا۔ "دیودت! کیوں کیا بات ہے"؟ اُس نے جواب دیا مہاراج! کل شام کو ہنسوں کا جُھنڈ اُڑتا ہوا جا رہا تھا۔ میں نے اس جانور کو تیر سے مارا۔ وہ گر پڑا۔ راجکمار نے اُس کو اٹھا لیا۔ رات بھر اپنے ساتھ پلنگ پر لٹا رکھا۔ میں مانگتا رہا۔ کہ یہ میرا ہے۔ میں نے اس کو مارا ہے۔ مگر وہ نہیں سُنتے۔ اس لئے ہم دونو عدالت میں آئے ہیں۔ آپ فیصلہ کیجئے"۔ راجہ نے وہی سوال اُس کے ساتھ کیا۔ سدھارتھ نے جواب دیا۔ "بھگوان! بھائی دیودت نے جو کچھ کہا ہے۔ سچ ہے۔ مگر یہ جانور میرا ہے میں نے اس کو بچایا۔ ورنہ یہ مر جاتا۔ اور دیکھئے کس محبت سے

یہ میرے ساتھ رہتا ہے۔ مارنیوالے کا کوئی حق نہیں ہے۔ بچانیوالے کا حق زیادہ ہے"۔ راجہ اس نرالی منطق کو سُنکر خاموش رہا۔ دیودت بولا "بھائی سدہارتھ! ہم کو تیر و کمان اس لئے ملے ہیں کہ ہم ان کو ماریں اور اپنا بنائیں"۔ شاہزادہ نے جواب دیا "بھائی دیودت! تم غلطی پر ہو۔ ہم کو تیر و کمان اس لئے ملے ہیں کہ ہم اوروں کی جان کی رکھشا کریں اور رکھشا کر کے اُن کو اپنا بنائیں۔ پرجا اُس راجہ کی کہلاتی ہے۔ جو اُس کا پالن کرتا ہے۔ جو اُس کو مارتا ہے۔ اُس کی پرجا نہیں ہوتی"۔ اس طرح دیر تک دونو کمسن بچے اپنی اپنی بحث پیش کرتے رہے راجہ سے کچھ نہ بن پڑا۔ اُس نے اپنے وزیروں سے رائے طلب کی۔ ایک وزیر نے کہا "سدہارتھ! تم ہنس کو چھوڑ دو۔ اور دونو فاصلہ پر کھڑے ہو جاؤ۔ جس کے بلانے سے راج ہنس چلا آوے۔ اُسی کا ہوگا"۔ فریقین نے منظور کیا۔ جب دیودت ہنس کو بلانے لگا وہ ذرہ بھی اُس کی طرف متوجہ نہیں ہُوا۔ مگر سدہارتھ کے ہاتھوں کا اشارہ پاکر وہ پروں کو پھڑپھڑاتا ہُوا اُس کے پاس چلا آیا۔ اور محبت کا اظہار کرنے لگا۔ سدہارتھ نے کہا "مہاراج! محبت اور پریم کے قانون کے بموجب یہ پرند میرا ہے"۔ اور دیودت نے خاموشی کے ساتھ اُس کو دے دیا۔

یہ چھوٹے دائرہ بنانے کی ایک مثال ہے۔ اس چھوٹے دائرہ میں خود بڑے دائرے بننے کی طاقت ہے۔ بُدھ دیو جس کا لڑکپن کا نام سدہارتھ تھا۔ اپنے بھائی بہنوں کے ساتھ اسی قسم کے چھوٹے دائرہ بنایا کرتا تھا۔ اور آخر میں وہ اتنا مہان آتما والا

ہوگیا۔ کہ اُس کے دل میں سب کے لیے جگہ ہوگئی۔

ہم کو تم کو بھی لازم ہے کہ اس چھوٹے و بڑے دائرہ کی سچائی کو اچھی طرح ذہن نشین کرلیں۔ اور گھروں میں چھوٹے چھوٹے نیک کاموں کے سلسلے میں بڑے بننے کا حوصلہ کریں۔

عالم گیر اخوت کا خیال دل میں رکھنا اچھا ہے۔ کیونکہ اس سے بہتر اخلاق کی خیالی معراج اور کوئی نہیں ہوسکتی۔ یہی سدھانت ہے اور ویدانت کا ادویت واد اس کی ہدایت کرتا ہے۔ مگر معراج ایسی چیز نہیں ہے کہ فوراً ہاتھ میں آجائے۔ یہ جب ملیگی بہ تدریج ملیگی انسان جو کچھ کرسکتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ سب کو اپنا آتما سمجھے اور اس سمجھ کی مشاقی پہلے اپنے گھر سے شروع کردے۔ یاد رکھنا چاہئے کہ جہانتک جسم کا تعلق ہے۔ تب تک جسم کے لئے کچھ نہ کچھ ہر شخص کو کرنا پڑتا ہے۔ اُسی طرح جس کے گھر بار۔ لڑکے بالے ہیں۔ اُس کو بھی اُن کا حق ادا کرنا پڑیگا۔ ان کے حق کو نظر انداز کرنا سخت غلطی ہوگی۔ اور اس لئے اصول کی اور اخلاق کی مشاقی ان سے بہتر اور کہاں ہوسکتی ہے۔ کیونکہ ان کے ساتھ ممتوؔ کا زیادہ سنبدھ ہے۔ اُس سنبدھ کو ذاتی غرض اور ذاتی مفاد کے نقص سے پاک کردو۔ اور گھر ہی میں تم کو عالم گیر اخوت کے برتاؤ اور پھل کا لابھ پہنچنے لگیگا۔ اگر یہ نہیں کرتے۔ اور گھر کو چھوڑ کر بیگانوں کے ساتھ ایسا برتاؤ برتنا چاہتے ہو۔ تو وہاں دقت ہوگی۔ اسی وجہ سے کہنے والوں نے کہا ہے۔ کہ "گھر میں دیا بال کر تب مندر میں بالو"۔

گھر سے باہر کی جو دنیا ہے - اُس میں سخت مغائرت ہے - یہ ضرور ہے کہ تم اُن کے ساتھ مغایرت نہ کرو - مگر اُن کی مغایرت کیا بے اثر رہیگی ؟ اگر تم مفتوح - مغلوب اور محکوم ہو تو بہت کم ممکن ہے کہ فاتح غالب اور حاکم تم کو بھائی سمجھ کر تمہارے ساتھ عالم گیر اخوت کا اصول برتنے لگے - ہر شخص کو یہ امید نہیں ہو سکتی ہاں جس کی قوت ارادی مضبوط ہے - جس کا آتما زبردست ہے وہ غیر معمولی شخص ہوتا ہے - اُس کا اس موقع پر ذکر نہیں ہے -

عالم گیر اخوت کی تعلیم کا جو ماحصل ہے - وہ صرف اتنا ہے کہ انسان بیغرض ملے اور بیغرض بنکر کام کرے - خود غرضی کے خیالات سے بچا رہے - اور اس کی مشاقی گھر سے بہتر اور کہیں نہیں ہو سکتی - گھر کے لوگوں کے ساتھ محبت کا برتاؤ کرو - ملک والوں اور قوم والوں کی ہمدردی کو دل میں جگہ دو - اور اس طرح اپنے خیالی دائرے کو بتدریج بڑھاتے ہوئے چلے جاؤ - اس کا نتیجہ یہ ہوگا - کہ تم فراخدل - وسیع خیال بنتے جاؤ گے - اور ایک دن ویدانت کے ادویت واد کی تم کو خود بخود سمجھ آجائیگی -

دنیا کی بندش میں قدرت کا ہاتھ ہے - قدرت جانتی ہے - کہ کہاں کہاں بندش ہونی چاہئے - اگر زمین کی بندش نہ ہوتی تو تم کس پر اپنی گاڑی چلا سکتے - اگر پتنگ میں ڈوری نہ لگائی جائے تو پتنگ کس طرح اوپر چڑھ سکے - اگر ریل کے چلنے کی پٹریاں نہ بنائی جائیں تو وہ کس پر اور کیسے چلے - اس لئے نادانی سے غلطی سے - غلط ویراگ اور جھوٹے تیاگ سے گھر دوار کو - قوم

و ملک کی محبت کو۔ وطن اور برادری کی الفت کو جواب نہ دو۔ یہ پٹریاں ہیں۔ جن پر تمہارے روحانی مشاقی کی گاڑی کو چلنا ہے۔ یہ وہ اسباب ہیں۔ جن کے تعلقات میں تم اپنے کام کرودھ وغیرہ کی نرکھ پرکھ کرتے ہوئے چلوگے۔ یہ وہ ذریعے ہیں جو تم کو بتاتے رہتے ہیں کہ تم میں کہاں لغزش ہے۔ ان کے ساتھ کھاتے وقت۔ ان کے ساتھ بات کرتے وقت۔ ان کے ساتھ کام کرتے وقت دیکھو من کدھر جاتا ہے۔ اور کہاں جاتا ہے۔ ایسے موقعوں پر تم کو جو جو اخلاقی سبق ملیں گے۔ وہ اور کسی معلم کے یہاں نہ مل سکینگے اس لئے ان کو غنیمت سمجھ کر کسی لفظ کی غلط مراد پر کبھی نہ جاؤ۔ صرف اصلیت کی طرف نگاہ رکھو۔ اور آپ ہی آپ آہستہ آہستہ روحانی ترقی ہوتی رہے گی۔

عالم گیر اخوت کا سبق کتابوں یا دنیا کے معلموں سے نہ سیکھو۔ بلکہ اپنے من سے سیکھو۔ اور اپنی گرہست گھر سے شروع کروگے باہر والوں کو عالم گیر اخوت کا وعظ سنانے دو۔ یہ مکار ہیں۔ خود حد درجہ کے تنگدل ہیں۔ لوگوں کے مال و دولت کو ہڑپ کر جاتے ہیں۔ اور آپ بغل میں کتاب دبائے ہوئے عالم گیر اخوت کا وعظ سناتے ہیں۔ تم خود تجربہ کر کے آگے بڑھو۔ ایسا نہ ہو۔ غلطی کر بیٹھو۔ اصلیت صرف تم میں اور تمہارے من میں ہے۔ باہر کہیں نہیں ہے۔

چودہویں شاکھا

ایک
دو
انیک

"وہ ایک تھا - اُس نے کہا میں انیک ہو جاؤں - اور وہ مختلف صورتوں میں نظر آنے لگا" ورہد آرنیک اُپنشد میں یاگیہ ولکیہ رشی کہتا ہے - کہ "وہ پہلے ایک تھا - اُس نے اپنے آپ کو دو میں تقسیم کیا - اور اس طرح وہ استری اور پرش بنے اور اُن سے سرشٹی کا بیوہار جاری ہوا"

جس کو استری اور پرش کہا جاتا ہے - وہی ایشور اور پرکرتی ہے اور اُنہیں کے سنجوگ سے یہ دنیا پیدا ہوتی ہے یہ پرش اور پرکرتی اصل میں ایک ہیں - اور اگر ہم اُپنشدوں کی مراد کو اچھی طرح ذہن نشین کر لیں تو پھر ہم کو اس معمہ کے حل کرنے میں ذرہ بھی دقت نہیں رہتی - مگر خلقت کی پیدائش کی بابت لوگوں کی رائیں مختلف ہیں - ایک فریق کہتا ہے - ایشور نے نیستی کو ہستی سے پیدا کیا - دوسرا کہتا ہے - اُس نے اپنی ہی ذات سے سب کچھ پیدا کیا - تیسرا کہتا ہے - پرکرتی ہمیشہ سے ہے - اور اسی پر کچھ سوچنا ہے -

نیستی سے ہستی کا پیدا کرنا بالکل خیال میں نہیں آتا - ایک چیز جو بالکل معدوم محض ہے کیسے ہو سکتی ہے اور اُس کا امکان کس طرح ممکن ہے - یہ سچ ہے کہ ہماری عقل محدود ہے - محدود سے غیر محدود کا پتہ لگانا غیر ممکن ہے - مگر پھر بھی جس نے ہم کو عقل دی ہے

اُس سے کچھ مراد بھی ہے - اس عقل کا کام بھی یہی ہے کہ وہ سوچ وچار کر کسی نتیجہ پر پہنچے - اگر عقل بیکار محض ہے - تو پرماتما کا یہ عطیہ بے معنی ہے - کیا وجہ ہے کہ ہم اور محدود عقل والوں کے خیال اور نوشتہ کو صحیح تسلیم کریں - اور خود اپنے لئے نہ سوچیں -

ایک مہاتما کہتے ہیں "منی نہ لکھے - جیہی منی لکھے" یعنی اُس کو عقل نہیں جان جا سکتی - مگر پھر بھی عقل ہی سے اُس کو انبھو ہوتا ہے - بغیر عقل کی مدد کے کیسے کوئی اُس کو سمجھ سکتا ہے! تم کو سمجھنا چاہئے - ساتوِک بُدھی آتما کے نزدیک رہنے والی چیز ہے - اور اُس پر اُس کا عکس پڑتا ہے - اس لئے وہ ہمیشہ قیمتی شے ہے -

یہ عقل کسی طرح باور نہیں کرتی کہ نیستی سے ہستی ممکن ہے ہستی ہی سے ہستی کا امکان ہوتا ہے - اگر پرماتما ہست ہے اور ہستی ہے - تو اس سے صاف ظاہر ہے کہ اُس نے اپنی ہستی سے اور ہستیوں کو پیدا کیا - اور وہ سب میں ہے اور سب کچھ ہے اگر یہ مانا جائے کہ وہ کسی اور سے پیدا کرتا ہے - تو پھر اُس کی ہستی غیر ممکن ہوگی - وہ محتاج ثابت ہوگا - اور محیط کُل نہ ہوگا اور اُس کی حیثیت بالکل ایک کمہار کی ہو جاویگی - جو ڈنڈا اور چکرا اور مٹی کی مدد سے گھڑا پیدا کرتا ہے - یہ حالت اُس کی نہیں ہے وہ ایک ہے - اُس کے سوا اور کوئی نہیں ہے - اور وہی سب میں ہے - اور جو کچھ دنیا کا ظہور تم دیکھ رہے ہو - اُسی کی قدرت اور کاریگری ہے - اس نے اپنے کام کرنے کا سامان کہیں اور

کسی سے نہیں لیا۔ بلکہ اپنے میں سے پیدا کیا۔ اگر وہ کسی اور سے سامان لیتا ہے۔ تو پھر دو چیزیں ہو جاتی ہیں۔ اور اُن کی علیحدہ علیحدہ ہستی ماننی پڑتی ہے۔ اور اگر ان کی ہستی ہے۔ تو پھر ان میں سے کوئی بھی مکمل اور کوئی بھی محیط کل نہیں ہے۔ نہ پرش مکمل ہے۔ نہ پرکرتی مکمل ہے۔ کیونکہ وہ ایک دوسرے کے محتاج بن گئے اور محتاجگی کمزوری اور خرابی کی دلیل ہے۔

یہ پرماتما ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ تھا۔ اور ہمیشہ رہیگا۔ وہ ایک ہے۔ اور اُپنشدوں کے موافق وہی انیک ہوگیا۔ جس طرح ایک جلتی ہوئی آگ سے ہزاروں اور لاکھوں کی تعداد میں شعلے نکلتے ہیں اسی طرح اس میں بھی سرشٹی ہُوا کرتی ہے۔ اور وہ اسی سرشٹی کا نہ صرف روح رواں ہے بلکہ یہ سرشٹی اُسی میں۔ اُسی سے اور اُسی کی ہے ایک میں سب ہے اور سب میں ایک ہے۔ "ہمہ اوست" اور "ہمہ از وست" کا یہ مضمون ہے۔ اور جو اس کو سمجھ لیتے ہیں۔ پھر اُن کے لئے کوئی بندھن نہیں رہتا۔

یہ جگت جو تم دیکھتے ہو پرماتما میں پیدا ہُوا ہے اور اُس سے علیحدہ نہیں ہے۔ اور یہ بالکل اُسی طرح پیدا ہُوا ہے۔ جیسے تمہارے من میں طرح طرح کے خیالات پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ ان خیالات کا پھُرنا ہی جگت کی رچنا ہے۔ تم بھی تو اپنی دنیا بناتے ہو اور تمہاری دنیا بھی خیالی ہوتی ہے۔ اسی طرح برہمانڈ کا بھی حال ہے۔ تمہارا اپنا من پنڈی من کہلاتا ہے۔ اور جو من رچنا میں کام کرتا ہے۔ برہمانڈی من کہلاتا ہے۔

اس قدر نازک ہے کہ جس کے اظہار کے لئے مناسب لفظ نہیں ملتے تاہم جو لوگ اصلیت پرست ہیں - اور اصلیت کی طرف نگاہ رکھتے ہیں - وہ کسی حد تک سمجھ لیتے ہیں -

یہ جگت اُسی ایک پرم تتو سے پیدا ہوتا ہے - یہ تم کو اختیار ہے - اس کو چاہے برہم کہو - ایشور کہو - پرماتما کہو - یہ صرف تمہارے اپنے گھڑے ہوئے اصطلاحات ہیں - ورنہ اُس کا کوئی نام نہیں ہے - اور نہ ہو سکتا ہے -

اس دنیا کے سلسلہ میں تم سوال کر سکتے ہو - کہ اُس نے کیوں اس جگت کو رچا - اُس کی غرض کیا ہے ؟ سنو ! اس کی بابت ایسے سوالات نہیں کئے جا سکتے - اور جہاں تم نے ذرہ بھی غور کیا - پھر تم خود سمجھ جاؤ گے - کہ یہ سوال بالکل بے معنی ہیں جو لا محدود مکمل ہے - اس میں خواہش - غرض اور آرزو نہیں ہو سکتی - کیونکہ یہ محدود ہستی والوں سے متعلق ہیں - محدود ہستی میں کسی نہ کسی بات کی کمی رہتی ہے - مگر جو غیر محدود و مکمل ہے اس کو کیا غرض ہے - اُس میں کسی چیز کی کمی یا محتاجگی ثابت کرو - تو وہ اسی وقت غیر مکمل ہو جائیگی - اس کے سوائے ایک بات اور بھی ہے - اگر وہ غرض رکھتا ہے - اور بقول تمہارے مکمل بھی ہے - تو پھر وہ غرض کے پورا کرنے کا سامان کہاں سے لاویگا - پھر تم کو اس کے علاوہ دوسری ہستی کا امکان ماننا پڑے گا - اور جب دو ہوئے - تو پھر اُن میں سے کوئی بھی مکمل نہ رہا - وہ خود عقل کُل ہے - طاقت کُل ہے

وہی سب کا بھنڈار ہے۔ وہ شانت ہے۔ کیونکہ شانت ہونا مکمل کی علامت ہے۔ یاد رکھو۔ جہاں تم نے اُس کو مایا۔ پرکرتی یا مادہ کا محتاج بنا دیا۔ اُسی وقت وہ مکمل نہ رہا۔ اور ایشور کے متعلق تمہارا آئیڈیل ناقص ہو گیا۔

ہم جو کچھ کہہ رہے ہیں۔ وہ بھی صرف نسبتی نقطہ نگاہ سے کہہ رہے ہیں۔ ورنہ وہاں کہنے کا۔ سننے کا۔ سمجھنے کا۔ بوجھنے کا بھی امکان نہیں ہے۔ یہ سب محدود اور خارجی دنیا کی حالتیں ہیں۔ مکمل ہستی میں نہ ان کی ضرورت ہے۔ اور نہ ان کا امکان ہماری عقل خود جب غور کرنے لگتی ہے۔ چکر کھاتی رہتی ہے۔ مگر جب کل پر نگاہ جاتی ہے۔ خاموش ہو جاتی ہے۔ اور پھر ہم کو دم مارنے کی گنجائش نہیں رہتی۔ کہ یہ کون ہے۔ کس طرح ہے۔ اور کس واسطے ہے۔ وہ دراصل چون وچرا سے آزاد ہے۔

شروتی کہتی ہے "ایک درخت ہے۔ جس پر دو پرند بیٹھے ہوئے ہیں ایک پرند چھوٹا اور محدود ہے۔ جو پھل کو کھایا کرتا ہے۔ دوسرا مکمل اور سنہری پروں والا ہے۔ جب یہ چھوٹا پرند اُس کو دیکھ لیتا ہے۔ پھر وہ بھی مکمل ہو جاتا ہے"۔ جو محدود ہے۔ وہ صرف اس وقت تک محدود ہے جب تک محدودیت کی حالت میں رہتا ہوا صرف جزو پر نگاہ رکھتا ہے۔ مگر جہاں اس نے کُل کی طرف دیکھا۔ جزو

کل دو تو اصطلاح غائب ہو گئے۔ نہ وہاں کل ہے۔ نہ جزو ہے۔ کیونکہ جزو کا استعمال صرف وہاں ہوتا ہے۔ جہاں کل کا خیال رہتا ہے۔ اور جہاں کُل کا خیال ہوگا۔ وہاں جزو کا خیال بھی امر لازمی ہے۔ ایک کو چھوڑ دو۔ دونو غائب ہو جائیں گے۔ اور پھر کہنے سُننے کا موقع نہ رہیگا۔ یہی نجات ہے۔ اور شرتی کی مُراد یہی ہے۔

اس بات کو کبھی نہ بھولو کہ کہنا۔ سُننا سب نسبتی حالتیں ہیں۔ ورنہ اصل میں کیا ہے؟ اس کا جواب کوئی کیا دے۔

حیرت۔ حیرت۔ حیرت ہوئی
حیرت۔ روپ۔ دھر ایک سوئی

اور اسی وجہ سے یاگیہ ولکیہ کہتا ہے "اے میتریئی! جہاں دو ہوتے ہیں۔ وہاں ایک دوسرے کو دیکھتا ہے۔ ایک دوسرے کی سنتا ہے۔ ایک دوسرے کو جانتا ہے۔ جہاں ایک دو نہیں ہیں۔ وہاں کوئی کیا کہے کیا سُنے۔ کس کی کہے اور کس کی سُنے"

پندرھویں شاکھا

سرشٹی سرشٹی کے مطابق سرشٹی کا تماشہ

یہ جگت جو تم کو نظر آرہا ہے۔ برہمانڈی من کی سنکلپ کا تماشہ ہے۔ جیسے جب تم خواب میں جاتے ہو۔ وہاں کوئی چیز تمہاری ذات کے سوا نہیں رہتی۔ مگر تم محض سنکلپ سے اپنی دنیا بنا لیتے ہو۔ خیال کیا نہیں کہ سب کچھ موجود ہوجاتا ہے۔ اور تم خواب کے تماشے دیکھنے لگتے ہو۔ بجنسہ یہی کیفیت اس جگت کی ہے اور اسی وجہ سے عالموں نے اس سرشٹی کو "سوپن" کہا ہے۔

جس وقت برہمانڈ من میں کپھرنا ہوئی۔ اسی وقت اس کے سنکلپ کی دو دھاریں پیدا ہوتی ہیں۔ جن کو کال اور مایا کہتے ہیں۔ یہ آج کل کے سائنس کی اصطلاحات میں مادہ اور طاقت یعنی matter اور energy کہلاتے ہیں۔ ان کی اپنی اصلیت کچھ نہیں ہوتی۔ ان کے پس پشت اصلیت چھپی رہتی ہے۔ اور وہ تماشہ دکھاتی ہے۔ اور یہ جگت سوپن کے خواب کی طرح ہونے لگتا ہے۔ اور بھاسنتا ہے۔ اور جس وقت سنکلپ دور ہوا۔ پھر نہ کہیں خواب ہے۔ نہ خواب کے تماشے ہیں۔ جو پہلے تھا

وہی کیفیت اب ہے۔ جیسے پانی کی جھیل میں لہریں اٹھتی ہیں بُلبلے پیدا ہوتے ہیں۔ اور پھوٹنے لگتے ہیں۔ ویسے ہی اُس کے سنکلپ سے حرکت پیدا ہوتا ہے۔ جھیل کو ذرہ شانت ہونے دو۔ نہ کہیں لہریں ہیں۔ اور نہ کہیں بُلبلے ہیں یہ صرف درمیانی حالت ہے۔ اسی وجہ سے اُپنشد کہتے ہیں :- "پہلے مکت کی اوستھا تھی۔ پھر بندھن ہُوا۔ آخر میں پھر مکت ہے :" مکتی کی اوستھا اول اور آخر ہے۔ درمیانی حالت بندھن کی ہے۔ اور پھر ہم سب کو مکتی میں جانا ہوگا کیونکہ حرکت اصل میں ہمیشہ دائرہ کی صورت میں ہُوا کرتی ہے۔ اور دائرہ اس وقت تک کبھی پورا نہیں ہوتا۔ جب تک جس جگہ سے ابتدا ہوتی ہے۔ وہاں جاکر نہیں پہنچتا۔

جس وقت یہ پھُرنا ہوتی ہے۔ اُس سے پہلے سامیہ اوستھا رہتی ہے۔ اس سامیہ اوستھا کا نہ ہونا سرشٹی ہے۔

سامیہ اوستھا کا دور ہونا پرکرتی کی پیدائش ہے اصل میں پرکرتی سامیہ اوستھا ہی ہے۔ یہاں اس لفظ کو ہم اور کسی بہتر لفظ کے نہ ملنے کی وجہ سے استعمال کررہے ہیں۔

سامیہ اوستھا کے دور ہونے سے جب دونو دھاریں کام کرنے لگتی ہیں۔ اُن سے جو پہلی حالت پیدا

ہوتی ہے۔ اس کا نام سانکھیہ کی اصطلاح میں بُدھی ہے۔ یہ حکمت میں محیط کُل اصول ہے۔ کوئی بھی چیز اس بدھی سے خالی نہیں ہے۔ یہی حکمت ہے۔ یہی عقل کُل ہے۔ اسی سے سب کی پیدائش ہے۔ تم دیکھتے ہو۔ معمول کاروبار میں بھی پہلے خیال ہوتا ہے۔ تب سامان اور سامگری آتے ہیں۔ خیال سے پہلے تم بھی کوئی کام نہیں کرتے نہ سامان کو اکٹھا کرتے ہو۔

اس بدھی سے پھر اہنکار (انانیت) اور چت پیدا ہوتے ہیں۔ اور من پیدا ہوتا ہے۔ اصل میں من۔ بدھ چت اور آہنکار چار چیزیں نہیں ہیں۔ اُن کے کام اور فرائض کی وجہ سے ایک ہی چیز کے چار نام رکھ لئے گئے ہیں۔ تاکہ سمجھنے اور سمجھانے میں آسانی ہو۔

اس میں سے پھر پانچ تن ماترا ہیں۔ یعنی سوکشم تتو پیدا ہوتے ہیں۔ اُن کو شبد۔ سپرش۔ روپ۔ رس۔ اور گندھ کہتے ہیں۔ پھر ان سوکشم تتوں سے مہا بھوت یعنی کثیف عنصر پیدا ہوتے ہیں۔ جن کو آکاش۔ ہوا اگنی۔ جل اور پرتھوی کہا گیا ہے۔ یہ ایک ایک تتو سے پیدا ہوتے ہیں یعنی۔

شبد سے آکاش۔

سپرش سے وایو۔

روپ سے اگنی
رس سے جل اور
گندھ سے پرتھوی

اور یہ ایسے ملے جُلے پیدا ہوتے ہیں۔ جن پر غور کرنے سے ان کی ماہیت کا پتہ لگتا ہے۔

آکاش میں جب حرکت ہوئی۔ اُس سے وایو کی پیدائش ہو گئی ہے۔ اس لئے آکاش میں اپنا خواص شبد ہے۔ اور شبد ہی آکاش کا گُن ہے۔ ہوا چونکہ آکاش سے نیچے کی حالت ہے۔ اس لئے اُس میں اپنا گُن سپرش ہے۔ اور آکاش کا گُن شبد ہے۔

جب وایو میں ہلور پیدا ہوئی۔ اُس سے حرارت نکلی۔ یہ حرارت اگنی ہے۔ اگنی میں اپنا گُن روپ ہے۔ وایو کا گُن سپرش ہے اور آکاش کا گُن شبد موجود ہے۔

جب اگنی میں حرکت پیدا ہوئی۔ اور وہ منقضی گئی۔ اُس سے جل پیدا ہُوا۔ جل میں اپنا گُن رس ہے۔ روپ اُس میں اگنی کا گُن ہے۔ سپرش وایو کا گُن ہے۔ اور شبد آکاش کا گُن اُس میں موجود ہے

اسی طرح۔ جب پانی متھا گیا خواہ اس میں ہوا اور حرکت پیدا

ہوئی۔ تب اُس سے پرتھوی کا ظہور ہُوا۔ پرتھوی میں اپنا گُن گندھ ہے۔ رس جل کا گُن ہے۔ روپ اُس میں اگنی کا گُن ہے۔ سپرش وایو کا گُن ہے۔ اور شبد آکاش کا گُن اُس میں موجود ہے۔

تم نے دیکھا ہوگا۔ جب سمندر میں لہریں آتی ہیں۔ اُس میں گاچھ پیدا ہوتا ہے۔ اور یہ گاچھ پرتھوی کی شکل اختیار کرتا ہے۔ اور جب یہ ٹھہر جاتا ہے۔ اُسی سے جمادات۔ معدنیات۔ نباتات اور حیوانات سب پیدا ہونے لگتے ہیں۔ اور سرشٹی کا کاروبار شروع ہوتا ہے۔

یہ مختصر بیان مہابھوت یا ستھول بھوتوں کی رچنا کا ہے۔

اس کو تم غلط نہ سمجھو۔ زمانہ آرہا ہے۔ جب لوگ ایک مٹی کے ٹکڑے کو اٹھا کر پانی کی شکل میں تحلیل کر کے تم کو دکھا سکیں گے۔ اور پھر اس پانی کو گیس یا لطیف پرمانوں کی شکل میں تحلیل کر کے اگنی کی شکل کی دکھا دینگے اور یہ اگنی وایو کے روپ میں جا کر آکاش ہو جائیگی یہ سب ابتدا میں ایک تھے۔ اب خارجی دنیا میں انیک نظر آرہے ہیں۔ اس لئے جو تیز نگاہ والے ہیں۔ وہ پرتھوی میں جل۔ جل میں اگنی۔ اگنی میں وایو۔ اور وایو میں آکاش کو دیکھتے ہیں۔

جب جل میں پرتھوی قائم ہونے کی حالت میں آتی ہے اُس میں خارجی دنیا کے نقطۂ نگاہ سے خاص قسم کی زندگی پیدا ہوتی ہے۔ اور یہ زندگی مختلف زندگیوں کے تماشے دکھانے لگتی ہے۔

یہ ساری حالتیں تین گنوں کے پرتھک پرتھک کام کرنے کے نتیجے ہیں اور سرشٹی میں یہی تین گن خاص شکلوں کو اختیار کرکے ستھول جگت کی رچنا کرتے ہیں۔ پورانوں نے اُن کو شاعرانہ بندش کے سلسلہ میں جو صورتیں دی ہیں۔ وہ تمہارے سوچنے کے قابل ہیں۔ ستوگن کا روپ وشنو ہے۔ جو جل کے اوپر جہاں سرشٹی ہونے والی ہے۔ قائم ہوکر برہما کو پیدا کرتا ہے۔ برہما رجوگن کا روپ ہے۔ نیچے زندگی کے کاروبار میں وشنو کا ہاتھ ہے۔ زیچ میں برہما ہے اور اونچی حالت میں جو گن والی شخصیت کام کرتی ہے۔ اور جس میں ساتھ ساتھ ورشگی اور کانٹ چھانٹ کا وصف ہے۔ وہ شیو ہے۔ شیو اصل میں تموگن کا روپ ہے۔ اور تینوں مل کر بڑی خوبی و خوش اسلوبی سے اپنا اپنا کام کرتے ہیں۔

ہم نے ابھی تک سرشٹی کے کل مرحلوں کو بیان نہیں کیا۔ زنجیر کی جو کڑیاں باقی رہ گئی ہیں۔ وہ گیان اور کرم اندریاں ہیں۔ ان کی بھی پیدائش من کے

دوارا تتوں سے ہوتی ہے۔ آنکھ۔ ناک۔ کان۔ توچا (چرم) اور ذائقہ (زبان) گیان اندریاں ہیں۔ ہاتھ۔ پاؤں۔ اُپستھی۔ گُدا۔ اور بانی (زبان یا قوت کلامیہ) کرم اندریاں ہیں۔ اور گو یہ سب ملی جُلی حالت میں ایک دوسرے کے سلسلے میں کام کر رہی ہیں۔ تاہم اپنے اپنے اصل میں قائم رہتی ہیں۔ مثلاً

شبد سے کان اور زبان (قوت کلامیہ) کی ابتدا ہے۔ اس لئے کان شبد کو سنتے ہیں۔ اور زبان شبد کا اظہار کرتی ہے۔

سپرش سے توچا۔ اور ہاتھ کی ابتدا ہے۔ اس لئے توچا چھونے کی شکتی ہے۔ اور ہاتھ اس کو گرہن کرتا ہے۔

روپ سے آنکھ اور پاؤں پیدا ہوتے ہیں۔ اس لئے آنکھ روپ کو دیکھتی ہے۔ اور پاؤں روپ کے پاس لیجاتا ہے

رس سے زبان (خوب ذائقہ) اور اُپستھی پیدا ہوتی ہیں۔ اس لئے زبان رس لیتی ہے۔ اور اُپستھی رس کو خارج کرتی ہے۔

گندھ سے ناک اور گُدا پیدا ہوتی ہے۔ اس لئے ناک گندھ کو سونگھتی ہے۔ اور گُدا گندھ کو خارج کرتی ہے۔

یہ ان سب کے باہمی نسبت ہے۔
یہ کرم اندریاں اور گیان اندریاں جہاں پانچ تن ماتراؤں سے سمبندھ رکھتی ہیں۔ساتھ ہی مہابھوتوں کا کارج ہیں ان سے علیحدہ نہیں ہیں۔مثلاً
آکاش۔جو شبد والا ہے۔کان اور زبان کو اپنا انش بتاتا رہتا ہے۔
وایو۔جو سپرش والا ہے۔توچا اور ہاتھ کو اپنا انش بتاتا رہتا ہے۔
اگنی۔جو روپ والا ہے۔آنکھ اور پاؤں کو اپنا انش بناتا رہتا ہے۔
جل۔جو رس والا ہے۔زبان (قوت ذائقہ) اور اپستھی کو اپنا انش بتاتا رہتا ہے۔
پرتھوی۔جو گندھ والی ہے۔ناک اور گدا کو اپنا انش بناتی رہتی ہے۔اسی طرح۔
ان گیان اور کرم اندریوں میں تینوں گنوں کو بھی ویاپک سمجھو۔مثلاً
ستوگن کی لطیف انش گیان اندریہ یعنی کان۔توچا آنکھ اور زبان (قوت ذائقہ) ہیں۔
تموگن کے انش کرم اندریہ۔یعنی ہاتھ۔پاؤں اپستھی اور گدا ہیں۔
ان گیان اور کرم اندریوں میں جو سرگرمی اور کام

کرنے کی شکتی ہے - وہ رجوگن ہے -

ان میں جو رجوگنی شکتی وبایک ہوکر رہتی ہے - اُسی کو پنچ پران اور پنچ اُپ پران کہتے ہیں - پران - اپان - ویان وغیرہ پنچ پران کہلاتے ہیں - کورم - ناگ - دھننجے وغیرہ پنچ اُپ پران ہیں -

کہنے کے لئے تو یہ بہت ہیں اصل میں صرف وہی دو دھاریں ہیں جو من سے پیدا ہوتی ہیں - اور جن کو ہم نے اوپر Matter اور Energy کا نام دیا ہے - من سے جو آکاش پیدا ہوتا ہے - وہ مادہ ہے - اور تمام مادی صورتیں اُس کی ہیں - اور من سے جو کریا شکتی والی دھار نکلتی ہے - وہ پران ہیں - اور سارے زور - بل - طاقت وغیرہ پرانوں کے ہیں - اور یہ من میں قائم ہوکر واہیہ جگت کا تماشہ دکھاتے ہیں -

یہاں تک سرشٹی کے مختلف مرحلوں کا مجملی بیان ہوا - آؤ اور اب اُن کا شمار کرو -

پہلا مرحلہ گنوں کا ہے - جو ست رج - اور تم کہلاتے ہیں - دوسرا بدھی ہے - تیسرا اہنکار اور چوتھا من ہے - پانچواں شبد - سپرش روپ - رس - گندھ - اور اُن کے پانچ کارج آکاش - وایو - اگنی - جل - پرتھوی ہے - چھٹواں مرحلہ گیان اندریہ اور اُن کے وشے یعنی آنکھ اور روپ - توچا اور سپرش - کان اور شبد - ناک اور گندھ - زبان اور ذائقہ ہے - ساتواں مرحلہ کرم اندریہ اور اُن کے وشے - بانی - ہاتھ - پاؤں - اُپستھی - گدا -

زبان (قوت کلامیہ) اور اُن کے بھوگ ہیں۔ ساتواں مختلف قسم کے حیوانات۔ نباتات وغیرہ۔ یعنی چار کھان یا چار یونیاں ہیں جن کو انڈج۔ پنڈج۔ اُبھج اور ستھاور کہتے ہیں۔

یہ سات سرشٹی کے مرحلے ہیں۔ ان کو آپ اور طرح پر بھی تقسیم کر سکتے ہو۔ کسی قسم کی قید نہیں ہے۔ جس کو جس طرح حقیقت کے سمجھنے میں مدد ملے۔ وہ اُن کو اُسی طرح تقسیم وتفریق کر کے سمجھ لے۔ غرض صرف اصلیت کی مراد جذب کرنے کی ہے۔

یہ سرشٹی کہلاتی ہے۔ اور اس میں جو طاقت محیط کل ہو کر سب میں ویاپک ہے۔ جو سب کے ہاتھ۔ پاؤں۔ آنکھ۔ ناک کان وغیرہ اور تمام بُدھی من اور ستھول وسوکشم تتوں میں ویاپک ہے۔ بیراٹ سروپ پرماتما ہے۔ جو ہزار آنکھوں والا ہزار پاؤں والا اور ہزار ہاتھوں والا کہا گیا ہے۔ اور جو سب کا سوامی اور سب کا لکشن ہے۔ اُسی کو سگُن کہتے ہیں۔ واہیہ جگت کے دیکھنے والے جیو کی اپاسنا کرتے ہیں۔ اگر اُس سے نگاہ اور اونچی کر کے اُس مکمل ہستی کا انبھو کیا جائے جو ست۔ چت اور آنند ہے۔ اور نام وروپ کے پرے ہے۔ وہ نرگن برہمہ ہے۔ اس کو جو کوئی جان لیتا ہے۔ امر ہو جاتا ہے۔ ہاں امر ہو جاتا ہے۔

سولھویں شاکھا

پرلے

مہاپرلے

پرکرتی سنچار

جہاں راگ ہوگا وہاں دویش ہوگا - جہاں ترقی ہوگی وہاں تنزلی بھی ہوگی - کمال اور زوال ساتھ ساتھ رہتے ہیں سنکلپ وِکلپ علیحدہ نہیں ہو سکتے - پیدائش کے ساتھ موت - سکھ کے ساتھ دکھ - صحت کے ساتھ بیماری - ست کے ساتھ است - ایمانداری کے ساتھ بے ایمانی - نور کے ساتھ سایہ - ان سب کا ساتھ ساتھ رہنا لازمی ہے - جہاں ایک ہوگا - دوسرا ضرور ہوگا - ایک کا نام لے دو دوسرے کا خیال اسی وقت پیدا ہوگا - ایک سانس آتی ہے - دوسری جاتی ہے - جو بڑھتا ہے وہ گھٹتا بھی ہے - اور تم کو سُن کر تعجب ہوگا - کہ یہ دونو حالتیں ایک ہی قانون کے تابع ہیں - بلکہ یوں کہنا شاید نازیبا نہ ہوگا - کہ ایک ہی قانون کے یہ دو پہلو ہیں - اور جہاں یہ کام کر رہے ہیں - وہاں ہی سرشٹی ہوتی ہے - اور سرشٹی کے ساتھ پرلے رہتی ہے - پورنماشی کے چاند کو دیکھ کر سمندر کی لہریں اوپر کی طرف اٹھتی ہیں اور پھر نیچے گر جاتی ہیں - اس تماشہ کو کچھ وہی لوگ اچھی طرح دیکھتے ہیں - جن کی روحانی آنکھیں کھلی ہوئی ہیں -

سرشٹی اور پرلے دراصل ایک ہی منظر کے دو مختلف پہلو ہیں پھیلانا سرشٹی ہے - سمٹنا پرلے ہے اور یہ دنیا میں لمحہ لمحہ ہوتا رہتا ہے نئے نئے تارا منڈل بنتے ہیں - اور بن بن کر بگڑ جاتے ہیں - مانا تمہارے

اپنے نقطہ نگاہ سے اُن کی زندگی زیادہ ہو۔ مگر کال بھگوان کے وسیع رچنا میں دس بیس لاکھ ۔ سو پچاس اور کروڑ برسوں کی وہی حالت ہے جو ایک لمحہ میں پیدا ہو کر مر جانے والے کیڑے مکوڑوں کی زندگی کا حال ہوتا ہے۔ مغرور انسان سو برس کی عمر پا کر پھولے نہیں سماتا مگر وسیع نگاہ والوں کی نظر میں وہ کیڑوں مکوڑوں کی ہستی کی طرح بیحقیقت ہے۔ جو اٹھا وہ گر کر رہا۔ جو جیا وہ مر کر رہا۔ تبدیلی کے طبقہ میں اگر تبدیلی کی زندگی پا کر لوگ کیوں اتنا اتراتے ہیں۔ برہما کی پیدائش کے سینہ پر شیو بھگوان کا ترسول ہر وقت دھرا ہوا ہے۔ اسلئے کسی بات کی ہوس کرنا کیسی نادانی ہے۔

کیا مانگوں کچھ تھر نہ رہائی ۔ دیکھت نین چلو جگ جائی
یک لکھ پوت سوا لکھ ناتی ۔ تاراون گھر دیا نہ باتی
سونے کا محل روپے کا چھاجا ۔ چھوڑ چلا نگری راجا
لنکا سی کوٹ سمدر کی کھائی ۔ تاراون کی خبر نہ پائی
کوئی کرے محل کوئی کرے ٹاٹی ۔ اُڑ جائے ہنس پڑی رہے ماٹی
آوت جات نہ کوئی سنگھاتی ۔ کہا بھیو دل باندھے ہاتھی
کہت کبیر انت کی باری ۔ ہاتھ جھاڑ جیوں چلا ہے جواری

اس دوند کی سرشٹی میں رہ کر لوگ اپنے آپ کو بھول جاتے ہیں ۔ اور بھرم میں پھنس کر ناحق مرتے کھپتے ہیں۔ مبارک ہیں وہ جو اپنے آتم روپ میں ستھت ہیں ۔ اُن کو نہ ست سے غرض ہے نہ است سے تعلق ہے۔ کیونکہ آتما ان دونو سے نیارا ہے۔ نہ وہ نور ہے نہ تاریکی ہے نہ وہ ایماندار ہے۔ نہ بے ایمان ہے اور اُسکے لئے سرشٹی مار پر گولے کچھ بھی حقیقت نہیں رکھتے

سرشٹی اور پرلے ایک سوال کے دو پہلو ہیں۔ جو موت کو جاننا چاہیے۔ وہ زندگی کے مسئلہ کو حل کر سکیگا۔ اور حقیقت کو سمجھ جائیگا۔

پرکرتی کا نام ساامیہ اوستھا ہے۔ جب اس ساامیہ اوستھا میں فرق آتا ہے۔ تب سرشٹی ہوتی ہے۔ اور ایک کے بعد دوسری حالت آتی ہے۔ جب پھر وہ حالتیں بدل کر پھر ساامیہ اوستھا کی طرف جانے لگتی ہیں۔ تب پرلے ہوتا ہے۔ اس پرلے کو پرکرتی سنچار کہتے ہیں۔ پرکرتی کا آگے کی طرف بڑھنا سرشٹی ہے۔ پرکرتی کا سمٹنا پرلے ہے سانکھیہ کے نقطۂ خیال سے پرکرتی کے تین گنوں میں تبدیلی آنا اور بدھی۔ اہنکار۔ من۔ تتو وغیرہ کا پیدا ہو کر ظہور کرنا سرشٹی ہے اور جب یہ سب اپنے اصل کی طرف رجوع ہوتے ہیں۔ وہی پرلے ہے جس جس طرح سرشٹی کے مدارج ظہور میں آئے تھے۔ اور جس جس سے جو جو تتو پیدا ہوئے تھے۔ اُسی میں جا کر جب لے ہوتے ہیں اُسی کا نام پرلے ہے۔

پرلے کے آتے ہی سب سے پہلے پرتھوی پانی روپ ہو جاتی ہے۔ پھر پانی اگنی میں سما جاتا ہے۔ اگنی وایو میں لے ہوتی ہے۔ وایو آکاش میں سما جاتا ہے۔ آکاش برہمانڈی من میں لے ہو جاتا ہے اور یہ مہت تتو میں سما جاتا ہے یہ برہمانڈی من میں لین ہوتا ہے پھر کچھ نہیں رہتا۔ اس کو پرلے کہتے ہیں۔ یہ سرشٹی و پرلے کی مختصر کہانی ہے۔ اس کا نمونہ تم روز جاگرت اور سوشپتی میں دیکھتے ہو۔ یہ لے کی حالت ہے۔ اسی طرح موت میں زندگی کا انجام ہوتا ہے اور جب تمام رچنا غائب ہو جاتی ہے۔ اُسی کو پرلے کہتے ہیں۔ اس پرلے کے مختلف

بدارج ہوتے ہیں۔ تمہارا روز روز جاگنا - سونا - پھر مرنا - منونتر اور کلپ کا ظہور اور اُن کا ناش ان سب کی قریب قریب ایک ہی صورت ہوتی ہے

تم اس سرشٹی اور پرلے کی حقیقت کے سمجھنے کے لئے دور کیوں جاتے ہو - اپنے پنڈ کی حالتوں پر غور کرو۔ تو اصلیت کے سمجھنے میں سہولیت دیکھو گے - اس پرلے کے نقشہ کو حضور رادھا سوامی دیال صاحب نے اپنے ادوتیہ بانی میں نہایت موثر اور دلچسپ پیرایہ میں اس طرح برنن کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں۔

شریر دیہی کارن پرتھوی ہوئی ۔ پرتھوی نے گرسی پُن سوئی جذب کیا
پرتھوی گھولی جل نے آئے ۔ جل کو سوکھا اگنی دھائے
وایو اگنی ملی پون کے روپ ۔ پون ہوئی آکاش سروپ
باسنا آکاش سمانا مایا ماتہہ ۔ تم روپی دیکھے کچھ ناتہہ
مایا رلی برہم میں جاسے ۔ شکتی شنیو میں گئی تاسے
شیو پہنچے اونکار مجھار ۔ اونکار سمانے سُن کے دوار
سُن گیا مہاسُن نواس ۔ بھنور گپھا مہاسُن کا باس
یہاں تک پرلے کبھی کبھی ہوتی ۔ سب لوک کا دوار سوئی
پرلے گتی آگے نہیں بھائی ۔ ست لوک میں کبھی نہ جائی
کال نرلوکی کینا ناس ۔ مہا کال پُن کال گراس
مہا کال پہونچا دس دوار ۔ آگے گمن نہیں تھا کا دار

کیا واضح کلام ہے - کیسی موثر تصویر ہے - یہ برہمانڈ کی پرلے کا حال ہے - آگے چل کر مہا پرلے اس طرح فرماتے ہیں۔

پرلے مہا پرلے گتی گائی ۔ پنڈ پرلے اب کہوں بجھائی

مول دوار پرتھوی کا باس کھچا وہاں سے سوانس اوربھاس چھپایا
کھینچ کر آیا اندری دوار وہاں سے پہنچایا بھہ منجھار
نابھی کھینچ کر ہردے آیا ہردے سے پھر کنٹھ سمایا
پرتھوی - جل - اگنی اور پون کنٹھ ماہیں لگی رونڈھن ہون
چاروں تتو بھانس اور سوانس یہاں سے چلے کھینچے آکاس
دودل کنول کال کا دیس کرم انوسار کہاں پردیس
اس بدھ کال جیو کو کھائے جنمے مرے بہت دکھ پائے

پنڈ کے پرے کا مضمون کسی قدر قابل تشریح ہے - مول دوار پاخانہ کے استھان کو کہتے ہیں - جو ستھول پرتھوی کا استھان ہے - اور جس طبقہ کے موکل یا شکتی کا نام گنیش ہے - یہ پرتھوی کھینچ کر اندری کے استھان میں سمائی - جو ستھول پانی کی جگہ ہے اور جس کا موکل برہما ہے - جو ستھول رچنا کیا کرتا ہے - پھر یہ پانی کھینچ کر نابھی کے ستھان میں آتا ہے - جہاں جٹھر اگنی رہتی ہے اس اگنی کو وشنو کہتے ہیں - جو سنسار کا پالن پوشن کرتا ہے - وشنو اگنی روپ ہے - پھر یہ اگنی کھینچ کر ہردے چکر میں سما جاتی ہے - جو ستھول پون کا ستھان ہے - اور جس کا ادھشٹاتا شیو ہے یہ شیو پون روپ ہے پھر یہ پون کھینچ کر کنٹھ چکر میں جاکر سما جاتا ہے - جو آکاش کا ستھان ہے اور جس کا روپ درگا ہے - درگا یا سنا شکتی کو کہتے ہیں اور جس سے برہما وشنو مہیش سب کی اتپتی ہے - یہ اوپر کے چوپائیوں کی مختصر تشریح ہے - اس کے آگے جو پردے کے مدارج ہیں - وہ اوپر کے چوپائیوں میں بیان ہوئے ہیں -

جس کو اس بانی میں ست لوک کہا گیا ہے۔ وہ آتما کا نج ستھان ہے۔ وہی آتما ہے۔ اس کو پرلے کا بھے نہیں ہے۔ جو اس اتم روپ کو انبھو کر لیتا ہے۔ وہ جرا مرن سے ہمیشہ کے لئے آزاد ہو جاتا ہے اور دونو کی سرشٹی یا پرلے سے اس کو کوئی خوف نہیں رہتا۔

پرلے اور سرشٹی کے اس بھید کو مختلف طور پر بیان کیا جا سکتا ہے غرض سب کی ایک ہے۔ چاہے جس طرح اس کو سمجھو سرشٹی کے سات طبقات بھور۔ بھوہ۔ سوہ۔ مہہ۔ جنہ۔ تپہ۔ ستیم کی تفصیل بھی اسی طرح کیجا سکتی ہے۔ اور یہ جس طرح سرشٹی کے وقت یکے بعد دیگرے پیدا ہو کر پرلے میں سماتے ہیں۔ اور ست میں جا کر بشرام پاتے ہیں۔ وہی نظارے تم کو مختلف لفظوں میں اور جگہ ملینگے۔ بات ایک ہے۔ چاہے جس طرح اس کو ادا کرو۔ ان سب کا ادھار ست لوک ہے۔ اور وہی آتما کا نج روپ یا نج ستھان ہے۔

جس طرح پیدا ہوتے وقت بچوں میں ساری طاقتیں یکے بعد دیگرے نیچے کی طرف اترتی ہیں۔ مرنے کے وقت ویسے ہی اپنے اپنے اصل کی طرف رجوع ہو کر آخر کار دماغ کی طرف واپس جاتی ہیں جب آدمی مرنے لگے۔ اس کی حالت کو بغور دیکھو۔ کس طرح ایڑی کی طرف سے کھچاؤ شروع ہوتا ہے۔ یہی حالت برہمانڈ کی پرلے کی ہوتی ہے اور آخر سب کو اسی طرف لوٹنا پڑتا ہے۔

جو لوگ جیتے جی ان کا انبھو کر لیتے ہیں۔ اور آتم پد میں ستھت ہو جاتے ہیں وہ مبارک ہیں۔ اور ان کو دونو کی رچنا یا سرشٹی اور پرلے نہیں ویاپتے اسی وجہ سے ست پرش رادھا سوامی دیال فرماتے ہیں۔

آپ آپ کو آپ پچھانو کہا اور کا نیک ؎ نہ مانو وزہ بھی
اُتپتی پرے مارگ بھید جو جو سنے - مٹے بھرم کھید

سترہویں شاکھا

مایا
مایا کا جال
مایا کی اصلیت

پرم سنت کبیر صاحب کی بانی ہے -

مایا تو ٹھگنی بھئی - ٹھگت پھرے سب دیس
جا ٹھگ نے ٹھگنی ٹھگی - تا ٹھگ کو آدیس ؎ پرنام

ترجمہ - مایا ٹھگنے والی ٹھگنی ہے - اور سارے برہمانڈ کو ٹھگتی پھرتی ہے - جس ٹھگ نے اس ٹھگنی کو ٹھگ لیا - اُس ٹھگ کو نمسکار ہے -

مایا - چھایا - ایک سی - برلا جانے کوے
بھگتاں کے پاچھے لگے - سنمکھ بھاگے سوے

ترجمہ - مایا اور سایہ کا ایک خواص ہے - اس کی سمجھ شاذ آدمیوں کو ہے - جو لوگ اس مایا سے بھاگتے ہیں - وہ ان کا پیچھا کرتی ہے - اور جو اس کے مقابلہ کرنے پر آجاتے ہیں وہ انکے سامنے سے بھاگ جاتی ہے -

موٹی مایا سب تجیں - جھینی تجی نہ جائے ؎ سوکشم
پیر پیغمبر اولیا - جھینی سب کو کھائے

ترجمہ - سب لوگ موٹی مایا کو چھوڑتے ہیں - مگر سوکشم مایا کسی سے نہیں چھوڑی جاتی - سوکشم مایا پیر پیغمبر اور اولیا سب کو کھا جاتی ہے -

جھینی مایا ۔ جن تجی ۔ موٹی گئی ہراے
بھگت ۔ نندیک ایسے جن کے نکٹ سے سب دکھ گئے بلائے — دور ہو گئے

ترجمہ ۔ جنہوں نے سوکشم مایا کا تیاگ کر دیا ۔ موٹی مایا خود بخود جاتی رہی اور ایسے بھگتوں کے قریب پھر دکھ نہیں آتے

آس آس جاگ پھندیا ۔ رہے ادھ لپٹائے — متعلق
گورو آسا پورن کریں ۔ سبھی آس مٹ جائے

ترجمہ ۔ تمام سنسار کے لوگ آسا کے جال میں پھنسے ہوئے ادھوگتی کی حالت میں پڑے ہوئے ہیں ۔ اگر گرو آسا پوری کر دیں (یعنی آتم پد کو ورساویں) تو ساری آس ابھی مٹ جاتی ہے ۔

آسا کا ایندھن کرو ۔ منسا کرو ۔ بھبھوت — خاک سیاہ
جوگی پھیری یوں پھرو تب بن آوے سوت

ترجمہ ۔ آسا کا لکڑی بنا کر جلا دو ۔ اور منسا کو خاک سیاہ کر دو جوگی! اگر تم اس طرح پھیری پھرنا قبول کرو ۔ تو ابھی (آتما کے ساتھ) تمہارا رشتہ پیدا ہو جائے ۔

تین قسم — مایا تزور ترپدھ کا ۔ دکھ ۔ سکھ ۔ سنتاپ
ٹھنڈک شانتی سیتلتا سپنے نہیں ۔ پھل پھیکا تن تاپ

ترجمہ ۔ مایا تین پرکار (کی حالت) کا درخت ہے ۔ اس سے دکھ ۔ سکھ ۔ سنتاپ پیدا ہوتے ہیں ۔ خواب میں بھی اس میں شانتی نہیں ہے اس کا پھل پھیکا اور اس سے تن کو دکھ ہوتا ہے

کبیر جگ کو کیا کہوں ۔ بھوجل بوڑے ۔ داس — ست نام کو چھانڈ کر کریں جگت کی آس (بھوساگر

ترجمہ ۔ کبیر صاحب فرماتے ہیں میں لوگوں کی بات کیا کہوں

جو بھاگونت اور سیوک ہیں - وہ بھی بھوساگر میں غوطہ کھا رہے ہیں یہ بھی ست نام کو چھوڑ کر جگت کی آسا کر رہے ہیں -

کبیر - مایا موہنی - موہے جان، سوجان
بھاگے ہو چھانڈے نہیں - بھر بھر مارے بان

ترجمہ - کبیر صاحب کا قول ہے - مایا ایسی زبردست موہنی ہے جس نے گیانی اور اگیانی سب کو ہلاک کر دیا - جو اس سے بھاگتے ہیں - اُن کو بھی یہ نہیں چھوڑتی - اور بھر بھر کر تیر مارتی ہے -

کبیر مایا موہنی - بھئی اندھیاری لوے
جو سوتے سو مُس لئے - رہے وستو کو کھوے چھین لیا

ترجمہ - کبیر صاحب فرماتے ہیں "یہ مایا موہنی ہے" اس کی وجہ سے (بھرم کا) اندھکار ہوتا ہے - جو (بھرم اور اگیان کی نیند میں غافل) سوتے ہیں - اُن کا یہ سب کچھ چھین لیتی ہے - اور وہ (آتم) وستو کو کھو بیٹھتے ہیں

دیا چراغ مایا دیپک - نر پتنگ - بھرم بھرم ناہیں پڑنت پروانہ
گورو ایک گرو گیان سے - اُبرے سادھو سنت

ترجمہ - مایا چراغ کی طرح بل رہی ہے - اور انسان بھرم کی وجہ سے اُس میں گر کر پروانہ کی طرح جل رہے ہیں - کوئی شاذ سادھو سنت گورو کے گیان کی مدد سے بچ جاتے ہیں -

اوپر کے دوہوں میں مایا کے روپ کی بہت اچھی طرح وضاحت کی گئی ہے - مگر پھر بھی لوگوں کی سمجھ میں نہیں آویگا کہ مایا کیا چیز ہے جس کے برخلاف اس قدر شور و شر مچایا جا رہا ہے - مایا کی تعریف کتنی طرح سے کی جاتی ہے - ویدانتی کہتے ہیں - مایا بھرم ہے

جس کی اصل میں کوئی بھی اپنی ہستی نہیں ہے - دوسرے لوگ مایا کو برہمہ کی شکتی قرار دیتے ہیں - اور اُسی کے سلسلے میں جگت کی اُتپتی اور پرلے کی مسلسل کارروائیوں کو بتاتے ہیں - یہ دونو خیال صحیح ہیں۔ سنت مت کے معتقدوں کا وشواش ہے - کہ مایا ایک طرح کی عجیب و غریب غبار کی صورت کی چیز ہے - جو ست لوک کے نیچے رہتی ہے - اور یہ رچنا اُسی کے ادھین ہے - وششٹ ادویت بھاؤ والے اس کو برہمہ کا اچت پہلو قرار دیتے ہیں - یہ بھی اپنے خیال کے سچے ہیں - مگر ان سے بھی پوری پوری وضاحت نہیں ہوتی - معمولی تمیز والے انسان موہ - میا کو اور ممتا کو مایا قرار دیتے ہیں - اس سے بہ مقابلہ پہلے خیال والوں کے مایا کے سروپ کے سمجھنے میں آسانی ہوتی ہے - اور ہم بھی اُنہیں کے نقطۂ خیال سے اس وقت اُس پر غور کرنا چاہتے ہیں -

یہ جگت اس میں شک نہیں کہ برہمہ کے سنکلپ کا نتیجہ ہے جہاں تک اس سنکلپ کا تعلق ہے - وہاں تک مایا کو چاہے سوکشم روپ مان لو مگر اس سے کسی کا بھی نقصان نہیں ہوتا - نقصان وہاں ہوتا ہے جہاں جیو اپنے سنکلپ سے کام کرتا ہے - ایشور کی سرشٹی میں نام کے لئے بھی دکھ سکھ نہیں ہے - جو کچھ سکھ دکھ ہے - وہ جیو کی اپنی سرشٹی میں ہے - اگر وہ اپنی سرشٹی نہ بنا دے - تو پھر اُس کو کبھی دکھ سکھ نہ ہو - اور نہ وہ بندھن میں پڑے - جس طاقت سے جیو اپنی سرشٹی بناتا ہے - اُس کو مایا کا ستھول انگ کہتے ہیں - برہمہ میں جو مایا ہے وہ سوکشم ہے - اور وہ دکھدائی نہیں ہے - اور یہ برہمہ کی سوکشم مایا بھی صرف جیو کی نگاہ سے ہے - ورنہ اگر جیو مغایرت اور

دوبت بھاؤ کو چھوڑ دے تو پھر وہ اُس کو بھی مایا نہ کہہ سکیگا۔
جیو جس مایا سے اپنی سرشٹی بناتا ہے - وہ اُس کی اپنی انانیت ہے - اور اسی انانیت کو ہم بھاؤ - اور میرا تیرا اپنا کہتے ہیں۔
یہ جگت ایشور کا ہے - دولت - اولاد - حکومت - سب کچھ اُس کی ہے - ہم اور تم تماشائیوں کی طرح اپنا اپنا کام کرنے آتے ہیں تماشے میں بہت سے تماشہ دکھانے والے ہوتے ہیں - کوئی اُن میں راجہ بنتا ہے - کوئی اہلکار ہوتا ہے - وہ خوشی خوشی تماشہ دکھا کر چلے جاتے ہیں - اُن کو کچھ دکھ نہیں ہوتا - مگر تم تماشے میں اپنا دخل درمعقولات کرتے ہو - اس لئے دُکھی ہوتے ہو - یہ مایا ہے اور یہی بھرم ہے - کیونکہ اس کی سچ مچ کوئی اصلیت نہیں ہے -
تم کو لڑکے بالے ملے ہیں - کیا یہ تمہارے ہیں؟ تم کو دولت ملی ہے - کیا یہ تمہاری ہے؟ اگر ان سے مناسب برتاؤ کرتے ہوئے بے تعلقی کی زندگی بسر کرو - تو پھر تمہارے لئے کہاں دکھ اور کہاں بندھن رہتا ہے اور کہاں تم کو مایا ستاتی ہے؟
کسی شخص نے ایک دایہ کو اپنے لڑکے کی پرورش کے لئے نوکر رکھا - وہ بڑی محبت سے اس کو روز کھلاتی پلاتی رہی - یہانتک کہ بچہ اپنے ماں باپ کو بھول گیا - ماں کو حسد پیدا ہوا - اُس نے دایہ سے کہا - تو نے میرے بچہ کو پریم بھاؤ میں پھنسا کر اپنا کر لیا - بہتر ہے تو یہاں سے دور ہو جا - دایہ نے اُسی وقت اپنا بقچہ باندھا اور اُس گھر کو چھوڑ گئی - نہ اُس کو وہاں سے قطع تعلق کرنے میں

دکھ ہوا نہ سکھ ہوا - کیونکہ وہ جانتی تھی - بچہ میرا نہیں ہے - اپنے ماں باپ کا ہے - اور اس نے دوسری جگہ نوکری کر لی -

اسی طرح اگر تم بھی برتاؤ کرو - تو تم کو بھی دکھ نہ ہو - جو لڑکے - بالے مال دولت تم کو نصیب ہیں - وہ ایشور کے ہیں - تمہارے نہیں ہیں - تم کو اس لئے ملے ہیں - کہ تم اُن کے ساتھ پریم بھاؤ پیدا کر کے اپنے دل کو پوتر بناؤ - یہ تو ہوتا نہیں - تم اُن کو اپنے گلے کا ہار بنا لیتے ہو اور میر اتیرا اپنا کرنے لگتے ہو - اگر بچہ دُکھی ہے - تو تم کہتے ہو - ہائے میرا بچہ دکھی ہے - اگر بچہ مر گیا - تو تم کہتے ہو - ہائے میرا بچہ مر گیا - اور رونے چلانے لگتے ہو - اور اپنا روپ واپنی ذات اور اپنی حیثیت بھول جاتے ہو - اور تم کو دکھ ہوتا ہے - یہی مایا ہے - مایا اور کوئی چیز نہیں ہے ذرا سوچو تو سہی - بچہ تمہارا کب تھا - کیا تم میں بچہ کے پیدا کرنے زندہ رکھنے اور اُس پر دائمی قبضہ جما رکھنے کی طاقت ہے؟ اگر نہیں ہے تو پھر روتے اور پریشان کیوں ہوتے ہو؟ اگر اس کو ذرا سمجھ لو تو تم کو مایا کا روپ دکھائی دینے لگے - اور پھر کبھی دھوکا نہ ہو - اور اُس قصہ کی دایہ کی طرح تم بھی آزاد ہو جاؤ - تعلق ہی مایا ہے - دل کا کسی چیز میں باندھنا مایا ہے - میر اتیرا اپنا کرنا ہی مایا ہے اگر اس کے رشتہ سے ایک مرتبہ رہائی ہو جائے - تو پھر تمہارے لئے نہ بندھ ہے نہ موکش ہے - جب کوئی باندھنے والی چیز ہی نہ رہی تو پھر موکش کیسی!

تعلق حجاب است و بے حاصلی ۔ چو پیوندہا بگسلی واصلی

ایک راجہ تھا - وہ تعلقات کے زنجیر میں بندھا ہوا تھا - اتفاق سے

وہ کبیر صاحب کی خدمت میں حاضر ہُوا - اور مایا پھانس کی شکایت کرنے لگا - کبیر جی نے فرمایا کیا مایا کوئی چیز ہے جس نے تجھ کو باندھ رکھا ہے؟ مایا کی تو کوئی اصلیت نہیں - اُس کو خود تیرے بھرم نے پیدا کیا - اور تو خواہ مخواہ الجھا ہُوا ہے - اُس کو سمجھ لے پھر مایا نہ رہیگی - مگر راجہ کی سمجھ میں کوئی بات نہیں آئی - وہ چلا گیا - کبیر صاحب کو اُس کا ادھار منظور تھا - ایک دن راجہ شکار کو جا رہا تھا - راہ میں کبیر صاحب ایک درخت کو پکڑے ہوئے ملے - راجہ نے کہا مہاراج! آئیے ہاتھی پر بیٹھ لیجئے - پرم سنت نے جواب دیا - کیا کروں اس درخت نے مجھ کو جکڑ کر باندھ رکھا ہے - وہ ہنسا - کہنے لگا - خوب! مہاراج! آپ نے بھی بندھن کی ایک ہی کہی - بھلا یہ درخت جو جیڑ ہے - آپ کو جو چیتن روپ ہیں کیسے باندھ سکتی ہے - کبیر صاحب نے جواب دیا - نادان! تو درخت کو جڑ کہتا ہے - مال - دولت اور تخت تاج کیا ہیں - جن سے تو بندھا ہے - کیا تیرے ہی خیال اور اشُدھ سنکلپ نے تجھ کو اُس کے ساتھ نہیں باندھ رکھا؟ بھلا - ذرہ مجھ کو اُس رسی کو تو دکھا دے - جس نے ان سے تجھ کو باندھ رکھا ہے - جیسے تو بندھا ہے - ویسے ہی میں بھی بندھا ہوں - راجہ کی آنکھ کھلی - ہاتھی سے اُتر کر پاؤں پر گرا - شکار کا ارادہ فسخ کر کے اُن کے گھر پر لایا - اور خدمت کرنے لگا - اُسی روز اُس کے دل میں یہ خیال پیدا ہُوا کہ اس فقیر کے پاس کچھ نہیں ہے - اس لئے یہ بے پرواہ ہے - اس کو محل - باغ - اور دولت دیکر پھنساؤ - تب اس کے گیان کا امتحان ہو جائیگا - اور اس نظر سے اُس نے مغالطہ دیکر اُن کی آسائش

وغیرہ کا معقول انتظام کر دیا۔ بہت سی خوبصورت عورتیں خدمت
کو دی گئیں۔ عیش و آرام کے سارے سامان اکٹھا کرا دئے گئے مہاتما
مہینہ بھر وہاں رہے۔ راجہ اُن سے ملا۔ اور کہنے لگا۔ میں آپ کو دوسری
جگہ لیجانا چاہتا ہوں۔ یہ بے تکلفی سے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ اور اُن کو
ذرہ بھی رنج نہیں ہوا۔ اور نہ کسی قسم کے فکر نے ستایا۔ راجہ نے
دل میں سوچا۔ یہ عجیب آدمی ہے۔ اس کی نگاہ میں سکھ دکھ کی ایک
سی حیثیت ہے۔ کہنے لگا مہاراج! مجھ کو بھی ایسے ہی بے تعلق بنا
دینے ہمہ بتا دیجئے۔ انہوں نے کہا ایک مہینہ کے بعد جواب دونگا۔
جب وہ مدت گزر گئی۔ کبیر صاحب اس سے ملے اور ہنس کر فرمایا
تیری زندگی کے صرف سات دن باقی ہیں۔ جتنا ہو سکے خوب عیش
کر لے۔ ساتویں دن تجھ کو اُپدیش دونگا۔ راجہ نے منظور کیا اور
اپنے آسائش کے تمام سامان مہیا کرائے۔ مگر وہ روز روز دُکھی ہوتا
گیا۔ کسی بھوگ کو نہ بھوگ سکا۔ ساتویں دن ڈر کے مارے سوکھ کر
کانٹا ہو گیا۔ جب وہ دن ختم ہوا اُس نے وزیروں سے کہا کبیر صاحب
کو پکڑ لاؤ۔ جب کبیر صاحب آئے راجہ کی آنکھیں غصہ سے لال ہو رہی
ہو رہی تھیں۔ بولا " کیوں جی! سادھو ہو کر اتنا جھوٹ بولتے ہو؟ کبیر صاحب
ہنسے " نادان! دیکھ موت کے خوف نے تجھ کو سات دن تک عیش و
عشرت میں پھنسنے نہیں دیا۔ میری نگاہ کے سامنے روز موت کا
نظارہ رہتا ہے۔ میں کس طرح پھنس سکتا ہوں۔ یہی اُپدیش ہے
جو میں تجھ کو دینا چاہتا تھا " وہ نادم ہوا۔ پاؤں پر پڑ کر معذرت کی
اور کبیر صاحب نے اُس سے کہا " سُن! مایا کوئی چیز نہیں ہے صرف

تیرا خیال ہی مایا ہے - سات روز تیری مایا کہاں چلی گئی تھی - تیرے ہی ایسے آدمیوں کے لئے روچک اور بھیانک طریقوں پر اُپدیش دینے کی ضرورت ہوتی ہے - ورنہ سچائی یہ ہے کہ اپنے روپ میں قائم رہ - اپنے آپ کو پہچان اور پھر دکھ سکھ کبھی تیرے پاس نہ آویگا" - اور پھر اُس کو اپنا چیلا بنا کر کرتیہ کرتیہ کر دیا - اور وہ جنک کی طرح زندگی بسر کرنے لگا -

دنیا میں ایک دفعہ صرف اپنی ذات کو سمجھ لو - پھر مایا کبھی پاس نہ آویگی یہ نہیں کہا جاتا کہ دنیا کو چھوڑ دو - گرہن اور تیاگ دونو ہی متھیا ہیں - یہ صرف نادانوں کے سمجھانے بجھانے کے الفاظ ہیں - تم آپ اپنے سنکلپ سے پھنستے ہو - اور اُسی کو مایا کا جال بتاتے ہو - اُس کی پیدائش ہستی اور موت صرف تمہارے ہی من میں ہے - باہر کہیں نہیں ہے - جو کچھ ہے صرف خیال ہی خیال ہے - اور اگر مایا اور کوئی چیز ہے - تو تم ہم کو دکھا دو - بندر نے ایک مٹکے میں کئی سیب کے دانے دیکھے - ہاتھ ڈال دیا - سب کو ایک ساتھ نکالنا چاہا - گھڑے کا منہ چھوٹا تھا - ہاتھ نکل نہ سکا - وہ پریشان ہو کر بندھا ہُوا ہے - اگر ذرہ اپنی ہوس کو جو انانیت کی مکروہ صورت ہے - چھوڑ دے اور ایک ایک کر کے سیب کو نکال لے - تو سیب بھی کھا سکیگا اور آزاد رہیگا - مگر وہ ایسا نہیں کرتا - ہوس دامنگیر ہے اور آخر صیاد پکڑ کر اُس کے گلے میں رسی ڈال دیتا ہے - اور وہ زندگی بھر بندھن میں رہتا ہے - کتے کو کسی شیش محل میں لیجا کر بند کر دیا - اور باہر سے کیواڑ لگا دئے - چونکہ اس میں انانیت ہے - اور اپنے سوا کسی اور کو نہیں دیکھ سکتا - شیشوں میں اُس کے مختلف عکس اُس کو ستانے لگے - اور وہ بھونکتے بھونکتے مر گیا - کاش

اگر اُس میں اپنی ذات - اپنی ہستی اور اپنے نج سروپ کا گیان ہوتا - تو وہ بھرم میں نہ پڑتا - یہ بھرم اس کے سنکلپ سے پیدا ہُوا - اور وہ ناحق مارا گیا - طوطا ایک چرخی پر بیٹھا ہے جس کی سیڑھیاں چکر کھاتی ہیں - اور جس کے اوپر آم کا پھل رکھا ہے - جب وہ ایک پاؤدان ہیں پاؤں جما کر آم کو چونچ مارنے کو ہوتا ہے - پاؤدان کھسک جاتا ہے اور پھر غریب کو دوسری سیڑھی پر پاؤں جمانا پڑتا ہے - اس طرح وہ اُس میں جھول رہا ہے نہ آم کھا سکتا ہے نہ لالچ کی وجہ سے اُس کو چھوڑ سکتا ہے - اُس کی حالت کو دیکھ کر بہلیے نے پکڑ لیا - اور وہ پنجرے میں بند کیا گیا - ایسی موہنی مایا ہے - اور یہ مایا کے مختلف روپ ہیں - یہ کہیں باہر سے نہیں آتی - خود تمہارے من سے پیدا ہوتی ہے - جہاں ایک دفعہ تم اصلیت کو سمجھ لو پھر بھرم دور ہو جائیگا - اور مایا تم کو نہ ستا سکیگی اگر تم آتما کے سروپ کو پہچانتے ہو تو کیا کہنا ہے! پھر موت و زندگی کے معمے تمہارے لئے ہمیشہ کے واسطے حل ہو جاتے ہیں - جو ایک دفعہ چھوٹ گیا - پھر کبھی بندھن میں نہیں آسکتا - اُن کو جانے دو - جو عارضی موکش پر زور دیتے ہیں - انہوں نے اب تک مایا - برہمہ - کرم - بھرم کی اصلیت کو بھی نہیں سمجھا - اس لئے بے تکی باتیں کہتے ہیں، موکش دائمی ہے - عارضی نہیں ہے - آتما کے سروپ کے جاننے والوں کے لئے کہیں بھی بندھ موکش نہیں - لیکن اگر تم نے اپنے روپ کو نہیں سمجھا تو اتنا تو سمجھ سکتے ہو کہ جو پیدا ہُوا - وہ مر کر رہیگا - جو بنا ہے - وہ بگڑیگا جو جوان ہے وہ بوڑھا ہوگا - جو ملا ہے - وہ بچھڑیگا - اور اگر اتنی بھی سمجھ آجائے - تب بھی تم کو مایا نہ ستاویگی - جو مرتا ہے - اُس کو مرنے دو

مرنے والوں کے لئے سمجھ والے آدمی رنج نہیں کرتے - اگر تمہارا اپنا شریر مرنے والا ہے - تب بھی کیا پرواہ ہے - وہ تو مریگا - کسی کے روکنے سے تھوڑا ہی رُک سکتا ہے - اس طرح سمجھو -

لائی لصیب آئے - قضا لے چلی چلے
اپنی خوشی نہ آئے - نہ اپنی خوشی چلے

جب ہم خود اپنی خواہش سے نہیں پیدا ہوئے تو پھر مرنے سے کیوں جی چراتے ہیں - موت آئے اور ہزار بار آئے - پرواہ کس بات کی ہے - ہم کو مایا اپنا ادھین نہیں بنا سکتی -

اگر تم کو گیان ہو جائے تو تم جیتے جی دنیا کے سارے سامان کو بھوگ بھی سکوگے - اور اُس سے علیحدہ بھی رہ سکوگے - اور کسی طرح کا دکھ سکھ تم کو نہ بیاپیگا - مایا تو صرف اُن کو ستاتی ہے جو اپنا روپ نہیں جانتے - بھرم بھی اُن ہی کو ہوتا ہے - جن کو اپنی اصلیت کی خبر نہیں رہتی - اصلیت کی خبر کے ساتھ مایا غائب ہو جاتی ہے - اس کی مثال اس طرح ہے :- ایک عورت چق کے اندر کھڑی ہوئی کسی مرد کو دیکھ رہی تھی - اتفاق سے مرد کی نگاہ اُس پر پڑ گئی وہ یہ کہتی ہوئی بھاگ گئی کہ دیکھو پرش نے مجھ کو دیکھ لیا - اسی طرح اگر ایک دفعہ تم مایا کی اصلیت کو جان لو - پھر یہ تم کو کبھی نہ ستائیگی -

مایا فرضی ہے - خیالی ہے - وہم ہے - بھرم ہے - تینوں کال میں کہیں نہیں ہے - اگر اس کو اس طرح مانتے ہو تو پھر تم ویدانت کے گیان کے ادھکاری ہو - اگر اتنی سمجھ نہیں ہے - دولت دنیا - مال خزانہ وغیرہ کو مایا سمجھتے ہو تو سمجھا کرو - مجھ کو تمہارے ساتھ بحث کرنی

ضرورت نہیں ہے۔ میں اسی حیثیت میں تمہارا ہمخیال بن کر تم کو سمجھانے کی کوشش کرونگا۔ تمہاری طرح میں بھی ان سب کو مایا کہتا ہوں لیکن سوچو تو سہی۔ یہ مایا تمہارے لئے ہے یا تم مایا کے لئے ہو مکان اس لئے بنایا جاتا ہے کہ کوئی پرش اُس میں آکر رہے۔ کرسی اس واسطے ہے کہ کوئی پرش اُس پر بیٹھے۔ روپیہ اس واسطے ہے کہ کوئی پرش اس کو استعمال کرے۔ راج اس واسطے ہے کہ کوئی پرش راج کرے۔ اس سے تو صاف ثابت ہے کہ وہ پرش کے لئے ہے۔ نہ کہ پرش اُس کے لئے ہے۔ اور جب یہ بات ہے تو تم کیوں ناحق اُس کے لئے روتے ہو۔ تمہارے رونے اور چلانے سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ تم میز۔ کرسی۔ روپیہ پیسہ کے لئے ہو۔ یہ تمہاری سخت غلطی ہے۔ اگر اور نہیں ہو سکتا تو اسی کو اچھی طرح ذہن نشین کر لو۔ پھر تم کو دکھ نہ ہوگا۔ دکھ کی ہستی تمہارے اپنے خیال میں ہے اور وہ بے جا۔ نامناسب اور ناجائز تعلق کی وجہ سے ہے۔

اگر اتنے پر بھی تم کو سمجھ نہیں آتی۔ تو کسی ایسے مہاتما کا دامن پکڑو۔ جو مایا کے تعلقات سے آزاد ہے۔ جو مایا کے روپ کو سمجھ کر بے تعلق بنا ہوا ہے۔ اور اُس کی صحبت سے۔ اُس کی تعلیم سے اُس کی ذاتی مثال سے تھوڑے دنوں بعد تم خود بخود سمجھنے لگو گے کہ مایا کیا ہے؟

جاکو سائیں رنگ دیا کبھی نہ ہوئے کورنگ

دِن دِن بانی اُجلّی۔ چڑھے سوایا رنگ

اٹھارہویں شاکھا

اپنی ذات
اپنا سروپ
اپنا گیان

کہتے ہیں کہ جب سکندر دنیا کا چکر لگاتے ہوئے اس ملک میں آیا۔ اُس کو یہاں کے سادھوؤں کے دیکھنے کی تمنا دامنگیر ہوئی۔ اس نے اپنے استاد سے سُن رکھا تھا کہ آریہ ورت بیخوف اور بے پرواہ یوگیوں اور سادھوؤں کے رہنے کی جگہ ہے۔ بڑی تلاش و تجسس کے بعد ایک دیرینہ سال سادھو ملا جو پہاڑ کے دامن میں دریا کے کنارے ایک چٹان پر بیٹھا تھا۔ سکندر نے اُس سے بات چیت کی۔ اور اُس کے معقول جواب کو سنکر دل میں نہ صرف خوش ہُوا۔ بلکہ حیرت ہوئی کہ اس طرح انسانی آبادی سے دور رہ کر ایسے دل و دماغ کے آدمی کس طرح تنہائی کی زندگی بسر کرتے ہیں۔ اس نے سمجھا اس کو یہاں ضرور تکلیف ہوگی۔ کیونکہ اس کی نگاہ میں انسان کی اصلی خوشی صرف نفسانی لذات اور دنیاوی عیش و عشرت تک محدود تھی۔ اس نے کہا "تم میرے ملک میں چلو"۔ سادھو نے جواب دیا "نہیں میں اس ملک میں خوش ہوں۔ اور اس جنگل میں میری ضرورت رفع ہونے کا سب سامان موجود ہے"۔ سکندر نے کہا "میں دنیا کا بادشاہ ہوں۔ تم کو مال و دولت۔ جاگیر اور عزت و آبرو کا منصب عطا

کرونگا۔ سادھو نے کہا۔ "نہیں مجھے ان میں سے کسی کی ضرورت نہیں ہے"
اس جواب سے سکندر سخت ناراض ہوا۔ اور غصہ میں آکر کہنے لگا۔ تم میرا
حکم نہیں مانتے۔ میں تم کو قتل کرادونگا۔" فقیر زور سے ہنسا۔ بادشاہ! اس
اک بات سے تم اپنی نادانی ظاہر کرتے ہو۔ تم کو نہ اپنی اور نہ میری ذات کا
علم ہے۔ میرا مار ڈالنا تمہارے اختیار سے باہر ہے۔ مجھ کو نہ سورج خشک
کرسکتا ہے۔ نہ آگ جلا سکتی ہے۔ نہ پانی ترکر سکتا ہے۔ نہ کوئی ہتھیار زخمی
کرسکتا ہے۔ میں ہمیشہ سے ہوں ہمیشہ رہونگا۔ میری ذات اس قسم کے
نقصانات سے پاک ہے"۔ سکندر کو یہ جواب سنکر اور بھی حیرت ہوئی اور پھر اس کو اس
مقدس بزرگ کے ساتھ زیادہ بات چیت کرنے کا حوصلہ نہیں ہوا۔

جس نے ظاہری دنیا کے فتح کرنے والے کو ایسا مختصر قطعی اور صاف
جواب دیدیا وہ معمولی انسان نہیں رہا ہوگا۔ اس کے جواب سے ظاہر ہوتا
ہے کہ اس کو اپنی نسبت پورا پورا گیان تھا۔ وہ اپنی آتما کی اصلیت سے ماہر
اور اس کی بزرگی و عظمت سے واقف تھا۔ اور جس کو اس قسم کا گیان
حاصل ہو۔ اس کا بےخوف اور شانت ہونا کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔
بھگوان سری کرشن جی فرماتے ہیں۔

नहि ज्ञानेन सदृशं
पवित्र मिह विद्यते
ज्ञानं लब्ध्वा परां
शान्ति मचिरेणाधि गच्छति

ترجمہ۔ سنسار میں گیان کے سمان کوئی چیز پوتر نہیں ہے۔
گیان کو پاکر منش جلد ہی پرم شانت کو پراپت ہوتا ہے"۔

دنیا میں اس گیان سے بڑھ کر اور کوئی چیز نہیں اور جس کو یہ گیان پراپت ہے۔ اس کو اور کس چیز کی ضرورت ہے؟ اسی خیال کو مدِنظر رکھ کر اکثر مہاتماؤں نے مُنشیہ کو اپنی ذات خاص کے گیان حاصل کرنے پر بہت زور دیا ہے۔ اور اس کے سامنے اور کسی چیز کی کوئی وقعت نہیں سمجھی۔ ایک مہاتما فرماتے ہیں۔

آپ آپ کو آپ پہچھانو   کہا اور کا نیک مانو کبھی

اور ورہدارنئک اُپنشد میں دیوی میتری کو تعلیم دیتے ہوئے آتما کی اہمیت ذہن نشین کرانے کی غرض سے مہرشی یاگیہ ولکیہ جی کہتے ہیں کہ "عورت کی نگاہ میں اس کا شوہر بہ حیثیت شوہر عزیز نہیں ہے بلکہ آتما کی وجہ سے شوہر عزیز ہے۔ جائداد بہ حیثیت جائداد نہیں بلکہ آتما کی وجہ سے جائداد عزیز ہے۔ دنیا بہ حیثیت دنیا عزیز نہیں بلکہ آتما کی وجہ سے دنیا عزیز ہے۔ وید بہ حیثیت وید عزیز نہیں ہیں۔ بلکہ آتما کی وجہ سے وید عزیز ہیں۔ برہمہ بہ حیثیت برہمہ عزیز نہیں بلکہ آتما کی وجہ سے برہمہ عزیز ہے۔ یہ آتما فی الحقیقت سُننے غور کرنے اور وچارنے کے قابل ہے۔ اس ایک آتما کے دیکھنے سے غور کرنے و وچار لینے سے یہ تمام برہمانڈ سمجھ میں آجاتا ہے" (برہدارنئک اُپنشد باب ۲ برہمن ۴ شلوک ۱) آگے چل کر آتما کی بزرگی کی نسبت مہرشی یاگیہ ولکیہ مزید روشنی ڈالتے ہوئے فرماتے ہیں "جس کو آتما کی ماہیت معلوم نہیں ہے۔ اس کو برہمہ قبول نہیں کرتا۔ جس کو آتما کی ماہیت نہیں معلوم ہے۔ اُس کو دنیا قبول نہیں کرتی جس کو آتما کی ماہیت نہیں معلوم ہے۔ اس کو دیوتا نہیں قبول کرتے جس کو آتما کی ماہیت نہیں معلوم ہے۔ اس کو عناصر قبول نہیں کرتے۔

جس کو آتما کی ماہیت نہیں معلوم ہے اس کو برہمانند قبول نہیں کرتا۔" وغیرہ وغیرہ (وریدار نیک اُپنشد باب ۲۔ برہمن ۴ شلوک ۴)

جس سوال نے بیری کو پریشان کیا تھا۔ جس کی حقیقت جاننے کی اس کو خواہش ہوئی تھی۔ آج بھی ہر سمجھدار آدمی کے دل میں وہی سوال اکثر پیدا ہوتا رہتا ہے۔ ہم کیا ہیں؟ اور آیا ہماری کچھ اصلیت بھی ہے یا نہیں؟ ایسے بھی آدمی دنیا میں موجود ہیں جو اپنی سمجھ بوجھ ومنتہائے نظر کو صرف اندریوں ہی تک محدود رکھتے ہیں ان کے نزدیک انسانی زندگی کا مآل یہی ہے کہ خوب کھاؤ پیو۔ چین کرو۔ پھر یہاں کبھی آنا نصیب نہ ہوگا۔ مگر ان کی زندگی میں بھی بارہا ایسے واقعات گزرے جب یہ خیال پیدا ہوا۔ یہ کیا ہے؟ کسی کا لڑکا مر گیا۔ ابھی اچھی طرح کھیلتا کودتا تھا۔ وہ پوچھتا ہے وہ کیا تھا کہاں گیا؟ گوتم بدھ کو زندگی میں جس سوال نے زیادہ تنگ کیا وہ اسی اپنی ذات کا خیال تھا۔ لڑکپن کے زمانہ میں جب وہ خوفناک منظر ضعیفی و بیماری اس کی نگاہ کے سامنے سے گزر چکے تھے تیسری دفعہ موت کا خوفناک وقوعہ سامنے آیا شاہزادہ رتھ پر جا رہا تھا۔ لوگ مردہ کی لاش اٹھائے "رام نام ست" کہتے ہوئے چلے جا رہے تھے۔ پیچھے رشتہ داروں کا ہجوم سر و چھاتی پیٹتا ہوا روتا چلا آ رہا تھا۔ گوتم جو فطرتاً نہایت نرم مزاج تھا۔ اس سے سخت متاثر ہوا۔ اس نے تابوت کو روک کر مردے کی صورت دیکھی۔ صورت شکل سے خوف معلوم ہوتا تھا۔ ہاتھ پاؤں شل جس و حرکت نام کو نہیں۔ معصوم ویکس گوتم نے تعجب کے لہجہ میں اپنے رتھ بان سے پوچھا اس کو کیا ہو گیا اس نے جواب دیا یہ مر گیا" مرنا جینا اس چھوٹی عمر والے کے کانوں کے

لئے بالکل نئے اصطلاحات تھے۔ اس کے جسم میں پہلے کیا چیز تھی۔ جو اس کو متحرک رکھتی تھی۔ وہ کہاں سے آئی تھی۔ کہاں چلی گئی۔ وہ پیچیدہ و دقیق سوال تھے۔ جس نے راجکمار کے دماغ کو پریشان کیا اور جب تک اُس نے اچھی طرح ان کو حل نہیں کر لیا اس کو چین نہیں آیا۔ جس بات کو ہم روز دیکھتے ہیں اور جو ہماری نگاہ میں ایک معمولی بات سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی اُس نے دنیا کے اس زبردست روحانی معلم کو بُدھ بنایا اور اس نے روشن ضمیر بنکر برہمانڈ کے تمام بنی نوع کی نجات کا ذریعہ کھوجکر نکالا۔

یہ سوال صرف بُدھ مذہب ہی کی ابتدا کا باعث نہیں ہُوا۔ بلکہ ہمارا خیال ہے جب تک انسان کے دل میں اپنی ذات کے پہچاننے اور اپنے سروپ کے انبھو کرنے کی خواہش نہیں پیدا ہوتی تب تک مذہب اس کے لئے صرف ایک قسم کی رسمی پابندی ہُوا کرتا ہے۔ اور وہ پکا دیندار اور سچا صاحب مذہب کہلانے کا مستحق بھی نہیں ہے سچا مذہب اس سوال کے ساتھ شروع ہوتا ہے اور اس کا جواب جب وہ محیط وجود کیر پیچ میں دمیانی کڑی بنکر اپنی نسبت سمجھ بوجھ دے لیتا ہے تب جاکر انسان کو سچی شانتی آتی ہے اور زندگی کے اصلی مقصد کی تکمیل ہوتی ہے۔

انسان چاہتا ہے کہ کسی طرح یہ معمہ حل ہو جائے۔ پہلے بھی لوگ اسی ادھیڑبن میں رہے اور اب اس مادی شائستگی کے دور میں بھی رہ رہ کر اکثر پرسش ہوتی رہتی ہے یہ کیا راز ہے؟ اور جب تک موت کا کھٹکا ہے جبتک ہم آدمیوں کو مرتے دیکھتے ہیں کوئی طاقت ہماری زبان کو خاموش نہیں کر سکیگی۔ اور نہ ہم پوچھنے سے کبھی باز آئینگے کہ موت کے بعد کیا ہوتا ہے؟

اور ہماری کیا کیفیت ہوتی ہے؟

ہم ہزار کوشش کریں کہ یہ عقدہ لاینحل ہم کو نہ ستائے۔ ہم اپنے حوصلوں کو۔ خواہشوں کو صرف دنیا کی موجودہ حالت تک محدود رکھیں مگر کیا یہ کبھی ممکن ہے؟ پھر وہی سوال پیدا ہوتا ہے کیا موت ہماری ہستی کا خاتمہ کر دیتی ہے؟ ہم دیکھتے ہیں ابتدائے عمر سے آخر تک محنت شاقہ کر کے ہم اپنی امید کی شاندار عمارت کھڑی کرتے ہیں۔ ساری قوت ساری توجہ اس ایک کام میں لگا دیتے ہیں۔ ہزاروں کی جمعیت کو اپنا تابعدار بناتے ہیں۔ کتنے ایسے ہیں جو خوشامد کے مارے ہر وقت ہماری ہاں میں ہاں ملاتے ہیں اپنے ضمیر کا خون کرنے کو تیار رہتے ہیں مگر موت آتی ہے۔ ایک لمحہ میں سب کو کنارے لگا دیتی ہے۔

(۱) آس پاس جودھا کھڑے۔ سبھی بجاویں گال
بیچ محل سے لے چلا۔ ایسا کال کرال

(۲) اونچا محل چُناونے کرتے ہوڈم ہوڑ
سُبرن کلی ڈھلاونے گئے پلک میں چھوڑ

یہ کیل ہے کوئی بتاوے تو صحیح!

نوجوان جو زندگی کے لبھانے والے تماشوں میں کامیابی تلاش کرتا ہے۔ اسی زندگی کو سب کچھ بنا دیگا اور ممکن ہے کامیابی حاصل کر کے بڑھاپے میں بھی وہ اس کو سچا سمجھتا رہے۔ مگر ایک دن آئیگا۔ وہ دیکھیگا۔ اُس کی کبھی ہوس پوری نہیں ہوتی۔ اندریوں کے بھوگ بلاس کی قوت مرجاتی ہے۔ رغبت کی جگہ نفرت پیدا ہوتی ہے۔ وہ ہزار کوشش کرے ہزار تدبیر نکالے۔ مگر اس کو ماننا پڑیگا۔ کہ یہ سب خام خیالیاں تھیں۔ وہ دولتمندی

منعکس ۔ زندگی یہ سب ناپایدار نقش برآب ہیں ۔ ہر چیز عارضی ہے
پھر کیا؟ اس کے آگے کیا ہے؟

یہاں آ کر ہم کو دو میں سے ایک بات ماننی پڑیگی ۔ یا تو ہم مادہ پرست چارواک کے ساتھ متفق ہو کر آیندہ زندگی کا مطلق یقین نہ کریں ۔ اور اس فانی جسم کو موٹا تازہ بنا کر رنگ رلیاں منائیں اور اپنی آنکھ موند لیں کچھ بھی نہیں ہے ۔ مگر کیا ہماری آنکھ میچنے سے ہستی نیستی میں تبدیل ہو سکتی ہے ۔ جو گذشتہ و مستقبل کو نہیں مانتا صرف موجودہ حالت کو مانتا ہے وہ پاگل ہے ۔ ہر چیز پہلے تھی ۔ اب ہے اور پھر آگے رہیگی ۔ لڑکے کو ماننا اور ماں باپ کی ہستی سے منکر ہونا نادانی کی گفتگو ہے ۔ گو کہنا آسان ہے ۔ مگر ایسا سمجھ کر اس پر مضبوط ہو رہنا مشکل ہے ۔ اس لئے ہمارے لئے ایک لمحہ بھی آتما سے منکر بنکر رہنا امر محال اور غیر ممکن ہے ۔

دوسری بات یہ ہے کہ ہم اُس کے سبب کو تلاش کریں کہ آیا اس تغیر و تبدل کی حالت میں کہیں ٹھیرنے کی بھی جگہ ہے یا نہیں؟ اس پانچ تتو کے پتلے کے اندر کوئی اصلی بھی چیز ہے یا یوں ہی ایک لفافہ ہے؟ اور دنیا کی تواریخ بیان کرتی ہے ۔ شروع سے لیکر آجتک تحقیقات و تجسس کے میدان میں بڑی تیزی کے ساتھ گھوڑ دوڑ ہوتے رہے ہیں اور انسان نے مادہ کے تاریک طبقہ سے ایک قدم آگے بڑھ کر روشنی اور نور کے نشانات دیکھے ہیں اور جہاں ان کی بصارت مکمل بنکر اچھی طرح روحانی مناظر کا معائنہ و مشاہدہ کیا ۔ اس کو اپنی اصلیت کا یقین ہو گیا ۔ اور وہ سمجھ گیا کہ جسم کے تحلیل ہو جانے اور دنیا کے ختم ہونے پر بھی وہ زندہ جاوید ہمیشہ قائم و دائم رہتا ہے ۔ ویدوں کے منتر اس قسم کی تعلیم سے مالامال ہیں اگر آپ اس کو

اپنی گود میں لیجا۔ اس کو مکمل اور روشن جسم عطا کر۔ اس کو ایسے طبقہ میں پہنچادے۔ جہاں موت نہیں جہاں رنج نہیں اور جہاں اگلے لوگ گئے ہیں مگر یہ یقین صرف مذہب عطا کرتا ہے۔ یہ علم صرف مذہب کی پیروی سے حاصل ہوتا ہے۔ جن کو مادی علم نے دیوانہ بنادیا ہے۔ جن کی نگاہ صرف باہر کی طرف سے ہے وہ مذہب کو ڈھکوسلا کہتے ہیں۔ ایشور کی عبادت کو سبز باغ سمجھتے ہیں۔ لیکن زرپرستی شہرت پرستی۔ اختیار پرستی کو بہتر بتلاتے ہیں۔ یہ اُن کا دین اور یہ ان کا آئین ہو رہا ہے۔ اور یہی وجہ ہے وہ اس سے محروم اور خالی ہیں۔

مادہ پرستوں کا یہ خیال کہ عناصر کے امتزاج سے انسان کی پیدائش ہے۔ غلط ہے لیکن یہ کوئی نہیں بتا سکتا کہ عناصر کے امتزاج کا باعث کیا ہے کس طاقت نے ان کو ملا کر جسم کی ترتیب اور ترکیب کی ہے؟ یہ ہزاروں قسم کی تفریق تقسیم اور تمیز کی حالت کس کی پیدا کی ہوئی ہے۔ یہ کہنا کہ مادہ نے خود ایسی شکلیں اختیار کرلیں کوئی معنی نہیں رکھتا۔ روح کو مادہ سے نکلا ہوا بتانا بالکل مہمل اور فضول ہے۔ مادہ مجہول ہے وہ خود کسی متحرک کا محتاج ہے۔ محیط مادہ کو حرکت دینے والا پرماتما ہے تمیز و تفریق کی صورتیں آتماؤں کے تعلق سے نظر آتی ہیں۔ وہ بیشمار ہیں۔ کیا اس بات کے بھی دکھلانے کی ضرورت ہے کہ جسم آتما نہیں ہے؟ جسم موجود رہتا ہے مگر جہاں یہ طاقت علیحدہ ہوئی وہ بیحس و حرکت بن جاتا ہے اور گھنٹوں کے بعد بگڑ کر مکروہ ہو جاتا ہے۔ یہ صرف آتما تھا۔ جس نے اس کو حرکت کی حالت میں رکھا ہوا تھا۔

اس ضروری مسئلہ پر کٹھ اُپ نشد میں نچکیتا اور یَم کے درمیان ایک قسم کا دلچسپ مکالمہ ہوا ہے۔ نچکیتا پوچھتا ہے۔ آتما کیا ہے؟ اور یم راج

اس کو حسب ذیل جواب دیتا ہے :-

تو سمجھ لے روح سوار ہے۔ جسم رتھ ہے۔ بدھی رتھبان ہے۔ من اس کے ہاتھ میں لگام ہے۔ اندریاں گھوڑے ہیں۔ اور لذات نفسانی اُن کی سڑکیں ہیں۔ گیانی کہتے ہیں جسم اندری اور من کے ساتھ ملکر آتما بھوگنے والا ہے۔

جو اگیانی ہے وہ لگام نہیں دیتا۔ اندریاں اس کے قبضہ میں نہیں آتیں اور رتھ کے گھوڑوں کی طرح مطلق العنان بن جاتی ہیں۔ لیکن جو شخص من پر قابو رکھتا ہے وہ رتھ کے اچھے گھوڑوں کی طرح اندریوں پر بھی اختیار رکھتا ہے۔

جو اگیانی ہے اور من پر اختیار نہیں رکھتا۔ وہ ناپاک ہے۔ وہ منزل پر نہیں پہنچتا۔ اور پھر دنیا میں آتا ہے۔ لیکن جو گیانی ہے۔ من کو اختیار میں رکھتا ہے۔ منزل پر پہنچ جاتا ہے۔ اور دنیا میں پھر نہیں آتا۔

جس کا کوچوان ہوشیار ہے۔ جس کے من کی لگام خوب کسی ہوئی ہے۔ وہ سڑک کے آخر تک جو منزل مقصود اور وشنو کا اونچا استھان ہے حاصل کر لیتا ہے۔

بھوگ اور لذت کے سامان اندریوں سے اونچے ہیں۔ ان سامان سے من اونچا ہے۔ بدھی من سے اونچی ہے۔ اور بدھی سے اونچا آتما ہے۔

آتما سے پرماتما اونچا ہے اور یہی سب سے اونچی منزل ہے ؛

۲

انسان کی ذات بھی اس برہمانڈ میں مطالعہ کرنیکے قابل چیز ہے بلکہ

ہماری اپنی رائے ہے کہ اگر کسی فلاسفر کو کسی اصلی چیز کے مطالعہ کرنے کی ضرورت ہے اور اگر ایک دو نہیں بلکہ قدرت کے مسلسل سلسلہ کی ماہیت مجموعی طور پر دریافت کرنا منظور ہے تو اسی ایک کتاب کی جس کو انسان کہتے ہیں مطالعہ کرے۔ اس عجیب و غریب کڑی کی کون زنجیر ہے جس کو پرماتمانے انسان میں موجود نہ کیا ہو۔ کون سی بات ہے جو انسان میں نہیں ہے۔ واقعی یہ قدرت کے مکمل دفتر کا خلاصہ ہے۔ کائنات کا جوہر ہے۔ ایشور کی لاثانی صناعی کا اصلی نمونہ ہے۔ جنہوں نے اس کو مسجود ملائک بتایا وہ عقائد کے لحاظ سے گو ہم سے اختلاف رکھتے ہیں مگر اصلیت کے اظہار میں ہمارے ہمکلام اور ہم معنی ہیں۔ برہمانڈ کا سار۔ اشرف المخلوقات! اس ایک چیز میں کتنی باتیں ہیں۔ جو عقل کی آنکھ کے ششدر و متحیر بنانے کے لئے کافی ہیں۔ دنیا کے باہر بھیتر۔ ہر چہار طرف۔ اوپر تلے۔ داہنے بائیں انسان اس پاک قدیر و حلیم پرماتما کا سچا فرزند بنا ہؤا نظر آتا ہے۔ وہ سچ مچ ایک سچا شہزادہ ہے جو اپنی اصلی عزت کو اچھی طرح سمجھتا ہؤا اور شاہزادگی کی طاقت اور فضیلت کو محسوس کرتا ہؤا دنیا کو اپنے زیر رکھنے کا خواہشمند ہے۔ کون ہے جو اس کے حکم کے برخلاف چلنے کی جرأت کر سکے کس کو حوصلہ ہے کہ اس شاہزادہ کی تعظیم کا خیال اپنے دل سے دور کر سکے صناعی کی ساری خوبیاں اس پر ختم ہو گئی ہیں وہ اس خوبصورت آفرینش میں سب سے زیادہ خوبصورت ہے۔ وہ اس شاندار سلطنت میں سب سے زیادہ شاندار ہے۔ وہ اس وسیع قلمرو میں سب میں زیادہ طاقتور ہے۔ کون سے اوصاف ہیں جو اس میں نہیں پائے جاتے۔ برائی ہو یا بھلائی۔ علم ہو یا حرفت طاقت ہو یا کمزوری۔ سمجھ ہو یا بوجھ۔ اے اصلی نور کے پتلے! تیری کوئی

شخص کیا تعریف کر سکے۔ تیری خوبیوں کو تیرے شکل و صورت کو تیرے ترتیب و ترکیب کو۔ تیرے زور و قوت کو دیکھ کر عقل حیران ہو جاتی ہے اور ہمارے ادراک و تمیز کی طاقت تجھ سے ٹکر کھا کر قدرتاً اُس قوتوں کے مرکز اور طاقتوں کے مجمع کی طرف رجوع ہو کر اپنے ضعف و اپنی نارسائی کے اقرار کے لئے مجبور ہو جاتی ہے کیونکہ انسان کا جاننا بھی یوگ کا وشے ہے۔

ہم نے انسان کو برہمانڈ کا خلاصہ بتایا ہے۔ قدرت کے پچیس جوہر ہیں سے جو بکھری ہوئی۔ پروردگار کی کاریگری کا تماشا دکھلاتی رہتی ہیں اس ایک میں موجود ہیں۔ اگر ہم فلسفہ کی اصطلاحات پر وسعت کے ساتھ بحث کرتے ہوئے انسانی سرشت کی کل کے ایک ایک پرزہ کی تشریح کرنے پر آ جائیں اور بال کی کھال نکالنے کی ادھیڑ بن میں پڑ جائیں تو ہماری عمر کے خاتمہ تک وہ کام یوں ہی غیر مکمل پڑا رہیگا۔ اور ہم پریشان ہو کر کھڑا اٹھینگے۔

خاک کا پتلا ہی کیوں کچھ اور ہے
ذات انسان کی بھی قابل غور ہے

کون سی بات ہے جو درگزر کرنے کے قابل ہے۔ کون سا نقطہ ہے۔ جدھر ہم اپنی توجہ کی نگاہ کو مائل نہ کریں۔ یہ انسان غضب کا مخلوق ہے۔ اس میں اس کی لپیٹ ہیں اور اس کے لئے پرکرتی (مادہ) کی لبھانے والی موہنی کیا کیا کرشمہ دکھلانے کو تیار نہیں ہے اور کون سا دقیقہ ہے جو وہ فرو گذاشت کرتی ہے۔

ہم نے کہا تھا۔ انسان آفرینش کا خلاصہ ہے۔ فرمائیے کس نقطہ سے شروع کریں۔ سب سے پہلے ہم باہری دنیا کی ظاہری حالت آپ کو

عمد انسان ... اگر ... تو ... انکو ... ہے

دکھلاتے ہیں۔ آجکل کے علما مخلوقات کو تین حصوں میں تقسیم کرتے ہیں۔ جمادات نباتات اور حیوانات۔ ہم انسان کو اس تثلیثی اقانیم سے علیحدہ کر کے اس کو چوتھی قسم کا مخلوق قائم کرتے ہیں۔ اور ان تینوں کی تین حالتیں اُن میں کس طرح ظاہرا طور کام کرتی ہیں دکھاتے ہیں۔ اس ہمارے کرہ میں ہر چوبیس گھنٹے کے اندر ہر جاندار جس کی جسمانی ساخت نسبتاً زیادہ مکمل ہے تین تین حالتوں میں علی التواتر سیر کرتا رہتا ہے۔ شاستر کاروں نے اُن کے لئے جاگرت۔ سوپن اور سوشپتی کے اصطلاحات موضوع کئے ہیں۔ جاگرت بیداری۔ سوپن نیند۔ سوشپتی گہری نیند ہے۔ پرکرتی (مادہ) کا پورش (روح) کے ساتھ جب سے اتصال اور ملاپ ہوا ہے۔ وہ علت و معلول کے قانون (کرم) کے زیر اثر گردش کرنیوالے پہئے کی شکل میں کبھی اوپر جاتی ہے کبھی نیچے نیچے ایک مخصوص حالت پر پہنچکر وہ پھر بتدریج پاکی حاصل کرتے ہوئے اوپر کو آتی ہے اور اگر انسان کے بلند رتبہ تک پہنچکر اصلی مقصد کی تکمیل کے نقطہ سے نیچے گرجاتی ہے تو پھر ناپاکی کے زینوں پر لغزش کھا کر اسی قانون سے متاثر ہو کر مختلف صورتوں سے کام کرنے لگ جاتی ہے۔ دور تسلسل کے آغاز و انجام کی یہ ایک بدیہی صورت ہے کثیف نگاہ رکھنے والے علما و نباتات جمادات کو سب سے نیچا قائم کرتے ہیں۔ گو اصلیت سے ناواقف شخص اُن کو مردہ کہے مگر وہ غلطی پر ہے۔ ان میں بھی ایک خاص قسم کی زندگی ہے اور ان تین حالتوں میں سے جو اوپر مذکور ہوئیں ان میں سوشپتی کی حالت ہے۔ سوشپتی ہی میں اُن کی پیدائش ہوتی ہے۔ سوشپتی ہی میں وہ نشو و نما پاتے ہیں اور جس حالت میں اُن سے کام

لیا جاتا ہے۔ وہ سوشپتی کی حالت ہے۔ نباتات ایک درجہ ان سے زیادہ اونچے ہیں ان میں دو حالتیں ہیں سوشپتی اور سوپن۔ سوشپتی میں آدمی بےحس نظر آتا ہے۔ سوپن میں وہ کسی قدر حرکت بھی کرتا رہتا ہے۔ درختوں میں یہ دونو موجود ہیں اور علم الروح کا طالب علم اگر ذرہ بھی خوض و فکر سے کام لینا شروع کر دے تو اس میں ذرہ بھی فرق نہ پائیگا۔ درخت ان دو حالتوں میں پرورش و نشو ونما پاتے ہیں۔ حیوانات میں ایک اور تیسری حالت جاگرت ہے۔ وہ سوشپتی میں گہری نیند لیتے ہیں سوپن میں خواب دیکھتے ہیں اور جاگرت اوستھا میں دنیا کا کاروبار کرتے ہیں انسان میں ان تین حالتوں کے علاوہ ایک چوتھی روحانیت کی حالت ہے جو اس کو نیچے کی کڑیوں سے ممتاز کرتی ہوتی روحانی جذبات کے نشو و نما میں لگی رہتی ہے۔ بہت سے انسان صورت ایسے ہیں جن میں اس کا احساس تک نہیں نظر آتا۔ لیکن اُن میں اس کا بہت ہی کمزور سنسکار رہتا ہے۔ اور وہ اس لئے دراصل ان حیوانات سے بہت ہی کم فرق رکھتے ہیں۔ یہ روحانیت کی حالت جو اُس کی اصلی بیداری کی دلیل ہے انسان کو سب پر فوقیت بخشتی ہے۔ اور اس لئے اس کی ایک شخصیت میں اس خصوصیت کے ہوتے ہوئے جس خوبی کے ساتھ موجودہ تقسیم کے موافق ساری باتیں موجود رہتی ہیں۔ وہ صاف ظاہر کرتی ہیں کہ انسان مجموعی طور پر دنیا کا خلاصہ ہے۔

اسی مضمون کے صراحت کے طور پر ہم برہدارنیک اُپنشد سے ایک موقعہ کی یاگیہ ولکیہ کی تقریر کو یہاں نقل کرتے ہیں۔ رشی برہمنوں کے مجمع کو خطاب کرتا ہوا کہتا ہے:۔ انسان بلند درخت کے مشابہ ہے اس

کے بال پتے ہیں۔ اس کا چمڑا چھلکا ہے۔ اس کے چمڑے سے اسی طرح خون بہتا ہے۔ جس طرح کاٹے ہوئے درخت کی چھال سے پانی نکلتا ہے۔ اسی طرح زخمی آدمی کے جسم سے خون برآمد ہوتا ہے۔ ہڈیاں اس (منشیہ روپی) درخت کی لکڑیاں ہیں۔ چربی اور گود ایک سے ہیں اس کا اندرونی گوشت چھال ہے...... جس طرح آدمی زندہ بیج سے پیدا ہوتا ہے اُسی طرح درخت بھی زندہ بیج سے پیدا ہوتے ہیں..... وغیرہ۔

یہ ہے ایک مختصر قسم کی مشابہت کا سلسلہ جو ہم انسان اور قدرت کی دیگر اشیاء میں دیکھتے ہیں اور اگر ہمارا مافی الضمیر صحیح صحیح سمجھ لیا جاوے تو کسی کو کبھی ماننے میں تامل نہ ہوگا۔ کہ انسان کی اکیلی فردیت برہمانڈ (کائنات) کی مجموعی حالت کا خلاصہ ہے۔ اور اسی وجہ سے انسان کی ذات کو چھوٹا برہمانڈ کہا گیا ہے۔

انسان کی ذات جیسا ہم نے پہلے عرض کیا قدرت میں ایک عجیب غریب، نرالی چیز ہے۔ پیدائش سے لیکر تا دم مرگ وہ اس قسم کے عجائبات کا تماشہ دکھلاتا رہتا ہے۔ جس کو سمجھ کر حیرانی ہوتی ہے۔ دنیا کی حالت کا پلٹا دینے والا۔ قدرت کی طاقتوں کو بس میں رکھنے والا یہ ساڑھے تین فٹ کا پتلا ہمیشہ و ہر وقت بلا ڈھا رہتا ہے۔ اگر جنگل کا بادشاہ بنا ہوا شیر سے خونخوار اور ہاتھی سے جسیم جانور پر سوار ہے تو دوسری طرف شور کرنے والے عمیق سمندر کو اپنے پاؤں کے تلے رستہ دینے کے لئے مجبور کر رہا ہے۔ سمندر اپنی چھاتی کو اس کی گزرگاہ بناتا ہے آگ پانی ہوا اس کی قسم قسم کی خدمات انجام دیتے ہیں۔ بجلی کی طاقت اس کی خبر پہنچاتی ہے ریل اور جہاز ملکوں کے فاصلہ کو اس کے لئے کم کر دیتے ہیں۔ وہ سورج

کی کرنوں کو اپنے کام کے لئے آمادہ کرتا ہے۔ اور نظر نہ آنے والے سیارے اور کروں کو اپنی رسا عقل کے اوزار سے مجبور کرتا ہے کہ اس کو اپنا چھپا ہوا بھید بتلادیں۔ کبھی وہ منگل کے باشندوں سے بات چیت کرنے کا خواہشمند ہے کبھی کروڑوں کوس کی دوری کے ستاروں کو کہتا ہے ہمارے قریب آجاؤ۔ تاکہ ہم تمہارے واقعات اور حالات کو اپنی چھوٹی آنکھ سے دیکھ لیں اور وہ اس کی سنتے ہیں اور پرماتما کا سچا پتر جدھر رُخ کرتا ہے اُس کو فتح کرکے چھوڑتا ہے۔ اُس کے سامنے کسی کی نہیں چلتی اور وہ اپنی دھن کا پکا اس قدر پکا ہے کہ اپنی قوت ارادی سے لاینحل کو حل کرڈالتا ہے پیچیدہ عقدوں کی موشگافی کردیتا ہے اور قدرت اس لاڈلے سے اپنا راز نہیں چھپاتی۔ اے انسان وہ غلطی پر ہیں جو تجھ کو ضعیف البنیان کہتے ہیں! تو واقعی عجیب وغریب تماشا ہے اور وہ عقیل صوفی غلطی پر نہیں تھا۔ جو تجھ سے مخاطب ہو کر بآواز بلند کہہ گیا ہے:۔

اے تماشاہ گاہ عالم روے تو
تو کجا بہر تماشا مے روی

تو سچ مچ اور دل کا تماشہ کیا دیکھتا ہے۔ اپنی طرف نگاہ کر اپنی بزرگی اور اپنے ملک کی صنعت کو مشاہدہ کر۔ اے پرماتما کے پیارے!

ستم است اگر ہوست کشد کہ بہ سیر سرو سمن درآ
تو ز غنچہ کم نہ دمیدہ در دل کشا بہ چمن آرا
پئے نافہائے رسیدہ بو مپسند زحمت جستجو
بہ خیال حلقۂ زلف او گرہے خورد بہ ختن درآ

۳

انسانی کمال کو صراحت و وضاحت کے ساتھ بیان کرنا نہ صرف امر محال بلکہ غیر ممکن ہے۔ کوئی کہاں تک بیان کر سکتا ہے۔ جدھر نگاہ جاتی ہے۔ اُسی طرف تعجب اور حیرت کے تماشے نظر آتے ہیں۔ جس طرف انسان اپنی توجہ کے رخ کو منعطف کرتا ہے۔ اسی طرف عجیب و غریب کرشمہ دکھائی دیتے ہیں۔ وہ ایک ہلکے سے شیشہ کی نلی میں پارہ بھر کر مقیاس الحرارت کی صورت میں کیسی آسانی سے موسم و آب و ہوا کی تبدیلی کا اندازہ لگا لیتا ہے نہ صرف وہ نظر آنے والی چیزوں کو مقید کر لیتا ہے بلکہ آواز وغیرہ نسبتاً لطیف اشیا بھی گرفتار کر کے دکھا دیتا ہے اور وہ زمانہ قریب آنے والا ہے جب وہ دل کے اندرونی خیال تک کو پکڑ کے تم کو دکھا سکیگا یہ وہ اس کے کام ہیں جو ہم روز روز دیکھتے ہیں۔ لیکن ترقی یافتہ انسان جس سے ہماری مراد روحانی نشوونما پائے ہوئے یوگیوں یا سدھوں سے ہے کیا کچھ نہیں کر سکتا! مگر ہم کو ان یوگیوں سے کام ہے جو ظاہری دنیا سے غرض رکھتے ہیں۔ اس لئے ہم باکمال انسان کی طاقتوں کا بیان جان بوجھ کر خط تحریر میں نہیں لاتے۔ صرف یہ سمجھ لینا چاہئیے کہ جب کثیف حالت میں انسان کی ترقی کا یہ حال ہے تو اس کی لطیف قوتوں کا سمجھنا کس قدر مشکل ہوگا!

دنیا میں ہم کو بالعموم تین قسم کی ترقی کی حالت کا انبھو ہوتا ہے۔ جسمانی۔ دماغی۔ روحانی۔ جسمانی و دماغی ترقی کے تماشے ہم روز دیکھتے ہیں۔ اگر سینڈو۔ گیکر و غلام کی طاقت کے پہلوان ایک طرف لوگوں کی نگاہ

ششندر کر دیتے ہیں۔ ابھی آخری جنگ روس وجاپان دماغی وجسمانی ترقی کے فتح کا بدیہی ثبوت دے گیا ہے۔ جسم کو طاقتور بنا کر انسان کتنوں کو اپنے بس میں کر لیتا ہے اور زور کی مستی میں جھومتا ہوا شیر کے پنجہ اور ہاتھی کے دانت کو پھیر دیتا ہے۔ اس کی شان کیسی نرالی ہے۔ جس وقت وہ چلتا ہے اس کی صورت شکل مضبوط جثے کیسے بھلے معلوم ہوتے ہیں۔ کیا وہ کسی کا خوف کرتا ہے؟ زور وطاقت کا گھمنڈ نوجوانوں کی زندگی کا نشان اور پھرا تا ہوا جھنڈا ہے۔ مگر جب وہ جسمانی طبقہ سے ذرا ہٹ کر دماغی طبقہ میں آتا ہے۔ تو زیادہ طاقتور زیادہ حوصلہ مند بن جاتا ہے۔ سلطنتوں کو انقلاب دینا۔ دنیا کو الٹ پلٹ کر کچھ کا کچھ بنا دینا اس کے بائیں ہاتھ کا کرتب ہو جاتا ہے۔ دماغی ترقی کے انسان کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ سلطنت کا وزیر یا راجہ کا مشیر ہو نہیں وہ جس حالت میں رہیگا وہاں ہی سب کو اس کا لوہا ماننا پڑیگا۔ یہ کبھی نہ کہو کہ دنیا کے حکمران بادشاہ ہیں۔ بادشاہ دراصل عقیل اور ذہین آدمیوں کے غلام ہیں تار کا سرا ان کے ہاتھ میں رہتا ہے اور راجے مہاراجے کٹھ پتلی کی طرح ناچتے ہیں۔ کیا آپ نہیں جانتے۔ ٹائمز نامی لنڈن کے مشہور اخبار کی گرجنے والے شور کو سنکر یورپ کے بادشاہوں کے اوسان خطا ہو جاتے ہیں جس نے جرمنی کو بنایا وہ بسمارک کا دماغ تھا۔ جو آج روس کی طاقت کی جڑ کو ہلا رہا ہے۔ وہ ایک معمولی پادری فادر گیپن کی سمجھ بوجھ ہے جس عقل و تمیز کی راہ پر چل کر جرمنی دنیا کے حسد وخوف کا باعث بن گیا ہے وہ کنٹ نامی فلاسفر کی تعلیم ہے۔ جس نے اطالیہ کی قومی سلطنت کی بنا ڈالی وہ میزنی وگریبالڈی کے سوچ وچار کا نتیجہ تھی۔ یہ جسمانی اور عقلی ترقی کے

شچیے ہیں۔ مگر ہم روحانی طاقت کا ذکر کس سے کریں! دنیا میں کمتر آدمی ہیں جو روحی حالت کی سمجھ بوجھ رکھتے ہیں۔ زبردست سے زبردست بادشاہ مر گئے۔ کسی کو خبر نہیں اُن کا جھنڈا کدھر گیا مگر دیکھو بُدّھ کے ایسے روحانی معلم کے جھنڈے کے تلے اب بھی کروڑوں آدمی تشفی و تسلی تلاش کرتے ہیں۔ سکندر دنیا کا فاتح تھا یا بُدّھ تھا؟ کس کے ہاتھ سچی فتح آئی۔ زمانہ کہتا ہے۔

نہ گورِ سکندر نہ ہے قبرِ دارا
مٹے نامیوں کے نشاں کیسے کیسے

مگر روحانی معلّمین کا پاک سکّہ اب تک جاری ہے۔ وہ زندہ جاوید ہیں۔ اُن کا نشان چپّہ چپّہ زمین پر گڑا ہے۔ اُن کے مبارک نام کی عزت قائم رکھنے کے لئے ہزاروں لاکھوں اور کروڑوں آدمی ہر وقت سر کٹوانے کو موجود ہیں۔ کیا یہ خیر خواہی۔ یہ جاں نثاری یہ وفاداری کسی پہلوان کے جتھے یا کسی راجہ کی رعیت میں نظر آتی ہے؟ ہم سمجھتے ہیں اس کا جواب ہمیشہ نفی ہوگا! اگر جسمانی قوت و عقلی طاقت دنیاوی راجاؤں بادشاہوں کا مقرب بناتی ہے۔ تو روحانی نشوونما کی حالت انسان کو اس راجہ کا قربت بخشتی ہے جو شاہوں کا شاہ حاکموں کا حاکم اور افسروں کا افسر ہے۔

ہر دمش اوج دیگے معراج خاص
بر سرِ تاجش نہد حق تاج خاص

ہم نے روحانی آدمیوں کے جلال کی صرف ظاہری مثال دی ہے اُن کے باطنی کمال کا تذکرہ عمداً فروگذاشت کرتے ہیں۔

اب سوال یہ ہے۔ جس انسان کی بزرگی کے اعتراف میں دنیا

مدح سرائی کر رہی ہے وہ کیا ہے؟ کون سی چیز ہے جس کو ہم انسان کہیں؟ کیا یہ جسم انسان ہے؟ کیونکہ اوپر جن باتوں کا ذکر آیا ہے وہ ظاہر بین کی نگاہ میں اسی میں گھٹتے ہیں اور مادہ پرست بالخصوص اسی کو آتما کا خطاب دیتا ہے۔ لیکن اس سے ایک منزل اور ایک جاننے والا تصوف پسند شاعر اپنے جذبہ میں اگر کہتا ہے۔

خاک کا پتلا ہی کیوں کچھ اور ہے

آدمی کی ذات قابل غور ہے

اور اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم عمل تقطیع سے اس سوال کے ہر پہلو پر نظر ڈالتے ہوئے اجمالی طور پر اس پر بحث کر سکیں اور کسی قطعی رائے پر قائم ہو جائیں۔ یاگیہ ولکیہ فرماتے ہیں۔

اے میتریے! میں تجھ سے یوں ہی نہیں کہتا ہوں۔ بلکہ یہ امر یقینی ہے کہ وہ آتما جس کے ساتھ ملنے سے جسم میں حس و حرکت پیدا ہوتی ہے غیر فانی ہے ۔۔۔۔ جب وہ جسم سے الگ ہو جاتا ہے تب اس (جسم) کو کچھ بھی علم نہیں رہتا۔ اگر کوئی آتما جسم سے الگ نہ ہو تو کس کے ساتھ ملنے سے جسم میں جان آتی ہے۔ اور کس کے جدا ہونے سے وہ بیجان ہو جاتا ہے؟ جیسے آنکھ سب اشیا کو دیکھتی ہے لیکن اپنے آپ کو نہیں دیکھتی اسی طرح پرتیکش آتما کا اپنا علم بذریعہ خارجی اندریوں کے نہیں ہو سکتا جیسے آدمی اپنی آنکھ سے ساری دنیوی اشیا کو دیکھتا ہے اور آنکھ بذریعہ گیان کے دیکھتا ہے۔ جو دیکھنے والا ہے وہ دیکھنے والا ہی بنا رہتا ہے۔ دیکھنے والا کبھی نہیں ہو سکتا۔ جیسے بغیر سہارے کے سہارا رکھنے والا بغیر علت کے معلول۔ بغیر کل کے اجزا۔ بغیر فاعل کے فعل نہیں ہو سکتا ویسے ہی بغیر آتما

کہ یہ جسم نہیں رہ سکتا۔" یہ جسم و آتما کے درمیان رشی کا قطعی فیصلہ ہے۔ یہ جسم کبھی اصلی انسان نہیں ہے۔ آئیے اب ذرہ جسم اور اس کے اجزا کی طرف نگاہ کیجئے ؞

۴

کیا یہ جسم ہی اصلی انسان ہے؟ کیونکہ ظاہر جسم کے ہوتے ہوئے سب مجسم کے کاروبار کئے جاتے ہیں۔ اس کے جواب میں مہاتما کرشن بھگوان اس طرح قطعی فیصلہ دیتے ہیں:۔

वांसा स जीरणानि यथा विहय
नवा नि ग्रहण्याति नेरो ऽपराणि ॥
यथा शरीराणि विलय जीरणानि
ऽ न्यानि संयात नवानि देही ॥

اس شلوک کا قریب قریب ترجمہ اردو میں ایک کلام میں یہ ہے۔

جسم خالی ایک خرقہ ہے عزیز
جسم و جان میں چاہئے کرنا تمیز
جانتے دنیا کے ہیں سب مرد و زن
قابل پوشش نہیں خرقہ کہن
اس طرح جب جسم کہنہ ہو گیا
روح یکدم اس کو کرتی ہے جدا
جسم و جاں میں فرق ہے قطبین کا
جسم کو جانی مت سمجھ یہ خدا

اس میں کس کو شک ہو سکتا ہے کہ یہ فیصلہ کافی نہیں ہے! اس سے زیادہ طبیعت کو اطمینان دلانیوالا جواب شاید ہی کہیں آپ کو مل سکیگا۔ مگر باہری نگاہ رکھنے والے ظاہر ہیں جن کو صرف خارجی دنیا سے سروکار ہے۔ جن کے خیالات محسوسات اور خواہشات کا ذکر مدت العمر بلکہ جنم جنمانتر سے باہر قائم ہو گیا ہے۔ وہ اس کو سنتے ہوئے بھی اپنے آپ کو جسم سے الگ سمجھنے کے لئے تیار نہیں ہیں اگر علماً نہیں تو عملاً یہی جسم اُن کی ذات ہے اسی میں ان کی کائنات ہے۔ اور اس لئے قدرتی نتیجہ یہ ہوتا ہے اور ہونا چاہیے کہ ان کی کوشش اسی کے مضبوط کرنے۔ خوبصورت بنانے اور آراستہ کرنے میں صرف ہو۔ چارواک ناستک کہتا ہے۔

यावज्जीवेत्सुखं जीवेदृणं
कृत्वा घृतं पिवेत ।
भस्मी भूतस्य देहस्य
पुनरागमनं कुत -॥१॥

ترجمہ۔ اس لئے جب تک انسان زندہ ہے تب تک سکھ سے زندگی بسر کرے اگر گھر میں چیز نہ ہو تو قرضہ لیکر آنند کرے۔ قرضہ دینا نہیں پڑیگا۔ کیونکہ جس جسم میں جیو نے کھایا ہے۔ وہ دو تو پھر واپس نہیں آئینگے۔ پھر کون کس سے مانگیگا اور کون دیگا؟

مجلسی نگاہ سے یہ خیال دنیا میں کسی قدر بدامنی و بیچینی پھیلانے والا ہے۔ ہر شخص سمجھ سکتا ہے۔ لیکن اخلاقی نظر سے تو یہ خوفناک تر ہے اور جب پرلوک (عقبےٰ) کا سوال آتا ہے تو خوفناک ترین بن جاتا ہے۔

بھگوان رامچندر جی کی زبان سے مہاتما تلسی داس جی نے اپنے

رامائن میں کہلایا ہے۔

جل۔ تھل۔ پاوک۔ گگن سمیرا

پنچ وڈٹی۔ یہ ادھم سریرا

یعنے یہ ناپاک جسم پانچ چیز زمین۔ پانی۔ آگ۔ ہوا اور آکاش سے بنا ہوا ہے اور ہم نے جیسا پہلے عرض کیا تھا۔ عمل تقطیع سے اس کی اب وضاحت اور صراحت کی کوشش کرینگے۔

مہابھارت کے شانتی پرب میں ایک موقعہ پر شکدیو جی اپنے باپ مہرشی ویاس سے ادھیاتم کے مضمون پر سوال کرتے ہیں۔ ویاس جی فرماتے ہیں:۔ زمین۔ پانی۔ آگ ہوا اور آکاش۔ انہیں پانچ اجزا سے انسان کا جسم بنا ہے۔ نہ صرف انسان کا جسم بلکہ سارا برہمانڈ انہیں سے بنا ہوا ہے۔ پیدا کرنے والے پرماتما نے انہیں کو غیر مساوی حصوں میں تقسیم کرتے ہوئے اپنی کاریگری اور ارادہ کا ثبوت دیا ہے اور وہ کچھ دنیا میں اس طرح سے ایک دوسرے کے ساتھ تعلق رکھتی ہوئی بکھری ہیں کہ عقل ان کے تناسب کو دیکھ کر حیران رہ جاتی ہے۔ جدھر رُخ کرو۔ اسی طرف عجیب و غریب منظر آنکھوں کو اپنی طرف دعوت دیتا ہے۔ ہر شے دلکش و دلفریب ہے ذرہ توجہ اور غور کے ساتھ سنو۔ ہمارے جسم میں آواز۔ نطق اور تمام کھلے ہوئے حصے آکاش سے بنے ہیں۔ پران (سانس وغیرہ) اعضا کے حرکات اور چھونے کی طاقت ہوا سے تعلق رکھتے ہیں۔ قوت ذائقہ۔ زبان اور تمام لذات پانی کے اور پانی سے ہیں۔ بو ناک اور جسم مٹی (پرتھوی) سے ہیں۔ صورت۔ آنکھ اور ہاضمہ کی قوت آگ سے ہے۔ سوچو پانچ عنصر کس طرح پھیلے ہوئے عجیب کام کر رہے ہیں۔ چھونے کی قوت ہوا سے

ہے۔لذت کی پانی سے۔شکل کی آگ سے۔آواز کی آکاش سے بو (شامہ) زمین سے ہے۔من بُدھی۔اہنکار لطیف ہیں۔ان کی پیدائش پہلے ہوتی ہے۔اور یہ اپنے تعلق رکھنے والی چیزوں سے بلند تر اور لطیف تر ہیں۔جس طرح کچھوا اپنے جسم کے حصوں کو سکوڑ لیتا ہے اور پھر باہر نکال لیتا ہے۔اسی طرح بُدھی اندریوں کو پھیلاتی اور سمیٹتی رہتی ہے۔اپنی خاص شخصیت کا علم جو ایڑی سے لیکر چوٹی تک کو ہے۔اسی بدھی کا کرشمہ ہے۔اور ایسی حالت میں اس کو اہنکار (انانیت) کہتے ہیں اس بدھی کا اندریوں سے بہت بڑا تعلق ہے۔پانچ اندریاں اور چھٹا من۔یہ بُدھی (عقل) کے تابع ہیں۔جب بدھی نہیں رہتی اندریاں کچھ نہیں کر سکتیں۔من کو چھٹی اندری کہتے ہیں اور بدھی ساتویں چیز ہے۔روح ان سب سے علیحدہ ہے۔اندریاں مثلاً آنکھ ناک وغیرہ صرف چیزوں کے عکس و اثرات کو قبول کرتی ہیں۔من سوچتا وچارتا ہے اور بدھی ان پر اپنا یقین قائم کر کے قطعی فیصلہ دیتی ہے۔پورش صرف ساکشی (دیکھنے والا تماشائی) کی حیثیت رکھتا ہے اور سب سے الگ رہ کر سب کے کام کو دیکھتا ہے۔جن چیزوں کا اوپر ذکر ہوا۔وہ ست۔رج اور تم سے پیدا ہوتی ہیں۔یہ تین گن کہلاتے ہیں اور اپنے کام اور اوصاف سے جانے جاتے ہیں۔جب کسی کام میں شامل ہو کر من خوش۔پاک اور شانت رہے سمجھ لو وہ ست ہے۔جن تعلقات میں آکر جسم یا من کی شمولیت رنج سے ہو جان لو وہ رج ہے۔جہاں عقل اور من کچھ تمیز کام نہیں کرتی کاہلی اور سستی رہتی ہے۔وہ تم ہے۔خوشی۔آنند۔شانتی سنتوش یہ ست کے بھاؤ ہیں۔غرور۔جھوٹ۔شہوت۔بدلہ لینے کی

خواہش چاہے جس وجہ سے ہوں رج کے سامان ہیں۔ بدمستی۔ بے پرواہی نیند۔ سستی چاہے کسی سبب سے ہوں تم کے پیدا کئے ہوئے ہیں۔

جن کو مہابھارت نے اس خاص موقعہ پر اختصار کی وجہ سے سات اصولوں پر گھٹا دیا ہے ان کو سانکھ فلسفہ میں سترہ تتوں کا مجموعہ کہا گیا ہے۔ وہ یہ ہیں۔ پانچ گیان اندریاں۔ پانچ کرم اندریاں۔ کان۔ ناک۔ آنکھ۔ چرم اور زبان (ذائقہ) گیان اندریاں ہیں۔ پانچ کرم اندریوں میں زبان (نطق)۔ ہاتھ۔ پاؤں۔ اوپستھی (آلہ تولید)۔ گدا (آلہ اخراج) شامل ہیں پانچ پرانوں میں پران۔ اپان۔ سمان۔ ادوان اور دیان ہیں۔

گیان و کرم اندریوں میں جو باہمی مناسبت و تعلق ہے۔ وہ کم غور کرنے کے قابل نہیں ہے۔ اس لئے ہم اُن کو باہم ملا کر دکھلانے کی کوشش کرینگے۔ یہاں اس بات کا اختصار کے ساتھ بتا دینا ضروری ہے کہ گیان اندریاں تتوں (عناصر) کے ستوگن حصہ سے بنی ہوئی ہیں۔ اور کرم اندریاں اُسی تتو رجوگن کے حصہ سے ہیں۔ مثلاً

کان۔ آکاش کے ستوگن حصہ سے بنا ہے اور زبان (نطق یا کلام) اسی کے رجوگن بھاگ سے ہے۔ اس لئے کان آواز کو سنتا ہے اور آواز کا اظہار کرتی ہے۔

توچا۔ چرم (پوست لمس) ہوا کے ستوگن سے اور ہاتھ ہوا کے رجوگن کے بھاگ سے ہے۔ اس لئے توچا اندریہ اس کو چھو کر (سپرش کر کے) گیان حاصل کر لیتی ہے اور ہاتھ اس کو گرہن (پکڑتا) کرتا ہے۔

آنکھ (قوت باصرہ) آگ کے ستوگن حصہ اور پاؤں اس کے رجوگن حصہ سے بنا ہے۔ آنکھ روپ کو دیکھتی ہے اور پاؤں اُس کے

پاس لیجاتا ہے۔

ذائقہ (زبان) پانی کے ستوگن حصے سے اور اوپستھی (آلہ تولید) اُس کے رجوگن حصے سے بنا ہے۔ زبان رس (لذت) کو لیتی ہے اور آلہ تولید اس کا تیاگ کرتا ہے۔

ناک (قوت شامہ) زمین کے ستوگن اور گدا (مقعد) اُس کے رجوگن حصے سے بنے ہیں۔ ناک خوشبو اور بدبو کو محسوس کرتی ہے اور گدا اُس کایا اُس کے سامان کا اخراج کرتی ہے۔

گیان اور کرم اندریوں کی باہمی مناسبت کا سمجھنا بھی اس عمل تقطیع کا ایک ضروری حصہ ہے۔

پنچ پران جیساکہ اُن کے نام سے ظاہر ہے کل پانچ بھوتوں (عنصروں) کے رجوگن بھاگ سے بنے ہیں۔ انتہ کرن میں کسی کسی نے چیت کو شامل کرکے انتہ کرن چتشٹے کا نام دیا ہے جو تنوں کے ستوگن بھاگ سے بنے ہیں۔ اور اس لئے پانچ پرانوں کو جن کا اوپر ذکر آیا ہے۔ اگر علیحدہ کردیں تو اس تفصیل کے بموجب اس جسم میں چودہ اندریاں ثابت ہوتی ہیں۔ پانچ گیان اندریہ پانچ کرم اندریہ اور چار انتہ کرن۔

یہ چودہ اندریاں اپنے روزانہ دیوہار میں ترپٹی (تثلیث) کی شکل میں قائم ہوکر بیالیس مختلف صورتوں کے مجموعہ کی شکل میں کام کرتی ہیں یعنی چودہ اندریہ - ادھیاتم - اُن کے چودہ دیوتا - ادھ دیو - اور چودہ وشے ادھ بھوت ہوتے ہیں سان کی مفصل صراحت اور جگہ آگئی ہے۔

موٹے طور پر اس تقطیع میں جسم کے بیشتر حصے آجاتے ہیں۔ اب غور کرنیکی بات ہے ، گیان اندریوں میں سے ، کان (وغیرہ) ہم نہیں ہیں۔ بلکہ ان سے

ہم نیارے ہیں۔(کرم اندریوں میں سے) ہاتھ (وغیرہ) جب کسی چیز کو گرہن کرتے ہیں تب بھی اور جب نہیں گرہن کرتے تب بھی ہم جانتے ہیں اس لئے ہم ہاتھ (پاؤں وغیرہ) نہیں ہیں۔اس لئے ان سے نیارے ہیں۔(انتہ کرن میں سے) من جب سنکلپ کرتا ہے تب بھی جب نہیں کرتا تب بھی ہم جانتے ہیں اسلئے ہم من (وغیرہ) نہیں ہیں۔اور اُن سے نیارے ہیں۔بدّھی کی نسبت جو ان سب سترہ تتوں میں سوکشم ہے ہم کہنے کے عادی ہیں۔اب ہماری عقل تھک گئی۔ہم کچھ نہیں کہہ سکتے۔یہ الفاظ یونہی زبان سے نہیں نکلتے۔بلکہ ان میں ایک بھید (رہسیہ) چھپا ہوا ہے۔کوئی ایسی چیز ہے جو سب سے نیاری رہ اپنی علیحدگی کا اعلان کرتی رہتی ہے۔اور وہ چیز ہمارا آتما ہے۔ہماری اصلی ذات ہے ہمارا سروپ ہے۔مہرشی ویاس شکدیو سے فرماتے ہیں:۔

من طرح طرح کے خیالات پیدا کرتا ہے۔چت اس کی چنتن کرتا ہے۔کون خوشگوار اور کون ناخوشگوار ہے۔بدّھی تمیز کرتی ہے کون کیا ہے یہ تین طاقتیں ہیں جو کرم کراتی رہتی ہیں۔اندریوں کے بھوگ اندریوں سے افضل ہیں من ان سے اونچا ہے بدھی من سے بھی اونچی ہے۔اور ان سب سے آتما افضل ہے۔بُدھی بڑے تماشے کی چیز ہے۔ . . . .

ان سب کا سردار وہ جسم کے اندر بیٹھا ہوا نظر نہ آنے والا آتما ہے۔جو سب کو دیکھتا ہے۔اور سب جس کے آشرے ہیں . . . اندریاں من کو چنچل رکھتی ہیں۔اندریوں کو مغلوب کرنا چاہئے۔جب کوئی خاص اندری مغلوب ہو جاتی ہے وہ من میں سما جاتی ہے اور اپنی طاقت بھی ساتھ لیجاتی ہے۔اندریاں اندرونی طاقتوں کو باہر کی طرف بکھیرتی رہتی ہیں۔من کو چاہئے ان اندریوں کا چراغ روشن کرے۔تاکہ جو تاریکی آتما کو نظر نہیں آنے

دیتی ہے۔ دور ہو جائے۔ یہ علم یوگیوں کو حاصل ہوتا ہے۔ من واندریوں کے روکنے سے باہر مکھی ورتی کی جگہ انتر مکھی ورتی کا سادھن کرنے سے یہ طاقت ملتی ہے۔ اس کی عقل روشن ہو جاتی ہے۔ ایسے آدمی کو نہ دکھ ہے نہ سکھ ہے۔ ہر جگہ وچرتا ہوا کسی بندھن میں نہیں آتا۔ راستباز و خوش اخلاق آدمی بھی جس کی اندریاں پاک ہیں آتما کو نہیں دیکھ سکتا۔ پھر ناپاک آدمی کا کیا ذکر کیا جائے۔ آتما کبھی اندریوں کی مدد سے نہیں دیکھا جا سکتا کیونکہ وہ وشے میں گرست رہتی ہیں۔ مگر جب کوئی شخص من کو لگام دے کر یکسو ہو جاتا ہے۔ آتما آپ ہی آپ اپنا پرکاش ظاہر کرتا ہے اور روشن شمع کی طرح ہر طرف اوجالا ہو جاتا ہے۔ تاریکی کے دور ہو جانے سے خود بخود روشنی آتی ہے۔ اندھکار کو علیحدہ ہونے دو پرکاش ہو جائیگا۔ جس طرح پانی میں تیرنے والی مرغابی کے بال دیر نہیں تر ہوتے۔ اسی طرح یوگی بھی ست۔ رج۔ تم کے گنوں سے اپوتر نہیں ہوتا۔ گیانی سنسار کے سکھوں کو بھوگتا ہوا بھی اُن کے دام میں نہیں آتا اور نہ اُن کا عیب (دوش) اُس کو لگتا ہے۔ جو کرم کو کر کے اُس کے پھل کا خواہشمند نہیں ہے۔ وہی آتما کا سکھ بھوگ سکتا ہے۔ اُسی کو اپنے سروپ کا انبھو ہوتا ہے۔ آتما ہی اندریوں کی روح ہے۔ اندریاں اس کو نہیں دیکھ سکتیں۔ آتما سب کو دیکھتا ہے۔ آتما ہی سب کی تمیز کراتا ہے۔ اس لئے وہ اوصاف میں اس سے جداگانہ ہیں"۔

دل کے سب تابع ہیں جسمانی حواس — عقل پر اس دل کی ہے قائم اساس
روح سے ملتی ہے سب کو زندگی — روح ہی کی کرتے ہیں سب بندگی
روح لافانی ہے ان کو ہے فنا — یہ ہیں سب تاریک وہ ہے پُرضیا

ذات کو اپنے سمجھ غافل نہ بن — جہل کی قسمت میں ہے رنج و محن
اور علموں سے تجھے کیا فائدہ — علم اپنا گر نہیں حاصل ذرا
جانِ جملہ علمہا این ست این — کہ بدانی من کیم در یوم دین

۵

چھاندوگیہ اُپنشد کے چھٹے باب میں سویت کیتو کو آتما کی اصلیت سمجھاتے ہوئے رشی نے کئی ایک مثالیں دی ہیں۔ اُن میں سے ایک یہ ہے۔ نیاگرودھ برکش کا ایک پھل لاؤ"۔ شاگرد نے کہا یہ لو حاضر ہے"۔ اُس کو توڑ ڈالو۔ وہ توڑ دیا گیا اس میں کیا نظر آتا ہے؟ بہت چھوٹے چھوٹے بیج" ان میں سے بھی ایک توڑو، یہ یہ بھی توڑ دیا گیا، اب اس کے اندر کیا دکھائی دیتا ہے؟ کچھ نہیں بھگون۔)

تب رشی نے اُس ادھکاری پورش سے کہا "پُتر! جہاں تجھ کو کچھ نہیں نظر آتا۔ اُسی میں اصلی نیاگرودھ کا بیج چھپا ہے۔ جس کو خارجی آنکھ نہیں دیکھ سکتی غور کرو وہ غیر محسوس شے آتما ہے"۔

شاگرد نے کہا "اس کو ذرا اور واضح کیجئے"۔ اور رشی نے فرمایا "اس نمک کو پانی میں ڈال کر حل کر دے اور کل صبح میرے پاس حاضر ہو"۔ اس نے ایسا ہی کیا اور اُس نے اس طرح فرمایا "پُتر! جس نمک کو تو نے پانی میں کل ڈالدیا تھا اس کو نکال لے مگر وہ چونکہ نمک بالکل مل گیا تھا کیسے نکل سکتا۔

"پُتر! اس پانی کے اوپر کے حصہ سے ذرہ چکھ لے۔ اور لڑکے نے ایسا ہی کیا۔ تھوڑی دیر بعد رشی نے دریافت کیا۔ اُس کا ذائقہ کیسا ہے؟ سویت کیتو نے جواب دیا " وہ نمکین ہے" اُس کے بیچ سے چکھ" اُس نے ویسا ہی کیا "کیسا ذائقہ ہے؟ نمکین ہے" اب تو ذرہ نیچے کے حصہ کا ذائقہ لے" اور لڑکے نے تعمیل حکم کیا "کیسا ذائقہ ہے؟ نمکین ہے" اگر ایسا ہے تو پھینک دے اور اپنے

منہ کو دھو ڈال۔ دکھی مت ہو۔ لڑکا اس نے ویسا ہی کیا اور اپنے باپ سے کہنے لگا کہ نمک جو میں نے پانی میں ڈال دیا تھا۔ اس میں ہمیشہ موجود ہے گو میں آنکھ سے نہیں دیکھ سکتا صرف زبان سے چکھ سکتا ہوں۔ تب باپ نے بیٹے سے کہا "بلا کسی شبہ کے یہی حالت آتما کی ہے۔ گو وہ دکھائی نہ دے لیکن کل جسم میں محیط ہے اور وہی تیرا سروپ ہے"۔

جسم آتما سے مختلف ہے یہ کافی طور پر مکرر بیان کر دیا گیا۔ لیکن اس دفعہ بھی ہم اوپر کی دو مثالوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس کے اعادہ کو ضروری سمجھتے ہیں۔ جس طرح نیا گرودھ کا اصلی جوہر اس کے پھل میں چھپا رہتا ہے اسی طرح آتما جسم میں ہے۔ جن غلافوں کا اختصار کے ساتھ ذکر آیا ہے وہ ہمارے آتما پر بھی عجیب طرح سے چڑھے ہوئے ہیں غلاف گو بیشمار ہوں ان سب کی صراحت و تفصیل تکلیف دہ ہے مگر جن کی اگر زیادہ تشریح کی جاتی ہے وہ پانچ ہیں اور ویدانت کے سکھلانے والوں نے انہیں پنچ کوش کی اصطلاح سے موسوم کیا ہے جس طرح ریشم کا کیڑا اتنہ بہ تنہ غلافوں سے ڈھکا رہتا ہے بجنسہ اسی شکل میں آتما پر بھی ان کوشوں کا خول چڑھا ہوا ہے۔ ان کے نام یہ ہیں:۔ (۱) ان مے کوش (۲) پران مے کوش (۳) منو مے کوش (۴) وگیان مے کوش (۵) آنند مے کوش۔

ان مے کوش جلد سے لیکر ہڈیوں تک جس میں گوشت پوست وغیرہ سب شامل ہیں ایک ستھول تتوں کا مجموعہ ہے اس کو ان مے کوش اس وجہ سے کہتے ہیں کہ ماں باپ نے جو ان (غلہ) کھایا تھا۔ اس سے بیرج (منی) بنکر باپ سے خارج ہوتا ہوا ماں کے رحم (بچہ دان) میں ٹھہرتا اور پھر جنم لیکر غذا وغیرہ سے پرورش پاکر نشو و نما پاتا ہے اور آتما کا سب سے کثیف خول بنا یا اور کوٹھی کی طرح تا دم مرگ ساتھ رہتا ہے پھر نابش ہو کر عناصروں میں مل جاتا ہے یہ استھول دیہہ کے ان مے کوش کہلانے کا

سبب ہے، یہ سکھ اور دکھ کے انوبھو روپ بھوگ کا استھان ہے، اس کے بغیر بھوگوں کا انوبھو ہونا محال ہے۔ پران مے کوش میں پنچ کرم اندریوں کے متحرک پنچ پران شامل ہیں۔ پنچ پران کی تفصیل یہ ہے۔ پران۔ اپان۔ سمان۔ اودان۔ ویان۔ پران وایو کے رہنے کی جگہ ہردے ہے اور وہ ۲۴ گھنٹوں میں ۲۱۶۰۰ دفعہ اندر باہر آتا جاتا رہتا ہے۔ اپان وایو کے رہنے کی جگہ گداستھان ہے۔ اس کا کام بول وبراز (پیشاب پاخانہ) خارج کرنے کا ہے۔

سمان وایو ناف میں رہتا ہے اور جس طرح باغبان کنوئیں کے پانی کو نہر کے ذریعہ تمام باغ میں پہنچایا کرتا ہے اُسی طرح یہ ہوا بھی تحلیل شدہ غذا کے رقیق حصہ کو رگ و ریشہ کی راہ سے کل جسم میں پہنچا کر اُن کی تقویت و پرورش کا باعث ہوتا ہے

اودان وایو حلق میں رہتا ہے اور کھائے ہوئے اَن جل کو علیحدہ کرتا ہوا اندر کی طرف کھینچتا ہے اور اس سے طاقت و توانائی آتی ہے۔

ویان وایو سارے جسم میں رہتا ہے اور ارادہ وغیرہ سارے فعل اس کی مدد سے انجام پاتے ہیں۔ یہ پنچ پرانوں کے رہنے کی جگہ اور اُن کی بالترتیب حرکات و فرائض کی تفصیل ہے یہ پنچ پران کل جسم میں رہتے ہوئے اس کو طاقت بخشتے ہیں اور انہیں کی مدد سے سارے حواس قوت پا کر اپنے اپنے کام میں لگے رہتے ہیں ان پرانوں کو آتما سمجھنا غلطی ہے۔ پران چونکہ جسم میں نہایت اہمیت کا درجہ رکھتے ہیں مرتے وقت عام طور پر کہا جاتا ہے فلاں شخص کے پران نکل گئے اور نادان اُن ہی کو آتما سمجھتے ہیں ہم دیکھتے ہیں حالت خواب میں جب ہم سو جاتے ہیں ان پرانوں کا کام جاری رہتا ہے۔ مگر بھلا کیا یہ آئے ہوئے اتیتھی کا ستکار کرتے ہیں یا کسی چور کو مال و اسباب اٹھالے جانے سے روک دیتے ہیں؟ وہ بذات خود جڑ ہیں ان کا چیتن ہے۔ وہ آتما کے سہارے رہتے ہیں آتما ان کو جاننے والا ہے جاننے والا جانی ہوئی یا جانے کے قابل چیز سے ہمیشہ نیارا رہتا ہے۔

منومے کوش میں کرم اندریاں اور ایک من یہ چیزیں شامل ہیں۔ من کرم اندریوں کا راجہ ہے۔ جس طرح کسی کنول کے پھول کے اوپر بھونرا گونجتا رہتا ہے اسی طرح یہ من بھی چنچل ہے جسم کی کل میں یہ خاص قسم کا پُرزہ ہے۔ خودی۔ خود غرضی۔ نفسانیت مال وزر کی خواہش اور ان کا غرور یہ سب اسی من کے کرشمے ہیں انجن کی طرح کام کرتا ہوا یہ سب سے الگ تھلگ رہتا ہے۔ یہ سوکشم یعنی لطیف ہے۔ اس کی رفتار بجلی سے زیادہ تیز ہے۔ کبھی یہ پہاڑ کی چوٹی پر چڑھاتا ہے۔ کبھی سمندر کے عمق میں غوطہ دیتا ہے کبھی راجہ کے اوصاف پیدا کرتا ہے کبھی بھکاری بناتا ہے۔ من کی لیلا وچتر ہے۔

کبھوں من گگنا چڑھے۔ کبھوں گرے پتال ۔ کبھوں من اُمن لگے۔ کبھوں جاوے چال
من کے متے نہ چالیے من کے متے انیک ۔ جو من پر اسوار ہے۔ سو سادھو کوئی ایک
کبیری سیڑھی سانکری۔ منوا چنچل چور ۔ گُن گاوے لین ہوئے کچھ اک من میں اور
من کے بھوتے رنگ ہیں۔ چھن چھن بدلے سوئے ۔ ایک رنگ میں جو رہے۔ ایسا برلا کوئے
پڑھنا گُننا چاتری۔ یہ تو بات سہل ۔ کام دھن من بس کرن۔ یہی بات مشکل

کام کرودھ کے وقت یہ من اس قدر گمراہ کر دیتا ہے کہ آدمی سچائی و دھرم کے راستہ سے گر پڑتا ہے۔ اس من کا جاننے والا ساکشی کوئی اور ہے جو اس کی چال کو نرکھتا رہتا ہے اور اپنے کو علیحدہ پرتیت کرتا ہے من سوکشم شریر ہے ساکشی آتما ہے۔ جو اس سے بالکل نیارا ہے۔

وگیان مے کوش عقل کا خول ہے۔ اس سے علاوہ بدھی کی پانچ گیان اندریاں بھی تعلق رکھتی ہیں۔ بدھی نشچے آتمک کہلاتی ہے۔ یقین کرلینے کی قوت اس کی ہے جسم کا مشین بھی پرماتما کی عجیب صناعی کا نمونہ ہے۔ اندریاں اپنے گیان کو من کے سپرد کر دیتی ہیں۔ من سوچ وچار کر بدھی کے نذر کرتا ہے۔ بدھی اُس پر فیصلہ چڑھاتی اور صحیح سمجھ کر یقین کا درجہ قائم کر دیتی ہے۔ مثلاً ایک درخت کے ٹھونٹھ کو

آنکھ نے دور سے دیکھا۔ من غور کرنے لگا کہ یہ لکڑی ہے یا آدمی ہے اور بدھی نے فیصلہ دیدیا ہے کہ یہ درخت کا ٹھونٹھا ہے یہ حالتیں اس طرح آناً فاناً میں گزر جاتی ہیں کہ جن کے سوچنے سے حیرانگی آتی ہے یہ آپ سمجھ لیجئے۔ ایک مچھر کے ڈنس کا بھی گیان اس وقت تک نہیں ہوتا جب تک بدھی شامل نہیں ہوتی۔ کچھ عجیب وسوسات کی تار برقی لگی ہوئی ہے جو اک دم میں سارے پرزوں میں ہلچل مچا دیتی ہے۔

مگر یہ بدھی آتما نہیں ہے غفلت کی بیماری سے یہ بیکام ہو جاتی ہے استھول جسم کی ضعیفی سے ہم کہتے ہیں کیا کریں اب عقل کام نہیں کرتی اس لئے آتما بدھی سے بالکل نیارا ہے اور یہ چوتھا غلاف جو اس پر چڑھا ہے چیتن نہیں ہے۔ بدھی ترگن آتمک اور جڑ ہے۔

آنندمے کوش محبت۔ خوشی و آرام کی محسوسیت کا ذریعہ ہے۔ سوشپتی کی حالت میں اس کا و شنش انبھو ہوتا ہے۔ مگر یہ عارضی ہے دیرپا نہیں ہے یہ خیالی غلاف کی صورت کا ہے اور کارن شریر کے نام سے موسوم ہے۔ ہم صریحی دیکھتے ہیں کبھی آنند ہے کبھی نہیں ہے۔ اس لئے یہ بھی کبھی آتما نہیں ہو سکتا۔

یہ سب پنچ کوش اس آتما سے نیارے ہیں۔ آتما ان سب میں اوپر کی مثال کے نمک کی طرح محیط ہے۔ اس کے بغیر کوئی کام نہیں ہو سکتا۔ سارے کوش الگ دھرے رہ جاتے ہیں۔ اور جب وہ ان سے نکل کر باہر ہو جاتا ہے سب نکمے بن جاتے ہیں۔

منومے کوش تموگن پران مے کوش رجوگن منومے کوش رجوگن سہت ستوگن اور دگیان مے و آنندمے کوش صرف ستوگن کی اوستھائیں ہیں۔ سانکھیا کہتا ہے۔ آتما تین گنوں سے نیارا ہے اور وہی اپنا نج روپ ہے ✣

اُنیسویں شاکھا

پاپ
پُنیہ
سچائی

روچک بھیانک بات کہنے والوں نے تمام سنسار کو پاپ سے بنا دیا ہر شخص اپنے آپ کو پاپی کہنے لگ گیا۔ آج جدھر دیکھئے۔ سب اپنے آپ کو پاپی سمجھ رہے ہیں۔ اور سنسار دکھ کا ستھان بن گیا ہے جو جیسا سوچتا ہے۔ ویسا ہو جاتا ہے اور انسان نے بغیر سمجھے بوجھے سارے جگت کو پاپ کی جگہ بنا دی۔ خیال بہت بڑی طاقت ہے۔ جا لینے آپ کو رات دن پاپی کہتا رہتا ہے۔ کیسے ممکن ہے کہ وہ پاپی نہ بنا رہے یا پاپی نہ بن جائے۔ دنیا کے اُپدیش دینے والوں نے یہاں تک جرأت سے کام لیا کہ پاپ ہی سے انسان کی پیدائش مان لی۔ ایک شخص کہتا ہے۔ "پاپوہم پاپ آتمانم ...." دوسرا کہتا ہے "الانسان مرکبٌ من الخطا والنسیان"۔ ان کو اتنی سمجھ بھی نہیں آئی کہ جس نے انسان کو پاپ سے پیدا کیا وہ خود کیسے نیک ہو سکتا ہے کیونکہ جو پاپی ہوگا وہی پاپ کریگا۔ اور اسی سے پاپ کا اظہار ہوگا۔ اور وہ پاپ روپ بنا ہوا ہوگا یہ ایشور کی پاکی کے دامن پر بہت برا بدنما دھبا لگتا ہے اس اور اپنی نادانی سے اُس کو پاپی تصور کرتے ہیں۔ کیا ایشور نے سچ مچ پاپ سے جگت

کی رچنا کی ہے؟ یہ کیسا غلط خیال ہے۔ اگر ایشور پاپی نہ ہوتا تو سنسار میں پاپ کی اُتپتی کیسے ہوتی۔ ہم تم جو کام کرتے ہیں دل سے چاہتے رہتے ہیں کہ ہمارا کام نقص و عیب سے پاک رہے۔ پھر کیسے ہم من مان لیں کہ ایشور نے ہم کو پاپی بنا دیا اور اُس کے کام میں پاپ ہے۔ پاپ کا خیال ہماری دانست میں بالکل بیجا و نامناسب خیال ہے۔ کیونکہ جہاں دل میں ایک مرتبہ یہ خیال پیدا ہُوا۔ پھر اُس کا سلسلہ بڑھنے لگتا ہے۔ دنیا میں جس طرح گیان پھیلتا ہے اسی طرح اگیان بھی ہاتھ پاؤں پھیلاتا ہے۔ پاپ سوچو پاپ کرو گے خودبخود تمہارے ہاتھ زبان اور من سے پاپ ہونے لگیں گے۔ پُن سوچو گے پُن کرو گے۔ آپ ہی آپ پُن کے کام تمہارے ہاتھ۔ زبان اور من سے ہونے لگینگے۔ جہاں آگ جلائی جائیگی آگ کے شعلوں کا بھڑکنا لازمی ہے۔ جہاں جس جگہ جس سرچشمہ میں پانی بھرا جائیگا۔ وہاں سے پانی کے فوائد کا جاری ہونا قدرتی نتیجہ ہوگا۔ جہاں ہوا بھری جائیگی۔ آندھی اور طوفان کے جھونکے آئینگے۔ جہاں مٹی ہوگی وہاں گرد و غبار آنکھوں میں بھرینگے۔ اسی طرح جب کبھی انسان اپنی غلطی سے یہ سوچنے لگتا ہے کہ مجھ میں پاپ ہے وہاں پاپ کا رہنا ضروری ہوگا۔ یہ کیسی غلط تعلیم ہے؟

آخر پاپ کیا ہے۔ کچھ اُس کی اصلیت بھی ہے یا یونہی انسان نے جھوٹ موٹ پاپ کے تصور کو اپنے دل میں جگہ دے رکھی ہے؟

بات کچھ نہ تھی اور لوگوں نے کچھ کا کچھ سمجھ لیا۔ ایک مرتبہ اوپر چڑھتے ہوئے اگر پاؤں کو لغزش ہوئی تو ہمیشہ وہاں کئی بار نیچے گر جانے کا خوف رہتا ہے چہ جائیکہ آج ہزاروں برس سے پاپ کے خیال کو تقویت ملتی آ رہی ہے کیسے ممکن تھا کہ پاپ فرضی بھوت بنکر لوگوں کو نہ ستاتا۔ اور وہ اصلیت سے محروم نہ ہو جاتے۔ اسی پاپ کے خیال کے سلسلہ میں ہزاروں کتابیں لکھی گئیں۔ سینکڑوں

طریقے کفارہ اور پرائشچت کے جاری کئے گئے۔ کئی نئے فرقے جاری ہوئے مگر
افسوس! ان سب کتابوں نے ان سب پرائشچت کے طریقوں نے اور ان
سب فرقوں نے پاپ کے کم کرنے کے عوض اُس کو روز بروز بڑھانے کا اہتمام
کیا۔ اس کے سلسلہ میں لوک پرلوک کے متعلق سینکڑوں فرضی فسانے گڑھے
گئے۔ حور و غلمان کے وعدے کئے گئے۔ نرک کی سزائیں اور دوزخ کی
دہکتی ہوئی آگ کا خوف دلایا گیا۔ تاکہ پاپ کی طرف سے لوگ منہ موڑ لیں۔ مگر چونکہ
طریقے غلط تھے اُن کا نتیجہ مایوسی ہوا۔ اور وہ خود پاپ کی ترقی کے مددگار بن
گئے۔ غلط تعلیم سے بندگان خدا کے سر گاجر و مولی کی طرح کاٹ دئے۔ مسجد مندر
لاکھوں کی تعداد میں مسمار و منہدم ہوئے۔ تعصب کی گھنگھور گھٹائیں امنڈ
آئیں اور سب چہار طرف جہالت دنیا میں پھیل گئی۔ آنکھوں کو کھولو۔ اور دیکھو
یہ صحیح ہے یا غلط ہے۔

پاپ کیا ہے؟ عُلماء کی رائے میں کسی کو دُکھ دینا پاپ ہے۔ خاص خاص
مذہب والوں نے احکام کے بموجب اُن کی شریعت کے بنائے ہوئے قاعدوں پر نہ چلنا
پاپ ہے۔ دو چار مذہبی پیشواؤں نے [illegible] چاہتے ہیں ہم عقائد پیرو کاروں کے
سوا دوسروں کو پاپی سمجھتے ہیں۔ [illegible] بات کی شاید خبر نہیں ہے کہ دنیا
کے اختلافات کے مطابق [illegible] انسان کبھی مذہبی معاملات
میں متفق نہیں [illegible] ایک سے نہیں ہو سکتے۔ ہزار کوشش کی
جاوے ممکن نہیں ہے کہ سب کے خیالات سب کے جذبات اور سب کے محسوسات
ایک ہو سکیں۔ ان کا یہ کہنا کہ جو ہمارے نبی یا رسول پر ایمان نہیں لاتا وہ بے دین
ہے۔ ایک نفرت ہے۔ کیسے ہو سکتا ہے کہ زندگی [illegible] سرشتی میں رہ کر سب
ایک سے ہو سکیں۔ جب تک سرشتی ہے تب تک نہ کبھی ایسا ہوا نہ ہوگا اور نہ

ہونا ہے اُن کی مایوسی۔ اُن کی ناکامیابی اور اپنی کوششوں میں شکست اُن کے خیال کی بطلان و تردید کا بدیہی ثبوت ہے اور اس لئے ہم کو خواہ کسی اور اہل الرائے کو ضرورت نہیں ہے کہ اُن کی غلطی و بیہودگی پر مطوّل بحث کریں۔

یہ پاپ ہے۔ ان میں بُدھ دھرم۔ جین دھرم اور ویدک دھرم نے پاپ کی اصطلاح کے انکشاف میں بہت اچھی وضاحت کر دی ہے۔ یہ تینوں بلا استثنا "اہنسا پرمو دھرمؔ" کے مبارک و زرّین اصول کا اعلان کرتے ہوئے صاف لفظوں میں بتاتے ہیں کہ ہنسا کا کرنا ہی پاپ ہے جو شخص کسی کے دل کو دکھاتا ہے کسی کے جسم کو تکلیف دیتا ہے۔ کسی کی عزت و نیکنامی کو برباد کرتا ہے کسی کے مال و دولت و جائداد کو چھین لیتا ہے وہ ہنسا کرتا ہے۔ کنفیوشس حکیم کا قول ہے "ہر چہ بر خود نہ پسندی بر دیگراں مپسند" اس کو وہ اپنے آئین کا طلائی اصول قائم کرتا ہے۔ صوفی دل دکھانے کو پاپ سمجھتے ہیں ؎

دل بدست آور کہ حجِ اکبر است — از ہزاراں کعبہ یکدل بہتر است
دل گزرگاہِ جلیلِ اکبر است — کعبہ بُتگاہِ خلیلِ آزر است

اُن کی تعلیم ہے "دل میازار ہر چہ خواہی کُن"۔ اور کاش اگر اس اصول کا تتبع کیا جاتا تو آج دنیا میں جتنی خرابیاں واقع ہو رہی ہیں اُن کا کہیں نام و نشان بھی نہ رہتا۔ نہ لوگ مذہب و خدا کے نام پر جھگڑتے نہ اختلاف عقائد کی وجہ سے خونریزیاں ہوتیں۔ نہ کوئی کسی کے ملک و مال پر حملہ کرتا۔ نہ انسان میں حیوانی جذبات کے تماشے دیکھنے میں آتے۔ دنیا کی صورت دوسری طرح پر ہوتی۔ مگر اس کے عامل کون ہیں؟ جواب ملیگا کوئی بھی نہیں۔ اور یہ سبب ہے، کہ آئے دن مصیبت [illegible] تکلیف اور آفت کی بارش ہوتی رہتی ہے۔ انسان قحط

وبلاؤں کے آماجگاہ بنے ہوئے ہیں۔کسی کو شانتی نہیں۔کسی کو سکھ نہیں کسی کو چین و آرام نہیں۔کیونکہ ہر جگہ ہنسا کا پرچار ہے۔اور ہنسا ہی پاپ ہے۔

ہنسا کے پاپ ہونے میں کوئی شک نہیں۔تمام پاپوں کی جڑ ہنسا ہے یہ رائے قریب قریب دنیا کے اُن تمام مذہبوں کی ہے جو اپنے آپ کو آریہ دھرم کہتے ہیں۔بدھ دھرم آریہ دھرم ہے۔بدھ نے اپنے طریق کو کبھی بدھ مارگ نہیں کہا ہمیشہ آریہ دھرم کے نام سے ہی موسوم کیا ہے۔ویدک دھرم آریہ دھرم ہے۔اُس کے لئے دوسرا نام دینا ظلم کرنا ہے۔اور اُس کے سلسلہ میں جتنے ست متانتر۔سمپرذا اور پنتھ دکھائی دیتے ہیں۔سب آریہ دھرم ہیں۔ اسی طرح جین دھرم بھی آریہ دھرم ہے۔آہنسا کے معاملہ میں ان سب کا اتفاق ہے۔یہ سب بلا استثنا "اہنسا کو پرم دھرم۔ست دھرم۔اور مکھیہ دھرم بتاتے ہیں۔باقی تمام باتوں کو گون دھرم قرار دیتے ہیں جو سچا اہنسک ہو وہ مہایوگی کہلاتا ہے۔کیونکہ اُس میں ہر قسم کی سدھی شکتی آسکتی ہے جو آہنسک ہو وہ مہایوگی ہوتا ہے۔کیونکہ وہ سارد ستوکو سمجھتا ہے۔سب میں آتما دیکھتا ہے۔جو آہنسک ہے وہ مہا بھگت ہے۔کیونکہ وہ سب کو ایشور کا پُتر سمجھتا ہے ان میں سے کوئی بھی پاپی نہیں ہوسکتا۔کیونکہ جو آہنسک بن گیا اُس میں پاپ کا لیش ماتر نام بھی نہیں رہ جاتا۔اور وہ بہ آسانی اپنی زندگی کے مقصد کو پاکر مکت گیتی کو پراپت کر لیتا ہے۔

یہ سچ ہے۔لیکن اگر کوئی شخص ہم سے پوچھے۔کہ تم بطور خود کس کو پاپ سمجھتے ہو تو ہمارا صاف۔سادہ اور مختصر جواب یہ ہوگا کہ ہم پریم کے ابھاؤ کو پاپ سمجھتے ہیں۔ایشور پریم روپ ہے۔ہم خود پریم روپ ہیں۔یہ جگت پریم روپ ہے۔جب تک ہم اپنے روپ میں قائم ہیں۔ہم بھول کر بھی پاپ

نہیں کر سکتے۔ اور نہ ہم سے کبھی پاپ کا ارتکاب ہو سکتا ہے۔
سوال کیا جائیگا۔ یہ پاپ کہاں سے آیا؟ اور کیسے پیدا ہوا؟ اس کا جواب اگر صاف صاف دیا جائے تو یہ ہوگا کہ اس کی پیدائش اگیان سے ہے۔

سرشٹی کا کاروبار انادی اور اننت کال سے جاری ہے۔ جب زندگی بتدریج ترقی کرتے ہوئے انسان کی صورت میں نشوونما پاتی ہے۔ تو اس مرحلہ میں آکر جب انسان میں خودی۔ خود بینی اور خود غرضی سما جاتی ہے وہ اپنی شخصیت کو علیحدہ سے قائم کر لیتا ہے۔ "میرا تیرا اپنا" کا دور آجاتا ہے اور وہ اصلیت سے پریم سے اور سچائی سے دور ہوکر پاپ کرم کرنے لگتا ہے کاش اگر وہ اس جگت میں اپنی اصلیت کو سمجھتا ہوا کام کرتا جاتا اور مسلسل زنجیر کی کڑیوں کی طرح پڑے زنجیر سے ملا ہوا بلا اظہار خود غرضی بلا خواہش خود بینی اور بلا احساس خودی اپنی جگہ پڑا رہتا تو یہ دکھدائی نظارے نظر نہ آتے۔ وہ برعکس اس کے اپنے آپ کو اوروں سے جدا سمجھتا ہے یہ نہیں جانتا کہ یہ سب اپنے ہی آتما ہیں۔ اور وہ تنگ سوارتھ کے خیال میں انرتھ کر بیٹھتا ہے اور اپنے لئے بندھن اور دکھ کی پھانسی بنا لیتا ہے اور پاپی ہو جاتا ہے۔ اس میں پریم نہیں رہتا۔ اس کو اوروں کا خیال نہیں رہتا۔ ہر وقت اپنی ہی فکر رہتی ہے۔ اور نتیجہ رنج و درد ہوتا ہے ۔

بنی آدم اعضای یکدیگرند   که در آفرینش ز یک جوہرند
چو عضوے بدرد آورد روزگار   نماند دگر عضوہا را قرار
تو کز محنت دیگراں بے غمی   نشاید کہ نامت نہند آدمی

یہ پاپ ہے۔ یہ پاپ کی کہانی ہے۔ یہ پاپ کی پیدائش کا بھید ہے۔

اس طرح پاپ پیدا ہو کر سنسار کے رہنے والوں کو دکھی کرتا ہے۔ جہاں انسان میں اپنی فردیت کا خیال پیدا ہؤا۔ وہ خیال پہلے اگیان و جہالت سے ہی ہو مگر وہ اپنا سلسلہ جاری کرتا ہے اور تمام دنیا میں پھیل جاتا ہے اگر تم کسی تالاب یا جھیل میں چھوٹا کنکر یا پتھر کا ٹکڑا ڈال دو تم دیکھو گے کہ اُس سے دائرہ کی صورت میں لہریں پیدا ہوتی ہیں۔ اور وہ بڑھتی جاتی ہیں۔ یہاں تک کہ جب تک وہ کناروں کو چھو نہیں لیتیں۔ تب تک چین نہیں لیتیں۔ اسی طرح انسان کے خیال کے تموج کا حال ہے۔ ایک مرتبہ اس خودی کو دل پر غلبہ پالنے دو۔ پھر دیکھو کس طرح نفرت۔ کراہت اور خود غرضی کا جال تمہارے ارد گرد تن جاتا ہے۔ تم خود دکھی ہوتے ہو۔ دوسروں کو دکھی کرتے ہو۔ کیونکہ تم اپنی دنیا آپ بناتے رہتے ہو اور جیسے تم ہو ویسی ہی تمہاری دنیا ہوتی ہے۔ اور جیوں جیوں تم پریم سے دور ہوتے جاؤ گے اُسی طرح روز بروز دکھی ہوتے جاؤ گے اور تم کو سکھ نہ ملیگا۔

اس پریم کا ابھاؤ پاپ ہے۔ یہ پریم ہمیشہ کے لئے تم سے جدا نہیں ہوتا۔ کیونکہ تمہارا روپ ہی پریم ہے۔ صرف اگیان کی وجہ سے تم اپنے پرائے میں فرق سمجھنے لگتے ہو۔ جو انسان اپنی شخصیت اور فردیت کو اس طرح تنگ۔ محدود اور تاریک بنا لیتا ہے وہ پریم کے دور کرنے کا سامان پیدا کرتا ہے۔ اسی کو ہم گرا ہؤا انسان کہتے ہیں۔ یہی انسان پاپی ہے اسی لئے پرایشچت اور کفارہ کی تعلیم دی گئی۔ انسان کو کہا جاتا ہے۔ ایشور کی بھگتی کرو۔ مالک کا نام لو۔ یہ کیوں کیا جائے؟ کیونکہ ایشور پریم ہے۔ بھگتی پریم ہے۔ مالک کا نام پریم ہے۔ جہاں اس پرایشچت سے اگیان کا پردہ ہٹا پھر وہ پریم کے زیر اثر آکر اپنے روپ کو دیکھ لیگا۔ اور

پھر مُکت ہو جائیگا۔ سارے بحث مباحثے ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائینگے کسی سے کہنے سننے کی ضرورت باقی نہ رہیگی اور شخصیت۔ فردیت اور انانیت کو کھو کروہ پھر سب میں اپنے آپ کو اور اپنے آپ میں سب کو دیکھنے لگیگا۔ جب وہ اپنا اور سب کا آتما بن گیا۔ تو پھر وہ کس کو دکھ دیگا۔ کون اُس سے دکھی ہوگا۔ کس طرح دکھ کا اُس کی ذات سے امکان ہوگا۔ کوئی اپنے آپ کو دکھ نہیں دے گا۔ وہ سچا اہنسک بن جائیگا۔ اور اُس کو یوگیوں۔ گیانیوں اور بھگتوں کا پریم پد مل رہیگا۔

اگر پاپ کو اس طرح سمجھا کر انسان کو پُنیہ آتما ہونے کی تعلیم دی جاتی تو اس قدر نقصان نہ ہوتا۔ یہ تو نہیں کیا جاتا۔ ہر وقت پاپ کا وظیفہ پڑھایا جاتا ہے۔ پاپ کے خیال کو تقویت دی جاتی ہے۔ جو شخص تندرست آدمی کے دل میں بیماری کا خیال پیدا کرتا ہے وہ پاپی ہے۔ بیماری کے خیال کو پاس نہ آنے دو۔ تم تندرست رہوگے۔ جو شخص بیفکر آدمی کو خواہ مخواہ فکرمند بناتا ہے وہ پاپی ہے۔ فکر کے خیال کو پاس نہ آنے دو۔ تم بیفکر رہوگے۔ جو شخص کسی کو پاپ کی یاددہانی کرتا ہے وہ پاپی ہے۔ پاپ کے خیال کو پاس نہ آنے دو۔ تم پُنیہ آتما بنے رہوگے۔

شخصیت کا خیال ہی پاپ ہے۔ شخصیت کے خیال کا نہ رہنا ہی پُنیہ ہے۔ کیونکہ اسی خیال کے پردہ میں پریم کا ابھاؤ چھپا رہتا ہے۔

پاپ کے دور کرنے کا بہترین عمل بہترین شغل اور بہترین کفارہ یہ ہے کہ انسان خیال کیا کرے کہ "میں آتما ہوں اور میں پُنیہ آتما ہوں"۔ اس طرح خیال کرنے سے اُس میں انسانیت کی خوبیاں پیدا ہو جائینگی اور وہ بدی پر غالب آکر نیک بن جائیگا۔

مگر اتنا یاد رکھنا چاہئیے۔ جہاں نیکی کا خیال ہے وہاں ہی بدی کا بھی خیال رہتا ہے۔ جہاں روشنی ہے وہاں ہی سایہ کا بھی احتمال ہُوا کرتا ہے جہاں ایمانداری پر زور دیا جاتا ہے۔ وہاں ہی بے ایمانی کا بھی گھر رہتا ہے۔ جہاں دھرم کے ویاکھیان زور وشور سے سنائے جاتے ہیں۔ وہاں ہی ادھرم کی بھی گنجائش ہے۔ یہ سرشٹی دوندگی ہے ست میں است۔ اور است میں ست ہے۔ زندگی میں موت اور موت میں زندگی ہے امرت میں وِش اور وش میں امرت ہے۔ سکھ میں دکھ اور دکھ میں سکھ ہے۔

جو شخص اس تصور سے سچ بولتا ہے کہ سچ جھوٹ سے بہتر ہے تو سمجھ لو وہ آدھا جھوٹا ہے۔ جو شخص اس وجہ سے ایماندار ہے کہ ایمانداری اچھی چیز ہے۔ وہ آدھا بے ایمان ہے۔ جو شخص اس سبب سے دھرم کا دامن پکڑتا ہے کہ دھرم کوئی قابل اختیار شے ہے وہ آدھا ادھرمی ہے۔ کیونکہ اُس کے قول وفعل اُس کے دل ودماغ اور اُس کے کرم دھرم میں۔ پھر بھی بدی وپاپ کا سنسکار دبا پڑا رہتا ہے۔ اور کبھی نہ کبھی موقع پاکر اُبھر کھڑا ہوگا۔ اور اُس کو پاپی بنا دیگا۔

نیکی اچھی ہے بُرائی بُری ہے۔ یہ سچ ہے۔ مگر تم اپنے آپ کو اس طرح بنالو کہ ان میں سے کسی کو تم پر اپنا اثر ڈالنے کا موقع نہ ملے۔ پاپ کے خیال کو پُنیہ کے خیال سے دور کرو۔ ادھرم کے خیال کو دھرم کے خیال سے دور کرو بے ایمانی کے خیال کو ایمانداری کے خیال سے دور کرو۔ پھر پاپ۔ پُنیہ۔ دھرم ادھرم۔ ایمانداری اور بے ایمانی۔ ان سب کو بھی دل سے علیحدہ کر رکھو جس طرح پاؤں میں چُبھے ہوئے ٹوٹے کانٹے کو دوسرے اچھے کانٹے سے نکال کر دونو کو پرے پھینک دیتے ہیں۔ ویسے ہی تم بھی ان کے ساتھ سلوک کرو۔ کیونکہ ان دونو

ہیں سے کوئی بھی آتما کی وصف نہیں ہے پاپ نرک کو لے جاتا ہے - پُنیہ سورگ کو پہنچاتا ہے - جب پاپ پُن کے پھل بھوگ لئے جاتے ہیں - پھر آواگون کے چکر میں آنا پڑتا ہے - وہ دونو ہی جم کی پھانسی ہیں - فرق صرف اتنا ہے ایک سونے کی زنجیر ہے دوسری لوہے کی زنجیر ہے -

جس وقت تم نے پُنیہ کے خیال سے پاپ کے خیال کو دور کر لیا - ساتھ ہی پاپ و پُن دونو کے خیال کو پرے ہٹا دو - ایسا نہ ہو کہ کھڑکھڑاتی ہوئی زنجیر پھر گلے کا ہار بنے - اور اپنے اصلی روپ میں قائم ہونے کا عمل کرو - جو سکھ - دکھ - پُنیہ پاپ - دھرم - ادھرم - سب سے نیارا ہے - یہ کبھی نہ سمجھو کہ پُنیہ کے خیال کے پرے ہٹا دینے سے تمہارا نقصان ہو گا - نہیں - آتما کو اس سے بھی غرض نہیں رہتی - انہیں دونو کے ہٹ جانے سے خودی - خود غرضی اور خود پسندی فردیت اور شخصیت - ذاتی اغراض و مقاصد کی جڑ ہمیشہ کے لئے کٹ جاتی ہے اور آتما اپنی نرالی شان سے چمکتا ہوا نظر آتا ہے - اُس کے تمام کام نشکام ہوتے ہیں نہ کسی سے غرض نہ کسی سے واسطہ - نہ پھل کی خواہش نہ کرم سے نفرت - جب خواہش ہی نہیں تب کرم اُس کو باندھ کیسے سکیگا - نشکام کرم کرتا ہوا غرض سے واسطہ نہ رکھتا ہوا وہ جیون مُکت ہو جاتا ہے - بلکہ حقیقت یہ ہے کہ موکش اور بندھن اس کے لئے بےمعنی لفظ ہو جاتے ہیں - موکش کی خواہش وہ کرے جو بندھن میں ہو - یہاں تو بندھن کا نام تک بھی نہیں رہتا - اُس سے کسی کی بُرائی تو ہو ہی نہیں سکتی وہ بھلائی کرتا ہے مگر یہ خیال کہ میں کسی کی بھلائی کرتا ہوں - اُس کے دل میں بھی نہیں آتا اس کی زندگی قدرتی زندگی ہو جاتی ہے -

اس طرح جو شخص سنسار میں رہ کر کرم کرتا ہے اُس کو کرم کا پھل نہیں لگتا

نہ وہ ان کا کرتا مانا جاتا ہے۔ جس طرح پانی کے درمیان کنول کا پھول رہتا ہے۔ پانی اُس کو تر نہیں کرتا۔ اسی طرح اس کی حالت ہو جاتی ہے۔ جس طرح پانی میں غوطہ کھانے والے مُرغابی کے پر و بال نم نہیں ہوتے۔ ویسے ہی اپنے آتم روپ میں ستھت منشیہ کو سنسار دکھی نہیں کرتا۔

جیسے جل میں کنول نرالم - مُرغابی نشانئے
سُرت شبد بھو ساگر ترئیے - نانک نام بکھانئے

ایسے شخص کی زندگی پریم کی زندگی ہوتی ہے۔ وہ کسی کو اپنے سے علیحدہ نہیں سمجھتا۔ تمام جگت اس کا ہے۔ وہ تمام جگت کا ہے۔ اس کو نہ پاپ لگتا ہے۔ نہ پنیہ لگتا ہے۔ کیونکہ اُس میں فردیت اور شخصیت کی مکروہ محدودیت نہیں ہے۔ وہ بندھن میں آ کر نربندھ رہتا ہے اور نربندھن رہ کر بندھن والا دکھائی دیتا ہے۔ مگر اُس کو بندھن اور نربندھن سے اصل میں کوئی غرض نہیں رہتی۔ کیونکہ اُس نے پاپ - پنیہ کی حقیقت کو سمجھ لیا۔ یہ اُس کی ذات پر اثر انداز نہیں ہوتے۔ بلکہ اُس کا اپنا اثر سب پر پڑتا ہے۔

کبیر نربندھن بندھ رہا - بندھ نربندھن ہے
کرم کرے کرتا نہیں - داس کہاوے لوے

یہ پاپ کی اصلیت کا سبق ہے۔ یہ پُنیہ کی حیثیت و اہمیت کا مختصر مضمون ہے۔ یہ سچائی ہے۔ تم اس کو ذہن نشین کرو اور اپنے آتما کے روپ کو پہچان کر پاپ - پنیہ دو توں سے ہٹ کر سچائی میں قائم ہو جاؤ+

بیسویں شاکھا

پاپ
پُنیہ (مسلسل)
سچائی

پاپ بُرا ہے۔ پُنیہ اچھا ہے۔ لیکن اگر ہم سے پوچھا جائے تو ہم کہینگے کہ پاپ کا بیج پُنیہ میں چھپا رہتا ہے۔ اس لئے انسان کو بہت سمجھ بوجھ سے کام لے کر پُنیہ کرنا اور پنیہ آتما بننے کی خواہش کرنی چاہئے۔ من بچن کرم سے کسی کو نقصان پہنچانا پاپ ہے۔ کیونکہ نقصان پہنچانے کے ارادہ اور کام سے انسان روز بروز آتم ادستھا اور ایشور کے سمیپ ورتی ہونے سے گرتا جاتا ہے۔ من بچن کرم سے کسی کا بھلا کرنا پُنیہ ہے اس پُنیہ کے پرتاپ سے انسان آتم ادستھا کے قریب پہنچتا ہے اور ایشور کا سمیپ ورتی ہوتا ہے۔

پاپ کی سمجھ تو ہمارے پڑھنے والوں کو آگئی ہوگی۔ اب پنیہ کا بابت کچھ تھوڑا سا لکھنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔

انسان پانچ طرح کے بتائے گئے ہیں۔ ایک وہ جو بدی کے عوض بدی کرتے ہیں۔ اور جو نیکی کے بدلے نیکی کرتے ہیں۔ دوسرے وہ جو بدی کے بدلے بھی نیکی کرتے ہیں۔ اور بھول کر بھی کسی کے ساتھ بدی سے پیش نہیں

آتے۔ تیسرے وہ جو یوں ہی سبھاؤ سے نیکی کیا کرتے ہیں۔ اور اُن کو اپنی نیکی کا خیال بھی دل میں نہیں آتا۔ چوتھے وہ جو نیکی کے عوض بدی کرتے ہیں پانچویں وہ جو یوں ہی سو بھاؤ سے ہی بدی کیا کرتے ہیں۔

جو نیکی کے عوض بدی کرتے ہیں۔ وہ شیطان ہیں۔ کیونکہ بدی کرنا ایک طرح ان کی فطرت میں داخل ہو گیا ہے اُن کے دل پر حد درجہ کا سیاہ پردہ پڑا رہتا ہے اور یہ روحانیت کے بالکل ناقابل ہوتے ہیں جو یوں ہی سو بھاؤ سے بدی کرتے اور لوگوں کو بلا وجہ نقصان پہنچاتے رہتے ہیں اُن کے لئے انسان کی لغت میں اب تک کوئی لفظ وضع نہیں ہوا۔

نیکی کے عوض نیکی اور بدی کے عوض بدی کرنا عام آدمیوں کا فعل ہے۔ جو بدی کے بدلے نیکی کرتے ہیں وہ فرشتے اور دیوتا ہیں۔ یہ سمجھتے ہیں کہ نیکی کرنا اچھا ہے اور اسلئے دوسروں کی بدسلوکی کو نظر انداز کر کے محض نیکی کے خیال سے اور نیک جزا کی خواہش سے نیکی کرتے ہیں۔ مگر جو یوں ہی بلا کسی معاوضہ کے خیال سے نیکی کرتے ہیں اور اُن کو اس نیکی کرنے کا ذرہ بھی غرور و ناز نہیں ہوتا۔ وہ انسانوں میں برگزیدہ گروہ ہیں۔ اور روحانی معراج کی تکمیل کے قابل ہیں۔ یہ سنت کہلاتے ہیں۔

جو نیکی کو نیکی سمجھ کر کرتا ہے۔ اُس میں کچھ تھوڑا سا پاپ چھپا رہتا ہے بعض شہرت و نمود چاہتے ہیں۔ بعض لوگ اچھا بننے اور اچھا کہلانے کے آرزو مند ہوتے ہیں۔ یہ اچھا ہے۔ ان کے جذبات کا رخ اوپر کی طرف ہو جاتا ہے۔ مگر ان کو اپنی نیکی کا معاوضہ کیا ملتا ہے؟ وہی جس کی خواہش تھی۔ شہرت و نیک نامی۔ لیکن یہ پاپ کے درجہ سے بہت اونچے نہیں ہیں کیونکہ ابھی ذرہ ان کی نیکنامی میں فرق آئے دو وہ اپنے آپے سے باہر ہو جائینگے

اور سفلی جذبات کے دام میں پھنس جائینگے - کیونکہ جو چیز ان سے نیکی کراتی ہے وہ ان کی اپنی ذاتی بھلائی - ذاتی نمود - اور ذاتی شہرت ہے - اور خودی وخود بینی ہی تمام جھگڑوں کی ماں ہے - اس وجہ سے جن کو ذرا بھی عقل سلیم ہے وہ اپنی نیکی کے سلسلہ میں خودی وخود بینی کو ذرہ بھی شمولیت کا رتبہ نہیں دیتے - اور اُس کمزور جذبہ پر غالب آکر یونہی بلا کسی مزدوری و معاوضہ کے خیال کے نیکی کرتے ہیں - ان کی نیکی میں پاپ کا بیج نہیں ہوتا کیونکہ پاپ کا بیج خودی اور خود پسندی ہے - ہر جگہ شبد شاستروں میں نشکام یعنی بیغرضانہ نیکی کی عظمت بیان کی گئی ہے - یہانتک کہ ایشور کی بندگی و بھجن کے سلسلہ میں بھی بیغرض رہنے کی ہدایت ہے -

جو نیکی کا معاوضہ چاہتا ہے اُس کو معاوضہ ملتا ہے - کیونکہ قدرت میں ہر کام کی سزا وجزا مقرر ہے - لیکن جو معاوضہ کی خواہش سے آزاد ہیں اُن کو جو معاوضہ ملتا ہے - اُن کی بہت بڑی قیمت ہے - وہ اُس کو بھی نہیں چاہتے - مگر اس کا یہ اثر ہوتا ہے کہ اُن کا دل خود بخود پاک اور پوتر بن جاتا ہے اور اُس پر آتما کا عکس پڑنے لگتا ہے - اور بہت آسانی سے وہ اُتم پد کا ادھکاری ہوتا جاتا ہے -

اس طرح کا نیکی کرنے والا اگر بہت بڑا پاپی بھی رہا ہو - تو اُس کا پاپ دور ہو جاتا ہے اور وہ ایشور کا بھگت بن جاتا ہے اور آتما کے سنمکھ آجاتا ہے - ؎

نام جو رتی ایک ہے - پاپ جو رتی ہزار
آدھ رتی گھٹ سنچرے - جار کرے سب چھار

اس طرح نیکی کرنا ہی ستنام ہے - کیونکہ جب تک مالک کا اصلی نام

دروجانی معراج نگاہ کے سامنے نہیں رہیگی - ممکن نہیں کہ انسان اس قسم کے پاک جذبہ والا بن سکے۔

اس طرح کی خوبیوں کا اپنی ذات میں پیدا کرنا ست نام کا ابھیاس کرنا ہے - خوبیوں کے پیدا کرنے سے یہ مراد نہیں ہے کہ اُن کو کہیں اور جگہ سے سیکھنا ہے وہ سب اپنے ہی من میں ہیں - صرف ذرا سا خودی وخود بینی کے پردے کو ہٹا دینا ہے اور اس پردے کے دور ہو جانے سے آتما اپنی شان کے ساتھ چمکتا ہوا نظر آویگا۔

پاپ سے تو بچنا ہی اچھا ہے - دل کو مجبور کرو کہ وہ من - کرم - بچن سے کسی کو نقصان نہ پہنچائے - اس کو سوچ لو کسی کے نقصان ہو جانے سے تم کو کیا مل جائیگا - اگر کسی کے غریب ہونے سے تم دولتمند ہوتے تو کہنے کی گنجائش تھی مگر ہاتھ کچھ نہیں آتا - یونہی بغض للّٰہی کی وجہ سے دکھی رہتے ہو - اگر کوئی شخص سکھی ہے اور اُس کی حالت اچھی ہے تو تم اُس کے ساتھ حسد سے کبھی پیش نہ آؤ - بلکہ اگر اپنی حالت کا سدھار منظور ہے - تو اس کی محنت مشقت اور توجہ کی یکسوئی کی مثال سے فائدہ اٹھا کر کام کاج میں مصروف ہو جاؤ تمہاری حالت اچھی ہو جائیگی - یہ اچھا ہے یا خواہ مخواہ اُس کو نقصان پہنچانا اچھا ہے اُس کا تو غیر کے نقصان سے پہلے اپنا نقصان ہو لیتا ہے - کیونکہ جب تک انسان کا دل پاپ کا بھنڈار نہ بن لے تب تک اُس سے پاپ کبھی نہ ہو سکیگا - دوسروں کے نقصان پہنچانے سے پہلے وہ اپنے دل کو ناپاک - پاپی اور کینہ ور بنا لیتا ہے تب اوروں کی برائی اس سے ہوتی ہے - اس لئے تم کو ہمیشہ پاک خیال تک سے بچنا چاہئے اور من کو بار بار شدھ کرتے رہنا چاہئے - تاکہ وہ پاپ

کی طرف نہ جانے یا دے۔

پاپ کے خیال سے بچنے کی ایک تدبیر اور ہے۔ ہر وقت سوچتے و وچارتے رہنا۔ اس سوچ و وچار میں ابھیاس اور ویراگ چھپا رہتا ہے اور ابھیاس اور ویراگ سے انسان جیسی حالت چاہے اپنے میں پیدا کر سکتا ہے۔ ابھیاسی اور ویراگی کے لئے کچھ مشکل نہیں ہے

دنیا میں شانتی کی زندگی بسر کرنے کا اصول یہ ہے کہ جو اپنے سے بہتر حالت میں ہے اُس کو دیکھ کر خوشی کی جائے جو بدتر حالت میں ہیں اُن پر رحم کیا جائے جو ہماری اپنی حالت کے ہیں اُن کے ساتھ دوستی کی جائے اور جو پاپی ہیں اُن سے بے پرواہ و بیغرض بن جائے اُس پر چندروز عمل کرنے سے پاپ سے بچاؤ ہو جائیگا۔

لوگ کہا کرتے ہیں دنیا میں رہ کر پاپ سے چھٹکارا نہیں مگر یہ خیال غلط ہے۔ دنیا میں رہ کر پاپ پُنیہ دونو سے چھٹکارا ہو جاتا ہے۔ ذرا نگاہ کو اونچا کر دینا چاہئے۔ جس وقت کرم پھل کی خواہش اور اپنی خودی نہیں رہتی اسی وقت اُن سے نجات مل جاتی ہے۔ جن کو گیان ہے اُن کو کرم کا پھل نہیں ہوتا کیونکہ وہ کسی غرض کو لیکر کرم نہیں کرتے بلکہ کرم کرتے وقت سارے تعلقات و غرض کو بھول جاتے ہیں اور وہ کرم اُن کا دھرم ہو جاتا ہے۔ دھرم کسی کو پھنساتا نہیں بشرطیکہ اس کی پوری پوری سمجھ آ جائے۔

پاپ پُنیہ دونو کا خیال چھوڑ دو۔ اپنی خودی و ذاتی نفع نقصان کا سوال بیچ میں نہ لاؤ۔ کرم کرو۔ اور تمہارا کرم ویراگیوں کا کرم ہوگا۔ اور وہ تمہارے پھنسانے کے لئے زنجیر نہ گھڑ سکیگا۔

اس سمجھ کا آدمی چاہے تخت پر بیٹھ کر راج کرے خواہ جنگل میں رہے دونو حالت میں وہ ایک سا ہے - کیونکہ اُس نے خودی و خود بینی کو جواب دے رکھا ہے - وہ پرماتما کے قانون کی ماتحتی میں بلا غرض کام کرتا ہے اُس کو کبھی کرم دکھ یا سکھ نہیں دے سکتا - اُس کی زندگی قدرتی ہو جاتی ہے - قدرتی زندگی مصنوعی نہیں ہوتی - نقص صرف صنعت و بناوٹ میں ہے - قدرت نقص سے خالی ہے - اس بدھی کا آدمی خون کرتا ہُوا بھی بے قصور ہے - کیونکہ خون کرنے میں اُس کا اپنا نفع نہیں تھا - نہ اُس کی نیت فاسد تھی - قدرت میں ہر جگہ نیت کا سوال زیر بحث آیا کرتا ہے - تم ذرہ بھی اپنے دل کو مشوش و ملول نہ کرو جس جگہ تم کو قدرت نے رکھا ہے وہاں اُسی حیثیت میں جم کر بیٹھ جاؤ - اور اپنے فرض کو بغرضی - بلا شمولیت نفسانیت اور بلا کسی بیہودہ وسواس کے انجام دو - اور تم کو پاپ - پُنیہ کچھ نہ ہوگا - عدالت کی کرسی پر نشست کرنے والا حاکم کتنے آدمیوں کو پھانسی دیتا ہے اُس کو پاپ نہیں لگتا نہ قدرت اُس کو مواخذہ میں گرفتار کرتی ہے - نہ وہ پرشچت کرتا ہے - کیونکہ پرائسچت صرف اس کے لئے ہے جو اپنی ذاتی غرض سے کسی کو نقصان پہنچاتا ہے - یہاں اُس کی اپنی کیا غرض ہے - اُس کو نہ کسی سے دشمنی ہے نہ کسی سے دوستی ہے نہ کسی کے مارنے سے فائدہ ہے - نہ کسی کے نہ مارنے سے نقصان ہے - وہ بغرضانہ کام کر رہا ہے اور یہ کرم اُس کا فرض ہے - اسی طرح جو کشتری میدان جنگ میں لڑتا ہُوا خون خرابہ کرتا ہے وہ ادھرمی نہیں بلکہ دھرماتما ہے - کیونکہ اُس کو کسی کے ساتھ دشمنی یا عداوت نہیں ہے - وہ مُکت جیو ہے - اُس میں نہ پاپ ہے نہ پُن ہے - دونو

حالتوں سے آزاد ہے۔ تم بھی قدرت میں اپنے دھرم کو سمجھو اور بےخوفی سے اُس دھرم کا عمل کرو۔ تم بھی بےلوث رہو گے۔ دنیا میں بھی تمہارا کام شاندار ہوگا اور دنیا کے بعد تم پرم پد کے ادھکاری بنو گے۔

ہمیشہ اپنے ذہن نشین رکھو۔ آتما نہ پاپ ہے نہ پنیہ ہے وہ دونو سے علیحدہ ہے وہ صرف سچائی ماتر ہے وہ ست ہے اور جو اس ست میں قائم ہو کر کام کرتے ہیں اُن سے کوئی باز پرس نہیں کرتا۔ کیونکہ باز پرس کا سوال ہمیشہ نیت خودی اور خودغرضی کے سلسلہ میں آتا ہے۔ اگر کوئی سپاہی اپنے سپہ سالار کا حکم پاکر اپنے بادشاہ مالک کو مار دے تو دنیا کا فوجی قانون سپاہی کو عذاب کے شکنجہ میں نہیں کھینچتا۔ کیونکہ اُس کا تو دھرم ہی یہی ہے کہ اپنے افسر کی ہدایت پر کاربند ہو۔ فوجی راویب فوجی آئین اور فوجی قانون کی غرض یہی ہے کہ ہر سپاہی اپنے افسر کا تابع فرمان رہے اگر کچھ سزا ہوگی تو افسر کو ہوگی۔ اُس کو کوئی دانشمند بُرا یا بھلا نہ کہیگا۔ تم بھی اسی طرح قدرت کے سپاہی کی حیثیت میں کام کرو۔ اور دیکھو تم ذرا بھی پاپ و پنیہ کے پنجہ میں نہ پھنسو گے۔

جس میں یہ سمجھ آگئی۔ وہ نہ تو کسی کا دوست رہتا ہے نہ دشمن رہتا ہے نہ اُس کا کوئی یگانہ ہے نہ بیگانہ ہے۔ اُس میں خودی نہیں رہتی۔ اور اس وجہ سے وہ آزاد مطلق کی حیثیت میں نظر آتا ہے۔

یہ پاپ پنیہ اور سچائی کی مزید تشریح ہے۔

اکیسویں شاکھا

کریا

پریم

گیان

کریا - پریم - اور گیان - یہ ہر جگہ ساتھ ساتھ رہتے ہیں کہیں کسی کے ساتھ - کہیں بیشی کے ساتھ اور یہ آپس میں کچھ اس طرح ملے جلے رہتے ہیں - کہ ایک دوسرے سے تمیز کرانا صرف سمجھنے والوں ہی کا کام ہے۔

لڑکے میں کریا - پریم اور گیان تینوں ہی ہیں - گو اُس میں پختگی ابھی تک نہیں آئی - مگر کریا شکتی بمقابلہ اوروں کے زیادہ ہے - کیونکہ زندگی کے اس طبقہ میں چونکہ مادی جسم کی پرداخت اور اس کے آئندہ استحکام کا خیال رہتا ہے - اسلئے بچہ بڑی سرگرمی سے ہاتھ پاؤں مارتا - اُچھلتا کودتا ہوا رہتا ہے - مگر اس کی سرگرمی کی یہ حالت پریم اور گیان سے خالی نہیں ہے کیونکہ جہاں کہیں سرگرمی ہو وہاں ضروری ہے کہ خواہش موجود ہو - خواہش ہی کا دوسرا اگر لطیف نام پریم ہے گو روحانیت کے طبقہ میں اس کی صورت بالکل بدل جاتی ہے اور پریم کو کوئی خواہش نہیں کہہ سکتا اسی طرح جہاں سرگرمی ہو وہاں گیان بھی ہے گو وہ پختگی کی حالت کو پہنچا ہے یا نہیں - جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ بچہ طبعاً - قدرتاً - فطرتاً سرگرم رہتا ہے وہ وہ اتنی غلطی کرتے ہیں کہ طبیعت قدرت و فطرت میں گیان کا امکان نہیں

سمجھتے۔ ورنہ اصلیت میں قدرت کی کوئی حالت کریا۔ پریم اور گیان سے خالی نہیں
لڑکپن میں کریا شکتی زیادہ ہوتی ہے۔ اسلئے عقلاً اُس کو انسان کے
تربیت و عقل سیکھنے کا بہترین زمانہ قرار دیتے ہیں۔ تاکہ بچہ ہر قسم کے نیک
سنسکار حاصل کر کے اپنی آئندہ زندگی شاندار بنا سکے۔

بچپن کے بعد جوانی آتی ہے اس میں کریا شکتی بچوں کے مقابلہ میں کم
ہوتی ہے۔ مگر پریم بڑھ جاتا ہے۔ اور قدرت اُس کے جذبات کی تعظیم کی وجہ سے
اُس کے پریم کے سامان کثرت سے پیدا کر دیتی ہے اور وہ کشش اور محبت
کا مرکز بن کر ہر طرف پریم کے کاروبار کا تماشا دکھاتا ہے۔ ایک طرف اُس
کو بیوی کا پریم ہے۔ دوسری طرف لڑکوں کا ہے۔ تیسری طرف وطن کا ہے
چوتھی طرف قوم کا ہے اور اس طبقہ میں آکر صاف صاف معلوم ہونے لگتا
ہے کہ پریم کس طرح اُس کی تمام سرگرمیوں کا محرک بنا ہوا ہے کیونکہ اُس وقت
طبیعت و فطرت کی حالت اس طرح کی بن جاتی ہے کہ اب بچپن کی طرح اُس کی
سرگرمی کا سبب پوشیدہ نہیں رہتا بلکہ ظاہر ہو جاتا ہے یہاں سرگرمی و گیان
دونو پریم کے ماتحت ہو جاتے ہیں۔ بچپن میں سرگرمی مرکز تھی۔ گیان و پریم نے
نمودی صورت نہیں اختیار کی تھی۔ یہاں پریم کو فوقیت ہوتی ہے اور چونکہ
جسم میں مضبوطی ہوتی ہے۔ نوجوانوں کی قوت ارادی۔ قوت برداشت اور
قوت عمل پر بھروسہ کیا جاتا اور کیا جا سکتا ہے وہ جو چاہتا ہے کر لیتا ہے اور کر گزرتا
ہے۔ بچپن میں خواہش ہوتے پر وہ رونا رہتا تھا خواہ کسی کی ہدایت سے
یا یوں ہی بغیر تمیز اور اپنی خواہش کے ضروری اظہار کے کام کرتا تھا اس
طبقہ میں وہ پریم کے جذبات کو زیادہ نشو و نما دے کر بلا مدد غیرے خواہش
پوری کرنے کا متمنی رہتا ہے۔ جوانی کی اعلےٰ تعریف یہی ہے کہ نوجوان طاقتور

ہو کر اپنے پاؤں آپ کھڑے ہوں - اپنا کام آپ کریں کسی کے دست نگر نہ رہیں کرم کرنے کی شکتی اور گیان کی شکتی اُن کے پریم و خواہش کی متابعت کا دم بھرے اور وہ دنیا کے کاروبار میں کشمکش کرتے ہوئے لوگوں کو دکھا سکیں کہ جوانی ایسی ہوتی ہے پریم کا تانا بانا عجیب طرح کا ہوتا ہے اُس کے اُلجھن اُلجھن نہیں کہلاتے ہیں - اس میں اتنی طاقت ہوتی ہے کہ وہ ہر قسم کی سختی و امتحانوں کی برداشت کرنے کے لئے تیار رہتا ہے - استقلال ہاتھ سے نہیں دیتا - یہ سچ ہے - اُس کی دماغی حالت اب تک پختگی کا رتبہ حاصل نہیں کر سکی - وہ تجربات و مشاہدات کو وسیع بنانا ہوا اُس کے لئے تیاریاں کر رہا ہے مگر اُس میں دلی جذبات اعلےٰ درجہ کے ہو گئے - اور ان دلی جذبات میں سچائی - خلوص - ایمانداری اور محبت ہوتی ہے - مایا کا صرف وہ پہلو اُس کے سامنے رہتا ہے جس پہلو کو وہ چاہتا ہے دوسری طرف اُس کی نگاہ کم جاتی ہے اور اسی پہلو کے شاندار بنانے کی فکر میں رہتا ہے - اس کو نمود کی خواہش ہے اُس کو شہرت کی تلاش ہے وہ نیکنامی کا دلدادہ ہے وہ وطن قوم و ملک کی بہتری کا شائق ہے - سب میں ساری باتیں نہیں ہوتیں جس شخص میں جس کام کے لئے موزونیت ہوتی ہے اور جو اُس کے دل میں گھر جاتا ہے - اُسکی طرف اُس کا رجحان ہوتا ہے اور وہ رات دن اُسی کے ادھیڑ بن میں غلطاں و پیچاں رہتا ہے ممکن ہے تم کو کہ جوانوں میں لڑنے بھڑنے شکایت کرنے طعن و تشنیع کے کلمے استعمال میں لانے کی عادت ہوتی ہے لیکن تم سطح پر نہ رہو بالکل ظاہر بیں نہ ہو - جوان کے دل کے پردوں میں گھسو - وہاں تم کو پتہ لگیگا - کہ یہ سارے لڑائی جھگڑے - سارے گلہ و شکایت - سارے طعن و تشنیع محض اس وجہ سے ہیں کہ جوان صرف اپنے معراج

خیالی کو نگاہ کے سامنے رکھتا ہے۔ وہ چاہتا ہے ہر کام اس کی طبیعت اس کے
[illegible] اور اس کے [illegible] اور اس کے خیال کے موافق ہو۔ اس میں پریم
چھپا ہوا مگر سار رہتا ہے اور [illegible] سلسلہ [illegible] ان کی ظاہری صورت پر نہیں
جاتے بلکہ اس کی نیت کے ارادہ [illegible] اور اس کی خواہش کو دیکھتے ہیں جو اس
کے جذبات کی حرکت کا اصلی سبب ہے۔ تم اس کی شکایت کرتے ہیں شکایت
نہیں کرتا۔ کیونکہ میری نگاہ ظاہری اسباب پر نہیں ہے۔ میں روح کو
دیکھتا ہوں۔ اور میں اُن جوانوں کو پسند کرتا ہوں جو اپنی دھن کے پکے ہیں
جو اپنے پریم میں لغویات کو شہوانیت کا موقع نہیں دیتے کیونکہ اسی کے
سلسلہ میں وہ حقیقت کا تماشہ دکھائینگے۔ اگر جوانوں میں لڑکوں کی حالت ہے
خواہ بوڑھوں کی کیفیت ہے تو وہ جوان نہیں ہیں تو جوانوں میں لڑکپن کی
نادانیاں اور بوڑھوں کی سست کاریاں معیوب قابل نفرت اور قابل شکایت
افعال ہیں اور برباد ہے وہ قوم و ملک و خاندان جس کے جوان جوانی کے
اوصاف سے جو پریم سے مخصوص ہیں۔ خالی رہتے ہیں۔ وہ قوم ملک و خاندان
کی بربادی کے باعث ہونگے۔ جوان میرے نزدیک وہ شخص ہے جو پریمی ہے
جو اپنے خیال کو عملی جامہ پہنانے کا آرزومند رہتا ہے۔ جو ایک لمحہ کے لئے
بھی اپنے خیالی معراج کو نظر سے اوجھل ہونے نہیں دیتا۔ کیونکہ دنیا میں
کاروبار کے سلسلہ کی درمیانی کڑی ہے اس کا مرکز پریم ہے ایک طرف وہ
اس پریم سے بچوں کی سرگرمی کو کھینچ رکھتا ہے دوسری طرف گیان سے مدد
لیتا ہے۔ گو اس کا گیان ابتک پختہ نہیں ہوا ہے۔ لڑکے صرف برہمچاری
ہیں دو دنیا میں وہ چہرتے ہیں۔ بوڑھے دل پرستی ہیں۔ صرف خیالی کی دنیا
میں رہتے ہیں جو خیال کو عمل میں لانے کے لئے نوجوانوں کے محتاج ہیں

جوان گرہستی ہے جو نہ صرف عملی کام کرتا ہے بلکہ برہمہ چاری اور ون پرستی کا پیدا کرنے والا ہے اسلئے اُس کو سب سے زیادہ اہمیت کا رتبہ حاصل ہے۔ اس میں کریا شکتی اور گیان ہے۔ مگر پریم کو برملتا ہے۔ اور پریم ہی اُس کے تمام کاموں کا محرک رہتا ہے۔

ان دونو منزلوں کے بعد گیان کو نشوونما ملتا ہے اس کا اظہار اُدھیڑ پن کی عمر میں ظاہر ہوتا ہے۔ یہاں آکر گیان پختہ ہوتا ہے سمجھ بوجھ کی پوری پوری تکمیل ہوتی ہے۔ مگر یہ حالت بھی کریا اور پریم سے خالی نہیں رہتی۔ کیونکہ کریا اور پریم کے بغیر گیان کے قائم ہونے کا اور کوئی سہارا نہیں ملتا۔ یہاں یہ حالت ہوتی ہے کہ گیان افسر بن جاتا ہے کریا اور پریم دونو ماتحتی کی حالت میں آجاتے ہیں۔ ادھیڑ آدمی ہر ایک بات کی تہ کو پہنچتا ہے۔ بغیر سوچے سمجھے کوئی کام نہیں کرتا۔ اس میں بچوں کی اندھا دھند سرگرمی نہیں ہے۔ نہ وہ اس قدر پریم کا دلدادہ ہوتا ہے۔ وہ اصلیت کو سمجھتا ہے۔ ایک بات کہو۔ اور وہ فوراً نتیجہ پر پہنچ جائیگا اور اس کے سبب اور پرنام کو بتا دے گا۔ کیونکہ وہ تجربہ کار پختہ کام اور پختہ یقین بن گیا ہے اور اس قابل ہے کہ لوگ اس کی سنیں اس کی بات کی عزت کریں اور اس کے خیال سے لابھ اُٹھائیں۔ اس منزل پر آکر چونکہ وہ وسیع نظر بن جاتا ہے۔ اس لئے وہ نمود۔ شہرت۔ وذاتی بھلائی کا اس قدر خواہشمند نہیں رہتا۔ اُس نے دنیا دیکھ لی۔ دنیا کا اُس کو پورا پورا تجربہ ہوگیا اس میں ہاتھ کی شکتی ہے اُس میں دل کے جذبات ہیں۔ مگر اب وہ زیادہ تر دماغ کے بلند و مرتفع طبقہ پر زیادہ نشست کرتا ہے یہ اُس کی تعریف ہے۔

گیان والے انسان جو کام کرتے ہیں وہ لڑکوں خواہ جوانوں سے نہیں

ہوتا۔ اور نہ ہو سکتا ہے۔ کیونکہ سرگرمی کی ظاہری حالت محدود ہوتی ہے۔ دل کے بھی جذبات اس وقت اصلی طور پر محیط نہیں بن سکتے۔ تاوقتیکہ دماغ اور عقل کا ان میں شمول نہ ہو۔ اس لئے اس کی طاقت لاتحد اور لامحدود ہوتی ہے۔ خیال کے کاروبار اور دماغ کے سوچ وچار کے نتیجوں کا حد و حساب نہیں ہے۔ اس کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا۔ اس میں بجلی سے زیادہ تیزی۔ اور آگ سے زیادہ گرمی۔ اور روشنی سے زیادہ چمک ہے اور حقیقت یہ ہے کہ بجلی آگ اور روشنی یہ خود خیال کی مختلف دھاریں اور قوتیں ہیں۔ جو شخص صاحب خیال بن جاتا ہے وہ سب سے زیادہ طاقتور ہوتا ہے۔ صاحب خیال ایک گمنامی کے گوشہ میں بیٹھا ہؤا تمام دنیا کو آناً فاناً میں درہم برہم کر سکتا ہے۔ اور جس وقت اُس کے خیال سے دماغ کی لہریں دوڑنے لگتی ہیں۔ کون ہے جو اُن کے سیلاب کے سامنے کھڑا ہو سکتا ہے! اُس کے خیال کی انگلی۔ قوم کے افراد کی۔ سو نیلے کے انسانوں کی اور ستارے وسیاروں کے رہنے والوں کی نبض کو ٹٹول لیتی ہے اور وہ جیسا چاہتا ہے۔ ویسا کر گزرتا ہے۔ کسی کو اُس کے مقابلہ کی طاقت نہیں رہتی وہ جو چاہے کرے۔ اور جہاں کہیں دو چار صاحب خیال پیدا ہو جاتے ہیں پھر اُس ملک و قوم کو مرنے کا خطرہ نہیں رہتا۔ کیونکہ یہ لوگ اپنے خیال کے زندہ کرنے والی دھاروں سے اُن میں نئی روح پھونکتے رہینگے اور اُن کو شاداب و سیراب بنا کر زندہ رکھ سکینگے۔

کریا۔ پریم۔ اور گیان کی یہ مختصر وضاحت ہے۔

کریا۔ پریم۔ اور گیان۔ یہ مادہ کی حالتیں نہیں ہیں۔ بلکہ روح کی حالتیں ہیں۔ صاف لفظوں میں یہ اُن روحوں کے اوصاف ہیں جو ست رج۔ اور تم کے ساتھ ملکر اپنی ہستی کا تماشہ دکھلاتے ہیں۔ سناتن مت والوں نے

کہا ہے کہ جیو کے چھہ لکشن ہیں۔سکھ۔دکھ۔راگ۔دویش۔گیان۔پرتین اور وہ صحیح بھی ہیں کیونکہ جو ارواح گنوں کے ساتھ ہیں یا مادی تعلقات سے وابستہ ہیں اُن میں ان اوصاف کا ہونا امر لازمی ہے۔ایسا ہی ہوتا ہے ہم یہاں ان چھہ اوصاف کو صرف تین لفظ کریا۔پریم اور گیان میں محدود کر دیتے ہیں۔کیونکہ ہماری دانست میں راگ دویش۔خواہ سکھ۔دکھ۔وغیرہ دو دو طاقتیں نہیں ہیں۔راگ دویش ایک ہی چیز ہے۔جس چیز کو ہم پریم کے ساتھ اپنی طرف کھینچنے کے شائق رہتے ہیں وہ راگ ہے۔جس کو ہم نہیں کھینچتے وہ دویش ہے کشش صرف ایک طاقت ہے اس کی دو صورتیں ہیں جن کو انگریزی میں سنٹری فیوگل۔اور سنٹری پیٹل فورسز کہتے ہیں وعلیٰ ہذا القیاس جب تک آتما کا پرکرتی کے ساتھ میل رہتا ہے تب تک اُس میں ان سب اوصاف کا ہونا امر لازمی ہے اور ایسا ہی ہونا بھی چاہئے۔

ست۔رج اور تم پرکرتی کے گُن ہیں۔اسی طرح پرکرتی کے ساتھ میل رکھنے والے آتما کے گُن۔کریا۔پریم اور گیان ہیں اور یہ کبھی اس وقت تک ایک دوسرے سے علیحدہ نہیں ہوتے۔جب تک آتما پرکرتی کے ساتھ سمبندھ رکھتا ہے۔

جس وقت آتما اس پرکرتی کے روپ کو دیکھ لیتا ہے اور اُس کا پورا پورا گیان ہوجاتا ہے اُس وقت وہ ان سے بالکل علیحدہ ہوجاتا ہے وہ وگیان کی حالت ہے۔وہاں آتما کا اپنا اوصف۔ست۔چت۔آنند۔پرنیت ہوتا ہے یہ چوتھی اوستھا کہلاتی ہے۔یہ رہتی ہے۔کتھنی۔کرنی اور بدنی نہیں ہے۔

کریا۔پریم اور گیان تینوں اپنے اپنے درجہ میں اہم اور ضروری

چیزیں ہیں - تینوں اوصاف کی پختگی کا درجہ بدرجہ آنا ضروری ہے کیونکہ جب تک روح کے تجربات وسیع نہیں ہو لیتے - جب تک بقول سانکھ وہ چوبیس پہ کرتیوں کے گیان کو حاصل نہیں کر لیتا تب تک اُس کو چوتھے پد کی پراپتی نہیں ہو سکتی - اور نہ وہ رہنی کے درجہ کا مستحق ہو سکتا ہے کبیر صاحب فرماتے ہیں - سے

کرنی کرے سو پتر ہمارا - کتھنی کتھے سو ناتی
رہنی رہے سو گرُو ہمارا - ہم رہنی کے ساتھی

بائیسویں شاکھا

کریا

پریم (مسلسل)

گیان

کریا - پریم اور گیان - یہ تینوں ہر جگہ ایک ساتھ گُنتھے ہوئے رل مل کر کام کرتے ہیں - اور وہ کام واقعی بڑا شاندار ہوتا ہے جس میں یہ تینوں اپنے اپنے انداز سے شامل رہتے ہیں - کریا اور گیان اگر ساتھ ہوں اور پریم اُن میں شامل نہ ہو تو اُن کے کام میں ناخوشگوار حدت ہو گی - جس سے آگ لگ جانے کا خوف رہتا ہے - جس طرح ایک انجن کے پُرزوں میں ہر وقت تیل ڈالنے کی ضرورت لاحق رہتی ہے - تاکہ اُن کو رگڑ سے محفوظیت رہے اسی

طرح جہاں گیان کے ساتھ کام کیا جاتا ہے وہاں پریم کی شمولیت کی ضرورت محسوس ہوا کرتی ہے۔ خالی کریا شکتی کچھ نہیں ہے۔ کیونکہ وہ جنونی اور فاتر العقل کا فعل ہے جس کا نتیجہ یا تو نقصان ہوتا ہے یا یوں ہی بیہودہ عبث معلوم ہوتا ہے۔ خالی گیان بھی کچھ نہیں ہے اُس سے کسی کا لابھ نہیں ہوتا۔ یہی کیفیت کسی حد تک پریم کی بھی ہے۔ مگر یہ یاد رکھنا چاہئے۔ یہ صرف کہنے سننے کی باتیں ہیں جہاں پریم پیدا ہوا وہ اپنے ساتھ خواہش رکھتا ہے۔ خواہش میں خود کریا ہوتی ہے اور خواہش ہی میں گیان بھی ہوتا ہے تینوں ایک ساتھ اپنا فعل کرتی ہیں۔ گیان اور کریا کی حرکت کا سبب پریم میں چھپا رہتا ہے۔

ایک کتاب میں میں نے ایک خوبصورت قصہ پڑھا تھا۔ قصہ یہ ہے گلاب کے چند پھول گھاس کے تنکوں سے بندھے ہوئے گلدستہ کی شکل میں رکھے تھے۔ کسی نے کہا۔ یہ گھاس بہت حقیر چیز ہے اس کو گلاب سے کیا نسبت؟ کہاں گلاب پھولوں کا بادشاہ اور کہاں نکمی گھاس کے تنکے۔ گھاس کے ساتھ گلاب کو ملانا اس کی سخت بیعزتی ہے یہ سُنکر گھاس رونے لگی اور اُس کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔ اے شخص تو خاموش رہ تجھ کو نہیں معلوم کہ میں گلاب کے ساتھ رہنے والی چیز ہوں صحبت کے قانون ہمجنسی کے قانون۔ اور ہموطنی کے قانون کے زیر اثر مجھ کو گلاب کے ساتھ ایک خاص قسم کی خصوصیت کا رتبہ حاصل ہو گیا ہے۔ مانا مجھ میں رنگ نہیں۔ روپ نہیں۔ بُو باس کچھ بھی نہیں۔ لیکن کیا میں اُسی باغ کی گھاس نہیں ہوں۔ جس باغ میں گلاب پیدا ہوتا ہے۔ صحبت کا بھی بڑا اثر ہوتا ہے۔ اور اسلئے قدرت کے نظام میں میں بھی بیفائدہ شے نہیں ہوں۔"

اور یہ سچ بھی ہے۔ گھاس بے حقیقت شے نہیں ہے۔ پرکرتی کے کاروبار میں سچ مچ کوئی چیز بیفائدہ نہیں ہوتی۔ اسی طرح کریا - پریم اور گیان میں سے کوئی بھی بے حقیقت اور بے سود نہیں ہے۔

اس گلدستہ میں تین باتیں ہیں۔ گلاب کے پھولوں کی بندش گلاب کے پھول اور اُن کی خوشبو۔ گلدستہ کی بندش میں گھاس کو اہمیت ہے وہ نیچا حصہ ہے۔ گلاب کی خوبصورتی اُس کی خوشنمائی ہے جو آنکھوں کو اپنی طرف متوجہ کرتی ہے وہ دوسری و درمیانی چیز ہے۔ گلاب کی بو تیسری اور اونچی چیز ہے ان تین باتوں میں سے اپنی اپنی جگہ میں تینوں خاص خاص امتیاز کا درجہ رکھتی ہیں۔ تم کسی کو بُرا نہیں کہہ سکتے۔ اگر گھاس نہ ہو تو کٹی پھول ایک ساتھ گتھ نہیں سکتے۔ نہ وہ گلدستہ بن سکتے ہیں۔ اور جب وہ گلدستہ کی صورت میں قائم نہ ہونگے۔ اُن کی خوبصورتی اور خوشبو کو خاص طور پر اپنا اثر پھیلانے کا موقع نہ ملیگا۔ اس میں کسی کو شک نہیں ہے کہ ہر چیز میں اُس کے خواص واوصاف موجود رہتے ہیں مگر جب تک اُن کا اوروں سے میل نہیں ہوتا۔ تب تک ظہور کا موقع ہاتھ نہیں آتا۔ تم رج - ست سے ساری پرکرتی بھری ہوئی ہے۔ سب کی اپنی ہستی ہے۔ مگر جب تک ست کے ساتھ رج۔ اور رج کے ساتھ ست اور ست کے ساتھ تم ملے جُلے نہ ہوں تب تک اُن کو وہ اہمیت کا رتبہ نہیں ملسکتا جو ہم اُن کو دینا چاہتے ہیں۔ اوپر گلدستہ کی مثال کچھ اچھی نہیں ہے۔ مگر ہوشیار نکتہ بیں اس سے کسی قدر ہماری غرض کو سمجھ جائینگے۔

تم - رج اور ست۔ کسی کی بیعزتی نہیں کرنی چاہئے۔ کسی ایک کے بغیر ممکن نہیں کہ زندگی کے مقصد کی تکمیل ہو سکے۔ سب ہی ضروری ہیں

صرف اُن کی غرض کو سمجھ لینا اور اُن پر اپنے آتما کا عکس ڈالنا مطلوب ہے۔ اور جہاں یہ بات حاصل ہو گئی پھر تینوں علیحدہ علیحدہ صورت میں اپنا کام بڑی خوبصورتی سے کرنے لگتی ہیں۔

جب تم کے ساتھ رج کا میل ہوتا ہے۔ تب اُس میں کریا شکتی آتی ہے۔ تم میں مجہولیت کی حالت ہے۔ رج کے ساتھ ملنا اُس کو سرگرمی بخشتا ہے۔ اسی طرح رج میں جب ست کا میل ہوتا ہے تب پریم پیدا ہوتا ہے رج میں پہلے ہی سے سرگرمی کا وصف ہوتا ہے۔ ست اس کو لطافت بخشتا ہے اور وہ پریم کی شکل میں نمودار ہو جاتا ہے۔ ست میں تم کی طرح بطور خود کریا شکتی نہیں ہے۔ رج ملکر اس کو محرک کر دیتا ہے اور وہ گیان کی صورت میں اپنا کرشمہ دکھانے لگتی ہے ان میں تم اور ست اونچی اونچی اوستھائیں ہیں۔ رج درمیانی ہے۔ اور عالم ظہور میں ان کے طرز اظہار کو ہم کریا۔ پریم اور گیان کہہ سکتے ہیں۔

جب تم کے ساتھ رج اور ست اس طرح ملتے ہیں کہ رج کی زیادتی اور ست کی کمی ہوتی ہے تو اس میل سے اُن کے اظہار کی حالت کا نام کریا یوگ ہے۔ جس میں کچھ پریم و گیان کے ساتھ کرم کی زیادتی ہوتی ہے اور وہ لوگ جو بلا غرض و بلا خیال نتیجہ کرم کرتے ہیں۔ وہ کرم یوگی کہلاتے ہیں کرم یوگ کی معراج یہ ہے کہ نشکام کرم کرے۔ کرم کے پھل کی نہ خواہش رکھے نہ اس کی طرف توجہ دے۔ اسی طرح جب رج میں تم اور ست اس طرح ملتے ہیں کہ تم کی کمی اور ست کی زیادتی ہو تو وہاں ان کے میل سے جو حالت ظاہر ہو گی وہ بھگتی یوگ کہلاتی ہے۔ جن میں کریا و گیان کے ساتھ پریم کی زیادتی ہوتی ہے اور وہ بلا خیال مُزد یا معاوضہ پریم سے غرض رکھتے

ہیں۔ وہ بھگتی یوگی کہلاتے ہیں۔ بھگتی یوگ کی معراج یہ ہے کہ پریمی اپنے پریتم کی طرف دل کی تمام طاقتوں کے ساتھ متوجہ ہو۔ اور وہ سوائے پریم کرنے کے اُس سے اور کوئی واسطہ نہ رکھے۔ اسی طرح جب ست ہیں تم اور رج اس طرح ملتے ہیں کہ تم کی کمی اور رج کی زیادتی رہے تو وہاں اُن کے میل سے جو حالت ظاہر ہوگی اُس کو گیان یوگ کہینگے جب کریا اور پریم کے ساتھ گیان کی زیادتی ہوتی ہے۔ اور گیانی صرف گیان سے غرض رکھتا ہُوا اور کسی قسم کی حالتوں کی طرف دھیان نہیں دیتا۔ اسی کو گیان یوگی کہتے ہیں۔ گیان یوگ کی معراج یہ ہے کہ جڑ اور چیتن کی اصلیت کو جان کر چیتن میں قائم ہونے کا عمل رکھے۔

کرم بھگتی۔ گیان۔ تینوں ساتھ ملے جُلے ہوتے ہیں۔ مگر جس شخص میں جس وصف کی زیادتی ہوتی ہے۔ اُس کو اُسی نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ ان میں سے تم کسی ایک میں سے دو کو بالکل دور نہیں کر سکتے یہ غیر ممکن ہے قدرت کے نظام میں نور۔ برزخ۔ اور تاریکی تینوں ہی اپنا اپنا کام کرتی ہیں۔ نور۔ برزخ اور تاریکی کو دیاکل ویش۔ کال ویش اور مایا ویش کے ناموں سے بھی موسوم کر سکتے ہیں۔ یہی جبروت ملکوت اور ناسوت ہیں یہی بھو بھوور سور ہیں بھو میں گیان ہے۔ بھور میں پریم ہے۔ سور میں کریا ہے۔ اس کو خوب یاد رکھو۔ بھو میں کرم کرتا ہُوا کرمی نہیں ہے۔ گیان کا استھان سور ہے۔ اسی طرح پریم کی جگہ بھور ہے۔ سور میں نور ہے۔ یہ نور بھو میں آکر تاریکی کے پردوں میں چھپ جاتا ہے۔ تب درمیانی حالت بھور اس کی مددگار ہوتی ہے۔ اور پھر اس کو اٹھا کر محلے جا کو پہنچا دیتی ہے اس لئے اس کو امتیاز کا بہت بڑا درجہ حاصل ہے۔

کریا کا تعلق جسمانی طبقہ سے ہے پریم کا دلی طبقہ سے ہے گیان کا دماغی طبقہ سے ہے۔ اپنی اپنی جگہ سب خاص خاص حیثیت رکھتی ہیں مگر پھر بھی دانشمند درمیانی حالت کو فوقیت کا رتبہ دیتے ہیں۔ اس فوقیت سے یہ کبھی نہ سمجھنا کہ پریم کو سچ مچ گیان پر فوقیت ہے۔ ایسا نہیں ہے۔ مگر پریم ان دونو حالتوں کے درمیان وہی کام کرتا ہے جو کل کے رگڑ کھانے والے دو ملے ہوئے پُرزوں کے ساتھ تیل کا سلوک ہوتا ہے۔ گیان اور کریا دونو ایک دوسرے کے متضاد ہیں۔ اصل میں دونو ایک ہیں۔ فرق نہیں ہے۔ فرق صرف ظاہری صورت کا ہے۔ پریم ان دونو کا بڑی خوبصورتی کے ساتھ مصافحہ کرا دیتا ہے اور پھر تینوں طبقے شاندار ہو جاتے ہیں۔ اگر پریم نہ ہو تو کریا اور گیان دونو اتنے خوبصورت نہ نظر آئیں۔

دشنو گیان ہے۔ شیو کریا ہے۔ برہما پریم ہے بغیر برہما کی شرکت کے سرشٹی کا کاروبار نہیں ہوتا اسی طرح گیان اور کریا کے درمیان پریم کا درجہ ہے۔ شاستروں میں اُپنشدوں نے کریا کو اگیان کہا ہے مگر اس خیال سے کہیں غلط فہمی نہ ہو۔ ہم کریا ہی شبد ہر جگہ استعمال کرتے آئے ہیں۔ ان دونو میں پریم چھپا ہوا کام کرتا ہے وہ نظر آئے یا نہ آئے مگر اُس کی خصوصیت نرالی ہے۔ اس کو دور کر دو۔ گیان اور کریا دونو بے بس اور بیکام ہو جاتے ہیں۔ انسان کے ہر کام میں۔ خواہ وہ کرم۔ من بچن سے تعلق رکھتا ہو۔ پریم کی موجودگی لازمی ہے۔ ورنہ نظام کائنات میں خرابی واقع ہوگی۔ ایسا کبھی تو تم دیکھو محض خشک گیان اور خشک کرم کچھ نہیں ہے۔ مزہ وہاں ہی رہتا ہے۔ جہاں یہ تینوں درست ملتے رہتے

ہیں۔ پریم گیان کو مجبور کرتا ہے کہ کریا کے طبقہ میں بھی کچھ ظہور کرے۔ اور کریا کو گیان میں بھی ظاہر کرے۔ اس وقت ان کا نظارہ سوچنے اور سمجھنے کے قابل ہوتا ہے۔ اس لئے ہر جگہ گیان۔ کریا۔ اور پریم ہونا چاہئے۔ اور جہاں یہ ہونگے وہاں ہی کرم یوگ۔ بھگتی یوگ۔ اور گیان یوگ کی معراج کی تکمیل ہوگی۔ اور وہاں ہی فردیت اور شخصیت کی خوشگوار تفریق۔ تمیز و تقسیم کافور ہوگی۔ اور جب یہ حالت پوری پوری آجائیگی وہی آتمائی حالت ہوگی۔ جس کو چوتھی اوستھا یا چوتھا پد کہا گیا ہے۔

تیئیسویں شاکھا

حالات
واقعات
خیالات اور توجہ

دنیا میں تم جو کچھ دیکھتے ہو۔ وہ صرف توجہ کا کرشمہ ہے۔ توجہ دل کی یکسوئی کو کہتے ہیں۔ اور اسی دل کی یکسوئی کا نام دھیان ہے۔ یوگ میں اس کی چار قسمیں بیان کی گئی ہیں۔ پرتیاہار۔ دھارنا۔ دھیان اور سمادھی۔ چت کو ہر طرف سے ہٹا کر کسی ایک خاص شے کی طرف رجوع کرنا پرتیاہار ہے۔ اور اُس کو بار بار اُسی میں گڑانے یا کسی ایک مقام میں اڑانے کی کوشش میں لگا رہنا دھارنا ہے۔ جب من میں دھارنا شکتی پیدا ہو جاتی ہے اور وہ کسی مرکز پر قائم ہو جاتی ہے تو اُسی کو دھیان کہتے ہیں اور دھیان کی گہری حالت کا نام سمادھی ہے۔

یوگی کہتے ہیں کہ انسان کو اصلیت کا پتہ صرف سمادھی میں ملتا ہے یہ

سماودھی ہی سچی کامیابی ہے اور جس میں یہ وصف آگیا ہے۔ پھر وہ ہر قسم کی سدھی و شکتی سے موصوف ہو جاتا ہے۔

سدھی و شکتی اصل میں کامیابی کا نام ہے۔ یوگی نے جہاں اس کامیابی حاصل کرنے کے مختلف ذریعے بتائے ہیں۔ وہاں ساتھ ہی دھیان کو سب سے اونچا درجہ دیا ہے۔ پتنجلی اپنے مشہور یوگ میں کہتے ہیں۔ سدھی چار طرح سے پیدا ہوتی ہے۔ جنم سے۔ منتر کے جاپ سے۔ دوا سے اور دھیان سے۔ اور اگر تم بغور دیکھو گے تو ان چار باتوں میں اختلاف صرف نام کا ہے ورنہ اصل میں کہیں بھی فرق نہیں ہے اور ہم اختصار کے ساتھ اُس کی یہاں تشریح کر دیتے ہیں۔ جب کسی کے ماں باپ کسی خاص خیال کو دل میں لیکر پکارتے رہتے ہیں تو اُس خیال کے طفیل حولڑ کا اُن سے پیدا ہوتا ہے۔ وہ اُن کے تمام جذبات۔ اثرات اور خیالات کا وارث بنکر آتا ہے اور جنم سے سدھ ہوتا ہے۔ اس کا پتہ ماں باپ کی حالت۔ اور ان کی دل کی یکسوئی پر غور کرنے سے مل سکتا ہے۔ مثلاً کپل آچاریہ کو دیکھو۔ اُن کا باپ کردم رشی وید ودیا کا جاننے والا تو در رشی تھا۔ دیوہوتی اُن کی ماں بھی فقیرانہ طبیعت کی تھی۔ یہانتک کہ اُس نے اپنے باپ منو کے شاہی محل پر فقیر کے جھونپڑے کو ترجیح دی اور رات دن سنتوں کے وچار میں رہتی تھی۔ اُس کا لڑکا کپل جو اُس سے پیدا ہُوا نہایت صاحب کمال تھا۔ اور اُس نے پرش و پرکرتی کے گیان میں سب سے پہلے اپنی ماں کو اصلیت کا پتہ بتایا۔ اس سے ظاہر ہے کہ اگر کوئی شخص اچھی اولاد چاہتا ہے تو یہ اُس کے اپنے اختیار میں ہے۔ جس قسم کے خیال کو دل میں جگہ دیکر وہ توجہ کو یکسو کریگا۔ اُسی طرح کے لڑکے پیدا ہونگے۔ کیونکہ بیٹے در اصل پتا کے آتما ہوتے ہیں

دوسری سدھی منتر کے جاپ سے بتائی گئی ہے۔ منتر کا جاپ صرف اتنا ہی نہیں ہے کہ انسان کسی مہمل و بے معنی لفظوں کے جملہ کو جپا کرے بلکہ اُس میں سوادھیائے بھی شامل ہے۔ تاہم ہم کو یہاں اس قدر بتا دینا بہت ضروری ہے کہ جیسے ویدوں کے بغور مطالعہ اور اُپنشد کے دچار سے سدھی ہوسکتی ہے۔ اُسی طرح بے معنی اور مہمل منتروں سے بھی ممکن ہے۔ سدھی دینے والے منتر نہیں ہیں صرف انسان کی توجہ ہے بار بار منتر کے جپتے رہنے سے دل خود بخود اصلی خواہش کی طرف رجوع ہوتا ہے۔ سدھی کی طاقت کا ذخیرہ انسان کا دل ہے۔ اور جب توجہ کو یکسو کرکے آدمی اُس ایک خیال کو دیکر پکانے لگتا ہے۔ اُس کو سچا کر دکھاتا ہے۔ اس میں کم پڑھے لکھے آدمیوں کو جو منتروں میں شردھا ہوتی ہے وہ اور بھی مددگار ہوتی ہے اور بہ آسانی اُس کے رخ کو شاہد مطلوب کی طرف متوجہ کرتی رہتی ہے۔

تیسری سدھی اوشدھی سیون کرنے سے ہوتی ہے۔ یہ بھی غور کرنے کا مسئلہ ہے۔ تم دیکھتے ہو جو شخص شراب و گوشت استعمال کرتا ہے۔ مزاج کا چنچل اور غیظ الغضب ہوتا ہے۔ کیونکہ ان چیزوں میں یہ وصف موجود ہوتا ہے۔ مگر برعکس اس کے جو صرف نباتات استعمال کرتا ہے وہ شانت ہوتا ہے اس کے سوا جو صفائی کے ساتھ لطیف قسم کا کھانا کھاتے ہیں۔ وہ بمقابلہ کثیف غذا کھانے والے کے کچھ اور ہی طرح کے ہوتے ہیں۔ یہ حالت تم روزانہ دیکھتے ہو۔ اگر لال مرچ زیادہ مقدار میں استعمال کروگے مزاج چڑچڑا ہوگا۔ اگر برہمی بوٹی استعمال کروگے دماغ صاف رہیگا۔ یوں بھی دوا کا اثر انسان کی صحت پر کم نہیں ہوتا۔ تمام غذا جو تم کھاتے ہو اوشدھی ہے۔ ان ہی سے دل و دماغ بنتے ہیں یہاں ہی سے مزاج میں انتشار و سکون کی حالت پید

ہوتی ہے۔ یہ انسان کو بدتمیز و باتمیز بنا سکتے ہیں اور ساتھ ہی اُس کی توجہ کو یکسو رکھ کر خاص قسم کی کامیابی کی جانب رہبری کرتے ہیں۔ اس لئے ادویات بھی سدّھی حاصل کرنے کے ذریعے ہیں۔ مگر یاد رہے یہ ادویات بھی اُس وقت تک سدّھ نہیں بنا سکتے۔ جب تک کسی خاص خیال کو لے کر اُن کا سیون نہ کیا جائے اس سے صاف ظاہر ہے کہ دواؤں کے استعمال میں بھی خیال کو بہت بڑی طاقت حاصل ہے۔ کیونکہ اگر یہ بات نہ ہوتی تو جانور یا لڑکوں کو دوا کھلا کر اُن سدّھ بنا دیا جا سکتا۔

چوتھے سدّھی دھیان یا سمادھی سے ہوتی ہے۔ اس کو گو اچھی طرح لوگ جانتے نہیں ہیں مگر سب کا وشواس ہے۔ دھیان دل میں توجہ کے یکسو ہونے کا یقینی نتیجہ اور ساتھ ہی ذریعہ یا ذریعہ ہے اور اس لئے پتنجلی رشی نے اس کی بہت بڑی عظمت بیان کی ہے۔

جنہوں نے یہاں تک ہمارے نفس مضمون کو سمجھ لیا ہے ہم اُن ہی سے مخاطب ہو کر اور کچھ کہنا چاہینگے۔ اور وہ یہ ہے کہ جس سدّھی و شکتی کی رشیوں نے خوشخبری دی ہے۔ وہ کہیں باہر سے تم میں نہیں آتی۔ بلکہ خود تمہارے اپنے اندر موجود ہے۔ تم نے اگیان کے بس میں آ کر اُس کو ڈھک رکھا ہے۔ یہ اگیان آج سے نہیں ہے۔ انادی کال سے ہے۔ اور تم کو تولید و تنسیل کے قانون کے بموجب باپ داداؤں سے وراثت میں ملا ہے۔ صرف اسی کے دور کرنے کی کوشش درکار ہے اور جو کچھ کیا جاتا ہے۔ اُس کی غرض بھی صرف اتنی ہے۔ باقی پھر کچھ بھی کرنا دھرتا نہیں رہ جاتا۔ یہ یاد رکھو۔ یہ کائنات ہر جگہ سدّھی و شکتی سے بھری ہے تم جس جگہ بیٹھے ہو وہ بجلی کی طاقت کا خزانہ موجود ہے۔ میں جب کوٹھڑی میں بیٹھ کر لکھ رہا

ہوں اُس میں ساری طاقتیں موجود ہیں۔ مگر ہم کو علم نہیں ہے ورنہ ہم براہ راست بجلی کی طاقت کو پاکر کیا کچھ نہ کر لیتے یہ آکاش تمام قسم کے عجائبات کا بھنڈار ہے۔ گیانی اُس سے سب کچھ پراپت کرتا رہتا ہے۔ اگیانی بیٹھا ہُوا رویا کرتا ہے۔ اسی طرح تمہارے اپنے اندر بھی ہزاروں قسم کی طاقتیں موجود ہیں۔ اگیان کا پردہ پڑا ہے۔ وہ پردہ بھی صرف خیالی ہے اور خیال ہی کی طاقت سے اُس کو دور کر دیتا ہے۔ پھر انسان خود سدھی و شکتی والا بن جائیگا۔ جیسے کسی کھیت کے ہر چار طرف پانی الغاروں بھرا ہو مگر چو طرفہ بند لگ جانے کی وجہ سے اس کے اندر پانی کے آنے میں رکاوٹ ہُوا کرتی ہے۔ ویسے ہی تم تمام سدھی و شکتیوں کے بھنڈار میں رہتے ہوئے بھی محض اگیان کے خیالی بندوں کی وجہ سے کمزور اور بے آبرو بنے ہو۔ کھیت کے بند کو دور کر دو۔ جب سدھی شکتی کا جل بھر جائیگا۔ کھیت تک پتہ نہ رہیگا اور وہ سدھی شکتی کا بھنڈار ہو جائیگا۔ یہ ہمارا اپنا ہی خیال نہیں ہے بلکہ رشیوں نے بھی ایسا ہی کہا ہے۔ اور میں صرف اُنہیں کے خیال کو اپنے نج انبھوہ کے ساتھ تم کو دے رہا ہوں۔ تم اس کو سوچو سمجھو اور اصلیت سے باخبر بنو۔

یہاں تک اگر تم نے سمجھ لیا۔ تو آؤ۔ اب تھوڑی دیر کے لئے دنیا کے سفلی طبقہ پر جہاں ہماری تمہاری نشست ہے بیٹھ کر بات چیت کریں۔ بات چیت یہاں محض گپ شپ کی غرض سے نہیں کی جاتی۔ بلکہ اُس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ہماری اور تمہاری دونو کی زندگیاں پلٹا کھا جائیں۔ اس لئے جو کچھ کہا جاتا ہے۔ اُس کو توجہ کے کان سے سنو۔ کیونکہ یہ مضمون ہی توجہ سے تعلق رکھتا ہے۔

تم کہتے ہو۔ انسان حالات وواقعات سے بنا ہے اور حالات وواقعات کا غلام ہے۔کیوں۔ ہے۔یا نہیں؟ مگر تمہارا اس طرح کہنا غلط ہے۔کیونکہ اگر حالات۔ واقعات اور ہمارے ارد گرد کے سامان ہی سب کچھ ہوتے تو پھر ویدوں کی تلقین کی ہوئی .ہدایتوں کی کیا ضرورت تھی۔ حالات وواقعات ہی سب کچھ کر لیتے۔ مگر شاستر کہتے ہیں۔تم کو اپنے کرم کی سزا وجزا بھگتنی پڑیگی۔ اگر ہم کو سچ مچ حالات وواقعات کا غلام بنا کر دنیا میں بھیجا گیا ہے تو پھر یہ جزا وسزا کیسی؟ اس کے کچھ معنی ہیں۔اور تم کو اس پر غور کرنا چاہئے۔ وید گلا پھاڑ پھاڑ کر چلا رہے ہیں کہ ایشور نیا ءکاری ہے۔مگر تم ہو کہ اُس کے مطلب کو بھی نہیں سمجھتے۔اگر وہ ہم کو کٹھ پتلی کی حیثیت میں بناتا تو پھر نیاء کیسا؟ یہ اچھا نیاء ٹھیرا۔تم دیکھتے ہو۔اگر فوج کا سپاہی اپنے کپتان کا حکم پاکر اپنے راجہ کو گولی مار دیتا ہے تو اُس سے باز پُرس نہیں کی جاتی۔کیونکہ فوجی آئین کے موافق سپاہی مجبور ہے۔ کہ اپنے کپتان کا حکم بجا لائے۔اُس کو چون وچرا کرنے کا ذرہ بھی منصب نہیں ہے مگر یہاں تم اپنے آپ کو حالات وواقعات کا غلام بھی بتاتے جاتے ہو۔جزا وسزا کا خوف بھی دلاتے ہو۔اور ساتھ ہی ایشور کو نیاءکاری تسلیم کرنے کے لئے مجبور بھی کرتے ہو۔یہ کیسی غلطی ہے۔حقیقت میں ویدوں کا کہنا صحیح ہے مگر تمہارا سمجھنا غلط ہے۔ وید ایشور کو نیاءکاری اس وجہ سے کہتے ہیں۔کہ تم فعل مختار ہو۔تم کو کرنے دھرنے کا اختیار عطا کیا گیا ہے۔اگر اس اختیار کا جائز استعمال کروگے جزا ملیگی۔ اگر بُرا استعمال کروگے سزا پاؤگے۔مواخذہ میں گرفتار ہوگے۔یہ ویدوں کی سچی اور قدرتی تعلیم ہے اگر ایک دفعہ بھی تم اس کو ذہن نشین کرلو۔ تو پھر تم کو

توجہ اور اس کی طاقت کے سمجھنے میں ذرہ بھی دقت نہ ہو اور تم تو مصیبت سے کود کر ایک دم سورج کی کرنوں کے ساتھ کھیلتے ہوئے نظر آؤ۔ سورج کی شعاعوں کے رتھ پر سوار ہو جاؤ۔ خود سورج بن جاؤ۔ بلکہ سورج سے بھی بہتر رُتبہ حاصل کر لو سے

آدمی چوں نور گیرد از خدا
ہست مسجودِ ملائک زاجتبا

اگر میری بات مانو۔ تو میں تو یہ کہونگا۔ کہ آدمی حالات و واقعات کا غلام نہیں ہے۔ بلکہ اگر وہ اپنی توجہ کو یکسو کرنا سیکھ لے تو نہ صرف حالات و واقعات کو اپنا غلام بنا لے۔ بلکہ خود ساری دنیا اور ساری کائنات اُس کی غلام بن جائے۔ تمہارے حالات و واقعات کیا ہیں ۔ میں اس کی طرف بالکل توجہ نہیں کرتا۔ وہ صحیح ہیں یا فرضی ہیں۔ یہ بھی میری نظر میں ذرا بھی غور کے قابل مضمون نہیں ہیں۔ میں ان باتوں کو بالکل فضول۔ لچر۔ پوچ اور طفلانہ خیال سمجھتا ہوں۔ تم مانو۔ خواہ نہ مانو ۔ تم کو اختیار ہے۔ مگر میں تم سے سچ سچ کہتا ہوں کہ تم اپنی قدرتی حیثیت کے لحاظ سے خود واقعات اور حالات کے پیدا کرنے والے ہو۔ ریشم کا کیڑا جس طرح اپنے اندر سے باریک تاگے نکال کر اُس کے اندر بند ہو جاتا ہے۔ بالکل اُسی طرح تم اپنے فرضی حالات و واقعات کے بندھن میں پھنس کر ناحق شور مچایا کرتے ہو۔ تم ریشم کے کیڑے کی طرح پہلے آزاد تھے ناخوشگوار حالات و واقعات کا تانا بانا تن کر اگیان کے بس میں گرفتار ہو گئے ۔ اگر تم چاہو تو اُس کو توڑ بھی سکتے ہو۔ اور اپنے لئے بہتر حالات و واقعات پیدا کر سکتے ہو۔ تم میں ساری طاقت موجود ہے

اے مسیحا تو ہے خود جانِ جہاں خود مکاں - اہلِ مکاں اور لامکاں
تیری عظمت کا نہ ہو ہرگز بیاں یاں قلم عاجز ہے اور قاصر زباں
ہے تماشاگاہ عالم آپ تو
کس تماشے کی تجھے ہے آرزو
تجھ کو کیوں ہے سیرِ دنیا دلپسند کیوں اٹھاتا ہے تو زحمت اور گزند
چشم بند و گوش بند و لب بہ بند گر نہ بینی سرِّ حق بر من مخند
ہے تماشاگاہ عالم آپ تو
کس تماشے کی تجھے ہے آرزو
کس کی تجھ کو فکر ہے کس کی تلاش سب ہے حاصل کیا معاد اور کیا معاش
کھول کر تجھ سے کہوں کیا فائش فاش شاد باش اے مردِ کامل شاد باش
ہے تماشاگاہ عالم آپ تو
کس تماشے کی تجھے ہے آرزو

مکڑی کہیں باہر سے سُوت کے رسے لا کر اپنا جال نہیں بناتی۔ اُس کا خزانہ خود اُس کے اندر موجود ہے۔ وہ دل کے تاریک پردوں سے اُن کو باہر نکال کر تانا بانا تنتی ہے اور مکھیوں کا شکار کر کے آسودگی حاصل کرتی ہے مگر تم وہی کام کر کے واقعات و حالات پیدا کرتے ہو اور ریشم کے کیڑے کی طرح اپنے آپ کو اُس کے الجھن میں پھنسا کر پریشان کرتے رہتے ہو۔ تم سے تو مکڑی ہزار درجہ اچھی ہے۔ جو اپنے جال کی حیثیت کو سمجھتی ہے اور آزاد رہتی ہے۔

اگر یہ حالات و واقعات صحیح ہوتے تو سب پر اُن کا یکساں اثر ہوتا مگر ہم ایسا نہیں دیکھتے۔ اس سرزمین میں نہ دیکھو ور کیوں جلتے ہو ایک

شخص ہے جو یہاں عیش و آرام کی زندگی بسر کرتا ہے۔ دوسرا ہے جو دن بھر مانگتا ہے اور ایک دیا بتی سے زیادہ نہیں پاتا۔ تیسرا محنت و مشقت کر کے دولتمند بن جاتا ہے۔ خود خوش رہے۔ دوسروں کو خوش کرتا ہے۔ ہزاروں کو اس سے فائدہ پہنچتا ہے۔ چوتھا اصلیت کو سمجھ کر مستغنی المزاج بنجاتا ہے اور آزادی کی زندگی بسر کرتا ہے۔

یہ سب حالتیں مختلف ہیں۔ اختلافات کی دنیا میں ان میں یکسانیت نہیں ہے۔ یہ ہم لوگ صاف صاف دیکھ رہے ہیں۔ اس کا سبب کیا ہے؟ کوئی نہ کوئی سبب ضرور ہے۔ کیونکہ بغیر سبب کے نتیجہ نہیں ہوتا۔ کارن و کارج کا قانون اپنا کام کئے بغیر نہیں رہتا۔ اس کا سبب اور کوئی نہیں ہے۔ صرف اُس کی توجہ کی یکسوئی نے اس حالت کو پیدا کر رکھا ہے۔ اور ایسا ہونا بھی چاہئے۔

جو شخص عیش و آرام کی زندگی بسر کر رہا ہے۔ اُس نے اپنی توجہ کو عیش و آرام کے لئے یکسو کیا۔ اور اُس کے دل کی یکسوئی طرح طرح کے سامان جو اُس کی زندگی کے لئے مطلوب۔ مرغوب۔ مخصوص۔ اور مقصود ہیں سب کھینچ کھینچ کر اُس کے گرد حلقہ مار لیتی ہیں۔ اور وہ ان سے بہرہ ور ہوتا ہے۔ اس نے یہ سب گورکھ دھندا رچا ہے کسی اور کا ہاتھ اُس میں نہیں ہے۔ کیونکہ دنیا میں ہر شخص اپنی خاص طبیعت کو رکھتا ہے۔ دوسروں کو ذرہ بھی دم مارنے کا موقع نہیں ہے۔ جو رات دن گداگری کرتا رہتا ہے اور پھر بھی پیٹ کی روٹی اور تن کے کپڑے کے لئے ترستا ہے وہ طبعاً تنگدل تنگ خیال اپاہج اور کم حوصلہ ہے۔ اس کی نگاہ بہت محدود ہے اور تاوقتیکہ اُس کو وسعت نہ عطا ہو۔ وہ ایسا ہی بنا رہیگا۔ کیونکہ وہ

اصلیت کو نہ جانتے ہوئے مایوسی اور بدنصیبی کی طرف اپنی توجہ کو یکسو کر رہا ہے۔ تیسرا جو محنتی ہے رات دن اپنے کام کاج کے دھندوں میں دل کی متفقہ طاقت کو لگا رکھتا ہے۔ اس کی محنت بارور ہوتی ہے اور وہ کثیر التعداد آدمیوں کا بھلا کرتا ہے۔ چوتھا جو بے پرواہ۔ اپنے دل کے تہ خانہ میں گھس کر اصلیت کا پتہ پا لیتا ہے۔ اُس کا خیال صرف اصلیت کی طرف رجوع ہے۔ اور وہ جیتے جی اس قدر خوش ہے کہ اُس کی خوشی بادشاہوں کو بھی میسر نہیں ہے۔ اُس کے جذبات نرالے ہیں۔ اُس نے من کو جیت رکھا ہے اور جس نے من کو جیت لیا اُس نے جگت کو جیت لیا۔ وہ اتم ابھوی ہے اب اُس کو کچھ کرنا دھرنا نہیں ہے۔

یہ چار حالتیں تم ہر جگہ دیکھو گے۔ جہاں جاؤ گے۔ یہ نظارے نظر میں آوینگے۔ ان کی تہ میں نہ کوئی راز ہے نہ کوئی اسرار ہے۔ ساری بات صاف صاف ہے جو جس طرح جس خیال کو لیکر اپنی توجہ کو یکسو کرتا ہے ویسے ہی اور اُسی قسم کی کامیابی حاصل کر لیتا ہے۔

یہ سب اُسی کا کرا دھرا ہے۔ اس لئے یوگیوں نے۔ گیانیوں نے رشیوں نے۔ تتو دیتاؤں نے قدم قدم پر اسی توجہ کی یکسوئی کا نغمہ گایا ہے۔ اور مختلف طریقوں پر اسی کو اپنی زندگی کا مآل سمجھنے کی ہدایت کی ہے۔

اگر ایک مرتبہ اس کی سمجھ آجائے۔ اگر زندگی میں ایک ہی مرتبہ انسان توجہ کی یکسو کرنے کا راز سمجھ لے تو پھر کبھی ممکن نہیں ہے۔ کہ وہ واقعات اور حالات کا غلام رہ سکے۔ اُس کے دل کی یکسوئی۔ اُس کے خیالات کی یکرخی۔ اُس کی توجہ کی ایکاگرتا۔ سب کو ہمیشہ کے لئے پلٹ

ونگی۔ وہ خود سکھی ہوگا اور سارے سنسار کو سکھی کر سکیگا۔
رام گھر سے اکیلے باہر گئے تھے۔ اُن کے پاس پہننے کے کپڑے بھی نہیں تھے۔ نہ یار نہ مددگار۔ نہ مونس و نہ غمخوار۔ مگر انہوں نے توجہ کو یکسو کرنے کا راز سمجھ لیا تھا۔ اس کی زبردست طاقت کو جانتے تھے۔ قوت کشش کے تار نے خود بخود ضروری سامان کا لشکر ساتھ کر دیا۔ یہ سامان بہ حیثیت خود اچھا نہیں تھا۔ مگر اس عالیہ ماغ شہزادہ کی یکسوئی نے اس سامان پر اپنا عکس ڈال کر اُس کو بہتر بن بنا دیا۔ ریچھ و بندر کیا ہوتے ہیں! راون اس کی ہئیت کذائی دیکھ کر ہنستا تھا۔ مگر ان سب نے رام کی زیر اثر کیا کیا عجیب و غریب کام کئے۔ دنیا اس کو جانتی ہے۔ ہم کیوں بیان کریں۔ اگر شیر گیدڑوں کی فوج کا سپہ سالار ہو جائے۔ تو گیدڑ شیر بن جاتے ہیں۔ اگر شیروں کے سردار گیدڑ بنا دئے جائیں تو شیر بھی گیدڑ ہو جاتے ہیں۔ شیر و گیدڑ در اصل کوئی چیز نہیں ہیں انسان کا دل ہی شیر اور گیدڑ ہے۔ رام شیر مرد تھے۔ انہوں نے بندر اور ریچھ ساتھ لے کر سونے کی لنکا کو خاک سیاہ کرا دیا اور یہ نتیجہ ہوا کہ ؎

اک لکھ پوت سوا لکھ ناتی — تا راون گھر دیا نہ باتی
لنکا سی محل سمدر سی کھائی — تا راون کی سدھ نہیں پائی

جو بڑے سامان کو اچھے سامان کی صورت میں منتقل کر دیتا ہے وہ خود تمہارا اپنا دل اور اس دل کی یکسوئی ہے۔
کرشن صرف گیارہ برس کے تھے۔ لڑکے تھے نابالغ تھے۔ مگر توجہ میں یکسوئی تھی۔ کنس سے زبردست طاقتور کو دھر کر پچھاڑ دیا۔

کرشن صرف دل ہے اور کچھ نہیں۔ اس راز کو سمجھو۔ اور تمہارا بھلا ہوگا۔

من ہے کرشن اندریاں گوپی۔ لیلا بھوگ وکار
کام آدِک سب گوال بال سنگ۔ بندرابن کرت کھلار
سندانند روپ پتوا اپنا۔ چھوڑ تز کٹی دوار
ناد گیان لیکری چڑھائی۔ مارا کنس گنوار

حالات و واقعات کو دیکھ کر کیوں گھبراتے ہو۔ اپنے دل کو یکسو کرو دقتوں کو مشاقی کا اوزار بنالو۔ اُن کو ہاتھ لگاؤ۔ اُن کو مغلوب کرنے کی کوشش میں لگو۔ ایک دن تم اُن کے بدل دینے میں کامیاب ہو جاؤ گے۔

دنیاوی زندگی کے واقعات کے سلسلہ میں ہمیشہ روشن پہلو کو اپنا رہبر کرلو۔ امید کی چمکتی ہوئی دیوی کو اپنے دل کے مندر میں جگہ دو۔ کسی کی بات نہ سنو اور تم کو کامیابی نصیب ہوگی۔

تم کو دنیا میں جتنے آدمی کامیاب نظر آتے ہیں۔ اس کا سبب صرف یکسوئی کی طاقت ہے۔ جہاں تم نے امید کے روشن پہلو کی طرف توجہ کی۔ اور اُس کو اپنی توجہ کا مرکز بنالیا۔ تم اپنے موافق حالات اور واقعات کے پیدا کرنے میں کمال دکھلا سکو گے۔

دنیا کے زیادہ کامیاب آدمیوں کے حصہ میں کبھی موافق حالات و واقعات نہیں آتے۔ تم نے دیکھا ہوگا۔ اُن کا راستہ خاردار تھا۔ اُن کی راہ کنٹیلے جھاڑیوں سے ہو کر گئی تھی اور وہ سب پر حاوی ہوگئے۔ کیونکہ توجہ کو یکسو کرنا جانتے تھے۔ اگر یہ مصیبتیں نہ ہوتیں تو شاید آج ہم اور تم اُن کا نام بھی نہ جانتے۔ یہاں قسمت کا سوال بالکل نہیں ہے

حقیقت یہ ہے جو جیسا کرتا ہے ویسا بھرتا ہے۔ جنہوں نے جنگل آباد کئے جنہوں نے پہاڑوں سے گنگا کھود کر بہائی۔ جنہوں نے دنیا سے دکھ درد کو دور کیا وہ سب اسی قسم کے انسان تھے جو دل کو یکسو کرنا جانتے تھے جو نیکی میں بدی اور بدی میں نیکی دیکھ کر صرف نیک جذبات کی طرف مائل ہوتا ہے۔ اور اپنے خیالات کی لہروں سے بدی کو نیکی کی صورت میں تبدیل کرنا جان جاتا ہے۔ وہی اصل میں زندگی کا مقصد حاصل کرتا ہے اُس کے لغت میں غیر ممکن شے کے لئے کوئی لفظ مشتق نہیں ہُوا۔

جہاں حالات و واقعات ناخوشگوار ہوں اُن کی طرف مطلق توجہ نہ کرو۔ صرف اُمید کے خیالات پر توجہ کو یکسو کرنا سیکھو۔ اُسی کو اپنی زندگی کا ہادی بنالو۔ اُسی کو اپنے دل میں جگہ دو۔ وہی تمہاری زندگی کا جزو ہے۔ اُسی کو سب کچھ سمجھ لو۔ اور جہاں تم کام کرنے کی طرف متوجہ ہوئے ناخوشگوار حالات خوشگوار ہو جائینگے۔ زہر امرت بن جائیگا موت زندگی سے بدل جائیگی۔ ریگستان کا خوفناک صحرا ہرا بھرا چمن ہو جائیگا۔ اور تم نہ صرف خود گیان کے بلند طبقہ پر بیٹھے ہوئے خوشی و سرور سے خود مستانہ حالت میں واصل ہو گے بلکہ اوروں کو بھی اپنے گیان کا عطیہ بخش سکو گے۔ یہ انسانی زندگی وہ چمکتا ہُوا سرشٹی کا دروازہ ہے۔ جس میں داخل ہونے کا موقع صرف موقع بینوں کے ہاتھ آتا ہے۔ باقی اور ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہتے ہیں ؎

مانش جنم سنبھل کر۔ جھوٹے کاج نوار

جن جن پنتھوں جا انا۔ سوئی پنتھ سنوار

چوبیسویں شاکھا

ترقی تنزلی سکون

دنیا میں ایسے آدمی کم ملینگے جو ترقی کے خواہشمند نہ ہوں۔ ہر شخص کسی نہ کسی قسم کی ترقی کا دل سے خواہشمند رہتا ہے۔ اور اُسی کے ادھیڑبن میں اپنا بیشتر وقت صرف کرتا ہے۔ مگر چونکہ سب کے آئیڈیل جداگانہ ہوتے ہیں۔ سب کے خیالات ایک سے نہیں ہوتے اسلئے اُن کی حالت اور اُن کی سمجھ بوجھ اور اُن کے کام کاج کے طریقے مختلف نظر آتے ہیں۔

لیکن سوال کیا جا سکتا ہے کہ اگر سب سچ مچ ترقی کے دلدادہ ہیں۔ تو کیا وجہ ہے کہ قومی اور مجلسی حالت کے لحاظ سے دنیا کی بہت قوموں میں ترقی کے نظارے نظر نہیں آتے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ بہت انسان پرانی عادات کے غلام ہیں۔ وہ دل میں ترقی کی خواہش رکھتے ہوئے بھی ترقی نہیں کرتے۔ اور نہ اپنی حالت کو سدھارتے ہیں۔ ہر شخص کے دل میں ترقی کا سنسکار ضرور ہے۔ تم کو کوئی شخص دنیا میں ایسا نہ ملیگا۔ جو ہر حالت کے خیال سے بالکل "سنتوشی" ہو۔ خواہ جو اپنی موجودہ حالت میں قانع ہو۔ کیونکہ دنیا کے بنانے والے نے اصل میں دنیا کو شئے متحرک بنایا ہے اور اس لئے اس کے ذرّہ ذرہ میں حرکت ہے اور اس قدرتی ترکیب کی وجہ سے کوئی انسان کبھی ساکن نہیں ہو سکتا۔ نہ ایک حالت میں رہ سکتا ہے۔ یہ شکوے شکایت۔ یہ رنج وغم کی داستانیں۔ یہ زمانے کے جور کا گلہ۔ اصل میں کچھ نہیں ہے انسان دل ہی دل میں چاہتا رہتا ہے۔ کہ یہ حالت بدل جائے۔ اسی سے

بہتر حالت آجائے۔اور چونکہ تبدیلی بہ آسانی ہوتی نظر نہیں آتی۔وہ گھبراجاتا ہے۔اور واویلا مچاتا رہتا ہے۔اس سے صاف ظاہر ہے کہ ہر شخص کے دل میں ترقی کی چنگاری اندر ہی اندر سلگا کرتی ہے اور اس کا رُخ ترقی کی طرف رہتا ہے۔مگر بہت سی باتیں ایسی حائل ہو جاتی ہیں جو اُس کی راہ میں رُکاوٹ بن جاتی ہیں اور وہ مجبور بن جاتا ہے ان رکاوٹوں میں سے ایک اُس کی عادت ہے۔

یہ عادت اکثر صحبت۔ہمسایوں کے خیالات۔اور مختلف قسم کے حالات" واقعات کی وجہ سے پیدا ہو جاتی ہے اور جو شخص اس کے جال میں پھنس گیا۔اس جنم میں وہ عملاً ترقی کرنے سے رُک جاتا ہے اور پھر قدرت اُس کو راہ راست پر لانے کے لئے اور ڈھنگ اختیار کرتی ہے۔

اگر انسان میں یہ طاقت پیدا ہو جائے۔کہ جب وہ چاہے پُرانی عادت کو چھوڑ دے اور حسب ضرورت نئی اور مفید عادت پیدا کرے تو اُس کی ترقی میں ممکن ہے کبھی رکاوٹ نہ ہو۔یہ بات مشکل بھی ہے آسان بھی ہے۔جو اچھی بات ہم کو پسند آئے۔ہم اُس کو اپنے عمل ومشاقی کا جُز بنالیں اور جس کو ناپسند کریں اُس کو ترک کر دیا کریں۔جن کو انسان کی قوت ارادی پر پورا پورا اعتبار ہے۔ان کے لئے یہ بات آسان ہے۔اور جن کو ابھی تک قوت ارادی کی سمجھ بھی نہیں آئی اُن کے لئے مشکل ہے۔اس سوال کا ایک پہلو اور بھی ہے جو نظر انداز کرنے کے قابل نہیں ہے۔وہ یہ ہے کہ قوت ارادی والے انسان بھی اکثر بڑی غلط فہمی کر بیٹھتے ہیں

اور اصل مطلب کو نہ سمجھ کر ضد اور ہٹ کی وجہ سے کسی ایک بات پر اڑ کر اُس کو اپنے اوپر غالب کر لیتے ہیں۔ ہم کو ہمیشہ دیکھنا چاہئے کہ آیا ہم اپنے عادات میں کافی طور پر نیا اضافہ کر رہے ہیں یا نہیں اور آیا ایسا تو نہیں ہو رہا ہے کہ ہمارے کام کاج کی حیثیت بالکل ایک کل کی سی ہو گئی ہے۔ اگر انسان اس طرح کا ہو گیا تو پھر اُس کی ترقی مشکل ہو جاتی ہے۔ مثال کے طور پر سمجھو۔ ایک شخص کو کسی قسم کے شغل کی تعلیم دی گئی۔ وہ شغل کرنے لگا۔ ابتدا میں شغل سے اُس کو تفریح حاصل ہوتی تھی۔ مگر قانون مسادات کے زیر اثر چند ہی روز بعد وہ معمولی شے بن گیا اور اب اُس میں کچھ بھی مزہ نہیں آتا۔ مگر کرنے والا وقت مقررہ پر اُس کو برابر جاری رکھتا ہے۔ اُس کا نتیجہ ترقی تو نہ ہو گی۔ بلکہ عادت پڑ جائیگی اور وہ عادت کا غلام ہو جائیگا۔ غلامی ہی بندھن ہے۔ اور غلامی سے رہائی ملنی ہی آزادی ہے۔

دھرم کرم۔ پوجا پاٹھ۔ عمل شغل۔ ہر کام میں تم کو برابر غور و توجہ کی نگاہ سے دیکھتے رہنا چاہئے کہ آیا اُن میں کچھ رس بھی آتا ہے یا۔ وہ یوں ہی معمولی شے بن رہے ہیں۔ اگر وہ معمولی بن گئے۔ تو سمجھ لو کہ اُس درجہ تک ابھیاس ہو گیا۔ اب آگے چلنے کی فکر کرنی چاہئے۔ انسان کو کسی ایک خاص مرحلہ پر ٹھہر نے کی ضرورت نہیں ہے۔ اُس کا قدم ہمیشہ آگے رہنا چاہئے۔ تاکہ وہ اپنے معراج ترقی۔ و منزل مقصود کے قریب پہنچ جائے۔ اگر ایک ہی جگہ ٹھہر گیا تو پھر عادت کا غلام بن جائیگا۔ اور اُس میں خرابیاں پیدا ہوں گی۔

ترقی ہمارا مقصد ہونا چاہئیے۔ پیچھے مڑ کر کبھی نہ دیکھو کیونکہ پیچھے مڑ کر مار دیئے جاؤ گے۔ جو مرحلہ طے کر لیا وہ طے ہو گیا۔ آگے کی طرف قدم بڑھاؤ جب دوسرے مرحلہ پر پہنچو۔ ذرہ دم لے لو۔ پھر آگے چل نکلو۔ زیادہ نہ ٹھہرو۔ لڑکپن میں کرشن گوپیوں کے ساتھ کھیلتے تھے۔ اُن سے بڑی محبت تھی۔ لڑکپن کی محبت کا کیا کہنا۔ مگر کچھ عرصہ کے بعد ہی وہ کنس کے مارنے کے لئے باہر نکلے۔ جب کنس کو مار چکے گوپیوں کا سندیسہ پہنچ گیا۔ اُنہوں نے خیال بھی نہیں کیا۔ نئے نئے تعلقات نئے نئے معاملات سے کاروبار رہا۔ پڑھا لکھا۔ راج کاج کے کام کرنے لگے۔ گوپیوں نے اودھو کو بھیجا کرشن کو اپنے پاس بلانا چاہا۔ مگر یہ نہ آسکے۔ کہلا بھیجا۔ گیان ویراگ سیکھو۔ تم کو بھی ایسا ہی کرنا چاہئیے۔ جو مرحلہ طے ہو گیا طے ہو گیا اب پیچھے لوٹ کر اُس کے دام میں کیا پھنسنا۔ رام کو سیتا پیاری تھی۔ وہ حاملہ تھی کسی شخص نے شکایت کی۔ اُنہوں نے اُس کو ترک کر دیا۔ اشومیدھ یگیہ کے موقع پر والمیکی رشی نے پھر اُن کے گلے منڈھنا چاہا۔ مگر رام نے کہا سیتا سے کہو۔ اپنی پریکشا دے۔ سیتا سمجھ گئی کہ رام کا مطلب کیا ہے اور سب کے دیکھتے دیکھتے زمین میں دھنس گئی۔ رام کب سیتا سے پھر تعلق پیدا کرنے لگے تھے! اگر سیتا کو گھر میں لے آتے تو پھر رام رام نہ رہتے۔ اس طرح جو بڑے آدمی اور مہاپرش ہیں۔ وہ پیچھے نہیں لوٹتے آگے کی طرف چلتے ہیں۔ آگے بڑھنا اُن کا خاصہ بن جاتا ہے۔

تم نے شاید رام اور کرشن کا نام سنکر اپنے آپ کو تواریخ کی جھاڑی ہی میں پھنسا دیا ہو۔ ایسا بھی ہے مگر ساتھ ساتھ یہ بھی ہے کہ کرشن من ہے۔ گوپیاں اندریاں ہیں۔ ابتدا میں اندریوں کے ساتھ کھیلنا

ہے۔ خوب مکھن اور چھاچھ اڑایا کرتا ہے۔ مگر جب سمجھ بوجھ آتی ہے اُن کو چھوڑ دیتا ہے۔ اسی طرح رام آتما ہے۔ سیتا مایا یا پرکرتی ہے۔ جب آتما کو مایا کا حال معلوم ہوجاتا ہے وہ اُس کو ترک کر دیتا ہے۔ مایا سیے دور رہ کر بھوگ اور بھوگ کی باسنا دو صورتوں سے اُس کو پھر موہت کرنا چاہتی ہے۔ اور رشی تک کو اپنی تائید کے لئے لاتی ہے۔ مگر جس نے اس کا روپ دیکھ لیا۔ وہ کب موہت ہونے والا ہے وہ تو یہی کہیگا کہ "ذرہ اپنی صورت دکھادے تب میں بات کروں" اور جب مایا جان جاتی ہے کہ پُرش نے میرا روپ دیکھ لیا۔ اور مجھ کو پہچان لیا تب زمین پھٹ جاتی ہے اور وہ اس میں سما جاتی ہے۔ آتما اکیلا رہ جاتا ہے۔ مایا کا نام و نشان تک نہیں رہتا۔ تم نے دیکھا ہوگا۔ چق کے پردہ کے اندر کھڑی ہوئی استری اُس وقت تک پُرش کے روپ کو دیکھتی رہتی ہے۔ جب تک پُرش اُس کو دیکھ نہیں لیتا۔ لیکن جہاں اُس نے اُس کو نظر بھر کر دیکھ لیا۔ پھر وہ استری خود شرم سے گھونگھٹ سنبھال کر نو دو گیارہ ہو جاتی ہے۔ یہی کیفیت بالکل آتما اور مایا کی ہے۔

تم بھی ایسے ہی اصلیت کو سمجھو۔ اور پیچھے مڑ کر نہ دیکھو۔ جو گیا سو گیا۔ اب پھر کیا اُسی چبائے ہوئے لقمہ کو بار بار چباتے ہو۔ ترقی کا میدان بہت وسیع ہے۔ تم کو دم مارنے کی فرصت کہاں ہے۔

جو شخص آج بھی وہی باتیں سوچتا ہے جو کل سوچا کرتا تھا۔ جو شخص اس سال بھی اسی قسم کی عادتوں کا غلام ہے جو عادتیں اُس میں پار سال تھیں۔ تو سمجھ لو۔ دماغی نقطۂ نگاہ سے۔ عقلی نقطۂ نگاہ سے وہ کوئیں کے مینڈک کی طرح محدود طبقہ کا رہنے والا ہے۔ اُس میں سٹرانڈ پیدا

ہوگی۔اُس کی عفونت سے اوروں کا دماغ پراگندہ ہوگا۔اُس سے
کہو- وہ گڑھے سے باہر نکلے- نئے خیالات- نئے جذبات نئے محسوسات
کا تماشہ دیکھے- کیا اُسی پرانی گدڑی کو اوڑھے ہوئے پڑا ہے-

کیلاش کی چوٹی پر کروڑوں من برف جمی تھی- سورج کی گرمی سے
پگھل کر وہ گنگا کی دھارا کی طرح بہہ نکلی- باغ باغیچے کھیتی باڑی- اُدسر
جنگل- سب اُس سے سیراب ہوئے- پیاسوں کو پانی ملا- بھوکوں کو غلہ
پیدا کرنے میں مدد دی گئی- پھر وہی دھار عمل تبخیر کے زیر اثر بھاپ
بن کر سورج کی طرف چلی- تمام سورج منڈل میں محیط ہوگئی- آگے اُس
کی کیا صورتیں ہوئیں یا ہونگی- وہ ہماری و تمہاری نگاہ میں نہیں ہیں
کہو برف برف کی حالت میں رہتا تب اچھا تھا- یا اس طرح لطیف بن کر
محیط ہو جانا اچھا ہے- بند ہونا- محکوم ہونا- غلام ہونا کبھی اچھا نہیں
ہے- آزاد ہونا- خوش ہونا- لطیف ہونا ہمیشہ اچھا ہے- ایک جگہ کبھی نہ
اڑو- اڑنا خرابی کی نشانی ہے- چلتے پھرتے نظر آؤ- چلتے پھرتے رہنا
تندرستی کی دلیل ہے-

تم نے دیکھا ہوگا- جب جسم پر نیا کپڑا آتا ہے- اور ذرہ صاف ہوتا
ہے- تو طبیعت کیسی خوش ہو جاتی ہے- مگر جہاں وہ کپڑا پرانا ہوا- جی
گھبرا جاتا ہے- جن کا جی نہیں گھبراتا سمجھ لو- خرابی کی علامت پیدا
ہوگئی ہے- مگر جن کو پرانے کپڑے کو دیکھ کر پریشانی ہوتی ہے- سمجھ لو وہ کیسے
نئے اور بہتر لباس کے خواہشمند ہیں- تم اس راز کو سمجھو- ہر وقت نئی
اور بہتر حالت کی تمنا میں رہو- دل کو روز بروز وسیع کرتے جاؤ- آج اگر
اپنے کنبے پرورا کی محبت ہے تو کل ہمسایوں کو بھی پیار کرو- پرسوں شہر والے اور

ملک والے بھی تمہاری ہی ہمدردی کے مستحق ہو جائینگے۔ اور پھر تم ساری دنیا کو اپنا سمجھنے لگو۔ یہانتک کہ تم سب میں ویاپک ہو جاؤ اور پھر تمہارے لئے ترقی کی اصطلاح مہمل بن جائے۔

لوگ کہتے ہیں قدامت پسندی اچھی ہے۔ میں بھی قدامت پسند ہوں۔ مگر میری قدامت پسندی میں اور اُن کی قدامت پسندی میں فرق ہے۔ وہ دو چار برس کی تواریخی حالت میں رہنے کو قدامت پسندی کہتے ہیں۔ میں آتما کی قدامت کا قائل ہوں۔ بہت سے لوگ اب بھی چار سو برس پہلے کی زندگی کو ترجیح دیتے ہیں۔ ان کی زندگی کے کوئی کوئی پہلو ممکن ہے اچھے ہوں اور اچھے ہوتے بھی ہیں۔ لیکن میں تو صرف موجودہ زمانہ کی خوشیوں اور تفریحوں کی وراثت کو پسند کرتا ہوں۔ وہ پرانی دنت کتھائیں پڑھے ہوئے مرثیہ پڑھا کرتے ہیں۔ میں موجودہ وقت کے خیالات کی لہروں کو ہاتھ سے پکڑ کر اپنے دل میں رکھتا ہوں۔ مرثیہ پڑھنے سے اُن کو دکھ کے سوا کیا ملتا ہے۔ ان کی زندگیاں تلخ ہوتی ہیں۔ ایک ہی بات کو بار بار دہراتے رہتے ہیں۔ میں نہیں سمجھتا اُن کو مزہ کیسے آتا ہے۔ اُن کو چاہئے وہ خلوت خانہ سے باہر آئیں۔ دنیا کو دیکھیں۔ کیا ہو رہا ہے۔ اپنی حالت درست کریں اوروں کے کام آئیں علیحدگی کو طلاق دیدیں اتحاد و اتفاق کا نغمہ گائیں۔ وہ لوگ جو فضول چند کتابوں کو لیکر مٹھوں یا خانقاہوں میں بیٹھے ہوئے بھٹ پٹ کے بات چیت میں لگے رہتے ہیں۔ کاش وہ باہر آکر دنیا کا تماشہ دیکھتے تو اُن کی آنکھیں کھل جاتیں۔ گذشتہ زمانہ کے کھنڈرات میں بیٹھ کر یوں ہی عمر کو ضائع کر دینا فضول ہے۔ ہم جب باطن سے عالم شہود میں آئے ہو تو اس عالم شہود کا بھی

کیوں مزہ نہیں لیتے۔ یہاں قدرتی سامان اصلی کتاب بنے ہوئے تم کو حقیقت کا سبق سکھانے کو موجود ہیں ؎

برگ درختان سبز در نظرِ ہوشیار

ہر ورقے دفتریست از معرفتِ کردگار

یہ دُنیا یوں ہی نہیں ہے۔ اس کی کچھ غرض بھی ہے۔ اور غرض یہ ہے کہ ہم اس سے نئے نئے مفید سبق سیکھ کر اپنی زندگیوں کو شاندار بنانے ہوئے حقیقت سے واصل ہوں۔ جو دن گزرے۔ ہم کو بہتر حالت میں پلٹے۔ ہم جو آج ہیں۔ کل نہ رہیں۔ کل زیادہ عقلمند۔ زیادہ دوراندیش۔ اور زیادہ تجربہ کار بنیں۔ تاکہ موجودہ حالت سے فائدہ اٹھا کر اصلیت کا پتہ پائیں۔ میں یہ نہیں کہتا۔ گذشتہ زمانہ کی حقارت کرو۔ نہیں۔ نہیں۔ اُس سے ہم کو بہت کچھ سیکھنا ہے۔ یہی ایک بنیاد ہے جس پر ہماری ہستی کی عمارت قائم ہے۔ مگر اُس کو خواہ مخواہ یوں ہی نامناسب اہمیت نہ دو۔ بنیاد ہی سب کچھ نہیں ہے۔ عمارت کے در و دیوار۔ چھت کھڑکیاں۔ دروازے یہ بھی اپنی حیثیت رکھتے ہیں۔ پھر موجودہ زمانہ کی کچھ اپنی بھی حیثیت ہے تم کو براہ راست اس سے کام پڑا ہے۔ یہی تمہارا سچا ہادی و رہنما ہے۔ پرانے نافے خوشبو سے خالی ہیں۔ نئے نافوں میں تم کو خوشبو ملیگی۔ اپنے آپ کو تبدیل کرو۔ زمانہ کی تبدیلی کا پورا پورا فائدہ اٹھاؤ۔ اور مقتضائے وقت کو دیکھ کر اس طرح کام کرو کہ تم سے اگر اور کچھ نہیں ہوتا تو خود کڑی بن کر ماضی حال و استقبال کی زنجیر کا نقشہ دکھاؤ۔

جو بڑھاپے کے خیال کو دل میں جگہ دیتے ہیں۔ جلد بوڑھے ہو جاتے ہیں۔ تم ایسا نہ کرو۔ تمہاری جوان ہے نہ بوڑھا ہے۔ وہ ان دونوں سے

علیحدہ ہے تم اُس کی معراج کو اپنی خیالی آنکھوں کے سامنے قائم کرلو اور اپنی ترقی کی فکر میں مصروف رہو۔

یا تو ابھیاس کی ضرورت ہے۔ یا ویراگ کی۔ کسی کام کو بار بار کرنا ابھیاس ہے۔ کسی کا موہ نہ رکھنا ویراگ ہے۔ جب وقت تم کسی قسم کے ابھیاس میں مصروف ہو۔ سوائے اپنے خیالی مقصد کے اور کسی طرح کا خیال دل میں نہ لاؤ۔ ساری توجہ ایک ہی مرکز پر قائم رہے۔ تب جا کر تم کو کامیابی ہوگی۔ اس سے پہلے کامیابی کا لفظ زبان پر لانا پاپ ہے۔ اس کو ہمیشہ یاد رکھو۔ ہر قسم کے آنند کے لئے ویراگ کا ہونا لازمی ہے۔ اگر تم نیند کا مزہ لینا چاہتے ہو تو گھر بار۔ مال و متاع سب کا کھٹکا چھوڑ دو۔ بےفکر بن جاؤ۔ تب خوب نیند آویگی اور مست ہو کر سو گے۔ اگر کھٹکا ہے تو نیند کبھی نہ آویگی۔ یہی حال اور تمام مزوں کا ہے۔ ویراگ سے کبھی یہ نہ سمجھنا کہ گھر بار کو چھوڑنا ویراگ ہے۔ نہیں یہ مطلب نہیں ہے۔ یہ سمجھ لو جیسے جب تم سونے جاتے ہو۔ اپنے مکان کے دروازہ پر قفل لگا دیتے ہو۔ صندوق بند کر رکھتے ہو۔ اور پھر اُن کے خیال کو سوتے وقت دل میں نہیں آنے دیتے۔ کسی کے خیال کا بھلانا ہی ویراگ ہے اور اس سے زیادہ کم از کم ہم اُس کو اہمیت نہیں دیتے۔

انسان ابھیاس یا ویراگ کی مدد سے جتنی ترقی چاہے کر سکتا ہے ترقی کا موقع ہر وقت ہے۔ کوئی وقت ایسا نہیں ہے جب آدمی اپنی ترقی نہ کر سکے۔ بوڑھوں کی شکایت۔ مایوسی کے رنگلے۔ حریفوں کی حرص۔ مریضوں کی مرض۔ اور تیز قدموں کی تیز قدمی سب میں ترقی کی روح اندر ہی اندر کریدتی ہوئی نظر آ رہی ہے۔ میں اُس کو صاف صاف دیکھتا ہوں۔ کوئی اپنی موجود

حالت میں نہیں رہنا چاہتا۔ سب آگے بڑھنے کے خواہشمند ہیں۔ مگر عادات کے غلام بنکر اپاہج ہو رہے ہیں۔ اس نامراد عادت کی گردن پکڑ کر ہلادو اور نئی عادت ڈالنے کا فکر کرو۔ اور تم دیکھتے دیکھتے ترقی کر جاؤ گے۔ اگر ترقی کرنے کی امید نہ ہوتی تو تم ایک دم کے لئے بھی دنیا میں نہ رہتے۔ تمہارا رہنا خود دلیل ہے کہ ابھی نظام آفرینش میں تمہاری ضرورت ہے۔ لوگ کہتے ہیں جب تک رزق ہے تب تک زندگی ہے۔ میں بھی اس بات کو دوسرے طریقہ پر کہتا ہوں۔ جب تک ترقی کے سنسکار ہم میں ہیں اور ہم اس قسم میں ترقی کے فکر میں رہتے ہیں۔ تب تک ہم زندہ رہینگے۔ قدرت کی غرض جس دن پوری ہو گئی پھر کوئی نہ رہیگا اس لئے ہر شخص کو عمر کے لحاظ سے چاہے وہ کچھ ہی کیوں نہ ہو۔ ترقی کا دلدادہ ہونا چاہئے۔ وقت کو کبھی رائگان نہ جانے دو۔ سکھ دکھ کا خیال دل سے بھلا دو۔ صرف کام کرنا سیکھو۔ اور اسی کام کے سلسلہ میں تمہاری ترقی ہوگی۔

پچیسویں شاکھا

جُگ
وچار
ست جگ۔ تریتا
دواپر
کلجگ

ست۔ رج۔ تم۔ تین گُن ہیں۔ ست پرکاش۔ آنند اور پاکیزگی ہے

رج - سرگرمی - چنچلتا - اور نفرت و رغبت ہے - تم سُستی - اگیان اور اندھکار ہے -

جب تک یہ تینوں ایک خاص مساوات کی حالت میں رہتی ہیں اُس وقت تک دنیا کی پیدائش نہیں ہوتی - اس خاص حالت کا نام ساامیہ اوستھا ہے اور تینوں گُن اس حالت میں پرکرتی کہلاتے ہیں -

جس وقت ان میں ذرا کمی بیشی کی حالت آئی - مساوات میں فرق ہو گیا - اُسی وقت رچنا ہونے لگتی ہے اور گردش کرنے والے پہیہ کی طرح سرشٹی کا چکر گھومنے لگتا ہے - اس چکر کے چار پہلو ہوتے ہیں اور وہ اپنی خصوصیت کے لحاظ سے ست جگ - تریتا دواپر اور کلجگ کہلاتے ہیں -

ست جگ وہ ہے جس میں ست کی زیادتی رہتی ہے - ست اس طرح اور گنوں پر حاوی رہتا ہے کہ اُن کی ہستی محسوس نہیں ہوتی تریتا میں ست کے ادھکتا کے ساتھ رج ابھرنے لگتا ہے - اور محسوسیت کا درجہ حاصل کر لیتا ہے - دواپر میں رجوگن پردھان ہوتا ہے - ست کو دبا دیتا ہے - کلجگ میں تم پردھان ہوتا ہے - اور سارے جگت میں آتما کے نقطۂ نگاہ سے اندھکار چھا جاتا ہے -

ست جگ میں چونکہ ست کی زیادتی رہتی ہے - اس وجہ سے لوگ دھرماتما - نیک اور آتم اوستھا کے وچرنے والے ہوتے ہیں - ان کی زندگی ویدک زندگی ہوتی ہے - وید ایشور کے گیان کو کہتے ہیں اور چونکہ آتما خود گیان سروپ ہے - ست جگی انسان اپنے روپ

میں قائم رہتے ہیں۔ روپ میں قائم رہنا ہی دھرم ہے۔ اس لیئے ست جگ میں دھرم چاروں پاؤں پرتھوی پر رکھ کر کھڑا ہوتا ہے۔ اور اُس کا کوئی انگ کمزور نہیں ہوتا۔

تریتا میں کال چکر کے گردش کرنے کی وجہ سے ست میں کچھ برائے نام کمزوری آجاتی ہے۔ انسان اپنے روپ سے ¼ حصہ کھسک جاتا ہے۔ وہ باہر مُکھی بن جاتا ہے۔ اس لئے دھرم کی صرف تین ٹانگیں رہ جاتی ہیں۔ اس جگ میں بھی لوگ نیک ہوتے ہیں۔ مگر ست جگ کی طرح نہیں۔ یہاں آکر وید شروتی بن جاتے ہیں۔ لوگ اوروں سے سُن سنا کر کام کرتے ہیں۔

دواپر میں رجو غالب آتا ہے۔ ست دو حصہ دب جاتا ہے۔ انسان کی نگاہ آتما پر نہیں رہتی۔ وہ خارجی دنیا کا رہنے والا بن جاتا ہے۔ اس لئے دھرم کی دو ٹانگیں رہ جاتی ہیں۔ اور سب جگہ نفرت اور کراہت کے تماشے نظر آتے ہیں۔ اس جُگ میں لوگوں کی بُدھی ایسی ملین ہو جاتی ہے کہ وہ ویدک دھرم سے گرنے لگتے ہیں اور چونکہ آتما سے زیادہ کھسک جاتے ہیں۔ وید کو ایک خاص شکل میں ترتیب دینے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ تاکہ وہ محفوظ رہے اور لوگ دھرم سے پتت نہ ہونے پاویں۔ اسی وقت میں وید جو شروتی کے قلمبند کرنے اور اُن کی خاص صورت میں مرتب کرنے کا اہتمام ہوتا ہے۔

کلجگ میں تم کی ادھکتا ہو جاتی ہے۔ ست قریب قریب بالکل دب جاتا ہے۔ رجو کی مغلوب حالت تم کے ساتھ مل کر اندھکار پیدا کرتی

ہے اور دھرم کا بھاؤ ہونے لگتا ہے۔ ویدوں کا دھرم گپت ہو جاتا ہے۔ کسی کو پتہ بھی نہیں رہتا کہ وید کوئی چیز بھی ہے۔ لاکھوں میں کوئی ایک دو آدمی اُس کے جاننے والے رہ جاتے ہیں۔ دھرم کی تین ٹانگیں ٹوٹ جاتی ہیں۔ وہ صرف ایک ٹانگ سے کھڑا رہتا ہے یہ کلجگ۔ دواپر۔ تریتا۔ اور ست جگ کے مجملی حالات ہیں دُنیا سُن کر حیران ہوتی ہے کہ عقل وعلم کے کرشمے کلجگ میں زیادہ ہوتے ہیں۔ مگر تم کہتے ہو۔ کہ ست جگ کے لوگ زیادہ گیانی ہوتے ہیں۔ یہ نادانوں کا وہ گروہ ہے جو اصلیت کو نہیں سمجھتا۔ دنیا میں یہ پہلا مرتبہ نہیں ہے کہ یہ علمی عروج وعلمی ترقی کا زمانہ آیا ہے۔ ہمیشہ سے ایسا ہی ہوتا آیا ہے اور ہمیشہ ایسا ہی ہوتا رہیگا۔ ابتدا میں جب روح اپنی اصلی حالت میں رہتی ہے۔ اُس کو کسی کی محتاجگی نہیں رہتی۔ وہ اپنے میں آپ خوش رہتی ہے۔ صرف دھیان کرنے سے ہی سب کچھ اُس کے پاس موجود ہو جاتا ہے۔ اُس وقت انسان انترمکھی ہوتے ہیں۔ جب وقت پلٹا کھاتا ہے۔ باہر کی طرف رخ ہونے سے انسان کی نگاہ اپنے آتم سروپ پر تو پڑتی نہیں وہ جسم پرست بن جاتا ہے اور باہر کے ساز و سامان میں سکھ تلاش کرتا ہے اور اسی باہر ہی سامان کی خواہش کے سلسلہ میں بہت سی ایجادات ہوتی ہیں۔ بہت بڑی ترقیاں ہونے لگتی ہیں۔ مگر یہ آتما کو شانتی نہیں دے سکتیں تب قدرتاً اُس کا رخ اندر کی طرف جاتا ہے اور اسی جگہ سے مادی ترقی کا خاتمہ اور آتمک بردھی کی ابتدا ہونے لگتی ہے اور رفتہ رفتہ جب آتمک اوستھا ویاپت جاتی ہے اُس کو ست جگ کہتے ہیں اس قسم کے عقلی کاروبا

ہمیشہ ہوا کئے ہیں۔ کبھی مادہ غالب آتا ہے۔ کبھی روح غالب آتی ہے۔ جب مادہ غالب آتا ہے۔ دنیا میں تمام ایجادات۔ اختراعات بدیعات پیدا ہوتے ہیں۔ جب روح کو غلبہ ملتا ہے۔ انسان محض اپنی خیالی طاقت سے سب کچھ کر سکتا ہے۔ جہاں چاہے خیال سے جا سکتا ہے۔ جو چیز چاہے خیال سے منگا سکتا ہے۔ اُس کو کسی چیز کی کمی نہیں رہتی اور اس لئے اس وقت مادہ کے تمام ترقیوں کے بسامان غائب ہو جاتے ہیں۔

ست جگ میں چار ورن ہوتے ہیں مگر اُن کے درمیان بھید نہیں ہوتا۔ وہ بالکل اسی طرح آپس میں گتھے رہتے ہیں۔ جیسے ہاتھ پاؤں سر اور پیٹ مگر سر کو اہمیت زیادہ رہتی ہے۔ کیونکہ گیان خیال اور بدھی کا بھنڈار وہی ہے۔ یہ سر برہمن ورن ہے۔ تریتا میں کشتری جاتی کا پورا پورا عروج ہوتا ہے۔ کشتری یوں تو ست جگ میں بھی راجہ ہوا کرتے تھے اور سب ان کے ادھین رہتے تھے۔ مگر اس جگ میں اُن کا زور پہلے سے زیادہ ہو جاتا ہے۔ دواپر میں ویشوں کو زیادہ اہمیت مل جاتی ہے اور لوگ دھن دولت اور مویشی کی طرف زیادہ متوجہ ہو جاتے ہیں۔ ست جگ میں محض خیالی طاقت کام کرتی تھی تریتا میں کشتری یعنی قوت بازو کام کرتا تھا۔ دواپر میں یہ دولت وغیرہ کے بہت محتاج ہو جاتے ہیں۔ کلجگ میں شودر ورن کی حیثیت زیادہ بڑھ جاتی ہے۔ اور راج کاج کشتری برہمن ویش سب کو ان کا دست نگر ہونا پڑتا ہے راج تو ہر حالت میں کشتریوں ہی کا رہتا ہے۔ مگر جگوں کے پربھاؤ

سے ایک ایک وقت میں ایک ایک ورن کے آدمیوں کو نسبتاً زیادہ اہمیت ملتی ہے۔ یہانتک کہ کلجگ کی ترقی کے ساتھ ایک ایسا زمانہ آتا ہے۔ جس میں چاروں ورن کے لوگ بھی دب جاتے ہیں اور ملیچھوں کا زور ہو جاتا ہے۔

ست جگ میں جیو ایشور کٹی میں باس کرتے تھے۔ تریتا میں وہ دیو کٹی میں رہ کر دیوتاؤں کی وضع کے ہوتے تھے۔ دواپر میں ہمیشہ کوٹی یعنے انسان کے اوصاف والے کہلاتے تھے۔ کلجگ میں وہ جیو کوٹی بن کر بالکل حیوانیت کے درجہ میں گر جاتے ہیں۔ کوئی صاحب اس بات کو سن کر بُرا نہ مانیں۔ میں جو کچھ لکھ رہا ہوں اپنے انبھو سے لکھ رہا ہوں اور یہ سچی بات ہے حقیقت یہ ہے کہ ست جگ میں ایشور کوٹی ہونے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے کو جگت سے علیحدہ سمجھتے تھے۔ سب میں اپنے کو اور اپنے میں سب کو دیکھتے تھے تریتا میں اُن میں تھوڑا سا فرق آگیا۔ راگ دویش کی ابتدا ہوگئی اور عورت مرد لڑکے بالے کی تمیز پیدا ہوئی۔ دواپر میں اگر وہ گو جگت کو اپنے سے علیحدہ سمجھنے لگے۔ مگر منشیہ جاتی کو پھر بھی ایک ہی درشٹی سے دیکھتے تھے اور سمجھتے تھے کہ

بنی آدم اعضاے یک دیگر ند
کہ در آفرینش زیک جوہر اند
چو عضوے بدرد آورد روزگار
نماند دگر عضو ہا را قرار
تو از فکرت دیگراں بے غمی

نشاید کہ نامت نہند آدمی

یہانتک تو غنیمت تھا۔ مگر کلجگ میں دویت داد کا سلسلہ اس قدر بڑھ گیا کہ قومیت کا خیال ملک کا خیال۔ جاتی کا خیال۔ گروہ کا خیال اور پھر اپنے اپنے ذاتی نفع نقصان کا خیال پیدا ہو گیا اور جس طرح ایک ہڈی کے لئے کتے لڑا کرتے ہیں ویسے ہی انسان علیحدہ علیحدہ ہو کر لڑ رہے ہیں۔ ایک دوسرے کو نقصان پہنچا رہا ہے ایک دوسرے کے منہ کی روٹی چھین رہا ہے۔ ایک دوسرے کے ہلاک کرنے کی فکر میں غلطاں پیچاں ہے اور تمام عقلی مناظر بالعوض اس کے کہ انسانوں کو ملاتے نفاق پیدا کرنے چلے جا رہے ہیں کہیں تجارت کی وجہ سے نفاق ہے کہیں پولیٹکل اغراض کی وجہ سے نفاق ہے کہیں اپنی بڑائی جتلانے کے لئے نفاق ہے۔ ایک ملک دوسرے کو ہڑپنا چاہتا ہے ایک قوم دوسرے کو لقمہ تر بنانے کی خواہشمند ہے اور مزہ یہ کہ اس زمانے کے نادان فیلسوف بالعوض اس کے کہ وحدانیت۔ یکتائی اور روح کی حقیقت کا وعظ سنانے وہ زندگی کے قائم رکھنے کی جدوجہد میں سمجھایا کرتے ہیں کہ بڑا جانور چھوٹے جانور کو کھا کر پلتا ہے۔ یہ قدرتی اصول ہے دنیا ان کی تعلیم کے زیر اثر خونریزی۔ قتل و خرابی کی تختۂ مشق بنی ہوئی ہے۔ پاپ بڑھ رہا ہے۔ اور پاپ بڑھنے کی وجہ سے قدرت روز بروز اپنے عطیات کو کم کرتی جاتی ہے۔ پانی نہیں برستا۔ کھیتوں کی پیداوار کم ہوتی جاتی ہے۔ درخت پھل پھول نہیں دیتے۔ دودھ دینے والے مویشیوں کی قلت ہو رہی ہے۔ قحط ہے وبا ہے۔ طاعون ہے مگر

پاپی آدمی پھر بھی کیا سمجھنے والے ہیں ۔ یہ سب کے باہر مکھی ہو رہے ہیں اور اسی باہر مکھی ہونے کو پاپ کہا گیا ہے ۔ اور جب یہ پاپ بہت بڑھ جائیگا ایشور کی کوئی زبردست طاقت آکر پاپیوں کا ناش کردیگی اور کلجگ کے بعد پھر آہستہ آہستہ ست جگ آجائیگا۔

ست جگ میں پران مجاّ یعنی ہڈی کی چربی میں رہتے تھے اسلئے آدمی کو اس قدر کھانے پینے کی احتیاج نہیں ہوا کرتی تھی تریتا میں پران ہڈیوں میں اسد واپر میں خون میں آگے چل کر کلجگ میں پران اناج میں رہتے ہیں ۔ یہانتک کہ اگر اناج نہ ملے تو انسان بہت دنوں تک جی نہیں سکتا

ست جگ میں ویدوں کا دھرم دھیان تھا ۔ کیونکہ انسان چونکہ اپنی اصلی حالت میں رہا کرتے تھے ۔ پاپی نہیں تھے ۔ قدرت کے قانون کی خلاف ورزی نہیں کرتے تھے ۔ دل کے پاک وصاف ہوا کرتے تھے بچوں کی سی ورتی ہوا کرتی تھی ۔ خوش رہتے تھے اور پاپ نہ کرنے کی وجہ سے بیمار نہ ہوتے تھے ۔ جس چیز کو چاہا ۔ دھیان بل سے حاصل کرلیا مگر جس وقت آتما ست سے ذرہ کھسکا اُس کو بھرم پیدا ہوا ۔ اب دھیان میں وہ طاقت نہیں رہی ۔ اسلئے یوگ کی سمادھی میں دھیان کے گہرے اور گھنے کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی ۔ تریتا کا ویدک دھرم یوگ ہے ۔ ست جگ میں تو لوگ خود ایشور کوٹی ہونے سے ایشور ہیں ملتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے تھے ۔ تریتا میں تمیز کی ناقص عقل پیدا کی گئی ۔ اس نے سمجھا میں بھی کوئی چیز ہوں اور وہ اُس حالت سے گر گیا ۔ مگر سوچ سمجھ کر اس خرابی کے دور کرنے کی تدبیر یوگ میں سمجھی گئی اور اسی وجہ سے یوگ اس تریتا جگ کا دھرم ہے ۔ اس کے بعد جب رجوگن زیادہ غالب

آگیا - وہ بہت زیادہ بگڑ گیا - تب کثیر التعداد آدمیوں کی روحانیت قائم رکھنے کے لئے پوجا - پاٹھ جاری کئے گئے اور ان سے بتدریج ترقی کرکے یوگ کی منزل کے ساتھ ساتھ اصلی حالت میں لانے کا اہتمام سوچا گیا کلجگ کا دھرم صرف مالک کا نام ہے جو اس کو سمجھ بوجھ کر جپتے ہیں اور مہاتماؤں کے بچن پر وشواس کرکے عامل ہوتے ہیں وہ اپنی بگڑی بنا لیتے ہیں

اس بات کو ہمیشہ یاد رکھو - جب تک انسان دھرماتما ہے دھرم میں وچرتا ہے - تب تک اُس میں کوئی خرابی واقع نہیں ہوتی اور نہ اُس کو کچھ کرنا دھرنا پڑتا ہے اُس کو اس وقت تک یہ بھی سمجھ نہیں آتی کہ مجھ میں کوئی نقص پیدا ہوا ہے - آتما کا دھرم ہے کہ اپنے روپ میں رہے - مگر جہاں وہ اپنا روپ بھولا اُسی وقت اُس کو کمی محسوس ہونے لگتی ہے وہ دکھی ہوتا ہے اور طرح طرح کی تدابیر سوچنے لگتا ہے - کبھی باہر کی چیزوں میں سکھ تلاش کرتا ہے - کبھی تیرتھ ورت اور جپ تپ میں مصروف ہوتا ہے اور آخر دھکا کھاتے کھاتے پھر اصلیت کی طرف رجوع ہوتا ہے اور جہاں روپ کا گیان ہوا پھر وہی اصلی حالت آجاتی ہے اُس کا حال بالکل ایک مریض کی طرح ہے - جب تک وہ بیمار نہیں تھا تندرست تھا اُس وقت تک اُس کو اتنی بھی خبر نہیں تھی کہ تندرستی بھی قابل قدر چیز ہوتی ہے اور آیا تندرستی بھی کوئی چیز ہے مگر کسی قدرت کے اصول توڑنے کی وجہ سے جب وہ بیمار پڑیگا - اور تندرستی کھو بیٹھیگا تو اُس وقت اُس کی قدر ہوگی - "قدر سلامتی کسے داند کہ بہ مصیبتے گرفتار آید" - اس وجہ سے ست جگ میں کسی کو بھی ذرہ نقص کا گمان تک نہیں ہوتا - اور کیوں ہو - سب کی حالت خوشگوار ہوتی ہے - سب دھرم کا خود بخود بلا جبر پالن

کرتے ہیں - ویداُن کی زندگی اُن کا کرم اور اُن کا دھرم ہوتا ہے - بھول کر بھی اُن سے بُرے کام نہیں ہوتے - سب کے سب انتر مکھی ہوتے ہیں ایشور میں وچرتے ہیں پھر اُن کے لئے کیا کرنا دھرنا ہے مگر جہاں زندگی کا ستون ذرہ چول سے اُتر گیا نقص معلوم ہونے لگتا ہے - خرابی آجاتی ہے - اور اُسی خرابی کے دور کرنے کی کوشش میں طرح طرح کے جدوجہد ہوتے ہیں اور ان کا سلسلہ کلجگ تک برابر جاری رہتا ہے اور جب کشمکش ختم ہونے پر آتی ہے پھر وہی اصلی حالت آجاتی ہے اور آتما اپنی نشان میں چمکنے لگتا ہے - یہی ست جگ ہے - یہ تمام کرم دھرم یہ تمام لوگ گیان یہ تمام بھگتی اور پریم اسی ست جگ کے واپس لانے کی کوشش ہے یہ کوشش صحیح طریقہ سے ہوتی ہے یا نہیں یہ دوسرا سوال ہے قدرت اس بات کو جانتی ہے کہ مرض کا علاج کس طرح کیا جانا چاہئے اور وہ باہر مکھی مریض کے جذبات کو مطالعہ کرکے اس کو موقع دیتی ہے کہ خوب چھان بین کرلو - خوب دوڑ دھوپ کرلو - خوب ہاتھ پاؤں مارو - اور جب وہ اپنی سی کرلے - تب تھک کر بڑی خرابیوں کے بعد پھر شانت ہوجاتا ہے اور انتر مکھی بن جاتا ہے اور یہی ست جگ ہے -

دوڑت دوڑت دوڑیا - جب لگ من کی دوڑ
دوڑ تھکے من ٹھہریا - بستو ٹھور کی ٹھور
جیتی لہر سمندر کی - تیتی من کی دوڑ
سبھے ہیرا نیپجے - جو من آوے ٹھور
یہ من ٹھیک پچھور لے - سب آپا مٹ جائے
پنگلا ہوئے پیو پیو کرے - تاکو کال نہ کھائے

جو باہر ہے وہی بھیتر ہے۔ جیسے ست جگ دواپر کلجگ وغیرہ باہر کی رچنا میں دیا پتے ہیں ویسے ہی انتر کی رچنا میں حال ہے جب من کا کہنا چول سے اتر جاتا ہے کلجگ آجاتا ہے۔ خرابی مچتی ہے۔ نقصان ہوتا ہے۔ دوایت بھاؤ پیدا ہوتا ہے۔ میرا تیرا اپنا ہونے لگتا ہے۔ من کو شدھ کرلو۔ خرابیوں کی تلافی ہو جائیگی کلجگ جاتا رہیگا۔ اور ایک زبردست پریم کی ورتی کلگی اوتار کی طرح پیدا ہوکر سارے ورتیوں کا ناش کردیگی اور پریم کا جلوہ ہر جگہ نظر آنے لگیگا۔ یہی ست جگ ہے۔

پہلے یہ من کاگ تھا۔ کرتا جیون گھات
اب تو من ہنسا بھیا۔ موتی چن چن کھات
کبیر من پربت ہتا۔ اب ہیں پایا جان
ٹانکی لاگی پریم کی۔ نکلی کنچن کھان
اگم پنتھ من تھر کرے۔ بدھ کرے پرویش
تن من سب ہی سادھ کر۔ تب پہنچے وا دیش

چھبیسویں شاکھا

جگ وچار

ست جگ۔ تریتا (مسلسل)

دواپر۔ کلجگ

ست جگ۔ پریم کا زمانہ ہے۔ کسی کو کسی سے دشمنی نہیں۔ اُس وقت

دنیا بہشت بنی رہتی ہے اور اسی کا نام فردوس۔ باغ عدن۔ بیکنٹھ اور سب کچھ ہوتا ہے۔ اُس زمانہ کے آدمی کچھ کام کاج نہیں کرتے۔ آتم روپ میں مگن رہتے ہیں۔ کرم اگیان ہے۔ کرم اصل میں وہ کرتے ہیں جنہوں نے پاپ کئے ہیں۔ آتما میں کرم نہیں ہے۔ نہ کسی کو بونا پڑتا ہے نہ کھیت جوتنا پڑتا ہے۔ اول تو بھوک پیاس نہیں لگتی۔ اگر ضرورت ہوئی۔ تو لہلہاتے ہوئے درخت اپنے پھول پھل نذر کرتے ہیں تروتازہ پانی کے جھرنے ان کی پیاس بجھاتے ہیں۔ نہ کوئی کپڑا پہنتا ہے نہ زیور پہنتا ہے۔ نہ کوئی مکان بناتا ہے۔ نہ کسی کو خیمہ میں رہنے کا خیال تک آتا ہے۔ سب کی زندگی قدرتی ہوتی ہے استری و پرش ساتھ ساتھ رہتے ہیں۔ اور چونکہ ان میں دوش درشٹی نہیں ہوتی۔ استری پرش کے سنجوگ کا وہاں نام ونشان تک نہیں ہوتا دیوک سرشٹی ہوتی ہے۔ پرش استری کو اپنی اردھنگی سمجھتا ہے اور اُس کو اپنی شخصیت کی مکمل کرنے والی مانتا ہے۔ ایک شے ہے اور اُس کے دو پہلو ہوتے ہیں۔ پس اتنا ہی خیال کیا جاتا ہے۔ اولاد صرف خیال کرنے سے ہو جاتی ہے اور ماتاؤں کو گربھ کی تکلیف گوارا کرنی نہیں پڑتی ست جگ میں مانسک پتر دھک پیدا ہوتے ہیں۔ لوگ کہینگے یہ قانون قدرت کے برخلاف ہے۔ مگر ان نادانوں کو اتنی تمیز کہاں جو غور کریں کہ ابتدا ہی میں استری پرش کے سنجوگ سے کب اُتپتی ہوئی تھی اُتپتی تو صرف پرماتما کے سنکلپ سے ہوئی تھی اور اسلئے چونکہ جیو ابھی اپنے خیال میں پرماتما سے جدا نہیں ہوئے تھے وہ بھی سنکلپ سے اپنی اولاد کے پیدا کرنے کی طاقت رکھتے تھے ست جگ میں سارا کھیل آتم دھیان اور سنکلپ کا ہے۔ اس وقت چونکہ ست کی پردھانتا ہوتی ہے۔ انسان۔ حیوان۔ درخت۔ سب صاف

شفاف اور پرکاش والے ہوتے تھے۔

جب ست میں ذرہ کمزوری آئی۔ اُسی وقت تریتا آگیا۔ اس وقت انسان کی غذا بے بدیا ہؤا اناج وپھل پھول وغیرہ ہؤا کرتی تھی۔ اب کچھ کچھ استری پرش کی سمجھ آنے لگی۔ مگر پھر بھی آج کل کی طرح حالت نہیں رہتی۔ وہ کھانے پینے کے ذریعے اپنے خیال کو استری کے گربھ میں داخل کر دیا کرتے تھے۔ اس کا پتہ کچھ کچھ اُپنشدوں سے ملتا ہے۔

رج کے غلبہ کے ساتھ دواپر آیا۔ چونکہ انسان بہت باہر مکھی بنگیا اس لئے اب قدرت نے اُس کو محنت کرنے کے لئے مجبور کیا۔ اور ہل چلانا کھیتی باڑی کرنا۔ کپڑے بنانا۔ کشتی چلانا اور طرح طرح کی صنعتوں کا رواج ہؤا۔ چار ورن مختلف گروہوں میں تقسیم ہوگئے انسان میں راگ و دویش بڑھ گیا۔ برہمن کشتری لڑنے لگے۔ اپنی اپنی غرض کے لئے خونریزیوں کا سامان پیدا کرنے لگے۔ اور دنیا میں اشانتی پھیل گئی۔ استری پرش بہت ملنے لگے چار ورنوں نے بہت سی شاکھی ذاتیں پیدا کر دیں۔ جو پیشہ کے لحاظ سے اپنی اپنی ذاتی مانتے ہیں۔

تم کی زیادتی نے انسان کو بالکل آتم بمکھ بنا کر باہر مکھی کر دیا۔ یہی کلجگ ہے۔ کلجگ میں نہ تو سنتوش ہوتا ہے نہ ترپتی ہوتی ہے۔ سب جھوٹے سکھ کی تلاش باہری چیزوں میں کرتے ہیں۔ قدرت بھی ذرہ سخت ہو جاتی ہے۔ سب کی زندگیاں مصنوعی بن جاتی ہیں اور وہ نہ حیوانوں کی طرح وشے بھوگ کے شیدائی ہو جاتے ہیں۔ بلکہ پیٹ پالنے دھن اکٹھا کرنے اور اپنی عزت و آبرو قائم رکھنے کے لئے طرح طرح کے کام کرتے ہیں بیوپار بہت بڑھ جاتا ہے۔ کوئی کاریگر ہے۔ کوئی مدرس ہے

کوئی کچھ ہے کوئی کچھ ہے۔ باہری چیزوں کی مانگ بڑھ جاتی ہے اور اُس مانگ کے مہیا کرنے کے ذریعے سوچے جاتے ہیں لوگ آتما کو بالکل بھول جاتے ہیں اور مادہ پرست بن جاتے ہیں۔ مگر مادہ میں سکھ کہاں آخر جب وہ بہت گھبراتے ہیں۔ تب پھر اُن کی خواہش و جذبات کے موافق ست جگ کا دور آنے لگتا ہے۔ اور پھر سب آنند و سکھ کی حالت حاصل کرتے ہیں۔

جگوں کا یہ سلسلہ سرشٹی میں ہمیشہ رہتا ہے اور یہ یکے بعد دیگرے اپنا تماشا دکھاتے رہتے ہیں۔

ان جگوں کے برسوں کے شمار کا نقشہ حسب ذیل ہے:-

ست جگ	۳۶۰۰۰۰ - برس
ست جگ و تریتا کی سندھیا	۱۴۴۰۰۰ - برس
تریتا	۱۰۸۰۰۰۰ - برس
تریتا اور دواپر کے درمیان سندھیا	۱۰۸۰۰۰ - برس
دواپر جگ	۷۲۰۰۰۰ - برس
دواپر و کلجگ کی سندھیا	۲۷۰۰۰۰ - برس
کلجگ	۴۳۲۰۰۰ - برس

یہ ست جگ۔ تریتا۔ دواپر۔ اور کلجگ۔ اسی طرح بارہا ایک ایک کلپ میں ہوا کرتے ہیں۔ کلپ برہما کے ایک دن کی زندگی کو بولتے ہیں۔ برہما کی زندگی بھی سو برس کی ہوتی ہے اور وہ برہما کے ۳۶۰ دن کا ہوتا ہے۔ ایک کلپ دیوتاؤں کے ۱۲۰۰۰۰۰ برس کا ہوتا ہے اور کلپ راتری بھی اتنی ہی ہوتی ہے۔ اس حساب سے

کہ ایک دن رات ۲۴۰۰۰۰۰۰ دیوتاؤں کے برس کے برابر ہے - اگر ان کو ۳۶۰ سے زبردست دیا ہے تو ۸۶۴۰۰۰۰۰۰۰ دیوتاؤں کے برس برہما کے ایک برس کے برابر ہیں پھر اگر اس کو ۱۰۰ سے ضرب دیں تو ۸۶۴۰۰۰۰۰۰۰۰۰ دیوتاؤں کے برس برہما کی عمر ہوتی ہے - اور چونکہ دیوتاؤں کا ایک سال انسان کے ۳۶۰ برس کے برابر ہے - اسلئے اس سے ضرب دئے جانے پر ۳۱۱۰۴۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰ - آدمیوں کے سال کے برابر برہما کی عمر ہوتی ہے اور برہما کی درشٹی ہے کبھی سرشٹی کی عمر ہے اور اتنے دنوں تک پرلے بھی رہتی ہے - اس کے بعد پھر سرشٹی کا ارمبھ ہوتا ہے وعلے ہذالقیاس -

یہ سرشٹی اور پرلے بالکل ہمارے اپنے رات دن کی طرح ہوتے ہیں جس وقت ہم جاگتے ہیں وہ دن ہیں جب سوتے ہیں وہ رات ہے -

ستائیسویں شاکھا

دوجنما - ایک جنما

آریہ - دسیو

یون - ملیچھ

منشیہ کے سنسکرت جاتی کے چار درجہ ہیں - برہمن - کشتری - دیش - شودر - ان کو درن بھی بولتے ہیں - ان میں سے پہلے تین دوجنمے کہلاتے ہیں آخری درن دوجنما نہیں ہے جس کی تعلیم باقاعدہ - جس کی

زندگی بسر کرنے کا موقع ملا ہو۔ جو نہ صرف عقلی و علمی بلکہ آتمک درشٹی سے پراچین رشیوں کے تجربات کا وارث ہو۔ جس کو یگیوپویت سنسکار ہوا ہو اور جو گائتری کا باقاعدہ جاپ کرتا ہو۔ وہ دوجنما ہے اور جس میں یہ سب اوصاف نہ ہوں وہ دوجنما نہیں ہے۔ یہ سارے ورن جنم سے بھی ہوتے ہیں۔ اور گن کرم سوبھاؤ سے بھی ہوتے ہیں۔ قدرت میں ہر جگہ قدم قدم پر ترقی کا انتظام ہے۔ اس لئے اگر کوئی شودر گن کرم سوبھاؤ سے برہمن کے اوصاف رکھتا ہو تو وہ برہمن ہو سکتا ہے اور اگر برہمن اپنے وصف سے گر جائے تو وہ شودر کہلایا جا سکتا ہے مگر پیدائشی سلسلہ میں برہمن کے گھر برہمن اوصاف والے آدمیوں کے پیدا ہونے کا زیادہ امکان ہے۔ کیونکہ وراثت و خاندانی تعلقات کا قانون دنیا میں اپنا خاص اثر رکھتا ہے۔ کیونکہ بزرگی یا چھوٹائی کا سنسکار ہمیشہ نسلاً بعد نسلاً منتقل ہوتا رہتا ہے۔ انسان کے خیالی سنسکار کچھ عجیب قاعدہ سے کام کرتے ہیں۔ اگر اُن کو چھوت سے بچا لیا جائے اور بیجا آمیزش و خلط فاسد کا چھوت نہ لگنے پاوے تو اُن میں نہ صرف حد درجہ کی سختی جاتی ہوگی بلکہ وہ موقع پاکر کبھی نہ کبھی اُبھر کھڑے ہونگے اور پھر اپنی بزرگی کا تماشا دکھاوینگے۔ انسان کا دل ایک قسم کا گودام ہے جس میں یہ سنسکار جمع ہوتے رہتے ہیں۔ اور جہاں مضبوط و طاقتور خیالات کی ہوا لگی وہ بیج کے انکھوے کی طرح پیدا ہو جاتے ہیں یہ سنسکار ایک قسم کے مقناطیسی اثر ہیں جو قدیم رشیوں سے

دوجنموں کو بطور میراث ملتے ہیں - دوجنمے کبھی بادشاہ یا راجاؤں سے اپنی اصلیت کا پتہ نہیں لگاتے - بلکہ اُن میں جن رشیوں کا اثر ہوتا ہے خواہ وہ جن کے اولاد یا گوتر میں ہوتے ہیں اُن ہی سے اپنا تعلق رکھتے ہیں اور یہ گوتر پشتہا پشت اُس مقناطیسی اثر کے موجودگی کی یہ طرز احسن ہمیشہ یاددہانی کرتا ہے - زمانہ کے ناموافق حالات اس کو کچھ عرصہ کے لئے دبا دیتے ہیں - مگر وہ دبنے والی چیز نہیں ہے - موقع کی منتظر رہتی ہے اور موقع ملا نہیں کہ پھر وہ اپنی ہستی محسوس کرانے لگتی ہے - رشیوں کا یہ مقناطیسی اثر جسمانی نہیں ہوتا بلکہ روحانی ہوتا ہے - اور برہمن - ویش - کشتری شودر سب اس کے اپنے اپنے درجہ کے موافق حصّہ دار اور وارث بنے رہتے ہیں - اسی مقناطیسی اثر - خواہ بزرگی کے سنسکار کو "کرکٹر" بھی کہتے ہیں -

جو لوگ واقعات و حالات سے واقفیت رکھتے ہیں وہ اس کرکٹر کے منتقل ہونے کی مثالوں کو بڑی دلچسپی سے مطالعہ کیا کرتے ہیں ایک آدمی نیک ہے - اُس کا لڑکا بُرا ہے - مگر پوتا اچھا ہے - اور بالکل دادا کے خیال - صورت - شکل - عادات واطوار کا ہے - اس کا سبب صرف یہ ہے کہ زمانہ کی ناموافق حالات کی وجہ سے لڑکے میں اُس کا عکس ٹھیک ٹھیک نہیں آیا - بلکہ فوٹو گراف کے کیمرا کے عکس کے بموجب معکوس پیدا ہوا - پوتے میں آکر پھر سیدھا ہو گیا اور دیکھنے والے دیکھ دیکھ کر متحیر ہو جاتے ہیں - اس کی مثالیں ایک دو نہیں بلکہ ہزاروں و لاکھوں ہیں - اور ہندوں

میں بالخصوص قریب قریب تمام خاندانوں میں گرگٹر کے نسلاً بعد نسلاً منتقل ہونے کے راز سے ہر ایک کو واقفیت رہتی ہے۔ اس وجہ سے اس ملک میں چار ورنوں کے الگ الگ رکھنے اور خاص طور پر اُن کے محفوظ رکھنے کا سنسکار کیا گیا ہے۔ تاکہ گرگٹر با مقناطیسی اثر ضائع نہ ہونے پاوے۔

راجپوتانہ کی تواریخ میں رانا سانگا نہایت دانشمند۔ دلیر اور مُدبّر راجپوت ہُوا ہے۔ برعکس اُس کے اودے سنگھ نکما تھا۔ پرتاب میں پھر سانگا کے تمام اوصاف اُسی خوبی کے ساتھ ظہور پذیر ہوئے پرتاپ کہا کرتا تھا کہ کاش اگر اودے سنگھ میرے اور رانا سانگا کے درمیان نہ ہُوا ہوتا تو میرے ملک کو کبھی دشمن پائمال نہیں کرتے اسی طرح قدیم تواریخ میں۔ بھگیرتھ نے ہمالیہ سے گنگا بہائی۔ بیچ میں دسرتھ وغیرہ کی طرح کئی عیش پسند حکمران ہوگئے۔ مگر سری رامچندر جی میں پھر اُس گرگٹر نے ظہور کیا۔ اور انہوں نے بھی ویساہی شاندار کام کیا۔ جس ولوالعزمی سے بھگیرتھ نے ہمالیہ کی چوٹی کو چیر کر اُس کی کندراؤں سے گنگا بہانے کا اہتمام کیا تھا۔ اُسی ہمت سے رامؔ نے سمندر کے سینہ کو چاک کر کے اپنی فوج کے پار کرنے کے لئے راستہ نکالا۔ سچ ہے۔

اولوالعزمان دانشمند جب کرنے پر آتے ہیں
سمندر پھاڑتے ہیں کوہ سے دریا بہاتے ہیں

سمجھنے کے لئے یہ دو مثالیں کافی ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ کبھی ایسا بھی ہُوا ہے کہ شودر کے گھر برہمن اور بنئے کے گھر کشتری پیدا

ہوئے ہیں۔ برہمن کشتری ویش و شودر یہ قدرت ہیں امتیاز کے درجہ ہیں۔ پیدائشی طور پر ان میں کثرت سے وہ اوصاف آتے ہیں۔ ویسے شاذ ہوتے ہیں۔ کیونکہ تم دیکھو تواریخ میں وشوامتر وغیرہ کی طرح بہت کم لوگ ایسے ملینگے۔ جو کشتری ہوکر برہمہ رشی بنے ہونگے برہمنوں میں پھر بھی زیادہ آدمی ایسے پیدا ہُوا کئے ہیں۔ اسی طرح سوت رشی شودر ورن میں پیدا ہُوا تھا۔ جو اس قدر مشہور ہے۔ ویدوں کے مشہور مفسرین میں سے ایک شودر اٹن ایک ولیشائن رشی بھی ہوئے جو شودر اور ویش ورن سے تھے۔ اسی طرح برہمنوں میں پرسرام اور درونا چاریہ کی طرح کم کشتری نظر آئینگے۔ کرم گن سوبھاؤ کچھ عجیب قسم کے مضمون ہیں۔ جس کا جیسا کرم ہوتا ہے وہ ویسا رتبہ حاصل کرلیتا ہے۔ مگر پیدائشی طور پر خاص قابلیت کے پیدا کرنے میں آسانی ہوتی ہے۔ اور یہ وجہ ہے کہ ہندوؤں میں ہمیشہ سے ورن ببھاگ کا طریقہ چلا آتا ہے۔

اس ورن ببھاگ کرنے کا ایک سبب اور بھی ہے۔ ہندو نسل دنیا میں اپنی خاص حیثیت رکھتی ہے۔ وہ نوع انسان کے پیدا کرنے کا بیج ہے اُس کو روٹ ریس (Rote Raae) کہتے ہیں۔ وہ ہمیشہ سے ہے اور سرشٹی کے دوران تک ہمیشہ رہیگی۔ اور اسی وجہ سے ہندو آریہ کہلاتے ہیں۔ دنیا کی اور قومیں آریہ نہیں ہیں۔ مگر چونکہ وہ ہندوؤں کے گھر کے نکالے ہوئے ہیں۔ اسلئے اُن میں آریہ پن کے کچھ اوصاف موجود ہیں اور ان اوصاف۔ زبان وصورت شکل کے لحاظ سے وہ اپنے آپ کو بھی آریہ کہتے ہیں۔ مگر اصل

میں آریہ وہ ہے جو چاروں ورن سے تعلق رکھتا ہو اور روشٹ ریس کا ممبر ہو
بعض لوگوں کی رائے میں شودر آریہ نہیں ہیں۔ اس خیال کے لوگ سخت غلطی پر ہیں۔ برہمن۔ کشتری۔ ویش۔ شودر۔ چاروں ہی آریہ ہیں ان کی باہمی حیثیت بالکل ویسے ہی ہے۔ جیسے سر ہاتھ۔ معدہ اور پیٹ کی ہے۔ یہ ہمیشہ سے یوں ہی ملے جلے چلے آرہے ہیں اور ایک سوسائٹی کے چار رکن ہیں۔ ان میں سے اگر تم کسی ایک کو بھی جدا کردو گے تو سوسائٹی مکمل نہ ہو سکیگی اور یہ سخت نقص ہوگا۔ ان میں فرق صرف اتنا ہے کہ پہلے کے تین ورن دوجنمے ہیں اور شودر خاص حالتوں کے سوا دوجنمے نہیں ہوتے تھے۔ اس میں شک نہیں کہ بعض موقعوں پر سمرتیوں میں اور دوسری کتابوں میں شودر ورن کے ساتھ بڑی بیرحمی کے ساتھ سلوک کرنے کا ذکر آتا ہے۔ لیکن کوئی یہ بھی نہیں کہہ سکتا کہ یہ خلط بیجا سے پاک وصاف ہیں۔

ان چاروں ورنوں کے سوا دنیا کی اور جو قومیں ہیں وہ یوَن ملیچھ اور غیر آریہ ہیں۔ یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے سوسائٹی کے قاعدوں کی پابندی سے پہلو تہی کی۔ سوسائٹی نے اُن کو خارج کردیا۔ اور وہ یہاں سے نکل کر غیر ملکوں میں آباد ہوئے۔ اور اپنے ساتھ بہت سے رسم ورواج لے گئے دنیا کے تمام حصے انہیں سے آباد ہیں۔ یہ یوَن تریتا جگ کے آخیر میں پیدا ہو جاتے ہیں اور چونکہ فطرتاً یہ پاک نہیں ہوتے۔ ان کے ہر کام اچار بیچار سے خالی رہتے ہیں۔ اور ورن شنکر پیدا کرتے رہتے ہیں۔ شاستروں میں اُن کے نام بھی کچھ کچھ دئے گئے ہیں۔ مثلاً یوَن۔ کرات۔ گاندھار۔ چین۔ شلبر۔ بربر۔ شکسا۔ تنگار۔ کنک۔ ملیچھ۔ رمت کمبھوج۔ وغیرہ وغیرہ

ان میں اور آریوں میں جو فرق ہے وہ اتنا ہے۔ یہ سب کے سب باہر مکھی ہوتے ہیں۔ خارجی سامان کے دلدادہ۔ مایا کے غلام۔ اسی دنیا کے بھوگ ولاس کو سب کچھ سمجھنے والے۔ مگر آریوں میں جہاں یہ وصف پیدا ہو جاتے ہیں۔ رشیوں کے سنسکرت جاتی ہونے کی وجہ سے اُن میں ہمیشہ اس قسم کے آدمی بھی بہت رہتے ہیں جو وقتاً فوقتاً آتما کا اپدیش سناتے رہتے ہیں اور انتر مکھی سادھن کے سامان کو بالکل غائب نہیں ہونے دیتے۔ دنیا میں ہمیشہ ایسا زمانہ آتا رہتا ہے۔ جب مادی تہذیب بہت بڑھ جاتی ہے۔ مگر رشیوں کا سنسکار موقع پاکر اس کو مغلوب بھی کرتا رہتا ہے اور وہ سنسکار صرف ہندوؤں کے چاورن ماننے والوں میں رہتا ہے۔

دوسرا فرق آریہ اور ملیچھوں میں یہ ہوتا ہے کہ آخر الذکر بہت جلد ترقی کر کے اپنی ہستی کا چند روزہ تماشا دکھا کر غائب ہو جاتے ہیں۔ سابق الذکر میں قدرتی طور پر سخت جانی ہوتی ہے۔ ملیچھ چونکہ بالکل مادہ پرست ہوتے ہیں اور مادہ اصل میں تبدیلی کا نام ہے اسلئے وہ جھٹ پٹ کچھ عرصے کے بعد اس طرح تبدیل ہو جاتے ہیں کہ اُن کا نام و نشان تک نہیں رہتا۔ مگر آریہ نسل ہلاکت کے منہ میں آجاتی ہے۔ تو وہ اپنے آتمک بل اور آتمک وشواس سے پھر ابھر کھڑی ہوتی ہے اور ہاتھ پاؤں پھیلانے لگتی ہے۔

ملیچھوں میں ہزار طاقت ہو۔ مگر یہ عارضی ہوتی ہے۔ کیونکہ مایا کی طاقت ہمیشہ تبدیل ہوتی رہتی ہے مگر آریوں کا آتما پر وشواش رہتا ہے اور اس وشواس کی وجہ سے وہ طرح طرح کی مصیبت اور سختیوں کو جھیل کر

بھی دنیا میں قائم رہتی ہے۔ اُس پر ہمیشہ بلائیں آتی ہیں اور تکلیف بھی اٹھانی پڑتی ہے۔ مگر وہ آخر میں دکھ و مصیبت کے سیلاب سے بچ رہتی ہے۔

تیسرا فرق جو تم کو آریوں اور ملیچھوں میں ملیگا۔ وہ یہ ہے کہ ان کے طور طریقے۔ رہنی۔ کرنی۔ سب ان سے مختلف ہوتی ہے اس کا سبب یہ ہے کہ چونکہ یہ ورن بیبھاگ سے خارج کردئے گئے ہیں اس لئے ضد کی وجہ سے بالکل مخالف طریقوں کا رواج پھیلاتے ہیں۔ اور تمیز و فرق جتلانے کا زیادہ اہتمام کرتے ہیں۔ کچھ دنوں ان کی چل جاتی ہے مگر آخر میں ایک وقت ایسا آجاتا ہے کہ اُن کی تمام ہستی مٹ جاتی ہے اور کوئی جانتا بھی نہیں کہ آیا اس جاتی کے لوگ دنیا میں تھے بھی یا نہیں۔

آریہ جاتی اور ملیچھ جاتی میں جو فرق ہوتا ہے وہ فرق کوئی اور نہیں ہے۔ صرف آتما کی سمجھ کا فرق ہوتا ہے۔ آتما اٹل ہے۔ آریہ اس پر وشواس رکھتے ہیں۔ اس لئے اٹل ہوتے ہیں۔ ملیچھ اس جسم کو بھی سب کچھ مانتے ہیں۔ جسم تبدیلی پذیر ہے فانی ہے اسلئے وہ بھی فنا ہو جاتے ہیں۔

اٹھائیسویں شاکھا

موہ۔ بھرم
اگیان۔ مایا
دھوکا۔ فریب

آتما پہلے موکش کی حالت میں تھا۔ درمیانی حالت بندھن ہے اس کے

بعد پھر موکش میں جانا ہوگا۔موکش اُس کا اصلی روپ ہے۔اور موکش کا پراپت کرنا انسانی زندگی کا مقصد ہے۔جو کچھ تدبیر کی جاتی ہے جو جپ تپ و سنجم کا بیوہار برتا جاتا ہے وہ صرف اسی وجہ سے ہے کہ موکش پراپت ہو جاتی ہے۔کیونکہ بندھن میں دکھ ہے اور موکش میں سکھ ہے اور اسی لئے مہاتماؤں نے کہا ہے کہ دکھ سے آتینت نورتی اور پرم آنند کی پراپتی پورش کا پرم پریوجن اور پرشارتھ ہے۔"

اب سوال یہ ہے کہ اگر آتما کا سروپ ہی موکش ہے تو پھر پراپتی کس کی اور نورتی کیسی؟ پراپتی تو اُس کی ہوتی ہے جو حاصل نہ ہو۔یہ دو تو متضاد باتیں ہیں اگر ایک صحیح ہے تو دوسری غلط ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ ان میں سے کوئی بھی غلط نہیں۔صرف سمجھنے کی ضرورت ہے۔دنیا میں ایسی چیز کے بھی حاصل ہونے کی تدبیر کی جاتی ہے جو ہم کو حاصل ہو۔ہمارے پاس موجود ہو۔لیکن کسی وجہ سے اُس کے موجود ہونے کا علم جاتا رہے۔مثلاً ایک شخص ہے جس کے ہاتھ میں سونے کا کنگن پڑا ہے کسی وجہ سے یہ کنگن کھسک کر اوپر بازو کی طرف چلا گیا۔اب کلائی میں کنگن کو نہ دیکھ کر وہ پریشان ہے اور پریشانی کی وجہ سے اُس کی عقل میں حیرانی و خرابی آتی جاتی ہے اور خرابی و حیرانی اشانتی کا باعث ہوتی ہے۔اشانتی اپنے سلسلہ میں دکھ پیدا کرتی ہے اگر کسی ترکیب سے اس کی نگاہ کنگن پر پڑ جائے تو ابھی دکھوں کی نورتی اور شانتی کی پراپتی ہو سکتی ہے۔بجنسہ یہی حالت ہمارے اور تمہارے آتما کی ہے۔آتما میں شانتی اور سکھ سب کچھ ہے۔اگیان اور بھرم کی وجہ سے وہ نظر نہیں آتا۔ست کو است اور است کو ست۔جڑ کو چیتن اور چیتن کو جڑ جاننا اگیان ہے اور اسی

اگیان کو بھرم بھی کہتے ہیں- یہ ہی تمام دکھوں کی جڑ ہے- اور اسی کے دور کرنے کا علاج کیا جاتا ہے- اگر اگیان نہ ہو تو نہ کہیں موکش ہے نہ بندھن ہے نہ دکھ ہے نہ سکھ ہے اگیان آیا نہیں کہ پریشانی و حیرانی کے ساتھ ساتھ دکھ پیدا ہو جاتے ہیں- اور انسان حقیقت کے سمجھنے کے ناقابل بن جاتا ہے-

لیکن یہ بھی سوال کیا جا سکتا ہے کہ اگیان پیدا کیسے ہوتا ہے- اور آیا اگیان کوئی چیز ہے؟ اور اس کی ہستی بھی ہے یا نہیں؟ اس کا جواب اثبات اور نفی دونوں میں دیا جا سکتا ہے- کیونکہ جب کوئی شخص خود اقرار کرتا ہے کہ میں نہیں جانتا تو کیسے مان لیا جائے کہ اگیان کوئی چیز نہیں ہے- لیکن حقیقت یہ ہے کہ اگیان اصل میں نہیں ہے صرف ایک فرضی اور وہمی حالت کا نام اگیان ہے-

اگیان کس طرح پیدا ہوتا ہے اس کے متعلق ہم زیادہ کچھ نہیں کہہ سکتے کیونکہ اگر دلیل و یکتی سے اُس کی بابت گفتگو کرتے ہیں تو بحث مباحثہ کا میدان آ جاتا ہے- جس کی وسعت میں انسان کی عقل رات دن دوڑا کرتی ہے- مگر پھر بھی اطمینان اور شانتی پیدا نہیں ہوتی تاہم ہم بڑی سہولیت سے کسی حد تک سچائی کے خواہشمندوں کو اصلیت کے ذہن نشین کرانے کی فکر کرینگے-

یہ اگیان مایا ہے- اور میرے تیرے اپنے سے پیدا ہوتا ہے- اگر انسان میں میرا تیرا اپنا نہ آوے تو پھر اُس کو نہ کسی قسم کا خوف ہے نہ کسی قسم کا دکھ ہے ایک کل کے تمام پرزے رلے ملے ہوئے کام کرتے ہیں- ان میں ملاپ ہے- وحدانیت ہے- اتفاق ہے- یہی ادویت

وا ہے۔ ابھی ان میں سے کسی ایک پرزے میں خرابی آجانے دو۔ ملاپ کو اتفاق کو اور اتحاد کو دکھ ملیگا اور اب دو قسم کی حالت پیدا ہو جائیگی اور کل رفتار میں فرق آجائیگا یہی دویت واد ہے۔ یہی انفصال اور جدائی ہے۔ یہی بندھن اور دکھ ہے اور اسی بندھن اور دکھ سے بچنے کی تدبیریں موکش کی سادھن ہیں جہاں یہ دور ہوا پھر نہ کہیں بندھ ہے نہ موکش ہے۔ صرف ایک ہے۔ اور ایک میں دکھ نہیں ہوتا دکھ ہمیشہ دو کے سنجوگ سے ہوتا ہے۔

اس رچنا میں انسان بھی کسی زبردست کل کے پرزوں میں سے ایک ہے اگر یہ تمام پرزوں کے ساتھ رلا ملا چلا جا رہا ہے اور سب سے مل کر ایک ہو رہا ہے تو اُس کو دکھ نہیں ہے۔ کیونکہ ہمارا جسم اگر یکساں حالت میں رہے تو اُس کو بھی کوئی مرض نہیں ستاتا اور نہ وہ دکھی ہوتا ہے۔ مگر جسم میں ابھی فاسد مادہ پیدا ہو جانے دو۔ دیکھو کتنی بیماریاں پیدا ہو جاتی ہیں اور اُس کو دکھی ہونا پڑتا ہے۔ حکیم۔ وید۔ ڈاکٹر کی خدمت اور ناز برداری کی مصیبت اٹھانی پڑتی ہے۔ جسم اور فاسد مادہ دو چیزیں ہیں۔ اور جہاں ایک سے دو ہوئے پھر توحید و وحدانیت کی حالت نہیں رہتی اور اسی کا نام دکھ ہے جسم میں فاسد مادہ کے پیدا ہونے کی کئی وجہیں ہیں۔ لیکن سب سے زیادہ اور اصلی وجہ اگیان۔ بھرم۔ مغالطہ اور موہ ہے۔ ایک شخص کے دل میں ذرا بیماری کے خوف کو پیدا ہونے دیجئے۔ پہلے وہ بیمار نہیں تھا۔ لیکن اُسی وقت کانپنے لگیگا۔ ہاتھ پاؤں لڑکھڑائینگے۔ سر میں چکر آجائے گا۔ اگیان۔ بھرم۔ مغالطہ۔ اور موہ خیال سے پیدا ہوتا ہے۔ چاہے وہ

خیال اپنا ہو۔خواہ کسی دوسرے کا ہو۔خواہ کسی وجہ سے پیدا ہُوا ہو۔یہ خیال تمام دکھ تمام پریشانی اور تمام مصیبتوں کی جڑ ہے۔

انسان اگر تمام قدرت سے ملا ہُوا اپنی زندگی بسر کرے تو اُس کو دکھ نہیں ہے مگر کسی وجہ سے اُس کو "میرا۔تیرا۔اُس کا"۔اس طرح کا خیال پیدا ہو جاتا ہے اور اس کے سلسلہ میں دکھ ہوتا ہے۔میرا تیرا اپنے کا خیال ہی مایا ہے۔یہی اگیان ہے۔یہی بھرم ہے اس کو دور کردو۔پھر دیکھو کہاں دکھ ہے۔دنیا میں کوئی کسی کا نہیں ہے۔لڑکے بالے۔جورو کٹنب۔قبیلہ کون کس کا ہے اور کون کس کے ساتھ جاتا ہے یہ ہم روزانہ دیکھ رہے ہیں۔مگر پھر بھی باوجود تجربہ کے اپنے آپ کو اس سے باندھ رکھتے ہیں۔اسی بندش کو مایا کہتے ہیں۔اب غور کرو مایا کیا ہے؟ کیا اُس کی کچھ اصلیت ہے؟ حقیقت میں مایا نہیں ہے اور نہ کبھی تین کال میں اُس کی اپنی ہستی تھی۔تم نے محض اپنے خیال سے اُس کو پیدا کیا وہ صرف تمہارے خیال میں موجود ہے اور جگہ نہیں ہے اور یہ تمام تمہارا جگت اُسی مایا کا ظہور ہے۔وہم۔خیال۔دھوکہ۔مغالطہ۔بھرم۔اگیان یہی سب مایا اور مایا کی آل اولاد ہیں۔اور جہاں ایک مرتبہ آدمی اس میں گرفتار ہو گیا۔پھر مشکل سے چھٹکارا ہوتا ہے۔بسا اوقات یہ جال انسان خود بخود پیدا کرتا رہتا ہے اور اُس میں آپ گرفتار ہو کر شور مچاتا ہے حقیقت میں نہ کہیں مایا ہے نہ اگیان ہے میرے تیرے اپنے کے خیال کی جڑ کاٹ دو۔مایا کی جڑ خود بخود کٹ جائیگی۔اور تم کو اصلیت کی زیارت نصیب ہوگی۔اور جہاں اصلیت کا پردہ اُٹھ گیا۔پھر نہ کہیں موکش ہے نہ کہیں بندھن ہے۔آتما اپنے اصلی اور

قدرتی جلال میں روشن نظر آتا ہے۔
جب کل کا پرزہ بگڑ جاتا ہے۔ کاریگر کو اُس کے درست کرنے کی فکر ہوتی ہے اُس پرزہ کو ریتی سے ریتتے ہیں۔ اُس پر ہتوڑا پڑتا ہے تیل ڈالا جاتا ہے اگر کہیں ٹوٹ گیا ہے تو گرم کر کے تپایا جاتا ہے۔ تاکہ وہ درست ہو جائے اسی طرح جہاں آتما میں میرا تیرا اپنا آیا۔ اُسی وقت اُس کے دل میں خوف پیدا ہونے لگتا ہے۔ اسی دل کو ضمیر کہتے ہیں۔ وہ اندر ہی اندر سمجھتا ہے کہ کہیں نہ کہیں نقص پیدا ہو گیا ہے اور پھر قدرت اُس نقص کے دور کرنے کا علاج سوچنے لگتی ہے۔ اُس کو آواگون کے حوض میں غوطہ دیا جاتا ہے تاکہ وہ شدھ ہو جاوے اور دوسرے پرزوں کے ساتھ مل جاوے۔ مغائرت کا نام و نشان نہ رہے۔ اسی مغائرت ہی کے دور کرنے کے لئے جپ۔ تپ۔ پوجا۔ پاٹ کیا جاتا ہے۔ ورنہ اگر آتما اپنی اصلی حالت پر رہے تو کسی کی بھی ضرورت نہیں ہوتی۔ اور جہاں وہ بھرم سے آزاد ہوا۔ پھر وہی اپنی آنند کی اوستھا میں ویسے ہی واپس جاتا ہے جیسے ہاتھ سے کھسکے ہوئے کنگن والے کا دکھ کنگن کے دیکھ لینے سے دور ہو جاتا ہے۔

مایا فرضی اور وہمی چیز ہے ایک مرتبہ اس کی اصلیت کو سمجھ لو اور پھر تم کو دھوکا نہ ہوگا۔ ایک قصہ ہے کسی شخص کے گھر سے ایک نائی آیا اس آدمی نے اپنے گھر بار کا خیال بھلا رکھا تھا۔ اُس کی عورت نے نائی سے کہا جا کر لالہ سے کہہ دینا۔ تمہاری عورت رانڈ ہو گئی۔ اُس نے ایسا ہی کہا۔ وہ آدمی نادان تھا۔ ڈھاریں مار مار کر رونے لگا۔ لوگوں نے پوچھا

بھائی تم کیوں روتے ہو۔ اس نے جواب دیا۔ کیا کہوں گھر سے نائی آیا اور یہ خبر لایا ہے کہ عورت رانڈ ہو گئی۔ اس وجہ سے مجھ کو بڑا دکھ ہوا ہے ہائے بیوی رانڈ ہو گئی۔ اب میں کیا کرونگا۔ لوگ خوب خوب ہنسے وہ فرمائشی قہقہہ لگایا کہ جس کا حد و حساب نہیں۔ ارے بھائی تم تو ابھی جیتے جاگتے ہو۔ عورت کیسے رانڈ ہو گئی؟ اس نے کہا آخر نائی کی بات مانوں یا تمہاری مانوں اور وہ پھر ڈھاریں مار مار کر رونے لگا اور لوگ تو ہنستے رہے۔ ایک سادھو کو اس پر رحم آیا۔ اُس نے علیحدہ لے جا کر اُس کو سوہاگ وتی اور رانڈ کا مطلب بتایا۔ اور یہ بھی سمجھایا کہ چونکہ تم بے فکر ہو گئے ہو۔ اس لئے تمہاری جورو نے بطور طعنہ کے تم کو کہلا بھیجا ہے کہ میری حالت تمہاری زندگی میں ایسی ہو رہی ہے۔ جیسے شوہر کے مرنے پر رانڈوں کی ہوتی ہے۔ اب اس نے اصلیت کو سمجھا اور مسکراتا ہوا دوستوں سے ملا۔ یہ مایا ہے۔ جس کی اصلیت کچھ نہیں مگر اپنا کام کرتی ہے۔

مایا انسان کے دماغ اور خیال کی مخلوق ہے اور میرا تیرا اپنا اس کا روپ ہے اس کو ایک مرتبہ غور کر کے سمجھ لو۔ پھر نہ کہیں دکھ ہو سکتا ہے۔ ذرا اپنے دل میں سوچو تو سہی۔ کون تمہارا ہے اور کس کے تم ہو۔ کیا تم نے اپنے مرے ہوئے رشتہ داروں کا ساتھ دیا؟ نہیں کیونکہ وہ اصل میں تمہارے نہیں تھے اور اسی طرح دوسرے لوگ بھی تمہارا ساتھ نہ دینگے۔ پھر اُن سے گہری محبت کیسی؟ جو پیدا ہوا ہے مرے گا۔ پیدائش موت کا پیش خیمہ ہے یہ لازمی اور ضروری شرط ہے۔ دونوں لازم ملزوم ہیں پھر تم کو اگر کسی کے مرنے پر رنج

یا افسوس ہوتا ہے تو کتنے تعجب کی بات ہے اسی تعلق کا نام مایا ہے۔
کرشی گوتمی بڑی حسین اور نیک لڑکی تھی۔ اُس کا لڑکا دو برس کا تھا۔ اور بہت خوبصورت تھا۔ اتفاق سے وہ بیماری کا شکار ہوا اور مر گیا۔ لڑکی کو جو صدمہ پہنچا۔ بیان سے باہر ہے وہ بیٹے کی لاش لئے تمام حکیم اور ویدوں کے پاس گئی اور اُن سے علاج کرانے کی درخواست کی۔ مگر مردہ کا علاج کون کرے۔ لیکن لڑکی کی حالت دیکھ کر سب کو ترس آتا تھا کسی کے منہ سے یہ لفظ نہیں نکلتے تھے کہ یہ مردہ ہے۔ اس کو پھینک دے۔ آخر گاؤں والوں نے یہ مشورہ کیا کہ اس کو بدھ بھگوان کے پاس بھیج دینا چاہئے وہ اس کو سمجھا دینگے اور اس طرح صلاح کر کے سب نے مل کر اس سے کہا۔ آموں کے جنگل میں ایک گیانی مہاتما رہتا ہے جو سب کو امرت بخشتا ہے تو اُس کے پاس جا تیرا کلیان ہوگا۔ بیچاری گوتمی مردہ لاش کو کندھے پر لئے ہوئے بھگوان کے پاس پہنچی۔ ”مہاپربھو! مجھ کو امرت دان دو۔ میرے لڑکے کا علاج کر دیں بڑی دکھی ہوں“۔ بھگوان نے سر سے پاؤں تک گوتمی کو دیکھا اُس کے دل و دماغ کو مایا کے پھندے سے جکڑا ہوا پایا۔ کہنے لگے ”بیٹی تو کسی ایسے گھرانے سے چند رائی کے دانے لے آ۔ جس میں کوئی نہ مرا ہو اور میں تجھ کو امرت دونگا“۔ ڈوبتے کو تنکے کا سہارا بہت ہوتا ہے۔ لڑکی کے دل کو ڈھارس بندھی۔ اور وہ مردہ لاش کو لے کر پھر گاؤں میں پہنچی۔ سب کے گھروں میں گئی۔ سب سے رائی کے دانے مانگے مگر جب اُس نے یہ سوال کیا کہ کیا تمہارے گھر میں کوئی مرا تو نہیں ہے تو وہ سب کہنے لگے۔ جو جنمتا ہے۔ مرتا ہے۔ افسوس زندگی کے ساتھ

موت ضروری چیز ہے۔ آخر کار ایک گھر بھی ایسا نہ ملا جس میں کوئی نہ کوئی مرا نہ تھا۔ گوتمی عاجز ہو گئی۔ اور مایوس ہائیں پھری۔ شام کا وقت آگیا وہ لاش کو اتار کر درخت کے تلے بیٹھ گئی۔ اور رائی کے دانوں کی حقیقت پر غور کرنے لگی۔ اتفاق سے اُس کی نگاہ تاروں پر پڑ گئی۔ جو ٹمٹماتے ہوئے چراغ کی طرح جل رہے تھے۔ یہ اپنے وقت پر نکلے اور پھر غروب ہو گئے۔ وہ رات بھر اسی تماشے کو دیکھتی رہی اور اب جاکر بُدھ دیو کے کلام کو سمجھا۔ گڑھا کھود کر لاش کو دفن کر دیا اور وہار میں آکر مہاپر بھو کے چرنوں میں گر کر کہنے لگی "بھگوان! آنند روپ بُدھ! تم مجھ کو اپنے چرنوں میں لو۔ مجھ کو اُپدیش کا امرت دو۔ جس میں میرا کلیان ہو۔ میں نے سمجھ لیا۔ زندگی کے ساتھ موت کا رہنا لازمی ہے۔ اس لئے کسی کو کیوں کسی کے مرنے کا دکھ ہو۔" اور پریم پربھو نے اُس کو اُپدیش دے کر کرت کرت کر دیا۔

مایا صرف میرے تیرے پنے میں ہے۔ ورنہ

کنچن چُن چُن محل بنایا۔ لوگ کہیں گھر میرا

نہ گھر تیرا نہ گھر میرا۔ چڑیاں رین بسیرا

اس میں میرے تیرے اپنے کی جڑ کو کاٹ ڈالو۔ تم بھرم اور مایا سے دور ہو جاؤ گے۔ جو ایک دفعہ بھی اس مایا کے روپ کو سمجھ لیتا ہے وہ بھو ساگر کو آسانی سے پار کر جاتا ہے۔ اور جہاں مایا کا روپ اچھی طرح سمجھ میں آیا۔ اُس کی نگاہ اپنے روپ کی طرف چلی جاتی ہے۔ اور وہ شانت ہو جاتا ہے۔

اُنّیسویں شاکھا

اندریہ گیان
دھوکا فریب
مغالطہ

ہے جھیا تو بڑی اودیا۔ تیں سنتن کی قدر نہ جانی
سنت پریم کے سندھ بھرے ہیں تیں الٹی بدھی کیچر سانی

راداھا سوامی صاحب

دیانت کا بھرم وادہ اس جگت کو بھرم بتاتا ہے۔ اس جگت یا سنسار کا علم اندریوں سے ہوتا ہے۔ اندریاں ہی ہم سب کے علم اور گیان کے ظاہری اور یقینی اوزار ہیں۔ شاستر کاروں نے زیادہ تر ایسے گیان کے تین ہی قسم تسلیم کئے ہیں۔ اُن کے لئے پرمان۔ انومان۔ اور شبد کے اصطلاحات استعمال کئے جاتے ہیں۔

پرمان وہ علم ہے۔ جو ہم کو اندریوں کی مدد سے حاصل ہوتا ہے۔ آنکھ۔ ناک۔ کان۔ زبان (ذائقہ) چرم (لمس چھونا) یہ پانچ گیان اندریاں ہیں۔ آنکھیں دیکھتی ہیں۔ اور دیکھ کر ایک نتیجہ پر پہنچتی ہیں یہ آنکھ کا علم ہے۔ ناک سونگھتی ہے اور سونگھ کر ایک نتیجہ پر پہنچتی ہے یہ ناک کا علم ہے۔ کان سنتے ہیں اور سن کر ایک نتیجہ پر پہنچتے ہیں۔ یہ کان کا علم ہے اور علیٰ ہذا القیاس ان پانچ

باہری گیان اندریوں کا تعلق چار اندرونی اندریوں* سے ہے۔ اور یہ سب ایک دوسری سے ملی ہوئی کام کرتی ہیں۔ ان سب کا مجموعی علم پرمان گیان کہلاتا ہے۔

انومان گیان قیاس کو کہتے ہیں۔ اُس کا مطلب یہ ہے۔ اپنے یا دوسرے شخص کے تجربات۔ مشاہدات اور محاققات سے فائدہ اٹھا کر ایک خاص نتیجہ پر پہنچنا انومان گیان کہلاتا ہے۔ مثلاً دریا کو بہتے ہوئے دیکھ کر یہ نتیجہ اخذ کرنا کہ کہیں پانی ضرور برسا ہے یا دھواں کا دیکھ کر یہ سمجھنا کہ یہاں آگ ہوگی۔ خواہ کسی شخص سے یہ سنکر کہ گویہ جنگلی جانور گائے کی شکل کا ہوتا ہے اور جنگل میں اس صورت کا جانور دیکھ کر اس کو گویہ سمجھنا انومان گیان ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔ کپل آچاریہ کے سانکھ شاستر میں انومان کی دو قسمیں ہی ہوتی ہیں۔ مگر ان کے درمیان اتنا فرق نہیں ہے۔

تیسرا شبد پرمان ہے۔ گورو۔ آچاریہ۔ ودیا اُپدیشٹ۔ آپت منشی وغیرہ کا کلام شبد پرمان کہلاتا ہے۔ چونکہ یہ سب نفسانیت غرض اور تعلقات کے رشتوں سے مبرا ہوتے ہیں۔ اس لئے اُن کا کلام ہمیشہ وہر حالت میں سچا مانا گیا ہے۔ ان کو جھوٹ کہنے کی کیا ضرورت ہو سکتی تھی جو لوگ اس طرح سمجھ کر اُن کی باتوں پر یقین کر لیتے ہیں۔ اور ایک نتیجہ پر پہنچتے ہیں۔ خواہ وہ نتیجہ کچھ ہی ہو وہ شبد پرمان کہلاتا ہے۔

نیائے شاستر والوں نے اور قسم کے گیانوں کی نوعیت بھی قائم کی ہے مگر وہ ان تینوں کے اندر آجاتے ہیں اور اُن پر بحث و غور کرنا بھی اس وقت طوالت سے خالی نہیں ہے۔

چارواک ناستک ایک قدم آگے بڑھ کر ان تینوں قسم کے گیان

* من۔ بدھی۔ چت۔ اہنکار۔

کو صرف اندریہ گیان بتاتا ہے۔ اور اگر باریک نگاہ سے دیکھا جائے تو وہ غلطی پر نہیں بلکہ صحیح ہے۔

اس وقت ہم بھی طوالت اور تفصیلی وضاحت سے درگزر کرتے ہوئے اندریہ گیان پر وچار کرنا چاہتے ہیں کہ وہ خود بخود عام طور پر کس حد تک بھرم داد کی تائید کے سامان ہمارے غور و مطالعہ کے لئے پیش کرتی رہتی ہیں۔

اگر کوئی شخص یہ بات کہے کہ اندریوں کا علم ناقابل اطمینان ہے تو بادی النظر میں سننے والے اس کو نادان اور فاتر العقل بتائینگے۔ کیسے ممکن ہے۔ آنکھ کے سامنے کی چیزیں فریب اور دھوکے کا گمان ہو۔ دیکھنے والا دیکھ رہا ہے۔ سننے والا سُن رہا ہے۔ اور اُس پر یہ کہا جاتا ہے۔ تم غلط دیکھ رہے ہو۔ غلط سن رہے ہو۔ کیسے کوئی شخص اس کو صحیح مان لے۔ بھرم وادیوں نے ایک نہیں دو نہیں تین نہیں سینکڑوں اور ہزاروں کی تعداد میں مثالیں پیش کیں۔ اب بھی پیش کرتے ہیں مگر سننے والے اُن کو معمولی اور فضول سمجھ کر غور نہیں کرتے۔ اور یا تو ہنس کر ٹال دیتے ہیں۔ یا ان کو پاپ۔ باطل پرست۔ خام خیال۔ یا وہ گو کا خطاب دیتے ہیں۔ میں بھرم وادی نہیں ہوں۔ نہ اس تعلیم کا مؤید اور حامی ہوں۔ مگر مجھ کو اس طریق کی تعلیم میں جو سچائی ہے اور جس سچائی کی طرف وہ لے جانا چاہتی ہے۔ اُس سے انکار نہیں ہے۔ نہ کبھی ہو سکتا ہے۔ اس سلسلے میں اس شاکھا میں اُن کے کلام کی اصلیت کی تقویت میں موجودہ زمانہ کے اہل خیال اور صاحب غور لوگوں کی عام و معمولی مثال سے کام لینا مصلحت سمجھتا ہوں۔ جو نہ صرف دلچسپ

اور سبق آموز ہی ثابت ہوگی۔ بلکہ سوچنے والوں کے لئے سوچنے کا سامان پیدا کریگی۔

اس زمانہ کا ہر شخص جو ذرہ بھی پڑھا لکھا ہے وہ سمجھتا ہے کہ ہم سطح زمین پر کھڑے ہیں۔ ہمارا سر اوپر اور پاؤں نیچے کی طرف ہیں اس بات کو سب اچھی طرح سمجھتے ہیں۔ اور یہ خیال اس قدر مضبوطی سے اُن کے ذہن نشین ہو گیا ہے کہ اگر کوئی شخص اس کے برخلاف کہے تو وہ فوراً اُس کو دیوانہ اور جنگلی کہہ دینگے۔ مگر اصلیت کیا ہے؟ نجوم کہتا ہے۔ زمین گول ہے موجودہ یورپین تہذیب سے لاکھوں برس پہلے ویدک دھرم کے جوتشی کہتے آئے ہیں زمین گول ہے اور برابر گھومتی رہتی ہے۔ ابتدائی سکول کا ایک طالبعلم جو جغرافیہ پڑھتا ہے۔ تم کو بتا دیگا کہ زمین چپٹی نہیں بلکہ مدور ہے۔ اور چوبیس گھنٹے کے اندر گردش میں رہنے کے سبب سے تمہارا سر مختلف سمتوں میں جھکتا رہتا ہے یہ سب بہ آسانی سمجھتے ہیں۔ لیکن اگر ان سے سوال کیا جائے کہ کیا یہ سچ مچ صحیح ہے؟ تو شاید جواب دینے میں وہ چار لمحہ کے لئے تامل کر جائیں۔ علم نے عقل نے قیاس نے اس کو صحیح ثابت کر دیا ہے۔ مگر آنکھ کیا کہتی ہے؟ اس موقع پر آنکھ کو صریح بھرم ہے۔ اُس کا گیان فریب اور دھوکا ہے اور ہم اصلیت کو سمجھتے ہوئے بھی اس بھرم میں پڑے ہوئے ہیں۔ کہ ہمارا سر اوپر نیچے کی طرف ہے۔ زمین چونکہ مدور ہے اگر ہمارا سر اوپر نیچے کی طرف ہے تو اس بات پر غور کیجئے کہ امریکہ کے رہنے والے جو ٹھیک ہمارے نیچے رہتے ہیں۔ اُن کے سر کہاں ہونگے؟ یہ بھرم کی ایک مثال ہے۔

جب ہم اپنی آنکھوں کے سامنے آئینہ رکھ کر دیکھتے ہیں۔ تو ہم کو صاف

صاف معلوم ہونے لگتا ہے۔ کہ آئینہ اور ہمارے عکس کے درمیان کچھ فاصلہ ہے۔ حالانکہ اُس جگہ وسعت یا فاصلہ کا نام ونشان بھی نہیں ہے۔ آئینہ صاف اور شفاف ضرور ہے مگر یہ صفائی صرف اُتنی حد تک ہے۔ جہانتک آئینہ کی موٹائی ہے۔ ممکن ہے آئینہ صرف ایک انچ موٹا ہو۔ مگر آپ دیکھتے ہیں آنکھوں کو کتنا بھرم ہو رہا ہے۔ وہ اس میں بہت زیادہ فاصلہ محسوس کر رہی ہے۔ آئینہ کے پس پشت پارہ لگا دیا گیا ہے۔ آنکھ اس کے وار پار کسی حالت میں نہیں جا سکتی۔ مگر ایک چھوٹے آئینہ میں بڑی بڑی چیزوں کے عکس کسی فاصلہ پر نظر آرہے ہیں۔ اگر آئینہ کے سامنے چند چیزوں کا نظارہ قائم کیا جائے اور یہ سب چیزیں سلسلہ کے ساتھ یکے بعد دیگرے ذرہ ذرہ فاصلہ پر رکھی جائیں تو وہ اُسی حیثیت سے اپنی درمیانی فاصلہ کو ظاہر کرتی ہوئی نظر آوینگی۔ حالانکہ ہر شخص یہ آسانی جان سکتا ہے۔ آئینہ میں وسعت اور گنجائش کی جگہ کہاں ہے۔ یہ اس قسم کا بھرم ہے۔ جس پر آنکھ کسی حالت میں غالب نہیں آتی۔ یہ بھرم کی مثال اس قدر مکمل۔ دائمی اور عالمگیر ہے۔ کہ سوائے عقلی تشخیص اور غور کے اگر صرف آنکھ کی مدد سے کوئی اس پر غالب آنا چاہے تو بالکل غیر ممکن ہے۔ جہاں جس موقع پر کسی آدمی کو اپنی آنکھ کی دیکھی ہوئی بات پر حد درجہ کا غرور اور ناز ہو وہاں یہ مثال پیش کی جا سکتی ہے۔ اور کیا عجب وہ اندریوں کے گیان کے بھرم کو سمجھ جائے۔ یہ بھرم اُس وقت تک کبھی دور نہیں ہو سکتا جب تک عقل ودماغ مدد نہ دیں اس سے ثابت ہوتا ہے کہ زندگی کے متعلق بہت سے ایسے مسائل پیش آوینگے جن کے حل کے لئے ہم کو کبھی صرف اندریوں کے گیان پر یقین نہ کرنا چاہئے۔ روحانی معاملات کا تو کہنا ہی کیا ہے! اگر اندریوں کا گیان ہی

سب کچھ ہوتا۔ تو ناستکوں کو اس قدر سچائی سے دور اور سچائی کا مخالف نہ سمجھا جاتا۔

جو بات ہم نے آئینہ کی نسبت بیان کی ہے۔ وہی پانی کی نسبت بھی کہی جاسکتی ہے۔ پانی میں بھی آسمان ستاروں۔ آسمانی اجرام اور درخت وغیرہ کا عکس نظر آتا ہے۔ اور پانی میں چاہے اس قدر گہرائی نہ ہو مگر جب آسمان کا عکس دکھائی دینے لگتا ہے۔ تو وہاں بھی آئینہ کا نظارہ نظر آتا ہے۔ اور وہ زیادہ گہرا معلوم ہوتا ہے۔ اس کے سوا اکثر گہرے دریاؤں میں بارہا آدمی بھرم کی وجہ سے جان جوکھم میں پڑ گئے۔ ایک شخص مجھ سے کہتا تھا۔ چمبل ندی جو گوالیار کے قریب بھی ہوتی ہے بہت گہری ہے۔ کوئی آدمی درخت کی شاخ پر بیٹھا ہوا نیچے کی طرف نگاہ کر رہا تھا پانی کے اندر اُس کو کوئی چمکدار چیز نظر آئی۔ دریا گہرا تھا۔ مگر اُس کو گہرائی کا خیال نہیں ہوا۔ غوطہ مار گیا۔ مگر پھر اوپر نہ آسکا ممکن ہے۔ گہرائی کے ہوتے ہوئے چھچھلے پن کا بھرم ہوا ہے۔

اوپر ہم نے آسمان کے عکس کا ذکر کیا ہے۔ آسمان آکاش کو کہتے ہیں۔ آکاش کی کوئی صورت نہیں ہے۔ جو نظر آسکے مگر نیلا پن نظر آتا ہے۔ فارسی والے شاعروں نے اس کو اسی خیال سے چرخ نیلوفری و چرخ لاجوردی بیان کیا ہے اور پانی میں اُس کے عکس کا نظر آنا بھرم کی دوسری مثال ہے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ ہر جگہ اوپر کی طرف ہم کو گیند کی طرح نظر آتا ہے اور جب بادل نہیں رہتے اور بھی زیادہ تر اُس کا خیال ہوتا ہے حالانکہ ایک مدرسہ کا طالب علم جانتا ہے وسعت لامحدود ہے۔ نہ کہیں گیند ہے نہ اُس کا

شان وگمان ہے مگر آنکھ اُس کو دیکھتی ہے۔ اگر عقل نہ ہوتی تو آنکھ کس قدر دھوکا دیا کرتی۔

اکثر جنگلوں میں جب سورج کی کرنیں خوب چمکنے لگتی ہیں بالخصوص دوپہر یا تیسرے پہر۔ پانی کا بھرم ہوتا ہے اور نادان مسافر اسی بھرم میں پڑ کر جان کھو دیتا ہے۔ کیونکہ وہاں پانی کہاں! سورج کی کرنوں نے سُراب کا نقشہ بنایا تھا۔ سنسکرت میں اس کو مرگ ترشنا کہتے ہیں کیونکہ پیاس کا مارا ہوا ہرن پانی کی تلاش میں بھٹکتا ہوا کرنوں کی لہروں کو دریا سمجھتا ہوا اضطراب وبیقراری کی حالت میں دوڑ دوڑ کر جان دیتا ہے اور اُس کو پانی نہیں ملتا۔

سورج اور دوسرے سیاروں کا نکلنا۔ بڑھنا اور ڈوبنا اس بھرم کی ایک اور مثال ہے زمین قریب قریب گول ہے اور گردش کرتے وقت اُس کی سطح کے تمام حصے کسی نہ کسی سیارے کے مدمقابل آتے رہتے ہیں۔ جو نسبتاً اپنی جگہ پر قائم رہتے ہیں۔ مگر ایسا معلوم ہوتا ہے۔ گویا وہ نکلتے رہتے ہیں۔ مثلاً سورج کو دیکھئے زمین کے نیچے سے برآمد ہوتا ہوا نظر آتا ہے۔ آہستہ آہستہ اوپر چڑھتا ہے۔ یہ دوپہر کے وقت ہمارے سروں پر آجاتا ہے۔ آخر ہم اس کو گھومتے ہوئے مغرب کی جانب پھر غروب ہوتے دیکھتے ہیں اور وہ زمین کے مغربی کنارہ کے قریب ڈوبتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ اور زمین ہمارے پاؤں کے تلے سخت مضبوطی سے ٹھہری ہوئی معلوم دیتی ہے۔ ہزار کوشش کیجئے لیکن کیا کبھی آنکھ درست ہو سکتی ہے۔ وہ سورج کو گھومتے ہوئے اور زمین کو ٹھہری ہوئے دیکھے گی۔ اس کے برعکس کبھی اس کو نہ دکھائی دے گا۔ اور جب تک علم وعقل ملکر

کام نہ کرینگے یہ خیال غلط نہ معلوم ہو گا۔ اس سے زیادہ تعجب انگیز بھرم کی بات اور کیا ہو سکیگی کہ اس قدر جسیم مادی چیز گردش میں ہے۔ اور آنکھ اس کو نہیں دیکھ سکتی۔ اسی طرح میرے عزیز پڑھنے والو! تم اچھی طرح یقین کر لو۔ تاوقتیکہ روحانی نظر تم کو نہ عطا کی جائیگی۔ کبھی ممکن نہیں۔ تم زندگی کے اصلی راز کو جان سکو۔ اور روح کی ہستی کا پتہ پا سکو جس طرح عقل آنکھ کے ظاہری علم کو نظر انداز کر کے من کو اصلیت سے باخبر کرتی ہے۔ اُسی طرح من کی تربیت۔ خیالات کی بلندی۔ بیغرضانہ دیا کانہ زندگی اور روحانی شغل کی مدد سے ہم تم کسی وقت سمجھ سکینگے ہم کیا ہیں؟ ویدانت کی تعلیم کا ما حصل کیا ہے؟ سنتوں کے پنتھ اور مجذوب سالکوں کے طریقت کا اصل الاصول کیا ہے؟ شمس تبریز نے کیا اچھا کہا ہے

ازو پُرس ازو پُرس احوال ما

کہ در باخت و گم گشت در راہ ما

آسمان ہر چہار طرف بادلوں سے گھرا ہؤا ہے۔ چاند کو دیکھو کس شان اور کس خوبصورتی کے ساتھ ان کے پردوں میں گھُستا ہؤا باہر نکلتا ہے کبھی سیاہ و سفید رنگ کے بادلوں میں جا کر چھپ جاتا ہے۔ کبھی چلبلے مزاج معشوق کی طرح کھڑکی سے منہ نکالتا ہے۔ یہ تماشا واقعی دیکھنے کے قابل ہے کیا عجب عاشق مزاج پارسی شاعر نے اسی چاند کے نظارے کو دیکھ کر یہ شعر لکھا ہو۔

دیدار مے نمائی و پرہیز مے کنی

بازار خویش و آتش ما تیز مے کنی

ذرا غور تو کیجئے۔ اس موقع پر آنکھ کو کس قدر منہ کی کھانی پڑتی ہے

آپ صاف دیکھ رہے ہیں۔ بادل تھمے ہیں چاند پھد کتی ہوئی کشتی کی طرح اٹکھیلیاں کھیل رہا ہے۔ حالانکہ معاملہ بالکل برعکس ہے۔

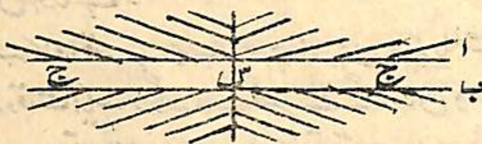
یہی حالت اُس وقت ہوتی ہے۔ جب ہم کسی چلتی ہوئی ریل گاڑی یا کشتی میں بیٹھے ہوئے ہوتے ہیں۔ اگر آنکھ کسی غیر متحرک چیز پر قائم نہ کی جائے سڑک کے کنارے کے درخت تیزی کے ساتھ چلتے ہوئے دوڑتے ہوئے نظر آوینگے۔ کھڑی ہوئی گاڑی بھاگتی ہوئی دکھائی دیگی۔ یہ بھرم اتنا مضبوط ہوتا ہے کہ بعض وقت ذرا بھی شک وشبہ کی گنجائش نہیں رہتی کسی لڑکے سے جو ریل پر سوار ہو پوچھو وہ سادگی سے جواب دیگا کنارے دوڑ رہے ہیں تار کے کھمبے بھاگتے چلے جاتے ہیں۔ باغ درخت۔ جھاڑیاں کھیت۔ بنجر۔ نالا سب کو ئیں سب کو پر لگ گئے ہیں۔ سب اُڑے جا رہے ہیں۔ مگر یہ حالت اُس وقت نہیں رہتی جب آنکھ کسی غیر متحرک چیز پر قائم ہو جائے اُس وقت اس آنکھ کی اور ہی حالت ہو جاتی ہے تب یہ اصلیت کو دیکھنے لگتی ہے روحانی راز کے متلاشیو! اس سنسار سے پار ہونے کے لئے تم کو بھی ایسی آنکھ کی ضرورت ہے جو شیو نیتر کہلاتی ہے آؤ اس شیو نیتر (یعنی شیو کی آنکھ) کی تلاش کرو۔ صوفی اسی کو نقطہ سویدا کہتا ہے۔ دھیانی اس کو تری نیتر یعنی تیسرا تل بولتے ہیں۔ اسکے پلٹنے کی تدبیر سوچو۔ اُس وقت تم خود بخود گوتم بدھ کی طرح کہہ اٹھو گے۔

"ہم جس کی تلاش میں تھے وہ کب ہم سے دور تھا"

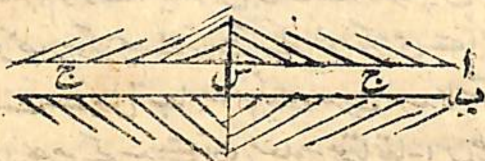
جس وقت خوب کہر پڑ رہا ہو۔ سورج کی کرنیں ٹیڑھی اور جھکی ہوئی نظر آوینگی۔ پانی میں تم سیدھی لکڑی داخل کرو۔ تم کیا دیکھوگے۔ لکڑی اُس جگہ سے خم نظر آویگی۔ جہاں سے وہ پانی میں ہے۔ آنکھ صاف دیکھ رہی ہے لکڑی

ٹیڑھی ہے۔ خواہ جھکی ہوئی ہے۔ حالانکہ اصلیت یہ ہے کہ لکڑی سیدھی ہے۔ تم پانی سے بھرے ہوئے گھڑے میں اپنی سیدھی لکڑی ڈال کر آج دیکھ سکتے ہو۔ یہ بھی آنکھ کا بھرم ہے۔

اسی طرح کتنی باتوں میں آنکھوں کو بھرم ہوتا ہے۔ مثلاً دیکھو۔



یہ دونو خط ا اور ب خطوط مستقیم متوازی ہیں لیکن نظر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہر دو طرف (ج) سکڑی ہوئی ہیں اور بیچ (س) میں کھلی ہوئی ہیں۔ اسی طرح



ان دو متوازی لکیروں کا درمیانی حصہ آپ کو سکڑا ہوا اور ہر دو طرف کے ابتدائی حصے کھلے ہوئے معلوم ہونگے۔ حالانکہ ہر دو حالت میں وہ مستقیم اور باہم متوازی ہیں۔ جب تک آپ کمپاس کی طرح نگاہ کو جما کر نہ دیکھینگے دونو ٹیڑھی نظر آئینگی۔ بھرم کا سبب باہر کی لکیریں ہیں۔

سانپ اور رسی کی مثال ویدانت شاستروں میں اکثر دی جاتی

ہے۔ بارہا دیکھا گیا ہے۔ کہ جب کسی شخص کو اندھیرے میں رسی کو دیکھ کر سانپ کا بھرم ہو گیا تو اُس کی حالت بھی اُس وقت غیر ہو گئی اور تمیز نہ کر سکا کہ آیا یہ سانپ ہے۔ یا رسی ہے۔ دو ایک آدمی تو محض خوف کی وجہ سے مر بھی گئے۔ اسی طرح تاریکی میں درخت کے ٹھونٹھ کو دیکھ کر آدمی کا خیال ہوتا ہے۔

ایک مرتبہ کا واقعہ ہے جب ہم چنار میں ہیڈ ماسٹر تھے۔ ایک دن رات کے وقت ایک بزرگ کے گھر ملنے گئے۔ ان کا مکان قلعہ کے پیچھے کچھ فاصلہ پر واقع تھا۔ بات چیت کرتے آدھی رات ہو گئی۔ خوب چاندنی کھلی ہوئی تھی۔ واپس آتے وقت ہمارے ساتھ کوئی آدمی نہیں تھا۔ جب ہم قلعہ کے پاس پہنچے ہم کو ایسا معلوم ہوا کوئی شخص کھڑا ہوا ہے۔ ہم نے پوچھا کون ہے؟ کچھ جواب نہیں ملا۔ دوسری تیسری دفعہ بھی یہی حالت رہی ہے۔ ہم کو خوف آ گیا۔ اُس بزرگ کے گھر واپس جانا مصلحت نہیں سمجھا۔ آخر مجبور ہو کر ہم نے جرأت کر کے اپنی لکڑی سے اُس پر وار کیا جب لکڑی کھٹ سے بولی تب معلوم ہُوا وہ صرف سرحد کا ستون تھا۔ آدمی نہیں تھا۔ بھرم کے سبب سے آدمی معلوم ہوتا تھا۔ اس طرح ایک دو نہیں بلکہ آنکھوں کے بھرم کے متعلق سینکڑوں اور ہزاروں مثالیں بتائی جا سکتی ہیں۔ اس وقت اتنی ہی کافی ہیں۔

اب سپرش اندری یعنی قوت لمس کی طرف تھوڑی دیر کے لئے توجہ کیجئے۔ یہاں بھی اُسی طرح اکثر دھوکا ہوتا رہتا ہے۔ اور آدمی غلطی سے اس دھوکے کے شکار ہو جاتے ہیں۔ مثال کے طور پر گرمی اور سردی کے معاملہ پر غور کیجئے۔ گرمی اور سردی کا احساس بھی صرف ایک حد تک ہوتا ہے جب

گرمی کی مقدار اپنے درجہ سے بڑھ جاتی ہے۔ لوگ اُس کو گرمی نہیں محسوس کرتے۔ سردی قرار دیتے ہیں۔ یہی کیفیت سردی کی بھی ہوتی ہے جہاں سردی ایک درجہ مقررہ سے زیادہ بڑھ گئی اُس کو گرمی کا نام دیا جاتا ہے قوت لمس کو حد سے ذرہ تجاوز کرنے دیجئے۔ سردی گرمی کہلانے لگیگی اور اُس کے چھونے سے جلن محسوس ہوگی۔ اگر آپ کسی ایسے بچے کو جو گرمی کے احساس سے واقف ہے برف کو ہاتھ لگانے دیجئے تو وہ معاً کہہ اُٹھیگا "یہ جلتا ہے" کئی مرتبہ بارہا امتحان کیا گیا ہے اگر کسی شخص کی آنکھوں پر پٹی باندھ دی جائے اور وہ باری باری سے بہت گرم اور بہت ٹھنڈے پانی میں ہاتھ ڈالے تو وہ بہ آسانی گرم اور سرد میں تمیز نہ کرسکیگا۔

ایک مرتبہ کا ذکر ہے۔ ایک شخص کو سردی سے سخت تکلیف تھی اس کو چین نہیں ملتا تھا۔ کسی دانا شخص نے اُس کو چولھے کے قریب بٹھا دیا اور اُس کو خیال دلایا گیا کہ اس میں آگ ہے اس شخص کو تھوڑی دیر کے بعد گرمی محسوس ہونے لگی۔ آرام آگیا اور جب سردی سے بالکل نجات مل گئی تیسرے شخص نے کہا۔ دیکھو چولھے میں مطلق آگ نہیں ہے۔ گرمی کا خیال صرف تمہارے اپنے تصور کا نتیجہ تھا۔ بات بھی یہی تھی۔ اس کا خیال کام کر رہا تھا دونو حالتوں میں ایک طرح کا بھرم تھا۔ یہ خیال کی طاقت کا نتیجہ ہے۔ جس کی اصلیت سے روحانی منازل کے طے کرنے والے واقفیت رکھتے ہیں۔

بدرد تقیس پردہا سے خیال
نماند سرا پردہ الا خیال

ان سب مثالوں سے ثابت ہے کہ بسا اوقات اندریوں کا علم

کیسا غلط اور مشتبہ ہو سکتا ہے۔ اسی طرح مادہ کے سمجھنے کی بابت بھی ممکن ہو سکتا ہے کہ ہم کو بھرم ہو۔ ہر شخص یہ سمجھتا ہے۔ ہم جس چیز کو جیسی دیکھتے ہیں۔ وہ ویسے ہی ہے اس کا رنگ روپ شکل صورت۔ قد و قامت طول و عرض سب ویسا ہی ہے۔ جیسا ہم نے دیکھ رکھا ہے۔ مگر یہ یاد رہے یہ سارا علم ہمارا نسبتی ہے۔ یہ کبھی کوئی نہیں کہہ سکتا کہ ہم نے اصلیت کا پتہ پا لیا۔ سارا علم ہماری قوت ادراک۔ تمیز۔ گیان اور سمجھ کے اندازے سے ہے۔ اور یقینی نہیں ہے۔ اور نہ ہو سکتا ہے۔ اصلیت کا علم صرف اُس وقت ہوتا ہے۔ جب ہم کو آتما پنے کا یقین ہونے لگتا ہے کوئی کہتا ہے برہم ایک ہے۔ کوئی کہتا ہے۔ جیو اور پرکرتی تین ہیں۔ اس قسم کی تمیز و تقسیم صاف صاف ثابت کر رہی ہے کہ لوگوں کا علم نسبتی ہے جس نے جس حد تک تمیز کی قوت حاصل کر لی ہے۔ وہاں تک کی وہ گواہی دیتا ہے۔

ہر شے کے ٹھوس پنے۔ چکنے پنے اور کھُر کھُرے پنے کا علم بھی نسبتی ہے اور یہاں بھی بھرم ہوا کرتا ہے۔ دیکھو ممکن ہے اس مضمون کے پڑھتے وقت تمہارے ہاتھ میں کوئی لکڑی کا ٹکڑا ہو۔ ممکن ہے وہ سخت مضبوط سُرخ یا اور کسی رنگ کا ہو۔ وہ چکنا ہے۔ پالش کیا ہوا ہے۔ اس کی سطح پر ذرا بھی کھُر کھُرا پن نہیں ہے۔ آنکھ دیکھتی ہے۔ ہاتھ چھوتا ہے دونو کی شہادت موجود ہے۔ جس کا جی چاہے اُس کو دیکھ لے چھو لے۔ اُس کا ہونا صحیح واقعہ ہے۔ ہر شخص اس کو ایسا ہی دیکھ رہا ہے۔ کسی کو ذرہ بھی اختلاف نہیں۔ یہ علم ایک حد تک یقینی ہے۔ ہم دیکھتے ہیں چھوتے ہیں شئے اور اس کی ہستی و نوعیت کا یقین کر لیتے ہیں۔ اور کہتے ہیں۔ یہ ہے۔ صحیح ہے

اس کے ہونے میں مطلق شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے۔

مگر ذرہ صبر کیجئے۔ صرف دو لمحہ کے لئے ٹھہر جائیے کیا ہم بالکل اپنے خیال میں صحیح ہیں؟ ذرہ غور و فکر سے کام لیجئے۔ لکڑی کی سطح دیکھنے میں چکنی ہے۔ ہاتھ اس پر خوب اپنی انگلیوں کو دوڑاتا ہے۔ ذرا بھی کھردرا پن نہیں معلوم ہوتا۔ سطح بھی سیدھی ہے صاف ہے۔ کہیں اونچی نیچی نہیں۔ نہ کہیں سے جھکی ہے۔ مگر ایک دوست کو ابھی خوردبین شیشہ لانے دو۔ جس سے آنکھ کی طاقت بڑھ جاتی ہے؟ جو چھوٹی و باریک چیزوں کو بڑی بنا کر نگاہ کے سامنے پیش کر دیتا ہے۔ اب کیا ہو گیا؟ لکڑی کی شکل میں خوفناک تبدیلی آگئی۔ اس میں بیشمار سوراخ ہیں سطح بھی ناہموار ہے۔ لکڑی جو اب تک سیدھی و صاف تھی اس کے حصے الگ تھلگ معلوم ہو رہے ہیں۔ ریگستان کے چھوٹے میدان کا نظارہ آنکھوں کے سامنے ہے۔ کہیں اونچا ٹیلہ ہے کہیں غار ہے۔ کہیں شگاف ہے۔ کوئی جگہ ابھری ہے کوئی دبی ہے۔ ساری شکل و صورت بدلی ہوئی ہے مگر ذرا اور صبر کیجئے۔ ممکن ہو تو مائکراسکوپ (Microscope) ہاتھ لیجئے۔ جو اور زیادہ طاقت کی خوردبین ہے۔ کیا نتیجہ ہے۔ لکڑی کی چکنائی کا تمام خیال یکدم غتر بود ہو گیا۔ رنگ میں بھنگ ہے۔ نہ وہ روغن ہے نہ رنگ ہے۔ وہ خوبصورتی کدھر گئی۔ سب سپنا تھا۔ آنکھ پچھتاتی ہے۔ ایک دفعہ دیکھا دوسری دفعہ کی ہوس ہے۔ لکڑی بطور خود موجود تھی۔ اس کی ہستی میں ذرہ بھی فرق نہیں تھا۔ موجودہ حالت کہتی ہے۔ لکڑی کبھی تھی ہی نہیں۔ ہم کو صرف بھرم تھا۔ ظاہری رنگ آمیزی بصارت کے لئے دھوکہ تھی۔ نہ اس میں پائداری تھی نہ ہے۔ اس کی

ہستی بھی ایک نسبتی حالت تھی۔ اندریوں کے علم کے درجہ تک وہ نظر آتی تھی ذرہ نظر کی طاقت بڑھی اور وہ تبدیل ہوکر کچھ کی کچھ دکھائی دے گئی وہ ایک خیال تھا جو دیکھنے والے کے دل سے تعلق رکھتا تھا اس سے زیادہ اور کچھ بھی اُس کو وقعت نہیں تھی۔

تمام مشاہدات جو مائیکراسکوپ (زیادہ طاقت والی خوردبین) کی مدد سے کئے جاتے ہیں۔ انسان کے دل اور خارجی سامان کے تعلقات کی اصلیت کو اس طرح دکھادیتے ہیں۔ رنگ وروپ سب خراب ہوجاتا ہے۔ اور وہ چیز مشاہدہ میں آتی ہے جس کو ہماری تمہاری ننگی آنکھیں نہیں دکھا سکتیں۔ مادی اشیا کا ٹھوس پن ایکس ریز (x Rays) کے ماتحتی میں آنے سے پہلے سایہ کی شکل اختیار کرلیتا ہے۔ پھر جہاں تک اندریوں کے علم کا تعلق ہے۔ وہ نیست ہوکر رہتا ہے۔

ایک مرتبہ کا ذکر ہے۔ دوران سفر میں کلکتہ کے قیام کے زمانہ میں میں اپنی قیام گاہ سے باہر نکل کر ہوڑہ کے پل سے گزر کر ایک برگد کے درخت کے تلے جہاں کوئی اور انسان نہیں بیٹھا ہوا تھا۔ جاکر چپکے سے بیٹھ گیا دل کی حالت خاص قسم کی تھی وہاں سے بھاگیرتھی کا عالیشان پل اچھی طرح دکھائی دیتا تھا اور اُس پر آنے جانے والے بھی نظر آرہے تھے میں نگاہ جماکر اُسے کو دیکھنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد یہ معلوم ہوا کہ تمام پُل اور اُس پر سے گزرنے والے آدمی گاڑی وغیرہ سب بھاپ کی شکل کے ہیں جب یہ حالت تمیز کے درجہ سے گزر رہی تھی۔ مجھ پر ایک غشی کی حالت بھی طاری ہوتی تھی آخر کو میں نے ضبط کرکے آنکھوں کو بند کرلیا

اس اوپر کے واقعہ سے میرا مقصد صرف اتنا ہے کہ جو بات آدمی کو خوردبین

دیکس ریز کی مدد سے حاصل ہوتی ہے ممکن ہے۔ یکسوئی کے نشو و نما دینے سے بہ آسانی حاصل ہو سکے۔ مرتے وقت کہا جاتا ہے۔ انسان میں یہ طاقت آجاتی ہے۔ ایشور جانے کہاں تک سچ ہے لیکن اس میں شک نہیں۔ وقت آرہا ہے۔ جب انسان کے ذہن و عقلی قوتوں کی ترقی کے ساتھ روحانی قوت کی بھی تکمیل ہو گی۔

کیمسٹری (علم کیمیا) کا موجودہ تحقیقات نے ثابت کر دکھایا ہے۔ کہ انسان کی اندریاں کسی حالت میں خارجی اشیا کی اصلیت کا اظہار نہیں کر سکتیں نہ کسی مادی چیز کا ٹھیک ٹھیک علم ان کو حاصل ہو سکتا ہے۔ تمام ٹھوس چیزیں فوراً رقیق بن جاتی ہیں۔ اور رقیق چیزیں بھاپ کی شکل اختیار کر لیتی ہیں اور جب وہ اس سے بھی لطیف ہو جاتی ہیں نظر سے غائب ہو جاتی ہیں ہمارے یہاں کے علمائے عنصر کو آکاش کے مختلف صورتیں قرار دی ہیں۔ آگ۔ پانی۔ ہوا۔ مٹی سب آکاش میں ملے ہوتے ہیں مگر آکاش بطور خود انتہائی درجہ نہیں ہے۔ ابھی اس سے زیادہ مادہ کی منزلیں طے کرنی ہیں۔ جب ان سے پار ہولے تب جا کر آتما کا علم ہوتا ہے۔ اس پر غور کرنے سے ہم لوگ سمجھ سکتے ہیں کہ سچے علم تک رسائی حاصل کرنے کے لئے کس حد تک ہم کو اندریوں پر انحصار رکھنا چاہئے۔

لیکن اس سے گھبرانا نہیں چاہئے۔ جو کچھ کہا گیا سچ ہے اس میں کچھ فرق نہیں ہے۔ لیکن ہم مایوس کیوں ہوں؟ اور ہم کیوں ان کی مدد لیکر نتیجہ پر پہنچنے کی کوشش نہ کریں؟ اندریاں صرف اوزار ہیں۔ ان کی حیثیت کیا ہے اس کی وضاحت آئندہ دل سے اچھی طرح کی ہے۔ مضمون کی طوالت مجبور کرتی ہے کہ اختصار سے کام لیا جائے۔ اس سے صرف چند

سطروں میں بیان کرتے ہیں مصلحت معلوم ہوتی ہے۔ ایک اپنشد کہتی ہے اندریاں گھوڑے ہیں۔ بھوگ و لاس کی چیزیں سڑک ہیں۔ یہ جسم رتھ ہے۔ من لگام ہے۔ بدھی رتھبان ہے۔ آتما رتھ پر سوار ہے اور وشے بھوگ کی سڑک سے گذرتے ہوئے اُس کو پرماتما تک پہنچنا ہے۔ جو ہم سب کا منزل مقصود ہے

جو سوار اچھا لگام اور اچھا رتھبان نہیں رکھتا اور گھوڑوں ہی کی حیوانی تمیز پر بھروسہ رکھتا ہے وہ خطرہ میں پڑیگا۔ مادی بھوگ کی سڑک پر رتھ پاش پاش ہو جائیگا۔ لگام سارتھی اور سوار سب کو دکھ اٹھانا پڑیگا۔ اس لئے گھوڑوں کی تمیز پر کیوں کوئی بھروسہ کرے۔ رتھ کے چلنے کے لئے گھوڑے ضروری ہیں۔ اگر گھوڑے نہ ہوں تو پھر رتھ رتھ نہیں ہو سکتا نہ پھر لگام و سارتھی ہی رہ سکتے ہیں اور پھر سوار سواری کس پر کریگا۔ اندریوں کے بغیر انسانی شخصیت قائم نہیں رہ سکتی۔ یہ سچ ہے۔ اُن کی وقعت اتنی ضروری ہے۔ لیکن اُن کو اس سے زیادہ وقعت دیکر اندریوں کے گیان کا اپنے آپ کو تابع رکھنا نادانی ہوگی۔ ہمیشہ احتیاط رکھو۔ رتھ کا سارتھی ہوشیار ہو لگام پھیرنے کے علم سے واقف ہو اگر ایسا نہیں ہے تو افسوس ہے۔

اندریاں سچا علم نہیں دیتیں سچائی کی تفتیش۔ تحقیق۔ تدقیق بدھی سے متعلق ہے۔ من وسیانی کڑی ہے جو بدھی اور اندریوں کے درمیان رہ کر بدھا مترجم کا کام کرتا ہے۔ اس کی تربیت کرو۔ تاکہ جب آنکھ دیکھ کر اُس کو کسی بات کی رپورٹ کرے۔ من بالکل ویسی ہی بدھی کے حوالہ کرے۔ بدھی رُخ کرکے جس کو مناسب سمجھیگی۔ آتما تک پہنچائیگی۔

جب من تربیت پاکر لطیف بن کر کثافت سے پاک ہو کر اندریوں کے ساتھ رہیگا۔ اس وقت اس کو جو علم ہوگا وہ سچا ہوگا۔ اور جو کچھ اس آرٹیکل

کے ابتدائی حصہ میں پرمان انومان وشبد کی نسبت حوالہ کے طور پر کہا گیا ہے اور جس پر شاستروں نے سارے علم کا دار و مدار رکھا ہے سچ ہو گا جب تک یہ حالت نہ ہوگی۔ اندریہ گیان ناقابل اطمینان ہے۔

غیر تربیت یافتہ من کی اندریاں صرف ایک مخصوص چیز کی ہستی وموجودگی کا خیال دلا سکتی ہیں۔ آنکھ کہتی ہے۔ ہم ایک چیز کو دیکھ رہے ہیں وہ اصلی ہے۔ ٹھوس ہے۔ بس اس سے زیادہ وہ رپورٹ نہیں کر سکتی۔ اس کی بڑائی۔ وزن ومضبوطی کا علم تبیبچ بدھی دسن کو ہوتا ممکن ہے اور بسا اوقات اور ذریعوں کی مدد سے بھی ہوتا ہے۔

اس دنیا میں انسان کا سچا مددگار صرف بدھی ہے اسی کی مدد سے نجات ملنا ممکن ہے بشرطیکہ من تربیت یافتہ ہو اور یہی وجہ ہے۔ گائیتری منتر میں بدھی کے واسطے اس زور سے پرارتھنا کی گئی ہے۔

تیسویں شاکھا

آشرم وچار

برہم چریہ۔ گرہست

ونپرست۔ سنیست

زندگی کے چار مدارج جو رشیوں نے مقرر کئے تھے ان کی تقسیم اور ترتیب قدرتی اصول پر تھی ان کی اصلی غرض یہ تھی کہ انسان ابتدائے زندگی ہی سے ویراگ اور تیاگ کا سبق سیکھتا ہوا اپنی نگاہ کے سامنے روحانی معراج کو قائم کرے اور چاہے وہ کسی آشرم میں خواہ وہ کسی حیثیت میں ہو زندگی

کے اعلیٰ مقصد کو تھوڑی دیر کے لئے بھی نظر سے دور نہ ہونے دے۔ ہندو قوم سنسکرت ہے۔ جس طرح اس کی زبان سنسکرت ہے ویسے ہی دھرم بھی اور جاتی بھی سنسکرت ہے اور یہ چار آشرم بھی سنسکرت ہیں سنسکرت کے معنے ہیں سنسکار کی ہوئی اور اسی وجہ سے رشیوں نے اس کا اس طرح سنسکار کیا تھا کہ اُس میں سنت جاتی آوے وہ مضبوط رہے اور ہمیشہ دھرم کی بنیاد پر اُس کی زندگی کی عمارت قائم رہے۔ دنیا کی اور قوموں میں اور آریہ جاتی میں صرف اتنا بھید ہے۔ اُن کا سنسکار نہیں ہوتا۔ ان کا سنسکار ہوتا ہے اور اس سنسکار کی وجہ سے اُن میں نسبتاً زیادہ مضبوطی آتی ہے جو لوگ سنسکاروں کی خوبیاں نہیں سمجھتے وہ نکتہ چینی کرتے ہیں۔ مگر اُن کو یاد رکھنا چاہئیے کہ سنسکار کا مضمون نہ صرف قابل غور ہے بلکہ اس طرح کا ہے کہ اُس کی اہمیت کو کبھی نظر انداز نہ کیا جائے۔

جس وقت لڑکا پانچ خواہ سات برس کا ہوتا تھا سو سائٹی کے تمام افراد اکٹھا ہو کر اُس کے سنسکار کے اُتسو کو دیکھتے تھے سب کے دل میں ایک طرح کے خیالات لہراتے تھے اور سب دل سے چاہتے تھے کہ جس لڑکے کا سنسکار کیا جا رہا ہے وہ ودیا دان برہم گیانی۔ دھرماتما اور نیک ہو لڑکے کی آیندہ زندگی کی بنیاد لوگوں کے نیک خیالات لے کر ڈالی جاتی تھی اور سب کے سامنے معمولی رسم ادا کر کے گرو اُس کو جنیو پہناتا تھا اور مالک کے نام کا جاپ کرنا سکھاتا تھا یہ گائتری منتر ہے جس وقت یہ سنسکار ہو لیتا تھا۔ پھر لڑکے کو گرو کے ساتھ بستی سے باہر رہ کر ودیا پڑھنے کے لئے محنت کرنی پڑتی تھی مختلف ورنوں کے لڑکے ایک ساتھ رہا کرتے تھے۔ یوں تو بچپن میں عام طور پر ذات پات کی تمیز نہیں

ہوتی مگر یہاں اُس کا خیال تک نہیں آنے پاتا تھا۔ سب بچے ایک ساتھ رہتے تھے ایک ساتھ پڑھتے تھے ایک ساتھ کھیلتے تھے سب کو گرو کی سیوا کرنی پڑتی تھی اور اُن کو اپنے پتر کی طرح سمجھتا تھا۔ سیوا کرنے کا مقصد اور سب کے ساتھ یکساں برتاؤ کرنے کا مطلب یہ ہُوا کرتا تھا کہ اُن میں پریم بھگتی تیاگ اور ویراگ پیدا ہو۔ کوئی بھول کر بھی یہ خیال نہ کرے کہ میں راجہ کا لڑکا ہوں یا دولت مند گھرانے سے ہوں یہاں سب کو ایک خاص طرح کی تادیب کے درجہ سے گذرنا پڑتا تھا۔ کھاٹ پر سونا منع تھا جس قسم کے کھانوں سے آلسیہ یا سستی کا خوف ہوتا ہے۔ اُن کا کوئی شخص استعمال کرنے نہیں پاتا تھا۔ لڑکوں کی تعلیم باقاعدہ ہُوا کرتی تھی اور گرو اپنے ودیا گیان اور تعلیم کے سلسلہ میں دیکھا کرتا تھا کہ کس کی طبیعت کس قسم کے کاروبار کے لئے موزوں ہے اور کس طرح اُس کی آتما کے پردے اتارے جا سکتے ہیں اس تعلیم کا مقصد یہ ہوتا تھا کہ طالب علم کے ذہن میں سچائی قائم کی جائے اُس میں سچا تیاگ اور ویراگ ہو وہ سختی و محنت سے پریشان نہ ہو اور دنیا کی مصیبتیں اُس کو دھرم کی راہ سے گرا نہ سکیں کیونکہ اگر انسان میں استقلال اور ثابت قدمی نہیں ہوتی۔ تو سمجھ لو۔ اُس کو آتما کا ساکشات کار کبھی نہ ہو سکیگا اور وہ زندگی کے مقصد کی تکمیل کے نا قابل ہوگا برہمچاری سے مراد ہے برہم میں وچرنے والا۔ برہم پرماتما کو کہتے ہیں۔ برہم وید کو کہتے ہیں۔ برہم پرکرتی کو کہتے ہیں۔ یہی تینوں چیزیں ہیں۔ جن کے حاصل کرنے کا سب کو شوق ہوتا ہے۔ یا تو آدمی روحانی ترقی کا خواہشمند ہوتا ہے یا علمی و عقلی ترقی کا دلدادہ ہوتا ہے یا دنیاوی ساز و سامان کا

شایق ہوتا ہے اور گرو کے پاس رہنے سے اس کا پتہ بہ آسانی لگ سکتا تھا کہ کس کے مزاج کا میلان کس طرف ہے اور اُسی میلان طبعی کے موافق گرو ان کی آئندہ زندگی کے اصول کی تعلیم دیتا تھا مگر ساتھ ہی برہم ہیدانت پرماتما کا اشت دل میں قائم کرتا رہتا تھا۔ تاکہ اگر ایک آشرم میں اُس کا رخ آتما کی طرف نہ پلٹے تو دوسرے خواہ تیسرے آشرم میں پلٹ جاوے اور وہ اس طرح سے اُن کی زندگیوں کو بنایا کرتے تھے کہ وہ دیر بیدان اور پراکرمی ہوتے تھے۔ اور زندگی کے جس کاروبار میں شامل ہوتے تھے۔ اُس میں شیر کی طرح جاتے تھے۔

قصہ ہے ایک برہمن کو اپنے دو لڑکوں کو آتمک گیان سکھلانے کا شوق تھا وہ اُس کو وششٹ خاندان کے ایک گرو کے پاس لے گیا اور اُس سے کہا بھگوان! ان کی تعلیم ایسی کیجئے کہ دو نو برہم گیانی ہو جائیں۔ گرو دانا اور تجربہ کار تھا اُس نے لڑکوں سے کہا میں اس شرط پر تم کو پڑھاؤنگا کہ تم میرے طوطے کو ایسی جگہ لیجا کر ذبح کرو کہ کوئی دیکھنے نہ پاوے مگر یہ مجھ کو بتا دو کہ تم اُس کو کہاں ذبح کرو گے۔ بڑا لڑکا ذرا زیادہ جلد باز تھا کہنے لگا میں غار میں لیجا کر اس کی گردن مروڑ دونگا اور کوئی دیکھ نہ سکے گا۔ مگر جب گرو نے چھوٹے لڑکے سے پوچھا کہ تو اُس کو کہاں مارے گا۔ اُس نے جواب دیا میری سمجھ میں ابھی تک یہ بات نہیں آتی کہ کوئی جگہ خالی کیسے سمجھی جا سکتی ہے۔ خلا کہیں بھی نہیں ہے میں کوئی ایسی جگہ نہیں دیکھتا جہاں ہوا نہ ہو اور پھر اس کو بھی جانے دیجئے ایشور کو سرو دیاپک کہا جاتا ہے۔ بھلا وہ تو ہر جگہ ہوگا۔ گورو نے خوش ہو کر برہمن سے کہا۔

"یہ چھوٹا لڑکا برہم گیان سیکھنے کے قابل ہے دوسرے کو ادھکار نہیں ہے"۔ غرضیکہ اس طرح لڑکوں کے مزاج کو پہچان کر اُن کو تعلیم دی جاتی تھی۔ ان میں سے بعض بعض اس قسم کے ہوتے تھے کہ وہ اپنے قدرتی سیلان کی وجہ سے برہم وشے کو سمجھ کر رات دن اُسی میں مگن رہتے تھے اُن کو گرہست آشرم میں جانے کے لئے جبر نہیں کیا جاتا تھا۔ دوسرے جو بیس برس کے بعد گرو کا حکم پاکر گرہستی کے کاروبار میں شریک ہوتے تھے۔ بچوں کی زندگی بالکل سادہ ہُوا کرتی تھی اُن کو دنیاداروں کی صحبت میں جاکر رہنے کی اجازت نہیں تھی نہ وہ زیادہ تر بات چیت کر سکتے تھے ان لڑکوں میں جس نے اچھی طرح برہمہ کو سمجھ لیا اس کو ساری عمر برہمہ چاری بن کر رہنے کا حکم ہوتا تھا باقی اور لوگ گرہست آشرم میں پرویش کرتے تھے۔ یہ برہمہ چاری "برہمہ" کے اصلی مراد کے سمجھنے والے کہے جاتے ہیں۔

برہمہ چاریوں کی طرح گرہستیوں کا آدرش بھی روحانی تھا۔ یہ سچ ہے وہ دوسرے درجہ کے لوگ ہیں۔ مگر اُن سے یہ غرض نہیں تھی کہ بالکل دنیا کے ہو کر رہیں۔ وہ عقل دماده" یعنی برہمہ کے دو دوسرے ارتھ کے سلسلہ میں اُسی مقصد کی پیروی کیا کرتے تھے۔ جو برہمہ چاری کا مقصد ہُوا کرتا تھا۔ گرہستی کے لئے فرض تھا کہ وہ پنچ یگیہ کرے شوادھیا کرے زندگی کو لغویات سے پاک رکھے۔ شانتی اور سنجیدگی کے ساتھ اپنی زندگی اپنا وقت اپنی کمائی اپنا پرشاد تھ دوسرے کے واسطے وقف رکھے وہ اس بات کو سمجھتا رہے کہ اُس کی خدمت کی ضرورت اس کی بیوی بچوں گاؤں۔ شہر ملک اور ساری دنیا کو ہے۔ وہ ساری دنیا کا سیوک ہے۔ اگر

ایک بھیک منگا بھی آجائے تو اُس کو لازم ہے کہ آتما سمجھ کر سیوا کرے اُس کے گھر سے کوئی بھوکا نہ جانے پاوے۔ وہ سب کے ساتھ محبت سے پیش آوے ماں باپ کا سچا سیوک ہو۔ بیوی کے ساتھ اُس کو الفت ہو۔ لڑکے بالے سب اُس سے مانوس ہوں۔ سوسائٹی۔ سرکار۔ دربار سب سے اس کا تعلق ہو اور وہ اپنے گھر میں سردویا ایک دیوتا بنا ہوا سب کا پالن پوش کرتا رہے۔ اگر کسی گرہست کی زندگی اس قسم کی ہے اور اگر اُس نے سچائی کو جان لیا ہے اور پانی کے درمیان کنول کی طرح رہتا ہوا کام کرتا ہے۔ اور اُس کے فیض کا سرچشمہ ہر شخص کے لئے عام طور پر جاری ہے تو وہ گرہستی مبارک ہے۔

اس کو گھر چھوڑ کر کہیں جانے کی ضرورت نہیں ہے اس نے اپنی زندگی کا مقصد پورا کر لیا اور اس حیثیت میں وہ ویسے ہی قابل تعظیم برہمہ چاری ہے جس کو برہمہ کا گیان ہو گیا اور دونو ایک پایہ اور حیثیت کے انسان ہیں۔ ایسے گرہستی دنیا میں بہت ہیں۔ اور بہت ہوتے ہیں۔

سنت سیان وہی جگ میں گھر ہی جن جوگ کمانا ہو

لیکن اگر کسی گرہست کو اڑتالیس برس کی عمر میں برہمہ کی اصلی مراد ذہن نشین ہوئی اور وہ برہمہ کے دوسرے دو معنوں کے سلسلہ میں پرکرتی سے نفرت کرتا ہے۔ اور علم و عقل کی مدد سے برہمہ کی اصلی مراد کے ساکشاتکار کرنے کا خواہشمند ہے تو بہتر ہے کہ وہ گھر میں نہ رہے۔ جس وقت اُس کے لڑکے بالے کام کاج کے قابل ہو جاویں وہ گرہست آشرم کو چھوڑ کر ایکانت سیون کرے اور وہاں علمی و عقلی مضامین سے

دلچسپی رکھتے ہوئے رات دن برہمہ کا وچار کیا کرے۔ اُس کا لکھنا پڑھنا کام کرنا برہمہ کی نمت ہو جو لوگ اس کے پاس جائیں اُن کو برہمہ کا اپدیش سنائے اور اپنی زندگی کو اس طرح گذارے کہ کوئی وقت ایسا نہ آوے جب وہ برہمہ وچار سے خالی رہے۔ سووے تو اُسی دھن میں۔ جاگے تو اُسی دھن میں۔ سوشپتی میں بھی وہی خیال آہستہ آہستہ پکتا رہے زندگی کا درجہ بھی نہایت مبارک ہے کیونکہ اس دنیا میں جو کچھ بھلائی تم کو دکھائی دیتی ہے۔ وہ زیادہ تر اسی فرقہ کے اہل خیال آدمیوں کے دماغ کا نتیجہ ہے زیادہ تر رشی ومنی ونبر ستنی ہی ہوتے تھے۔ اسی زمانہ میں آرنیک مضمون تصنیف ہوئے تھے اور اسی وقت میں اب بھی بہت سے نادر خیالات پیدا ہوتے ہیں۔ یاد رہے کہ زندگی کا اصلی مقصد برہمہ وچار ہے اور جب کوئی شخص اس پر غور کرنے لگتا ہے۔ اُس کے طفیل نیک خیالات کی لہریں جو اُس کے دل و دماغ سے نکلکر باہر کی طرف پھیلتی ہیں سینکڑوں کا بھلا کرتی رہتی ہیں۔ یوگ۔ جپ۔ تپ۔ زیادہ تر اس زمانہ کے لئے مخصوص ہیں تاکہ کسی طرح آتما اپنی اصلی حالت کی طرف واپس جائے۔ اگر کسی شخص کو اس زمانہ میں جنگل میں بستی خواہ ایکانت میں ایشور کا گیان ہو جاوے تو لازم ہے کہ وہ اسی میں پڑا رہے اور مدت العمر دھرم چرچا کرتا رہے خواہ گوشہ نشینی کی زندگی بسر کرے۔

لیکن اگر علم و عقل کے کاروبار گلے کے ہار ہیں اور اُن سے اصلی غرض نہیں پراپت ہوتی تو چاہئے ہمیشہ کے لئے تمام تعلقات کو خیرباد کہہ کر ساری دنیا میں چکر لگایا کرے اور سنیاسی بن کر رہے۔ ایک جگہ کبھی نہ ٹھہرے کسی ایک درخت کے تلے دو تین دن سے زیادہ نہ سوئے جو کچھ کھانے

کو مل جائے کھا لیا کرے آپ کچھ انتظام نہ کرے جو لوگ اُس سے ملنے کے لئے آویں اُن سے محبت کے ساتھ بات چیت کرے اور نہ صرف خود اُن کو تعلیم دے۔ بلکہ اس بات کا بھی خواہشمند رہے کہ اُن کی باتوں سے آپ بھی سبق حاصل کرتا رہے۔ یہ دنیا عجیب و غریب ہے۔ اگر آدمی میں غرور اور نفرت نہیں ہے تو ایک ایک بچہ بلکہ ایک ایک گھاس کا تنکا بھی اس کو سچی تعلیم دے سکے گا اور اُس کی زندگی کو شاندار بنا دیگا لیکن جس میں اہنکار ہے اُسکو زندگی کے کسی آشرم میں رہ کر بھی سچا گیان نہیں حاصل ہوتا۔ سنیاسی سچا تیاگی ہوتا ہے اُس کو نہ صرف دنیاوی رشتہ دار و دنیاوی جاہ و حشمت کا تیاگ ہے۔ بلکہ اُس کو کام کا تیاگ کرودھ کا تیاگ موہ کا تیاگ ادھرم کا تیاگ اور اپنے من اور شریر کا بھی تیاگ ہوتا ہے نہ کوئی اُس کا ہے نہ وہ کسی کا ہے۔ سب اس کے ہیں اور وہ سب کا ہے۔ جس طرح گرہستی اپنے گھر کا دیوتا۔ اور ونپرستی اپنی کٹی کا دیوتا ہے ویسے ہی یہ گیروا بستر پہنے ہوئے سنیاسی سارے جگت کا دیوتا ہے اس کے اندر آتما کا جلال آب و تاب کے ساتھ روشن رہتا ہے وہ سب کو اپنے میں اور اپنے میں سب کو دیکھنے لگتا ہے اور جب یہ حالت پیدا ہو جاتی ہے اُسی کو سچی توحید اور سچی وحدانیت کہتے ہیں۔

برہمچاری گرہست ونپرستی گو اعلےٰ درجہ کے روحانی ترقی یافتہ ہوں اور وہ ایسے ہو بھی جاتے ہیں مگر روح کا سچا نور زیادہ تر اُن لوگوں میں چمکتا ہے جو اس طرح تیاگ اور ویراگ کی عملی مثال دنیا کو دکھا جاتے ہیں۔ ان میں بچوں کی سی سادگی ہوتی ہے نہ اُن کو کسی سے دوستی نہ کسی سے دشمنی نہ چور کا ڈر نہ دشمن کا کھٹکا۔ اُن کو کبھی خیال تک نہیں آتا کہ سانپ

اُن کو کاٹ سکیگا۔ کیونکہ وہ دویش اور راگ کا کب سے تیاگ کر چکے ہیں اور تین آشرم والے قدم قدم پر دھرم ادھرم اچار وچار سب کا خیال رکھتے ہیں۔ سنیاسی کو ان سے کوئی تعلق نہیں رہتا نہ گلے میں جنیو ہے نہ سر پر چوٹی ہے یہانتک کہ جس سنسکار سے زندگی کی ابتدا کی گئی تھی اُس کا بھی تیاگ ہو جاتا ہے اور آتما اپنی اصلیت میں چمکنے لگتا ہے۔ جہاں کہیں جس ملک میں ایسے مبارک صفت دیوتا دو چار بھی ہوں وہ مبارک ہے۔ چاہے یہ کام کریں یا نہ کریں اور سنیاسی کام ہی کیا کرتے ہیں۔ لیکن اگر کہیں اُن سے ایک زبردست خیال کسی کو مل جاتا ہے۔ تو دنیا کی حالت پلٹ جاتی ہے۔ کیونکہ وہ خیال کسی ایسے مرکز سے آیا ہوا ہوتا ہے جو بیچ بیچ ساری دنیا کا مرکز ہے یہ تیاگ کی زبردست صورت ہے۔

ترک دنیا۔ ترک عقبےٰ۔ ترک مولا ترک ترک

یہ چار آشرم زندگی کے چار مختلف مرحلے ہیں یہ بالکل ضروری نہیں ہے کہ ہر شخص سب میں داخل ہو بہت سے آدمی برہمچریہ میں بھی داخل نہیں ہوتے۔ جس کو جس حالت میں برہم کا گیان آسانی سے پراپت ہو وہ اُس کو پراپت کرے۔ برہمچاری کو اگر برہمچریہ میں آنند ہے۔ اور اس میں برہم کا ساکشاتکار کر لیا تو گرہستی نہ ہو ساری عمر برہمچاری بنا رہے۔

گرہستی نے اگر گرہست آشرم میں اس مقصد کو پورا کر لیا۔ تو بہتر ہے وہ اپنے دھن دولت۔ اولاد۔ نیکنامی۔ تجربہ اور عقل سے دنیا کو فائدہ پہنچاتا رہے۔ کبھی ونپرستی نہ بنے ہاں اگر مقصد پورا نہیں ہوا تو پھر گرہست آشرم کا تیاگ لازمی ہے۔ اور یہی ہدایت ونپرستیوں کے لئے بھی ہے جب چار

آشرم ویدک دھرم کے آدرش کے چار کھنبے ہیں اور جو لوگ ذرہ بھی اُن کے کانسٹیٹیوشن پر غور کرینگے وہ بہ آسانی سمجھ سکینگے کہ ان کے تہ میں کیا اصلی غرض چھپی ہوئی ہے اور اُن سے کیا مقصود ہے

اکتیسویں شاکھا

تپری مارگ

دیو مارگ

گیان مارگ

سنسار نام ہے بار بار جنم مرن کے کشٹ برداشت کرنے کا اور اس سے رہائی پانے کو موکش کہتے ہیں۔ اس موکش کی دو قسمیں ہوتی ہیں ایک تھوڑے دنوں کی اور دوسرے بہت دنوں کی۔ تھوڑے دنوں یعنی مقررہ زمانہ کی موکش تپری مارگ پر چلنے سے حاصل ہوتی ہے اور بہت دنوں کی موکش جو بتدریج ہمیشہ کے لئے جنم و مرن کے پھندے سے چھڑانے کا اہتمام کرتی ہے۔ دیو مارگ کی پیروی سے حاصل ہوتی ہے ایک تو سکھ بھوگ لینے سے نیچے کو گرا دیتی ہے دوسری آہستہ آہستہ ترقی دے کر اونچے لوگوں کو پہنچاتی رہتی ہے اور آخر میں دائمی موکش بخشتی ہے۔

مختلف قسم کے عقائد۔ کریا کرم۔ یگیہ۔ ہون۔ جپ۔ تپ تپری مارگ کہلاتے ہیں اور جو اس مارگ میں چلتا ہے وہ تپری مارگی ہے دیو بھگتی کا مارگ دیو مارگ ہے اس سے مراد یہ ہے کہ کوئی شخص کسی دیوتا کا اشٹ دھاین کرتا ہوا روحانی ترقی کرے اور جو شخص اس مارگ میں چلتا ہے وہ دیو مارگی ہے

ان کے سوا ایک مارگ اور ہے جو گیان کا مارگ ہے اور یہ اسی جنم میں ہمیشہ کے لئے چھٹکارا دیدینا ہے۔

دنیا میں جتنی قسم کے کام کئے جاتے ہیں۔ چاہے وہ مذہبی ہوں یا اور طرح کے سب انسان کو باہر مکھی بناتے ہیں۔ اور یہ کرم کہلاتے ہیں کرم کا پھل ضرور ہوتا ہے اور جو شخص جس مقصد کے ارادہ سے کوئی کرم کرتا ہے اُس کی پیروی سے اُس کو وہ پھل پراپت ہوتا ہے مگر چونکہ زیادہ تر ان سب کا تعلق باہری آڈنبر سے رہتا ہے وہ اصلیت تک نہیں پہنچ سکتے ہیں اور اصلیت کے علم نہ ہونے کی وجہ سے وہ اگیان کی سرشٹی سے باہر نہیں جاتے۔ اسلئے جیتے جی وہ کرم کے رشتہ سے بندھے رہتے ہیں۔ اور جب مر جاتے ہیں۔ اپنی نیت اور خواہش کے بموجب اُسی مقصد کی تکمیل کے موافق والے لوک میں جاکر پیدا ہوتے ہیں اور وہاں کا سکھ بھوگتے ہیں۔ یہ سکھ ممکن ہے بہت دلوں کے لئے ہو۔ مگر آخر کو جب وہ اُس کو بھوگ لیتے ہیں۔ تب پھر وہاں سے نیچے گر جاتے ہیں اور پھر جس قسم کی ورتی اور جیسی واسنا ہوتی ہے۔ اُسی کے لحاظ سے اُن کو پھر شریر دھارن کرنے پڑتے ہیں۔ اور پھر جنم مرن کے جھولے میں جھولنا ہوتا ہے۔

برعکس اس کے جو کسی دیوتا کی بھگتی سے کام رکھتے ہیں وہ آہستہ آہستہ انتر مکھی بنتے جاتے ہیں اور جب دیوتا کا اشٹ ہوتا ہے پہلے اُس کے لوک میں باس کرتے ہیں پھر اور اُس سے اچھے لوک میں پیدا ہوتے ہیں اور علٰی ہذا القیاس آخر میں یہ اسی طرح اونچے سے اونچے لوکوں میں پیدا ہوتے ہوئے روحانی ترقی کرتے جاتے ہیں اور آخر میں پرم پد کے ادھکاری ہوتے ہیں۔ پتری مارگ اور دیو مارگ کا یہ فرق ہے کہ ایک تو کرم کے جھین ہونے

نیچے گر جاتا ہے دوسرا برابر اوپر چڑھتا جاتا ہے۔ مگر گیان کا مارگ ان دونوں سے
مختلف ہے اسی شریر میں گیان کی وجہ سے اُس کے کرم کے سنسکار دگدھ
ہو جاتے ہیں یا وہ اسی شریر میں اپنے پراربدھ کو بھوگ لیتے ہیں لیکن آئیندہ
کے لئے اُن کے واسطے کرم کا جنجال نہیں رہتا اور وہ اس سے چھوٹ کر
آتم روپ میں ستھت ہو جاتے ہیں اور جنم مرن کا دکھ پھر نہیں بھوگتے
گیان اصل میں اور کوئی چیز نہیں ہے یہ اپنی آتما سروپ ہے بہ چیتن
محض ہے اور جس کو یہ اچھی طرح ذہن نشین ہو گیا کہ چیتن کیا ہے۔ پھر اُس کو
بھرم نہیں رہتا اور بھرم کا مٹ جانا ہی گیان۔ موکش اور آتم روپ کی پراپتی
ہے منشیہ کا یہ جان لینا کہ جو کچھ بیوہار ہے وہ اندریوں کا شریر کا بھوتوں کا
اور پرکرتی کا ہے۔ آتما سدا نرلیپ رہتا ہے۔ ساکشی ماتر ہے اور چیتن ہے
گیان کہلاتا ہے آتما کچھ نہیں کرتا وہ کریا رہت ہے۔ جو کچھ کریا ہے وہ
کیول پرکرتی میں ہے۔ پرکرتی جڑ ہے اور آتما کی ستا کو پا کر کام کرنے لگتی
ہے اور جب جیو بھرم میں پھنس کر اپنے کو کرتا مان لیتا ہے۔ تب ہی اُس
کو دکھ ہونے لگتا ہے اور آواگون کا جال تن جاتا ہے۔ یہ بات کہنے کو
تو سہل ہے۔ مگر اس سچی سمجھ کا آنا مشکل ہے۔ کوئی شخص جس کی بدھی
بہت نرمل نہیں ہے کبھی وشواس نہ کریگا کہ جڑ پرکرتی بھی کام کر سکتی
ہے وہ تو یہی کہیگا کہ کریا شکتی آتما کی ہے۔ اگر آتما نہ ہو تو نہ تو آنکھیں دیکھ
سکتی ہیں نہ کان سُن سکتے ہیں نہ شریر چل سکتا ہے۔ اور بات بھی کچھ
ایسی ہی ہے۔ اس کو جھوٹا کون کہہ سکتا ہے۔ کیونکہ بیوہار کی درشٹی سے ایسا
ہی پرتیت ہو رہا ہے۔ مگر یہ حقیقت نہیں ہے حقیقت تو یہ ہے کہ آتما اکرتا ہے
اور پرکرتی ہے اور جب جیو اپنے آپ کو کرتا دھرتا ماننے لگتا ہے تب ہی

ہے اُس کو سنسار و یا پتا ہے۔ آتما کی ستا پاکر پرکرتی میں چھوپ ہوتا ہے اور آتما و پرکرتی کا اُس چھوپ سے جو سنجوگ ہے وہی سنسار ہے اور پھر آتما میں پرکرتی کا کرتا پتا آروپن کر لیا جاتا ہے۔ جیسے گلاب کے پھول کے پاس ایک سفید رنگ کا صاف شفاف بلوری گلاس رکھا ہو۔ چونکہ وہ صاف ہے اُس میں گلاب کے رنگ کا عکس پڑتا ہے اور جو معمولی دیکھنے والے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں بلوری شیشہ کا رنگ ہی گلابی ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ بجنسہ یہی صورت پُرش و پرکرتی کے میل کے نتیجہ کی ہے اور پرش اپنے آپ کو کرتا ماننے لگتا ہے تب ہی یہ سنسار ہوتا ہے۔

سانکھیہ کار کہتے ہیں کسی باغ کے مالک کو پھلوں کی چوری ہونے کا شبہ پیدا ہوا۔ اُس نے ایک اندھے اور ایک لنگڑے کو باغبانی کا کام سپرد کیا اندھا چونکہ سوجھا کا نہیں تھا وہ پھل کو نہیں اٹھا سکتا تھا اور لنگڑا دیکھ تو سکتا تھا مگر چلنے کے ناقابل تھا۔ اس لئے وہ چور کو دیکھ کر شور مچاتا تھا مگر خود پھل نہیں لے سکتا تھا۔ کچھ دنوں امن و امان رہا۔ لیکن بعد کو لنگڑے اور اندھے نے مل کر اس طرح کارروائی کی کہ لنگڑا اندھے کے کندھے پر چڑھ بیٹھا اور اس طرح دونوں نے اپنے ملاپ سے پھل برآمد کیا۔ اس قصہ میں آتما لنگڑا مگر سوجھا کا ہے۔ یعنی اُس میں گیان تو ہے مگر کریا شکتی نہیں ہے۔ برعکس اس کے پرکرتی جڑ ہے اس میں کریا شکتی تو ہے مگر گیان نہیں ہے۔ جب یہ دونوں ملتے ہیں۔ تب سنسار کا پھل پیدا ہوتا ہے۔

یہ سانکھیہ کا مت ہے اور صحیح ہے۔ لیکن ویدانت ایک قدم اور آگے چل کر کہتا ہے کہ جس کو پرکرتی کہا جاتا ہے وہ اصل میں کوئی خاص وجود

نہیں ہے صرف بھرم ہے اور بھرم میں سنسار پیدا کرنے کا مادہ موجود رہتا ہے۔ جیسے کسی اندھیرے میں خود بخود کسی فرضی وجود کا خوف پیدا ہوا وہ تھرتھر کانپنے لگا۔ اور اُسی کے خیال نے فرضی صورت بنائی اور اُس کو دکھ دینا شروع کیا۔ اسی طرح بھرم سے جب پرش اپنا پرایا کرنے لگتا ہے تب اس کے لئے طرح طرح کے رشتے خود بخود پیدا ہو جاتے ہیں۔ یہ سب غلط اور بھرم ماتر ہی ہوتے ہیں مگر انسان کے اپنے خیال کی طاقت سے تقویت پاکر زندہ ہو جاتے ہیں اور دکھ دیتے ہیں۔ ایسا ہی یہ سنسار ہے۔ اس کا سمجھنا آسان نہیں ہے تاہم اس طرح خیال کرو۔ تم کسی غیر جگہ میں جاکر آباد ہوگئے وہاں کسی غیر آدمی سے فرضی تعلق پیدا کر لیا اور یہ تعلق بڑھنے لگا۔ اب اس کی ترقی میں طرح طرح کے دکھ ہونے شروع ہوئے۔ یہ تعلق غلط تھا۔ مگر چونکہ پیدا ہوگیا اب اس کا سلسلہ کام کر رہا ہے اسی طرح اس میرے اور تیرے پنے سے سنسار پیدا ہوتا ہے اور یہ محض ہمارے اپنے دماغ۔ اپنے خیال۔ اپنے سنکلپ اور اپنے بھرم کا نتیجہ ہے اور یہی بھرم مایا اور پرکرتی ہے۔ جو ہمارے ہی من سے پیدا ہوکر ہم پر غالب آتی ہے جہاں ایک مرتبہ اس کا روپ سمجھ لیا گیا پھر کہاں کا بندھ اور کہاں کی موکش۔

پتری اور دیویان کا فرق صاف ظاہر ہے۔ ایک مقصد کے حاصل ہو جانے کے بعد نیچے گرا دیتا ہے دوسرا ویراگ تیاگ اور بھگتی کے مدد سے اوپر چڑھاتا جاتا ہے ان دونوں میں دویت بھاؤ ہے۔ کیونکہ خاص مقصد کو لے کر ان کی پیروی کی جاتی ہے اور انہیں کے ذریعہ مقصد حاصل کیا جاتا ہے۔ یہاں دو کو کون کہے تین چیزیں رہتی ہیں

مقصد - مقصد چاہنے والا - مقصد حاصل کرنے کا ذریعہ - ابتدا تینوں سے ہوتی ہے آخر میں مقصد اور مقصد کے بھوگنے والے رہ جاتے ہیں۔ کیونکہ باریک و لطیف نگاہ سے نظر کرنے پر تینوں ہر دم موجود رہتے ہیں۔ اسلئے یہ دونوں دویت واد ہیں۔ مگر برعکس اس کے گیان مارگ ادویت واد ہے اس کا عمل گو ترپوٹی سے شروع ضرور ہوتا ہے - گیان - گیاتا - گے یعنے علم - عالم - معلوم - تینوں سے ابتدا ہوتی ہے - مگر آخر میں جب چیتن ہی چیتن رہ جاتا ہے اور سارا بھرم دور ہو جاتا ہے تو پھر موکش اور بندھن مہمل اصطلاحات ہو جاتے ہیں اور ہمیشہ کے لئے دکھ کی نورتی ہو جاتی ہے - جیسے اگر کسی کو درخت کے ٹھونٹھ کے دیکھ لینے سے بھوت کا ڈر ہوا تھا اور وہ پھر اصلیت کو جان لے تو پھر خوف نہیں ہوتا اور ہمیشہ کے لئے اس کا بھے جاتا رہتا ہے ویسے ہی یکمرتبہ اس پرش و پرکرتی کا گیان حاصل کر لینے سے پھر جنم مرن اور سنسار نہیں ہوتا۔

پتری یان کا مارگ چندر لوک سے ہو کر گیا ہے - دیویان کا مارگ سورج لوک سے ہو کر گیا ہے - چندر بھنڈار ہے پرکرتی کا مادہ کا اور سنسار ی واسناؤں کا سورج بھنڈار ہے گیان کا چیتن کا اور سچائی کا سورج میں پران ہے - چندر میں رئی ہے - پران اور رئی سے مل کر سرشٹی ہوتی ہے رئی اس کو کہتے ہیں جو مادہ کی لطیف حالت ہو۔ اس کو بہ آسانی سمجھنے کے لئے تم آکاش تصور کر لو۔ سنسار آکاش اور پران کے سنجوگ سے ہوتا ہے - یہ پران اصل میں آتما ہے - گیان ہے - پرکاش ہے آکاش برعکس اس کے اس عکس سے چھپایا ہے اور اگیان ہے - پرکاش اور اندھکار دونو کے ملنے سے سنسار ہوتا ہے - سورج اور چندر یہ

وہ مل کر رچنا کرتے ہیں پران اور رئی ہی کا ہر جگہ ظہور ہے۔ ایک ست ہے دوسرا است ہے۔ ایک گیان ہے دوسرا اگیان ہے۔ ایک اصلیت ہے دوسرا اُس کا عکس ہے۔ ایک خود روشن ہے دوسرا اُس سے روشنی لیکر موجود ہوتا ہے اور دونو ملکر رچنا کرتے ہیں۔ تم دیکھو۔ تم ست ہو۔ لیکن تم اندھیرے میں اپنے من سے جو بھرم یا بھوت کا خیال پیدا کرتے ہو وہ سروا استھیا ہوتا ہے۔ است ہے صرف تمہاری ستا اور تمہاری آتما کے عکس کو لیکر وہ زندہ ہوتا ہے اور دکھ دینے لگ جاتا ہے۔ ویسے ہی یہ سورج اور چندر۔ یہ رئی اور پران۔ یہ سنکلپ وکلپ۔ یہ گیان اور اگیان۔ اور یہ پرکاش اور اندھکار مل کر جگت کو رچتے ہیں انہیں کے خیال سے جن کی نگاہ پرکرتی پر رہتی ہے وہ تری مارگ پر چلتے ہیں اور جو پرکرتی کے ساتھ ساتھ نگاہ کا رخ کسی پرکاش والے دیوتا میں قائم کرتے ہیں وہ دیو مارگ پر چلتے ہیں مگر گیانی ان سے علیحدہ ہیں۔

یہ بھرم سے نکے کر اپنی آتما میں قائم ہوتے ہیں بھرم مٹ جاتا ہے سکھی ہوتے ہیں۔ تری مارگ والے بھرم میں پھنس کر دوسرے بھرم سے اس بھرم کا ناش کرنا چاہتے ہیں وہ اور اور بھرم پیدا کرتے کراتے رہینگے اور اُن کو موکش عرضی عارضی نصیب ہوتی ہے دیو مارگ والے اس بھرم کے دور کرنے کے لئے کسی دیوتا کا بل لیکر پہلے اُس کے استھان یا لوک میں جاتے ہیں پھر وہاں سے اور کسی دیوتا کا بل لیکر اوپر چڑھتے ہیں اور بتدریج موکش پراپت کرتے ہیں لیکن جنہوں نے ایک مرتبہ دیکھ لیا کہ بھرم ہم ہی سے پیدا ہوا تھا ان کے لئے موکش اور بندھن کیا ہے اسی طرح جو کامنا سے کرکام کانڈ کیا کرتے ہیں۔ وہ چندر لوک کی راہ سے اپنی اپنی کامناؤں

کے لوکوں میں خواہ پتروں کے لوکوں میں جاکر پیدا ہوتے ہیں وہاں کا سکھ
کچھ دنوں بھوگتے ہیں پھر کرم کے چھین ہونے سے مرتیہ لوک میں آتے
ہیں اور وہی پرانا قصہ پھر شروع ہوتا ہے دیو یان والوں کا ان سے اختلاف
ہے وہ برابر اونچے چڑھتے ہوئے سورج لوک سے گزر کر اوپر چڑھتے جاتے
ہیں لیکن جو آتم گیان کے حاصل کرنے کے خواہشمند رہتے ہیں جو آتما کی
حقیقت اور پرکرتی کی اصلیت کو جان کر اپنی آتما میں استھت ہوتے ہیں
ان کو نہ کہیں نیچے گرنے کا خوف ہوتا ہے نہ اوپر چڑھنے کی ضرورت
ہوتی ہے بلکہ وہ جیتے جی اپنے کرموں کے گیان سے ہمیشہ کے لئے دگدھ
کرتے ہوئے کام ناسہت ہوکر جیون مکت اور ودیہہ مکت پد کو پراپت
ہوکر پرم پد کو حاصل کر لیتے ہیں اور اُن کے لئے پھر جنمنے اور مرنے کا
کھٹکا نہیں رہتا۔ ہاں جنمنے مرنے کا کھٹکا نہیں رہتا۔

دیویان پتری یان اور گیان مارگ میں یہ فرق ہے کہ پہلے کے دو پر
پرتنتر دوسرا سوتنتر ہے۔ ایک آزاد ہے دوسرے غلام ہیں پتری یان
والا ہمیشہ اولاد پیدا کرنے اور اولاد کے ذریعہ نیکی اور نیکی کے پھل پانے
کا خواہشمند رہتا ہے۔ وہ چاہتا ہے مجھ کو لڑکے پیدا ہوں اور نیک
ہوں اور اُن کے شبھ سنکلپ سے مجھ کو لابھ پہنچے اس کو خوف رہتا
ہے کہ اگر اچھی طرح مرتک سنسکار نہ کیا گیا تو روح کو تکلیف ہوگی۔ وہ
پتروں کے قرض ادا کرنے کے خوف سے کبھی ڈرتا رہتا ہے اور کرم
کانڈ پر بہت زور دیتا ہے اور اپنے شریر کے تعلقات کے رشتوں
کے توڑنے کے جیتے جی ناقابل رہتا ہے۔ مگر دیو یان اس کے برعکس ہے
وہ دیوتاؤں کی بھگتی کا مارگ ہے وہ لوک کے باسناؤں سے منہ

موڑ کر پرلوک کی خواہش سے دیوتا کے پریم کو اپنے دل میں جگہ دیتا ہے اور اُسی کے ذریعہ مکتی حاصل کرنا چاہتا ہے۔ گیان ان دونوں کے برعکس ہوتے ہیں نہ گیانی کو اولاد کی خواہش نہ دنیا و دین کی خواہش نہ کسی سے کسی قسم کی مدد کی خواہش نہ کسی کا قرض نہ کسی کا احسان۔ آزاد مطلق۔ کیونکہ جو سب میں ہے جس میں سب ہیں جو اپنے میں سب کو دیکھتا ہے۔ جس کو سب اپنے میں نظر آتے ہیں وہ کسی کو کیا دے کسی سے کیا لے۔ کس کی کامنا کرے اور کس کی کامنا نہ کرے۔ کہاں رہے اور کہاں نہ رہے۔ اس قسم کے لفظ اس کے لئے بے معنے ہیں نہ اُس کو بندھ کا ڈر نہ موکش کی اچھیا یہ گیان مارگ ہے۔

تینتیسویں شاکھا

اشومیدھ

گومیدھ

نرمیدھ

بھولے بھالے لوگ کہتے ہیں۔ اہنسا پرم دھرم ہے اور پھر بھی وہ اس بات کو مانتے ہیں کہ ویدوں میں اشومیدھ۔ گومیدھ۔ نرمیدھ کا حکم ہے جو اس قسم کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ اُن کا خیال ہے۔ کہ یگیوں میں گھوڑا۔ گائے اور نر (انسان) کا جلانا ہی اشومیدھ۔ گومیدھ اور نرمیدھ ہے اور ان کے یہاں یگیوں میں ان جانداروں کا بُھنا ہُوا مانس کھا جانا جائز ہے۔ ایک طرف تو ویدوں کو معصومیت

پاکی اور اہنسا کا معلم قرار دیتے ہیں۔ دوسری طرف یگیوں میں جانداروں کے بھسم کرنے کا عقیدہ رکھتے ہیں کیا یہ اجتماع ضدین نہیں ہے؟ اگر ایک صحیح ہے تو دوسرا غلط ہوگا۔ یا تو اہنسا پرم دھرم ہے اور یا اہنسا پرم دھرم ہوگا۔ دونو کی تعلیم ایک ہی وقت میں ایک ساتھ ایک ہی معلم کیسے دے سکتے ہیں۔

اہنسا پرم دھرم ہے اس میں سب کا اتفاق ہے۔ اور وید جو سوسائٹی کے درست رکھنے اور لوک پرلوک میں سکھ کمانے کے قدرتی اور عالمگیر قانون ہیں وہ کیسے اس سے اختلاف کر سکتے ہیں۔ شرتی۔ سمرتی سب کے آدھار وید ہیں۔ وید مستند بالذات ہیں سمرتی مستند بالغیر ہیں۔ جس طرح سورج کے دکھانے و ثابت کرنے کے لئے کسی اور گواہ کی ضرورت نہیں ہے۔ ویسے ہی ویدوں کی سچائی کے متعلق کسی قسم کی خارجی شہادت درکار نہیں ہے۔ آچاروں نے تو یہاں تک حکم دے رکھا ہے کہ اگر کسی بات میں شروتی سمرتی۔ وید انگ اپانگ وغیرہ کا ویدوں کے منتر بھاگ سے اتفاق نہ پایا جاتا ہو۔ تو تم صرف وید کی سنو۔ اور دل کو غیر مستند سمجھ لو۔ یہ ویدوں کا رتبہ ہے۔ شروتی ویدوں کو بھی کہتے ہیں اور برہمن بھاگ اور اُپنشدوں کو بھی کہتے ہیں۔ شرتی کے معنے ہیں "سنی گئی" جو بات کو شیشہ گورو پرمپرا کے سلسلہ میں بطور روایات اور واقعات سنی چلی آئی ہے وہ شروتی ہے۔ سمرتی دھرم شاستروں کا نام ہے دھنروید آیوروید و غیرہ مختلف علوم ویدانگ ہیں۔ کھشٹ درشن۔ اُپانگ ہیں یہ سب ہر بات میں ویدوں کی سند مانتے ہیں۔ اور بڑی سختی

وتاکیہ کے ساتھ ویدوں کی پیروی کی ان میں ہدایات کی گئی ہیں۔ اہنسا کے معاملہ میں ان سب کا بہت کچھ اتفاق ہے اور اگر بفرض محال کہیں کہیں اتفاق نہ بھی ہو تو ہم کو ہر جگہ صاف طور پر ہدایت ملتی ہے کہ اختلاف کی حالتوں میں ان کا ساتھ نہ دو۔ بلکہ ویدوں کی طرف جھک جاؤ۔

نرمیدھ۔ اسومیدھ۔ اور گومیدھ کے مضمون وید پرمپرا کے برخلاف معلوم ہوتے ہیں۔ اور اگر ان کے لفظی معنے پر غور کئے جائیں تب بھی ہم کو ایک طرح صاف طور پر معلوم ہو جاتا ہے کہ ان سے وہ مراد نہیں ہے جو غلطی سے لی جاتی ہے۔ یہ ممکن ہے کہ کسی وقت خاص عقیدہ اور خاص خیالات والوں نے اپنی غرض کے ثابت کرنے کے لئے اُپج کی لی ہو۔ مگر وسیع نگاہ والے آدمیوں کو غور و فکر سے کام لے کر اصلیت پر پہنچنے کی کوشش کرنی چاہئے۔

نر۔ اشو اور گو کے معنے صاف ہیں۔ نر انسان کو کہتے ہیں۔ اشو گھوڑے کو کہتے ہیں اور گو گائے کا نام ہے۔ اختلاف صرف میدھ لفظ پر ہے۔ سنسکرت میں میدھ شبد کے ارتھ یہ ہیں:-

میدھ۔ میدھتری۔ سمجھنا۔ ملانا۔ نقصان پہنچانا۔ مارنا۔ قتل کرنا۔ میدھ۔ دان۔ تپ۔ یگیہ۔ سمجھ۔ بوجھ۔ یا گیان۔ ملاپ اسی طرح اور آگے چل کر اسی مادہ سے جو میدھ شبد بنتا ہے اُس سے بدھی مراد لی جاتی ہے۔

اب اگر اس لفظ کو نر۔ اشو۔ اور گو کے ساتھ ملا کر دیکھا جائے تو اس سے عجیب عجیب معنے پیدا ہونگے۔ آؤ۔ اور تھوڑی دیر کے

لئے میرے ساتھ مل کر اُن پر غور کرو۔

میدہ شبد کا ارتھ دان بھی آیا ہے ۔ دان چاروں ورن کے لئے ہے برہمن گیان کا دانی ہے ۔ مگر گیان کے لئے دان کا لفظ استعمال کرنا اُس کی بیعزتی کرتا ہے ۔ کیونکہ گیان آتما کا مرادف ہے گیان آتما کا دوسرا نام ہے ۔ گیان آتما کا سروپ ہے ۔ اُس کا کوئی دان کیا دیگا ۔ کیونکہ وہ تو اپنا آتما ہی ہے ۔ صرف گورو یا برہمن اشارہ کر دیتا ہے اور اس اشارے سے اگر کسی کو اپنے سروپ کی سمجھ نہیں آتی تو وہاں خاموشی اختیار کی جاتی ہے ۔ کبیر صاحب کا قول ہے ؎

سیَن بین سے جو لکھے ۔ تا سوں کہئے وہائے
سیَن بین بوجھے نہیں ۔ تا سوں کہئے بلائے

اسی خیال کو ایک صوفی نے اسی طرح بیان کیا ہے ؎

مستمع گر نیست خاموشی بہ است
نکتہ از نا اہل گر پوشی بہ است

برہمن اُس کو کہتے ہیں جو برہمہ سروپ ہے برہمہ کا جاننے والا ہے مگر چونکہ وہ سارے جگت کو اپنا ہی سروپ جانتا ہے کسی کو اپنے سے علیحدہ نہیں سمجھتا ۔ وہ کس کا دان دے اور کس کا دان لے ۔ برہمن اور گیانی کی تعریف میں دان اور دانی کے اصطلاحات غیر موزوں ہیں گو عملی دنیا میں کہا جاتا ہے کہ دان دینا ۔ دان لینا ۔ وغیرہ وغیرہ برہمن کا دھرم ہے اور یہ اس حد تک صحیح ہے ۔ مگر برہمہ دان ۔ گیان دان کو اصل میں دان نہیں کہا جاتا کیونکہ اس کا معاوضہ دنیا میں نہیں ہے جو چیز کسی کے پاس رہتی ہے وہ اس کا دھنی ہے اور وہ اُس کا دان دیتا ہے ۔ یہانتک برہمن

کی نسبت سمجھ لو۔

اب رہے کشتری۔ ویشیہ اور شودر

کشتری صاحب اقتدار و صاحب اختیار ہیں۔ اشو یعنے گھوڑا طاقت اختیار اور اقتدار کا سروپ ہے۔ وہ گھوڑ کا دان دیتے ہیں۔ اشومیدھ اس گھوڑے کا دان ہے اور سوائے کشتری کے کسی کو بھی اشومیدھ کرنے یا گھوڑے کا دان کا حوصلہ نہ ہونا چاہئیے۔ کیونکہ قدرت طاقت۔ قدر و منزلت کی بخشش صرف وہ کرتا ہے جس میں اس قسم کے سارے اوصاف ہیں۔ یہ دان اصل میں ابھئے دان ہے اور اشو میدھ سے مراد بھی یہی ہے کہ جو راجہ اس یگیہ کو کرتا ہے وہ اپنی رعایا کے ذہن نشین کراتا ہے کہ وہ اپنی طاقت کے ذخیرہ کا شریک ساری رعایا کو بناتا ہے اُن کو ابھئے بناتا ہے اور عدل و انصاف سے سلطنت کرنے کا وعدہ کرتا ہے اور یہ یگیہ اسی لئے وہ راجہ کرتا ہے جس کی سلطنت بہت وسیع ہو جاتی ہے۔ وہ طاقت میں کسی کو اپنا ثانی نہیں سمجھتا۔ سب کو اپنے ماتحت بنا کر سکھ و آرام کے ساتھ زندگی بسر کرنے کا استحقاق عطا کرتا ہے یہ اسلئے وہ یگیہ ہے جو راج کے مضبوط ہو جانے پر کیا جاتا ہے

ویش دھن والے ہوتے ہیں۔ گائیں چرانا۔ گؤوں کا پالن کرنا یہ ویش کا دھرم ہے اور گائے ہی دھن کہی گئی ہیں۔ گاء دھن ہیں۔ گاء کا لفظ دھن کا مرادف ہے اور گائے دھن کی سروپ ہیں۔ ہمارے یہاں ان کو ہمیشہ دھن سمجھا جاتا رہا ہے۔ یہ دان بالخصوص ویشیوں سے مخصوص ہے۔ مگر اس سے یہ نہ سمجھ لینا چاہئیے کہ صرف ویش ہی گائے کا دھن دیتے ہیں۔ نہیں۔ راجہ بھی دھن اور نر یعنے آدمیوں کا دان دیا

کرتے تھے۔ کیونکہ کشتری صاحب اقتدار ہیں۔ مگر ویش بالخصوص گاؤ والے کہلاتے ہیں اور یہ گائے کا دان اُن کی شان کا بڑھانے والا ہوتا ہے۔ شودر نر والے ہوتے ہیں۔ چاہے ہماری بات کوئی مانے خواہ نہ مانے مگر یہ حقیقت ہے کہ شودروں کی اولاد بمقابلہ اوروں کے زیادہ ہوا کرتی ہے۔ برہمن کشتری اور ویش اتنے اولاد والے نہیں ہوتے کیونکہ دوجنما ہونے کی وجہ سے اُن کے سفلی و شہوانی جذبات کم ہو جاتے ہیں اُن کا رخ جسم کی طرف رہتا ہوا بھی روح کی طرف بھی متوجہ رہتا تھا یہ سبب کمی اولاد کا ہے اس کے سوا اُن کی جوابدہیاں و ذمہ واریاں اس قسم کی ہوا کرتی تھیں کہ ان کی آتما کو عقل و تمیز کے طیقہ پر نشست کرنے کا زیادہ موقع رہا کرتا تھا۔ ساری توجہ جسم ہی کو نہیں دی جاتی تھی۔ ایک سبب یہ بھی ہے۔ مگر شودر برعکس ان کے صرف جسمی خدمات کے لئے مخصوص ہوتے تھے۔ اس وجہ سے وہ کثیر الاولاد ہوتے تھے اور یہ دوسروں کی خدمت کے لئے اپنی اولاد کو دان کر دیا کرتے تھے۔ انسان کا دان موجودہ تہذیب کی نگاہ سے حد درجہ کا مکروہ۔ معیوب اور وحشیانہ ہے مگر قدیم زمانہ میں اس کا رواج تھا اور ہم اُن سے انکار نہیں کر سکتے۔ سب راجوں کے پاس بہتایت سے باندیاں۔ داس اور داسیاں رہا کرتی تھیں اس کا رواج اس وقت سے دنیا میں کم ہونے لگا ہے جب سے شہزادہ گوتم بدھ نے اپنی اعلےٰ انسانیت کا وعظ شروع کیا۔ اور چونکہ وہ بدھ تھے اپنی بدھی سے انسان کی بیوقری کا داغ مٹانے کی کوشش کی۔ یہ دان شودر سے مخصوص تھا۔ مگر یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ اور لوگ ایسا دان نہیں دیا کرتے تھے۔ نہیں۔ برہمن کشتری اور ویش بھی

داس اور داسیوں کا دان دیا کرتے تھے۔
جس کو جو چیز پیاری ہے اس کا دان کرنا ہی سچا دان ہے۔ برہمن کو گیان پیارا ہے وہ گیان کا دان دے کشتری کو اشو پیارے ہیں وہ اشو کا دان دے۔ ویش کو گائیں پیاری ہیں وہ گاؤں کا دان دے شودر کو اولاد پیاری ہے وہ اولاد کا دان دے یہ گیان میدھ اشومیدھ گومیدھ نرمیدھ ہے۔

اب اس کو اور پیرایہ سے بھی غور کرو۔ سوسائٹی کے درست رکھنے سلطنت کے مضبوط بنانے اور خانہ داری کے معاملات میں سہولیت پیدا کرانے کی غرض سے کتنی ضرورت تھی کہ برہمن خود غرض نہ بنکر قوم وملک کو گیان کا دان دیں کشتری خود غرض نہ بنکر اپنی بھجابل کا دان دیں۔ ویش خود غرض نہ بنکر دھن کا دان دیں اور شودر خود غرض نہ بنکر اپنی اولاد کو خدمت کرنے کے لئے دان دیں۔ برہمن۔ کشتری۔ ویش و شودر ایک ہی قسم کے آدمی ہوتے تھے سوسائٹی روپی جسم کا ایک سر ہے ایک ہاتھ ہے ایک پیٹ ہے اور ایک ٹانگ ہے اور اسی جسم کو تندرستی کا سکھ پراپت ہوتا ہے جس کے سبب عضو اپنی اپنی حیثیت ودولت سوسائٹی کے لئے دان دیا کریں۔ جہاں اس قسم کے دانوں کا سلسلہ جاری رہتا ہے وہاں سکھ پراپت ہوتا ہے تمہارا اپنا جسم اُسی وقت سکھی ہوگا جب سر غور و فکر کرتا رہے۔ ہاتھ دنیا کے دیواسر سنگرام میں جدوجہد کرتے رہیں معدہ اپنا فرض خوش اسلوبی سے ادا کیا کرے اور ٹانگیں چلنے پھرنے کے قابل بنی رہیں۔ اگر ان میں سے ایک بھی ناکارہ ہے تو پھر صحت رخصت ہو جائیگی اور دُکھ پرنام ہوگا۔

لعنت ہے اُس برہمن پر جس کی بدھی قوم کے لئے وقف نہیں ہے لعنت ہے اُس کشتری پر جس کے ہاتھ قوم کی رکھشا نہیں کرتے۔ لعنت ہے اُس ویش پر جس کا دھن قوم کے گاڑھے وقت کام نہیں آتا اور لعنت ہے اُس شودر پر جو اپنے آپ کو قومی خدمت کے قابل نہیں بنا لیتا یہ چاروں ایک ہیں۔ ان میں جو کوئی بھید مانتا ہے وہ مورکھ اور نادان ہے۔ سب اپنے اپنے گن کرم اور سوبھاؤ سے اپنے اپنے فرض کو انجام دیتے ہیں اور ان کو انجام دینا چاہئے۔ برہمن۔ کشتری۔ ویش اور شودر چاروں آریہ جاتی سے ہیں چاروں آریہ ہیں وہ ایک ہی نسل ایک ہی قوم اور ایک ہی سوسائٹی کے چار گن ہیں کسی ایک کے بغیر قوم نسل اور سوسائٹی غیر مکمل اور ناقص رہیگی۔ سب کو یتھا شکتی اپنے حیثیت اور طاقت اور لیاقت کے موافق قوم کی خدمت انجام دینا چاہئے۔ برہمن گیان کا دان دے کشتری اشو کا دان دے۔ تب کام بنیگا ورنہ خرابی واقع ہوگی یہ گیان میدھا اشو میدھ۔ گومیدھ اور نرمیدھ ہے۔

میدھ کا ارتھ قربان کرنا۔ بل دینا اور مارنا بھی آیا ہے اور اگر تم غور کرو۔ تو یہ سب مختلف المعنی ہوتے ہوئے مرادف اور ہم معنی بھی نظر آئینگے بل دینا۔ مارنا اصل میں تپ ہے اگر برہمن کو اپنے گیان کا اہنکار ہے تو وہ پتت ہے اگر کشتری کو اپنے بل کا اہنکار ہے تو وہ پتت ہے اگر ویش کو دھن کا اہنکار ہے تو وہ پتت ہے اگر شودر کو اپنی کثرت اولاد کا اہنکار ہے تو وہ پتت ہے۔ برہمن سے کہو اپنے گیان کا بل دے۔ اُس کو مارے تپ کرے۔ دوسروں کے کام آئے تب وہ سچا برہمن ہوگا۔ کشتری سے کہو وہ اپنے اشو یعنی طاقت کا بل دے۔ اُس

کو مارے - تپ کرے دوسروں کے کام آوے تب وہ سچا ویش بنیگا - شودر سے کہو وہ اپنی اولاد (نر) کا بلدان کرے اس کو مارے تپ کرے دوسروں کے کام آوے تب وہ سچا شودر کہلائیگا - تپ کرنا - مارنا - بلدان کرنا - ایک ہی مراد کی طرف اشارہ کرتے ہیں -

میدہ کا ارتھ سمجھنا بوجھنا بھی ہے اس سے یہ مطلب ہے برہمن سمجھے کہ گیان کیا ہے - گیان سے کیا مراد ہے - گیان کی غرض کیا ہے - گیان پا کر اُس کو کیا کرنا ہے تب وہ برہمن ہوگا - کشتری کے ذہن نشین ہو جائے اشو یعنی بھج بل کیا ہے اس سے کیا مراد ہے اس کی کیا غرض ہے - اشو یعنی بھج بل کو پا کر اس کو کیا کرنا ہے تب وہ کشتری پن کا جوہر دکھلا سکیگا ویش جانے گو (دھن) کیا ہے دھن سے کیا مراد ہے دھن کی کیا غرض ہے - دھن پا کر اس کو کیا کرنا چاہئے تب وہ اصلی ویش کے فرض ادا کر سکیگا - شودر غور کر کے جان لے نر (اولاد) کیا ہے اولاد سے کیا مراد ہے اولاد کی غرض کیا ہے اولاد پا کر اس کو کیا کرنا چاہئے - تب وہ سچا شودر ہوگا -

برہمن ہو یا کشتری ویش یا شودر - سب قومی سیوک کی حیثیت رکھتے ہیں سب میں سارے اوصاف ہوتے ہیں - صرف وشیشتا - اور کسی خاص وصف کی وجہ سے اُن کو مختلف نام دئے گئے ہیں - ورنہ - جیسے ایک جسم میں سر - ہاتھ - پیٹ اور ٹانگیں ہوتی ہیں ویسے ہی برہمن کشتری ویش و شودر ہیں چاروں میں گیان - بھج بل - دھن - اولاد سب کو حاصل ہے - سب ایک ہی خدمت انجام دیتے ہیں - برہمن کشتری ویش اور شودر میں صرف سمجھ کا فرق ہے - اصل میں صرف دھگتا اور وشیشتا کی وجہ سے

ایسے مختلف نام دئے گئے ہیں سب ہی کسی نہ کسی پیرایہ میں قوم و ملک کے خدمت کے لئے مخصوص ہیں اور یہی خدمت اُن کی زندگی کا مقصد ہے اسی سیوا سے وہ پوتر ہوتے ہیں اور اسی کی بدولت سکھ پراپت کرتے ہیں جس کو گیانیوں نے پرم پرشارتھ کہا ہے۔

طریقت بجز خدمت خلق نیست
بہ تسبیح و سجادہ و دلق نیست

کون برہمن ہے جو خدمت نہیں کرتا۔ گیان دینا بھی ایک طرح کی خدمت ہے برہمن کے پاس یہی طاقت دھن وغیرہ ہُوا کرتے ہیں۔ یہی حال ویش شودر اور کشتری کا بھی ہے۔ سب میں گیان بل دھن اولاد ہوتی ہے۔ سر سے پاؤں تک امتیاز کے درجے تو ضرور رکھے گئے ہیں اور یہ امتیازی درجے قدرت کے کاروبار میں ہر جگہ نظر آوینگے۔ مگر اصل میں یہ امتیازیہ فرق اور یہ بھید صرف فرضی ہیں۔ اصلیت کچھ بھی نہیں ہے

میدھ شبد کے آخری معنے میل ملاپ کے ہیں۔ برہمن وہ ہے۔ جس سے گیان کا میل ہو۔ اُس کو چاہئے کہ وہ گیان کے میل کی کوشش کرے۔ اگر اس میں گیان نہیں ہے تو وہ برہمن بھی نہیں ہے کشتری وہ ہے جس سے اشو یعنی طاقت و اختیار کا میل ہو اس کو چاہئے کہ وہ اشو کے میل کی کوشش کرے۔ اشو آروڑھ ہو۔ اگر وہ صاحب اختیار صاحب اقتدار اور صاحب عزّ و وقار نہیں ہے تو وہ کشتری بھی نہیں ہے ویش وہ ہے جس کا گو یعنے دھن کے ساتھ میل ہو۔ اُس کو چاہئے کہ وہ دھن کے میل کی کوشش کرے اگر اس کے پاس دھن نہیں ہے تو وہ ویش بھی نہیں ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اسی طرح شودر وہ ہے جو کثیر الاولاد ہو

اُس کو چاہئے کہ زیادہ اولاد والا بننے کی کوشش کرے اگر وہ اولاد والا نہیں ہے تو وہ شوور بھی نہیں ہے۔ کیونکہ سو ساٹھی کو گیان۔ اختیار دولت اور آدمیوں ہی سے استحکام ہوتا ہے جو شخص خوبصورتی اور خوش اسلوبی سے ان چار باتوں میں سے کسی ایک کے پیدا کر لینے کا اہتمام کرتا ہے وہی گیان میدھ کرتا ہے۔ اشومیدھ کرتا ہے۔ گومیدھ کرتا ہے اور نرمیدہ کرتا ہے۔

میں نے تو اشومیدھ۔ گومیدھ۔ نرمیدھ کے یہ معنے سمجھے ہیں کوئی میری سنے خواہ نہ سنے۔ کوئی زبردستی نہیں ہے۔ اپنا اپنا خیال ہے مگر میں اس کو ایسا ہی سمجھتا ہوں۔ میں اشو۔ گا۔ اور نر کے ہون کنڈ میں بھون کر کھانے کے برخلاف ہوں۔ کیونکہ اس میں صریحی ہنسا ہے یہ ہنسا انسانیت کی شان کے برخلاف ہے انسان قدرت میں ہمدردی کے لئے موضوع ہوا ہے جس شخص میں ہمدردی نہیں ہے وہ انسان نہیں بلکہ حیوان ہے۔ اس کی صورت چاہئے انسان کی ہو مگر سیرت میں وہ انسان سمجھے جانے کے قابل نہیں ہے۔

میں نے جو کچھ کہا ہے یہ بدھ دھرم کا اصول ہے۔ ویدک دھرم کا سدھانت ہے سنت وِدھاتماؤں کا اس کے ساتھ اتفاق ہے اس میں سچائی ہے۔ ممکن ہے کرم کانڈ کا اشومیدھ نرمیدھ اور گومیدھ کچھ اور ہو یہ عقل کے نقطہ نگاہ سے ایسا کہا گیا ہے۔

تینتسویں شاکھا

کرم یوگ

گیان یوگ

بھگتی یوگ

کرم-گیان-بھگتی-تینوں کا مقصد ایک ہے-تینوں ہی کی مراد یہ ہے کہ انسان کے علوی جذبات ابھر کر کھڑے ہوں-اور ان کے آتما سے دوئی کے غلاف اتر جائیں-اور وہ اپنی اصلیت سے واقف ہو کر اپنی ذات اور اپنے روپ کو سمجھ کر اس میں قائم ہوں-

کرم-گیان-بھگتی-تینوں کی شکلیں جداگانہ ہیں-عام طور پر اُن میں فرق بھی ہے-اُن کے کام کرنے کے ڈھنگ بھی ایک سے نہیں ہیں لیکن جن کو اصلیت کا خیال رہتا ہے-وہ ان کی مراد اور اصلی غرض میں کچھ بھی فرق نہیں دیکھتے اور تینوں کو منزلِ مقصود میں پہنچانے والے تصور کرتے ہیں

لاہور سے کلکتہ جانے کی مختلف راہیں ہیں-ایک راہ پکی ویڑی سڑک کی ہے جو کلکتہ سے پشاور تک گئی ہوئی ہے-دوسری راہ ریل کی ہے-جو دہلی الہ آباد سے ہو کر گئی ہے-تیسری ریل کی راہ سہارنپور-بریلی اور لکھنؤ ہوتے ہوئے کلکتہ کو گئی ہے-اب دیکھو! گو راستے جدا جدا ہیں-مگر کلکتہ جانیوالے تینوں ہی راہ سے ہو کر اپنے منزلِ مقصود کو واصل ہوتے ہیں÷

اسی طرح تین راستوں کے طے کرنے کے ذریعے بھی جدا جدا ہیں ایک شخص پا پیادہ سفر کرتا ہے-اس غریب کے پاس اس قدر روپے پیسے نہیں ہیں وہ پاؤں گھسیٹتے ہوئے جاتا ہے-دوسرا مسافر گاڑی میں جاتا ہے-تیسرا ڈاک میں سوار ہوتا ہے-پیدل جانیوالا دیر میں پہنچے گا-گو وہ

پہنچیگا ضرور۔ مسافر گاڑی میں جانیوالا اس سے جلدی اور ڈاک میں جانیوالا سب سے پہلے پہنچیگا۔جس کی جیسی سواری۔جس کے جیسے ذریعے۔جس کی جیسی کوشش جس کے جیسے حوصلے وہ ان ہی کے انداز سے جلد یا دیر سے اپنا کام بنائیگا بالکل یہی کیفیت گیان۔بھگتی اور کرم کی ہے۔

ذات کا علم گیان ہے۔ ایشور کی محبت کا دم بھرنا بھگتی ہے۔دنیا میں دوسروں کے کام آنا کرم ہے۔یہ ان تین مختلف اصطلاحات کی مختصر تشریح ہے۔گیانی تتو وچار کرتا ہؤا اپنے سروپ کا گیان حاصل کر لیتا ہے۔اور انانیت و میرے تیرے پنے کو بھلا کر اپنی ذات میں محو ہو جاتا ہے۔یہ گیان یوگ کی معراج ہے۔بھگت سوائے ایشور کے کسی بات کی خواہش نہیں کرتا محبت کے تصور کو اس طرح پختہ کرتا ہے کہ اس میں جسم کے سفلی جذبات نہیں رہتے اور وہ ایشور سے مل کر ایک ہوتا ہے۔اور اس کی انانیت کھو جاتی ہے یہ بھگتی یوگ کا آدرش ہے کرم سے مراد یہ ہے کہ انسان بلا کسی غرض کے بلا کسی ذاتی نفع و نقصان کے خیال کے دنیا کے اپکار کا کام کرے۔ کام کے پھل کی خواہش نہ رکھے۔صرف کرم کرنا اپنا فرض تصور کرے۔اور اس کرم کے سلسلے میں اپنی ہستی کو تمام دنیا کی ہستی میں محو کرنے کا اہتمام سوچے۔ تاکہ اس کی انانیت و میرا تیرا اپنا جاتا رہے۔اور وہ سب کا ہو جائے۔ یہ کرم یوگ کا آیڈیل ہے۔

گیانیوں کی ذات۔بھگتوں کا ایشور۔اور کرمیوں کا کرم۔یہ تینوں ایک ہی چیز ہیں۔جن کی روح کے پردے ابھی دور نہیں ہوئے۔وہ اصلیت کو نہیں جانتے۔جن کی نگاہ کھل گئی ہے۔ان کو صاف صاف حقیقت کا تماشا نظر آ رہا ہے۔جس کو تم گیان کہتے ہو وہ اصل میں ایشور ہی ہے۔کیونکہ

ایشور گیان روپ ہے۔جس کو تم پرتم سمجھ رہے ہو۔ وہ اصل میں ایشور ہے کیونکہ ایشور پریم روپ ہے۔جس کو تم (بیغرضانہ) کرم سمجھ رہے ہو وہ اصل میں ایشور ہے ایشور کب نشکام کرم سے جدا ہے۔صرف سمجھ کا پھیر ہے۔ جانے والے کلکتہ ہی کو جا رہے ہیں۔منزل مقصود ایک ہے صرف اُن کے ظاہری حالات جداگانہ ہیں۔

عام طور پر لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ گیانی بھگتی نہیں کرتے۔یا اکثر کرم کانڈیوں کو ایشور سے تعلق نہیں رہتا۔میں کہتا ہوں یہ خیال بالکل غلط ہے۔گیانی بھگت ہے۔نشکام کرنے والا بھی بھگت ہے۔بغیر ایشور کی بھگتی کے کسی کا بھی کام نہیں چلتا مگر ہاں ان کے خیالات اور کام کرنے کے ڈھنگ میں فرق ہے۔اور فرق ہمیشہ ہی رہیگا۔اس فرق سے کہیں بھی بچاؤ نہیں ہے۔گیانی کے سامنے گیان کی معراج ہے جو ایشور ہے۔بھگت کے سامنے پریم کی معراج ہے جو ایشور ہے۔کرم یوگی کے سامنے نشکام کرم کی معراج ہے۔جو ایشور ہے۔تینوں کے روح تین طبقوں پر نشست رکھتے ہیں۔اس لئے ان میں فرق ہے۔ورنہ اصلیت میں تینوں کا مقصد ایک ہی ہے۔

کرم یوگی کا تعلق جسمانی طبقہ سے ہے۔وہ ہاتھ پاؤں زبان سے اپنے نشکام کرم کی ابتدا کرتا ہے۔اپنی زندگی اوروں کے لئے وقف کرتا ہے۔آہستہ آہستہ اس طرح کرم کرتے ہوئے اس میں ان لوگوں کے لئے پریم پیدا ہوگا جس کے واسطے وہ کرم کر رہا ہے۔یہ بھگتی ہے۔پھر چونکہ کرم کے سلسلے میں سمجھ بوجھ کی ترقی ہوگی۔۔ وہ اس بات کی جستجو کریگا ظاہر کریگا کہ کس طرح بلا وقت بلا خرخشہ اپنے کرم کے سلسلے کو جاری رکھ سکے۔ وقعہ

قربانی اور ایثار نفسی کریگا۔ وہ آتما کے روپ میں قائم ہو جائیگا۔ اس کی محدود ہستی کہاں رہیگی۔ وہ سب کا ہو گیا۔ سب میں مل رہا۔ اور یہی اتصال روح کا خاصہ اور اس کی ذات ہے۔

بھگتی یوگی کا تعلق دلی طبقہ سے ہے۔ وہ دل کے جذبات کو متحرک کرکے بھگتی کے سفلی درجہ سے ابتدا کرتا ہے۔ جس کو اپرا بھگتی کہتے ہیں۔ اگر غور کرکے دیکھو تو وہ بھی کرم کرتا ہے۔ پوجا پاٹھ۔ سنان۔ سندھیا یہ سب کرم ہیں مگر یہ کرم اس کے ایشور کے لئے وقف ہیں۔ آہستہ آہستہ کرم کے ساتھ بھگتی کرتے ہوئے وہ بھگتی کے پرابھاگ میں داخل ہو جاتا ہے۔ جہاں عمل تصور کی وجہ سے وہ اس قدر محو خیال بھگونت ہو گیا کہ اب اس کی اپنی انانیت نہیں رہ گئی۔ اس بھگتی کے سلسلے میں اس کو کرم و بھگتی کرتے ہوئے تمیز کے درجہ سے گزرنا ہوا تھا۔ اس لئے وہ بھی گیان کی منزل میں آیا اور آخر یہ بھگونت سے مل کر ایک ہو رہا۔ تلاش تو کرو۔ اس کی ذات کہاں ہے۔ وہ مالک ہے۔ مالک کی ہستی اس کی اور اس کی ہستی مالک کی ہو گئی۔ یہی اتصال اور یہی وحدانیت آتما کی ذات ہے۔

گیانی کیا کرتا ہے؟ گیان کا تعلق عقل سے ہے۔ گیانی کی نشست عقلی طبقہ میں ہے۔ اس کے سامنے گیان کی معراج رہتی ہے اسی کے سلسلے میں اس کو کرم کرنا پڑتا ہے۔ سوچ۔ وچار۔ غور و فکر کرم ہی ہیں اس میں پریم ہے۔ کیونکہ اگر پریم نہ ہو۔ تو پھر کرم اور تصور نہیں ہو سکتا۔ اس کو گیان کا شوق ہے۔ ذات کے علم کی جستجو ہے۔ حقیقت کے انکشاف کی تمنا ہے اور یہ بھی اپنے آپ کو اس کے لئے وقف کرتا ہے اور پھر دونوں عمل کرکے یہ اپنے آپ کو گیان میں محو کر دیتا ہے۔ یہی محویت ہے یہی اتصال اور

یہی وحدانیت گیان ہے اور آتما کی ذات ہے۔

تم نے دیکھ لیا۔گیانی کو بھی کرم اور بھگتی کرنا پڑتا ہے۔تم نے سمجھ لیا بھگت کو بھی کرم اور گیان سے تعلق رہتا ہے۔تم کو بتا دیا کہ نشکام کرم کرنیوالا بھی بغیر گیان اور پریم کے ایک قدم آگے نہیں رہ سکتا ہے۔یہ تینوں ملے جلے رہتے ہیں۔تم کس کو کس سے الگ کر سکو۔جسم۔دل۔دماغ تینوں ہی کی شرکت سے زندگی کا مقصد پورا ہو جاتا ہے۔اس لئے ہر شخص کو جو حقیقت و معرفت کا پردہ اٹھانے کا متمنی ہے تینوں ہی حالتوں سے گزرنا ہوتا ہے۔سب کرم بھگتی اور گیان کرتے ہیں۔پھر ان میں فرق کس بات کا ہے؟ سنو۔فرق صرف آئیڈیل اور معراج کا ہے۔جس نے اپنی خیالی نگاہ کے سامنے جو معراج قائم کی اس کی وجہ سے اس کو خاص نام خاص لقب اور خاص خطاب بخشا گیا اور اسی معراج کی وجہ سے ان کے طرز عمل میں فرق بھی رہتا ہے اور اس اختلافات کے طبقہ میں فرق رہتا ہے۔

لوگ کہتے ہیں۔گیانی ادویت وادی ہوتے ہیں جب وہ کسی کو نہیں مانتے تو اُن کا عقیدہ و خیال غلط ہے۔بھولے بھالے بھائیو! یہ صرف نادانوں کی گفتگو ہے۔کس نے تم سے کہا کہ گیانی کسی کو نہیں مانتے۔اور جس ادویت واد کو تم خوف و نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہو۔اس سے تم بچ کر کہاں جا سکتے ہو۔دویت واد صرف فرضی اور مصنوعی اور غلط چیز ہے۔وہ اصل میں کچھ نہیں ہے۔گیانی پر اعتراض کیوں جماتے ہو کیا بھگتی کا معراج یہ نہیں ہے کہ بھگت اپنے آپ کو بھگونت کے خیال میں محو کر دے۔اور اس سے مل کر ایک ہو جائے۔اگر یہ معراج نہیں ہے تو پھر وہ بھگتی

بھی نہیں ہے اس قسم کی بھگتی ادویت واد ہے - اسی طرح کرم کرنے والا جب اپنے کرم کو اپنی ذات کو اپنے جذبات کو دوسروں کے اپکار کے لئے وقف کر دیتا ہے تو اس میں پھر دوئی کہاں رہی وہ بھی ادویت واد کے زمرہ میں آگیا - بغیر ادویت مت کے نشکام کرم کب ہوگا؟

غرضیکہ لوگ سمجھتے نہیں - خواہ مخواہ اعتراض جما دیا کرتے ہیں اگر ذرہ بھی غور و فکر سے کام لیں تو ادویت واد - اور دویت واد کے متعلق کبھی جھگڑا ہی نہ پیدا ہو -

گیانی - بھگت اور کرمی - سب کا ماحصل ایک ہے اور سب کو تینوں حالتوں اور تینوں تعلقات سے کام پڑتا ہے -

جب گیان - بھگتی اور کرم اپنے عمل کے سلسلے میں معراج کی حالت حاصل کر لیتے ہیں اسی کو چوتھی اوستھا کہتے ہیں -

چونتیسویں شاکھا

بھگتی

بیخودی

ایثار نفسی

گیان یوگی قدم قدم پر یہ سوال کرتا ہے کہ یہ کیوں ایسا ہے؟ کرم یوگی پوچھتا ہے کہ یہ کس طرح ہے - بھگتی یوگی کے یہاں کسی قسم کا سوال نہیں کیا جاتا - جو کچھ اس نے گرو سے سن لیا وہی اس کے لئے سب کچھ ہے وہ رات دن اسی کے عمل و شغل میں مصروف رہتا ہے ایشور کا جو آئیڈیل

گروُ نے اس کے دل میں قائم کر دیا۔ وہ اس کی نگاہ سے دم بھرم کے لئے بھی جدا نہیں ہونے پاتا۔ سوتے۔ جاگتے۔ اٹھتے بیٹھتے۔ اس دھیان اور اسی کا تصور رہتا ہے۔ بھگت کو اس بات کی پروا نہیں ہے کہ اس کا بھگونت سروشکتیمان ہے۔ یا مسبب الاسباب ہے۔ اس کو اس سے کچھ لینا نہیں ہے۔ جو وہ خواہ مخواہ اپنے دل کو تکلیف دے اگر وہ قادرِ مطلق ہے تب بھی کچھ پرواہ نہیں۔ وہ بھگتی کو صرف بھگتی کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ وہ ایشور سے کچھ مانگتا نہیں نہ مانگنے کا خیال ہے۔ بلکہ اپنا سب کچھ اس پر نثار کرنے کو ہر وقت حاضر رہتا ہے۔ اس کو یہ بھی فکر نہیں ہے کہ ایشور اس کو پیار بھی کرتا ہے یا نہیں۔ مگر ہاں وہ اپنی محبت کے نشے میں مخمور رہتا ہے۔ اس کو اپنے خیال اور اپنے پریم کے اُدھیڑ بن سے کہاں فرصت ہے؟ کہ وہ دیکھے کہ ایشور کا اس کی نسبت کیا خیال ہے؟ کیونکہ اس خیال میں دویت واد اور دوئی کا بھاؤ آجاتا ہے۔ اور بھگتی مارگ میں یہ حد درجہ کا نقص ہے۔

پیا چہے کہ نا چہے میں تو پیا کا داس
آٹھ پہر چونسٹھ گھڑی پیا سنگ کروں نواس
پیا چہے کہ نا چہے میں تو پیا کا داس
پیا کے رنگ راتی رہوں جگ سے رہوں اُداس

اس جذبے کا کہیں ٹھکانا ہے اس پریم کے سمندر کی کیا کہیں تھاہ ہے! نہیں۔ سب چیز کی دنیا میں تھاہ ہے۔ مگر پریم و بھگتی کی تھاہ نہیں ہے، کون سا کام ہے جو پریمی اپنے پریتم کے لئے نہیں کرتا۔ کون سے خطرات ہیں جو بھگت اپنے بھگونت کے لئے نہیں اٹھا لیتا۔ اس کے لئے آزمائش

وا امتحان کا کھٹکا کیسا؟ آسمان اُس کے سر پر ٹوٹ پڑے ۔ پہاڑ اس کی راہ میں حائل ہو جائے ۔ سمندر اس کے روکنے کے لئے لہرانے لگے ۔ مگر کیا یہ شیر دل والا کبھی اپنے خیال کو کمزور ہونے دینے والا ہے اس کی نگاہ آکاش کی طرح وسیع ہے ۔ اس کا دل خود برہمانڈ ہے ۔ نظر کا بہت اونچا ہے ۔ بھگت ہونا آسان نہیں ہے ۔ یہ جیتے جی مر رہنے کا مضمون ہے ۔ مگر اس سے سہل بھی کوئی طریقہ روحانیت حاصل کرنے کا نہیں ہے ۔ گیانی کو قدم قدم پر ٹھوکر کھانے کا کھٹکا رہتا ہے ۔ خیال میں کرم میں کام میں انانیت کی چھان بین کرنی ہوتی ہے ۔ کرم کرنے والے کا کام بھی مشکل ہے ۔ بلا کسی کی مدد کے اپنے ذاتی خود ذاتی علاج اور ذاتی مفاد کو محض دوسروں کے اپکار کے لئے وقف کر دینا آسان کام نہیں ہے ۔ کہنے کو تو جو چاہے کہہ لے ۔ مگر جب کام پڑتا ہے تب حقیقت کا پتہ لگتا ہے ۔

جھو جھینگے نب کہینگے پہلے کہا نہ جائے
بھیڑ پڑے من مسخرا جھوٹھے ڈھول بھگ جائے

مگر بھگت اور پریمی کے لئے کوئی خطرہ نہیں ۔ اس نے اپنے آپ کو ایک مرتبہ وقف کر دیا ۔ اب قدم بھول کر بھی پیچھے نہیں پڑتا ۔ ہر وقت اس کے واسطے ترقی کا میدان کھلا ہے ۔ جو قدم پڑتا ہے آگے پڑتا ہے اور آخر میں وہ مالک سے ملکر ایک ہو رہتا ہے ۔ پریمی بھگت کو نہ بندھن کا خوف نہ موکش کی خواہش ہے کیونکہ خواہش اور موکش کی بھگتی مارگ میں سخت بیقدری ہے وہاں سوا ایک خیال کے اور کچھ نہیں رہتا اور اسی ایک خیال کے اُدھیڑ بن کا سلسلہ ہر وقت جاری رہتا ہے ۔ اس نے سر دیکر پریم کا سودا خرید لیا ہے پریم ہی اس کی جان ہے ۔ پریم ہی اس کا ایمان ہے جس نے پہلے سر دیدیا

اب اس میں خودی۔خودداری۔خودبینی اور خودپسندی کہاں رہی۔جس کا فیصلہ پریمی بھگت پہلے ہی کر دیتا ہے۔اس سے کرمی اور گیانی کو بہت دنوں تک تعلق رہتا ہے۔یہ پریم کا مارگ ایسا ہے۔

پریم پیالا جو پئے۔سیس دکشنا دے
لوبھی سیس نہ دے سکے۔نام پریم کا لے
پریم پریم سب کوئی کہے۔پریم نہ جانے کوے
آٹھ پہر بھینیا رہے۔پریم کہاوے سوے
گھٹے بڑھے چھن ایک میں۔سوتو پریم نہ ہوے
اگھٹ پریم پنجر بسے۔پریم کہاوے سوے

آسمانی اور زمینی پریم میں بہت کچھ مشابہت ہے۔جہاں کہیں دنیا میں پریم پیدا ہوتا ہے۔وہاں ایک سی حالتیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ایک بھولی بھالی کمزور نازک بدن عورت کتے کی آواز سنکر خوف سے گھر کے اندر بھاگ جاتی ہے۔اس کا دل دھڑکنے لگتا ہے۔بسا اوقات گھبرا کر بیمار ہو جاتی ہے لیکن ذرہ اسی نازک بدن کے دو سالہ لڑکے پر شیر کو حملہ کرنے دیجئے۔دیکھئے اب کیا حال ہے۔وہ بیخوفی سے دلیری سے۔اولوالعزمی سے اور مستعدی سے شیر کے منہ میں اپنا ہاتھ ڈال کر بچے کے نکالنے کی کوشش کرتی ہے وہ بالکل بھول جاتی ہے کہ شیر اس کو کھا جائیگا۔اپنی ذات کا خیال بھول کر بھی اس کو نہیں ستاتا۔کیونکہ وہاں خودی نہیں رہ گئی۔جو کچھ ہے وہ پریم کے لئے پریم کی بیدی پر وقف ہے۔کہاں کا خوف۔کس کی امید یہی منظر الشور کے بھگتوں کی بیخوفی میں نظر آتا ہے۔

پریم بیماری سے نہیں ڈرتا۔فقر و فاقہ کی اس کو کچھ پرواہ نہیں۔

ماں کو دیکھو۔ بچے کے آرام کے خیال سے وہ بیماری کے منہ میں جانے کو بیخود تیار ہے۔ اولاد کو کھلاتی ہے آپ نہیں کھاتی۔ کڑاکے کی سردی میں آپ ننگی رہتی ہے۔ بچوں کو اوڑھا دیتی ہے آپ ساری رات جاگ کر صبح کر دیتی ہے۔ بچوں کو سلا دیتی ہے۔ یہ ایثار نفسی یہ تپسیا سوا پریم اور بھگتی کے اور کہاں ملیگا۔

اسی طرح جہاں پریم اور بھگتی ہے وہاں کسی قسم کی خواہش نہیں رہتی اور سنسار کے تمام دکھ یوں ہی آسانی سے دور ہو جاتے ہیں۔

بھگت کو اپنے بھگونت کے وصال کا خیال ضرور رہتا ہے مگر وہ خود ایک ایسی حالت ہے جہاں اشانتی و اضطرابی نہیں رہتی۔ بھگت امید پر جیتا ہے اور جیوں جیوں پریم کے جذبے کے زیر اثر اس کی آتما کے غلاف اتر جاتے ہیں وہ اپنے اندر ہی اندر اصلیت کا درشن کرتا جاتا ہے۔ اس میں بیقراری کیوں آنے لگی۔

نارد کا گزر ایک جنگل سے ہُوا۔ وہاں دو آدمی نظر آئے۔ ایک ہاتھ میں پوتھی لئے ہوئے رات دن مطالعہ میں مصروف رہتا تھا۔ اور بڑے اہتمام کے ساتھ بھجن بندگی اور پوجا پاٹھ کیا کرتا تھا۔ دوسرا مالک کے پریم میں مگن رہتا تھا۔ نارد کو دیکھ کر دونو نے پوچھا۔ تم کہاں جا رہے ہو؟ نارد نے کہا۔ ہم وشنو لوک میں جا رہے ہیں۔ دونو نے کہا۔ اچھا ذرہ وشنو بھگوان سے پوچھتے آنا۔ ہماری نجات میں کتنی دیر ہے؟ نارد نے وشنو بھگوان سے پوچھا اور جواب پا کر اُن کے پاس آئے۔ پنڈت سے کہا تیری نجات چار جنم کے بعد ہوگی۔ وہ اتنا سنکر رونے لگا۔ ہے ہے میرا جپ تپ کیا ہُوا۔ اتنی محنت اور اب بھی

چار جنم! نارد نے اس مست آدمی سے کہا۔ اس املی کے درخت میں جتنے پتے ہیں۔ جب تو اتنے جنم دھارن کریگا۔ تب تجھ کو نجات ملیگی۔ وہ اس کو سنکر خوش ہؤا کہ اپنے آپے سے جاتا رہا۔ واہ واہ واہ! مالک کا درشن تو ملیگا۔ ایک نہیں دس املی کے پتوں کی تعداد میں جنم لینے پڑیں۔ اور وہ اس خیال میں محو ہو گیا کہ اپنے آپے سے جاتا رہا۔ بھگت کا استقلال اور ثابت قدمی ایسی ہوتی ہے۔

بھگت کے دل میں کبھی بیہودہ وسوسے نہیں پیدا ہوتے۔ کیونکہ ایشور پرائن ہونے کے سبب سے اس کے دل میں ان کی گنجائش تک نہیں رہتی۔ واقعہ ہے ایک دفعہ نارد کسی جگہ سے گزرے۔ ایک شخص تپسیا کر رہا تھا۔ اور کرم کانڈ کی تمام باتوں کو قاعدے کے ساتھ انجام دیتا تھا۔ پاس ہی ایک اور آدمی تھا۔ جو مالک کا نام بھی نہیں لیتا تھا۔ مگر اپنے خیال میں مست تھا۔ نارد نے پہلے آدمی کو ایشور کا بھگت سمجھا اور دوسرے کو بیدین خیال کیا۔ جب اس خیال کو لیکر وہ وشنو بھگوان کے پاس گئے کہنے لگے۔ بھگوان! میں نے جو دو آدمی دیکھے ہیں۔ اُن میں تمہارا سچا بھگت کون ہے؟ وشنو نے جواب دیا۔ جس میں مستی اور بے پروائی زیادہ ہے۔ نارد کو یقین نہیں ہؤا۔ تب بھگوان نے اپنی اپار مایا سے ایک سوئی کے تاگے سے بہتر ہزار اونٹ اور ہاتھی نکال دئے اور نارد سے کہا۔ جاکر یہ واقعہ ان دونو سے الگ الگ بیان کرو۔ تم کو پتہ لگ جائیگا نارد اُن کے پاس گئے۔ جس کو بھگت سمجھتے تھے اس سے مخاطب ہوکر کہنے لگے۔ آج میں نے بڑے تعجب کی بات دیکھی ہے۔ وشنو بھگوان نے ایک سوئی کے ناکے سے بہتر ہزار اونٹ اور ہاتھی نکالے ہیں

تپسوی بگڑا۔ نادان! تورشی ہے اور پھر بھی جھوٹ بولتا ہے۔ کیسے ہوسکتا ہے کہ سوئی کے باریک سوراخ کے اندر سے اونٹ اور ہاتھی نکل سکیں۔ نارد شرمندہ ہوکر مست آدمی کے پاس پہنچے اور اس سے بھی وہ واقعہ بیان کیا۔ وہ قہقہہ مار کر ہنسا۔ نارد۔ اس میں تعجب کی کون سی بات ہے بھگوان کیا نہیں کرسکتا۔ اُس میں ساری شکتی ہے۔ سوکھشم۔ کارن اور ستھول رچناؤں میں ایسے عجائبات ہُوا کرتے ہیں جو تمہارے واقعہ سے کہیں زیادہ تعجب خیز ہوتے ہیں۔ نارد کو تعجب ہُوا۔ اور انہوں نے سمجھا بھگت اور ساکت کی پہچان مشکل ہے۔ یہ بھگت کے وشواش کی مثال ہے غرضیکہ بھگتی کا آدرش کچھ اتنا اونچا ہے کہ وہ غور و فکر میں بھی نہیں آتا۔

پینتیسویں شاکھا

کرم

اکرم

کرماکرم

کرم سنسکرت لفظ کری कृ سے بنا ہے جس کے معنے ہیں کرنا کرم سے ہر قسم کے فعل مراد ہیں۔ چاہے وہ جسم کے ہوں یا زبان کے ہوں۔ ان کے سوا اور بھی جو کچھ دنیا میں دوسروں سے انجام پاتا ہے۔ کرم ہی کہلاتا ہے مگر عام طور پر ہند و فلسفہ میں کرم سے جو مراد کی جاتی ہے وہ فعلوں کے نتیجہ سے ہُوا کرتی ہے اور انہیں نتیجوں پر سب کا انحصار ہوتا ہے۔ مثلاً تمہارے دل میں ایک خیال پیدا ہُوا۔ وہ خیال کرم تھا

مگر ساتھ ہی اس کے سلسلہ میں تمہاری اندریوں نے جو کچھ کام یکے بعد دیگرے انجام دئے وہ بھی کرم تھے۔ خیال سب کا علت یا کارن تھا۔ باقی معلول اور کارج تھے۔

کرم کے اس سلسلے پر اگر ذرہ غور کیا جائے تو بآسانی پتہ لگ سکیگا کہ دنیا میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ سب علت و معلول کے سلسلے میں ہو رہا ہے اور ایک کام جو اپنی ہستی و حیثیت کے لحاظ سے چاہے وہ ادنے درجے کا کہدیا جائے مگر اس کا اثر عالمگیر ہوتا ہے اور وہ خاص قسم کے تموج کی حرکتوں کو پیدا کر کے ساری دنیا میں پھیلنے کا خواہشمند نظر آتا ہے۔ تم کسی لمبے چوڑے تالاب میں ایک چھوٹی اور بے حقیقت کنکری کو پھینک دو۔ اور غور سے اس کے نتیجوں کو دیکھنے لگو۔ تم کو معلوم ہوگا۔ کہ اس کنکری کے گرد ایک دائرہ بنا جو بہت بڑا نہیں تھا۔ پھر اس سے بڑا بنا پھر ایک اس سے بھی بڑا بنا اور جب تک ان دائروں کے سلسلے نے تالاب کے کناروں کو نہیں چھولیا۔ تب تک ان کو چین نہیں آیا۔ دنیا میں کرم کے قانون کا بھی یہی حال ہے۔ تم جو کام کرتے ہو جو خیال سوچتے ہو۔ جو لفظ بولتے ہو۔ اُن میں بھی اسی طرح پھیلنے۔ بڑھنے اور محیط ہونے کی طاقت ہے۔ یہانتک کہ دنیا میں قدرت کی کاریگری کا جو کچھ تماشا دیکھ رہے ہو۔ وہ بھی کرم کے قانون کا نتیجہ ہے۔

تمہاری موجودہ ہستی خود تمہارے اگلے کرموں کا نتیجہ ہے۔ تم نے پہلے جو کچھ سوچا۔ سمجھا۔ کہا۔ سنا اور کیا دھرا تھا۔ وہی ہوا۔ اسی طرح اب بھی جو کچھ تم کرتے ہو آگے چل کر وہی ہوگا۔ یہ ایک قانون ہے۔ جس کو لغزش کے نام سے چڑھ ہے۔ یہ اٹل نیم ہے اور اس کی مضبوطی

اس کی سچائی - اس کی بڑائی امر مسلّمہ ہے۔

اگلے جنموں کے کرم کے بکھیڑن کو جانے دو - اسی موجودہ جنم کے حالات پر غور کرو - پہلے تم کیا تھے - اس بحث کو ہم دور کئے دیتے ہیں - سمجھ لو - آج سے دس برس پہلے تمہارے دل میں خاص قسم کی خواہش پیدا ہوئی - خواہش کمزور تھی - مگر روز روز کے سوچنے سمجھنے اور وچارنے سے وہ مضبوط ہوتی گئی - اس نے کچھ دنوں بعد تمہارے دل پر اس طرح کا تصرف کر لیا - کہ اب سوا اس خیال کے تم کو اور کوئی بات یاد تک نہیں آتی - اور یہ نتیجہ ہُوا کہ اس خواہش کے زیر اثر تمہاری ذات سے ایسے کام ہونے لگے جو اس کے پورے کرنے اس کے عملی جامہ پہنانے اور اُس کو صورت و شکل میں لانے کے لئے ضروری تھے - وہ ایک خیال ہی تھا جس نے تم کو ایسا بنا دیا - اور تم نادانستہ اس حالت کو پہنچ گئے - اب تم خود سوچ سکتے ہو کہ اس میرے خیال میں کس حد تک سچائی ہے - ممکن ہے تمہاری خواہش دولتمند ہونے کی رہی ہو - آج اسی کی طفیل تمہارے پاس گھوڑا گاڑی نوکر چاکر محل حویلی سب کچھ موجود ہیں - ممکن ہے تمہاری خواہش ایشور بھگتی کی رہی ہو - آج اسی کی بدولت تمہارے یہاں ست سنگ ہوتا ہے - مذہبی وسائل پر بحثیں رہتی ہیں اور تم پاک اور بزرگ سمجھے جاتے ہو - اسی طرح ممکن ہے تم کو گیان حاصل کرنے کی خواہش رہی ہو - آج اسی کی وجہ سے تمہارے پاس اچھا کتب خانہ ہے - دل میں ویراگ ہے - ورتی برہماکار ہے غرضیکہ تم دیکھو - ایک ذرہ سی خواہش نے کیسے ہاتھ پاؤں پسارے اور تم کیا سے کیا بن گئے -

یہانتک تو تم نے کرم کی اہمیت و بزرگی کو سمجھ لیا۔ اب اس کرم کے سلسلہ میں جو کچھ خرابی واقعہ ہوتی رہتی ہے وہ قابل غور مضمون ہے کرم کا نتیجہ تو ضرور ہوتا ہے۔ ہوکر رہتا ہے۔ یہی برہمہ کی لیک ہے۔ یہی سرنوشت ہے اس میں خود تمہارا اپنا ہاتھ رہتا ہے۔ اگر آدمی اس کارن و کارج کے سلسلے کو سمجھ کر ہوشیاری و احتیاط سے کام کرتا تو غلط سمجھ سے بچ کر قدرت کے مقصد کو بھی پورا کر لیتا۔ اور اپنی زندگی کو بھی سپھل کر لیتا۔ مگر اس نے ایسا نہیں کیا۔ اس لئے اس کا خمیازہ اٹھانا پڑا۔ مثلاً تم نے کسی شخص کے برخلاف دل میں ناقص خیال پیدا کیا۔ اب اس خیال کا عمل کی شکل میں آنا لازمی ہے وہ زبان پر آویگا۔ ہاتھ میں آویگا۔ اور جیسے جیسے ذریعے اس کی تکمیل کے لئے ضروری ہیں سب کریگا۔ ممکن ہے اس کی وجہ سے لڑائی جھگڑے ہوں ممکن ہے کشت و خون کی نوبت آجائے۔ اور تم پریشان ہو۔ مگر اس پریشانی کے باعث تم آپ ہوئے ہو کوئی دوسرا نہیں تھا۔ دشمن سے بچنے کے دو طریقے تھے ایک محبت کے سلوک سے اس کو مغلوب کر دیتے۔ دوسرے بے پرواہ بنکر ضرورتاً اس سے مناسب سلوک کرتے اور دشمنی کو مخل نہ ہونے دیتے۔ تم نے دشمنی کی۔ انانیت کو دخل دیا۔ نتیجہ ناقص پیدا ہوا۔ کیونکہ یہ پیدا ہونے والا تھا۔ اسی وجہ سے تو کہا گیا ہے۔ بُرے خیال سے بچو۔ کیونکہ برا خیال بُرے کرم کا پیدا کرنیوالا ہوتا ہے۔ لیکن کچھ مضائقہ نہیں۔ اگر اب بھی آنکھ کھل جائے کارن اور کارج کے قانون کی اصلیت سمجھ میں آجائے تو کرم کے بان الٹائے جا سکتے ہیں۔

جو لوگ ناحق کرم کو کوستے ہیں غلطی پر ہیں ان کو سمجھ کر اپنی حالت کی درستی کی فکر کرنی چاہئے۔ جس طرح وہ برے بنتے ہیں۔ اسی طرح وہ اچھے بھی بن سکتے بشرطیکہ اپنے دل میں اچھے خیالات کو جگہ دے کر اچھے کام کے سلسلے کو جاری کر دیا جائے۔ یہی کرم کے بان کا الٹانا ہے۔ تم دیکھتے ہو ایک شخص جو پہلے برا تھا کسی مہاتما کی صحبت میں رہ کر چند ہی دنوں کے بعد کچھ کا کچھ ہو گیا۔ اس کا سبب کیا تھا؟ اس کے سوا اور کوئی سبب نہیں تھا کہ ٹھیک خیالوں نے برے خیالوں کو دبا دیا اور وہ اچھا آدمی بن گیا یہ کام ہر شخص کر سکتا ہے بشرطیکہ وہ کرم کے قانون کا اچھی طرح مطالعہ کرلے

اس کرم کے سلسلے میں ایک بات سوچنے اور ذہن نشین کرنے کے قابل ہے اس میں شک نہیں کہ انسان کو نیک خیالات اور نیک کرم سے برے خیالات اور برے کرموں کو دبانا چاہئے۔ مگر اتنی بات یاد رہے کہ کام جو کچھ کیا جائے اس میں بہت زیادہ انانیت اور میرے تیرے اپنے کو دخل نہ دیا جائے۔ ورنہ جمراج کی کھڑکنے والی زنجیر قدم قدم پہ تمہارے باندھنے کے لئے حرکت میں آتی رہیگی۔ دنیا میں جو چیز خرابی پیدا کرتی ہے وہ یہی انانیت ہے۔ یہی میرا تیرا اپنا ہے۔ یہ تو ہم بھی جانتے ہیں کہ جس شخص کو جس چیز کی خواہش ہوتی ہے وہ اس کو کرم کر کے حاصل کر لیتا ہے۔ لیکن اگر اس کرم کے سلسلے میں ذرہ بھی خودی و خود بینی رہیگی تو پھر وہ پھنسانے کا موٹا رسا بن جائیگی اور جو اس میں پھنسا وہ سخت پریشان ہوگا اور اس کے لئے خوشی۔ ناخوشی۔ سکھ۔ دکھ اور صحت مرض کی شکل اختیار کریگی

تم کو کرم کرنے کا استحقاق ہے لیکن پھل کی خواہش کرنے کا استحقاق نہیں ہے۔ کرم کرو۔ بیغرضی سے کرم کرو۔ ذاتی رنجش۔ ذاتی مفاد۔ ذاتی

غرض کا خیال نہ آنے پائے - اور تم کو کوئی بھی باندھ نہ سکیگا۔

جڑ بھرت دریا کے کنارے نہار ہا تھا - ایک حاملہ ہرنی پانی پی رہی تھی - بیرحم بھیلنے تیر چلایا ہرنی کا پیٹ پھٹ گیا - بچہ پانی میں گر پڑا بھرت کو یاد آئی - گھر پر اٹھا لایا اور اس کی پرورش کی - مگر بچہ کی محبت کے جال میں پھنس گیا - جب مرنے لگا - ہرن کے بچے کا خیال آیا - اور اسی قالب میں پیدا ہونے کے لئے مجبور ہُوا - کاش اگر وہ بچے کی پرورش کرتا - اور اس کو اپنی ذاتی دلبستگی کا ذریعہ نہ بناتا تو وہ خود بھی پاک رہتا اور بچہ بھی اس کی صحبت سے پاک ہو جاتا - مگر چونکہ ذاتی دلبستگی و تعلق کا سوال آگیا اس کو پریشانی اٹھانی پڑی۔

کرم کا قانون اور اس کا سلسلہ اس قدر لطیف ہے کہ بہت کم آدمی اس کو سمجھ سکتے ہیں اس سلسلے سے بچ کر چلنا مشکل ہے - قدم قدم پر خوف ہے - ایک قصہ اور سنو - کسی فقیر کے مرنے کا وقت قریب آیا - اس نے کہہ رکھا تھا - جب میری مکتی ہوگی - گھنٹہ سے آواز برآمد ہوگی گھنٹہ پاس ہی لٹک رہا تھا - فقیر انب کے درخت کے تلے لیٹا ہُوا تھا - حالت جان کندنی میں اس کی نگاہ ایک پکے آم پر گئی - اس کے تصور میں وہ مر گیا گھنٹہ نہیں بولا - لوگوں کو تعجب ہُوا - کیونکہ فقیر سچا اور دھرماتما آدمی تھا - سب لوگ اس حیص بیص میں تھے کہ تھوڑی دیر بعد ہوا کے لگنے سے وہ پکا ہُوا آم زمین پر گر پڑا - اُسی وقت گھنٹے سے ٹن ٹن کی آواز برآمد ہوئی - شاگردوں نے سوچکر یہ نتیجہ نکالا - کہ گروجی مہاراج کی روح انب میں جا کر کیڑے کی صورت میں پیدا ہو گئی تھی - پکے آم کے گرنے سے اُنہوں نے اس قالب کو تیاگ دیا - مکتی مل گئی - اور گھنٹے نے آواز دی - دیکھو اس طرح

کرم خواہش و باسنا کا مضمون باریک ہے - جہاں آسا تہاں باسا"
"جیسی من کی او پجے تیسی ہی ہو جائے"-

اب سوال یہ ہے کہ اس سے کس طرح بچا جائے؟ جواب یہ ہے کہ بڑی سرگرمی سے دنیا کے کاروبار میں حصہ لو - چاہے رات دن کام کرتے رہو - مگر کام بے تعلقی کے ساتھ کرو - سمجھ لو - یہ دنیا ایک تماشاگاہ ہے - تم یہاں اپنا تماشا دکھانے آئے ہو - خوب دل کھول کر تماشا دکھاؤ اور جب تماشا ہو جائے - ہنستے ہوئے خوشی خوشی یہاں سے کوچ کر جاؤ اور یہ نتیجہ نکال لو کہ یہ آخر میں کھیل ہی ہے - کھیل کا نتیجہ کیا ہے - اس کے پھل کی اچھیا نہ رکھو - اور تب تم بآسانی اپنے آپ کو نجات کے مارگ میں پاؤ گے -

بات بھی دراصل ایسی ہے - روز روز کے تجربے سے تم کو معلوم ہونا چاہئے کہ یہ دنیا تمہاری نہیں ہے اور نہ کبھی ہوگی - ایک روز اس کو چھوڑنا پڑیگا - جب یہ حالت ہو تو پھر گہرا تعلق پیدا کرنا کیسا؟ کام ہوتا ہے ہونے دو - اس کا ہونا لازمی ہے - اس کو کوئی بند کب کر سکتا ہے تم کو بھی کام تو کرنا ہی پڑیگا - جس نے جنم لیا ہے - اس کو کرم کرنے سے چارہ نہیں ہے - اس کو تم روک نہیں سکتے - جو کچھ تم کر سکتے ہو وہ صرف اتنا ہے کہ کرم کرو - اپنی ذات اور انانیت کے سوال کو بیچ میں نہ آنے دو اور نہ پھل کی خواہش ہو - اگر تم اس طرح کرم کرنا ایک مرتبہ بھی سیکھ لو تو نہ صرف تمہاری اپنی زندگی شاندار بن جائیگی - بلکہ تم بہت آدمیوں کو پاک و پوتر بنا سکو گے اور تمہارے ساتھ کتنے آدمیوں کا کلیان ہوگا *

سمجھ لو۔ تم قدرت کے کام کے سلسلے کی زنجیر کی ایک کڑی ہو۔جس طرح زنجیر حرکت کر رہی ہے تم بھی حرکت میں آجاؤ۔ جو جگہ تم کو ملی ہے اس پر ڈٹے رہو۔ اور مستعدی سے کام کرو۔ یہ سوال نہیں ہے کہ تم کو کیا کام کیا جگہ اور کیا حیثیت ملی ہے۔ یہ سوال فضول ہے۔ سوال صرف اتنا ہے کہ تم کس قابلیت سے اپنے کام کو انجام دیتے ہو۔ اگر تم بلا اپنی انانیت جتائے ہوئے کام کرتے ہو تو بہت اچھا کر رہے ہو۔ اس سے نہ صرف تمہاری روحانی نشوونما ہو رہی ہے بلکہ قدرت کے کاروبار کے سلسلے کی ایک کڑی بنے ہوئے تم اس کے مقصد کی تکمیل میں مددگار ہو۔ اور یہ کتنی اچھی بات ہے۔ ہاں یہاں ایک بات اور تم کو بتا دینا ہے تم شاید اپنی غلطی سے یہ سمجھ بیٹھو کہ اس مثال سے تو ہم بالکل کاٹھ کے اُلو ہیں یا اُلو ہو جائینگے۔ کھلاڑی جیسے چاہے ہم کو اٹھاتا رہے۔ نہیں یہ خیال تمہارا غلط ہے۔ تم کاٹھ کے اُلو نہیں ہو۔ بلکہ آزاد ہو۔ یہ تعلیم تم کو اس واسطے دی جارہی ہے کہ قدرت کے سلسلے میں تمہاری خدمت کی ضرورت ہے اور تم اس خدمت کو اس وقت تک اچھی طرح انجام نہ دو گے جب تک ذاتی نفع کے سوال کو الگ نہ کرو گے۔ کیا تم نہیں دیکھتے دنیا کے کاروبار میں تم بھی تو سب کی خدمت کے محتاج ہو۔ اگر موچی جوتا نہ دے تو تم کیا پہنو گے درزی کپڑا اسی کر نہ دے تو بدن کیسے ڈھکنگے۔ کسان اناج نہ پیدا کرے تو روٹی کیسے ملے۔ اسی طرح تم کو بھی آخر کچھ کرنا ہے۔ جو شخص قرضہ لیتا ہے اس کو قرضہ دینا بھی ہوتا ہے۔ مگر کیسا نادان ہے وہ شخص جو در در کر قرضہ بیباق کرتا ہے۔ سوچ لو۔ تم کیا بننا چاہتے ہو۔ کیوں نہیں خوش ہو کر کام کرتے قرضہ کی مثال ذرہ بھونڈی ہے لفظوں پر نہ جانا۔ صرف مطلب کی طرف

خیال رکھنا۔

اعتراض کرنے والے تو بات بات میں اعتراض جماتے ہیں۔ کلکتہ میں ایک بزرگوار بابو ساؤنل داس کھتری جو محلہ مدن ساہو بنارس کے رہنے والے تھے۔ مجھ کو رامائن پڑھاتے تھے۔ یہ بوڑھے تھے۔ اور شاید اب بھی زندہ ہوں۔ جب کبھی ویراگ کا ذکر آتا تھا۔ آپ بے طرح کہہ اٹھتے تھے۔ تم لوگ بیدرد ہو۔ تم کو کسی سے کچھ سمبندھ نہیں ہے۔ میں اُن کی بات سنکر ہنس دیتا تھا۔ جو لوگ سمجھ بوجھ والوں کی نسبت ایسے فتوے لگاتے ہیں وہ غلطی کرتے ہیں۔ سمجھ بوجھ والے بھی انسان دنیا سے گہرا سمبندھ رکھتے ہیں۔ ہاں اتنا فرق ہے کہ وہ دنیا کے غلام نہیں ہیں۔ نہ اپنی خوشی کو دوسروں کے اختیار میں دیتے ہیں۔ مگر اس کے یہ معنے نہیں ہیں کہ وہ اپنے لڑکوں کو یا پڑوسیوں کو پیار نہیں کرتے یہ بالکل غلط ہے۔

تعلق و دلبستگی در اصل نادانی اور جہالت ہے۔ جس کو جس کام سے ذاتی نفع کے خیال سے تعلق ہوگا وہاں کمزوری ہوگی اور وہ دل کھول کر کبھی کوئی کام نہ کرسکیگا۔ ایسا آدمی غلام ہے وہ دفتر و دکان میں دل رکھ کر کام کرنے کو جاتا ہے۔ مگر گھڑی کی ٹک ٹک کی طرف کان رکھتا ہے اور اس کی سوئی کو دیکھتا رہتا ہے۔ کہ کب چار بجیں اور کب وہ گھر جائے۔ یہ لوگ اچھا کام کبھی نہ کرینگے نہ ان سے کوئی بڑا کام ہوسکیگا۔ بڑا کام صرف وہ لوگ کرتے ہیں جن کو کسی سے تعلق نہیں کسی سے غرض نہیں۔ اور ساتھ ہی اپنے ذاتی نفع و نقصان کا خیال نہیں۔ دنیا میں جیسے کام شاندار نظر آتے ہیں اسی قسم کے آدمیوں سے سرانجام پاتے ہیں۔

بے تعلق آدمی کی مضبوطی مشہور ہے قدرت سے ہٹنے۔ اور

سارے برہمانڈ سے ہے۔کیونکہ وہ ان سے مل کر ایک ہو رہا ہے۔

تعلق حجاب است وبے حاصلی
چو پیوندہا بگسلی واصلی

بے تعلقی خود زبردست مضبوطی ہے۔اس خیال اس عادت اور اس بیوہار کا آدمی جہاں اور جس کام میں لگا رہیگا اسی کو پوتر۔شاندار اور اہم بنا دیگا۔

لوگ کام کے سلسلے میں نمود اور شہرت چاہتے ہیں۔کام کرنے سے نمود اور شہرت تو خود ہی ملتی ہے۔لیکن جو لوگ اس ارادے سے کام کرتے ہیں کہ ان کو کسی خاص کام سے نمود و شہرت نصیب ہو۔اوّل تو اُن کا کام کمزور ہوگا۔دوسرے اگر ان کو شہرت نصیب بھی ہوئی تو اس کے سلسلے میں اس قسم کی ناخوشگوار باتیں پیدا ہونگی جو زندگی کو تلخ بنا دینگی۔لیکن جس کو کام کا پیار ہے جو محض کام کے پیار سے کام کرتا ہے۔اس کو کیا خوف ہے اس کو شہرت ملے یا نہ ملے۔شہرت کی وہ پرواہ کیا کرتا ہے۔اس سے تو اس کو دکھ ہے نہ سکھ ہے اگر کام چلتا ہے تو واہ واہ۔نہیں چلتا تب بھی واہ واہ۔وہ جانتا ہے اس کو صرف کرم کرنے کا حق ہے۔پھل کی خواہش کرنے کا اس کو کوئی استحقاق نہیں جن کو کرم کے جزا و سزا کی پرواہ نہیں ہوتی۔وہ اگ تک کہلاتے ہیں۔

تم بھی اس طرح کے کام کرو۔اور بندھن سے آزاد ہو گے۔

کرشن بھگوان ارجن سے فرماتے ہیں۔کوئی شخص کرم سے بچ نہیں سکتا۔کرم کرنا ابدی ہے۔کرم کے تیاگ سے کوئی مکمل نہیں ہوتا۔ایک ذرہ بھی ایک لمحہ کے لئے کرم سے خالی نہیں رہتا۔یہ قدرت کا قانون ہے اور یہ

شخص اپنی اندریوں کو دبا کر دل میں ان کے لذات کا خیال پکاتا رہتا ہے۔ وہ مکار ہے۔ لیکن جو شخص دل سے جسم سے اپنی طاقت کسی اچھے کام میں لگاتا ہے۔ اے ارجن ایسا آدمی قابل عزت ہے۔ تو بھی اپنا کام کر۔ کام کرنا سست رہنے سے اچھا ہے۔

جو شخص اس طرح اس خیال کو لیکر کام کرتا ہے وہ کرم یوگی ہے۔

چھتیسویں شاکھا

گیان
اگیان
وگیان

ایشور کیا ہے؟ جیو کیا ہے؟ پرکرتی کیا ہے؟ یہ سوال ہیں جن سے مذہب سائنس اور فلسفہ کی ابتدا ہوتی ہے۔ یہ سوال کو کہنے کے لئے آسان ہوں مگر ان کا سمجھنا۔ ان کا سمجھانا۔ اور ان کے حل کر لینے کا سامان پیدا کرنا مشکل کام ہے۔ مگر سوال کئے جاتے ہیں۔ سوال کئے جائینگے۔ کیونکہ انہیں سوالوں کے سلسلے میں تمام ترقیوں کے مرحلے نظر آئینگے۔ جنہوں نے دنیا میں انسان کو شرف اور عزت کا رتبہ بخشا ہے۔ ان سوالوں کی ماہیت پر پورا پورا عبور پانا گیان ہے۔ جو ان پر عبور پانے کی کوشش کرتے رہتے ہیں وہ گیان یوگی ہیں۔ اور اسی کوشش کے سادھن کو گیان کہتے ہیں۔ ان مضمونوں کی لاعلمی اگیان ہے اور جب گیان یوگی غور۔ فکر۔ تمیز و ادراک کے تمام مرحلوں کو طے کر کے اصلیت تک پہنچ جاتا ہے۔ اسی

کو وگیان کہتے ہیں -

گیان سنسکرت لفظ "جنا" سے نکلا ہے - اصل میں یہ لفظ "جنان" ہے اسی کو جیان بھی کہتے ہیں - اور ہمارے روزمرہ کے استعمال کا لفظ جاننا اسی سے مشتق ہوا ہے - اس مادہ پر غور کرنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ "گیان" کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو انسان کی اپنے ذات سے علیحدہ ہے آپ کو ایک بھی انسان کا بچہ ایسا نظر نہ آئیگا جو جاننے کا خواہشمند نہ ہو - کیا تم نہیں دیکھتے - بچے ابتدائی عمر میں کس طرح سوال پر سوال کرنے کے شائق ہوتے ہیں - ان کا مطلب اس سوال و جواب کا صرف اتنا ہی ہے کہ وہ حقیقت کو سمجھ جائیں اور جہاں کوئی بات ان کی سمجھ میں آگئی پھر وہ خوش ہو جاتے ہیں - اور سکوت و خاموشی کی حالت میں ایک طرح کی لاثانی آرام و آنند کی دشا میں مگن ہو جاتے ہیں - اس سے صاف ظاہر ہے کہ انسان طبعاً گیان کا شائق ہے نہ صرف شائق ہے بلکہ یہ اس کی ذات کا ایک وصف ہے جو اس سے کبھی علیحدہ نہیں ہوتا - صاف صاف لفظوں میں یوں کہا جائیگا کہ وہ خود گیان روپ ہے گیان اس کی ذات کا نام ہے -

لوگ نادانی سے کہا کرتے ہیں - اس کو گیان کا ادھکار نہیں ہے اس کو گیان نہ سناؤ - مگر وہ بھول گئے ہیں کہ جس کی ذات ہی گیان ہو - اس کو کیسے اس کا استحقاق نہیں ہے - ہاں یہ بات دوسری ہوتی کہ ابھی تک اس کی آتما پر جو غلاف پڑے ہیں وہ گہرے ہیں - مگر اس سے یہ کبھی مراد نہیں ہے کہ "گیان" کو کوئی بہت بڑی چیز سمجھ کر ناحق راز و نیاز کا مضمون بنایا جائے -

جاننا انسان کا وصف ہے - جاننا انسان کا استحقاق ہے - جاننا

انسان قدرتی سوبھاؤ ہے۔ اور اس جاننے کو گیان کہتے ہیں۔ اور یہ گیان اگر غور سے دیکھا جائے تو تمام دنیا میں محیط ہے۔ اس کی صورتیں جدا جدا ہیں۔ جہاں جس قسم کے دل ودماغ ہیں وہاں اسی طرح کا گیان اپنا کام کرتا ہے۔ بچہ زندگی کے مسئلے کی تحقیقات کے سلسلے میں یہ جواب پاتا ہے۔ کہ رام آسمان پر بیٹھا ہوا دنیا بناتا ہے اور مطمئن ہو جاتا ہے۔ لیکن جن کی تمیز کی طاقت ذرہ بڑھ گئی ہے ان کو یہ سیدھا سادہ جواب تشفی نہیں دے سکتا وہ ذرہ گہرے جاننا چاہتے ہیں۔ اور ہم کو تم کو خواہ دینا کو کیا حق ہے کہ ان کے اعتراض و نکتہ چینیوں کو سنکر ناک بھوں سکوڑے۔ یا شرک اور الحاد کا فتوے دے۔ اگر ایک شخص کو ایشور کی ذات سے انکار ہے تو تم اس کو برا کیوں کہتے ہو۔ کیا تم نے ایشور کا ٹھیکہ لے رکھا ہے۔ تم خود کیا جانتے ہو جو ایک تحقیقات کرنے والے کے دل کو اور جوش کو دکھ پہنچاتے ہو اس کا انکار اس وجہ سے نہیں ہے کہ وہ ایشور سے نفرت کرتا ہے۔ بلکہ اس کی تہ میں تحقیقات و تجسس کی روح کام کر رہی ہے اور وہ عقل و تمیز کی مدد سے اصلیت کے جاننے کا خواہشمند ہے۔ آزاد خیالی انسان کی میراث ہے۔ ہر جگہ بندش سے کام لو۔ مگر ایشور کے لئے مذہبی معاملات میں قید نہ لگاؤ۔ روح کو آزاد کر دو۔ تاکہ وہ کھلے پر وسیع آسمان پر پرواز کرتی ہوئی نظر آوے۔ سورج کی شعاعوں سے۔ بادل کی بوندوں سے اور ہوا کے ذروں سے پہنچتی پھرے۔ کہ یہ جگت کیسے پیدا ہوتا ہے۔ اس کے پیدا ہونے کا راز کیا ہے؟ بھولے بھٹکے مسافر کے لئے راستے کی تحقیقات لازمی ہے۔ اسی طرح اگیان کے بس میں آئے ہوئے مدھوں کو تم اپنی ذات اپنی صفات اور اصلیت کی تلاش کیوں نہیں کرنے دیتے

کیوں اُن کو اپنے عقائد اور اپنی پرستش کی زنجیروں میں جکڑنا چاہتے ہو۔ یاد رکھو تمہارا دل ہر شخص کا دل نہیں ہے۔ تمہارے خیالات سب کے خیالات نہیں ہو سکتے۔ جس کے جیسے پردے ہونگے جس میں جو گن ہو گا وہ اسی کے زیر اثر اپنے قدرتی و طبعی میلان کے موافق حقیقت کی تلاش میں خصوصیت کا تماشا دکھائیگا۔ یہ گیان ہے یہ گیان یوگ ہے۔

گیان طبعاً۔ فطرتاً۔ قدرتاً ہر انسان کی میراث ہے۔ وہ دیکھتے ہیں دنیا میں ان کے ارد گرد کے سامان روز بنتے بگڑتے ہیں۔ جو حالت اس وقت ہے دوسرے وقت نہ رہیگی۔ صبح کا کھلا ہوا گلاب شام کو مرجھا جاتا ہے جوانی کے مزے بڑھاپے میں کرکرے ہو جاتے ہیں۔ مکان بنتے ہیں مسمار ہوتے ہیں۔ سمندر میں لہریں اٹھتی ہیں۔ پھر اسی میں سما جاتی ہیں۔ امن و امان کے ساتھ خونریزیاں ہوتی ہیں۔ صلح کے پردے میں دشمنی کی جا رہی ہے۔ جھوٹ۔ سچ۔ ایمانداری بے ایمانی دونو اپنا اپنا کام کر رہی ہیں۔ ایک مذہب آج پیدا ہوتا ہے۔ کل دنیا کی سطح سے غائب ہو جاتا ہے۔ ایک معلم آج حقانی راگ سناتا ہوا حقیقت و معرفت کے سمجھنے کی دعوت دیتا ہے۔ کل اس کو ذرہ آنکھ بند کر لینے دو۔ اس کی تعلیم میں باطل پرستی کا شمول ہو جاتا ہے۔ یہ کیوں ہوتا ہے؟ کیوں دنیا میں سلامتی اور شانتی نہیں ہے؟ ہم کیا ہیں؟ کیوں ہیں؟ کہاں سے آئے کہاں جائینگے یہ سوال ہیں جو ہمیشہ کئے جاتے ہیں۔ اور ہمیشہ کئے جائینگے اور تم کو خواہ ہم کو کیا استحقاق ہے کہ کسی محقق کی زبان پر مہر لگا دیں۔

یہ گیان ہے یہ گیان یوگ ہے

ایک پرند کسی وجہ سے پنجرے میں بند کر دیا گیا۔ وہ پھڑپھڑاتا ہے اور

پنجرے کی سینخوں پر اپنے سر کو پٹکتا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ وہ آزاد کر دیا جائے تاکہ آسمان کی سیر کرے۔ اسی طرح جن کی بدھی تیز ہے۔ جو عقل کے پتلے ہیں وہ بندش کی حالت کو پسند نہیں کرتے وہ ہر چیز کا سبب جاننا چاہتے ہیں ان کو "ہاں" ہیں مطمئن نہیں کر سکتے۔ وہ حقیقت کے رخ کے نقاب کو دونو ہاتھوں سے پکڑ کر چیر دینا چاہتے ہیں۔ تاکہ وہ اصلیت کو دیکھیں اور تم کیوں ان کو خاموش رہنے کے لئے مجبور کرتے ہو۔

اگر تحقیقات کا میدان وسیع نہ ہوتا۔ اگر اس طرح کے سوال وجواب نہ ہوتے۔ اگر دنیا میں گیان کا سلسلہ نہ چلتا تو آج نہ فلاسفی ہوتی نہ سائنس ہوتا۔ نہ علم کی شاخیں سرسبز نظر آتیں۔ یہ تمام ترقی کا راز تہذیب کا بھید صرف وگیان کے پیٹ میں بند ہے۔

تحقیقات تو ہو رہی ہے ہوگی ہو کر رہیگی۔ مگر اکثر غلطی سے اُس کا رخ اور طرف ہو جاتا ہے اور نتیجہ کچھ کا کچھ ہو جاتا ہے۔ گیان کا مقصد جہاں یہ ہے کہ باہر کی رچنا کا مطالعہ کیا جائے وہاں ساتھ ہی سب سے ضروری بات یہ ہے کہ انسان اپنے اندر دھنس کر اصلیت کا پتہ پائے۔ باہر ہزار روتے رہو۔ جھینکتے رہو۔ کوئی شنوائی نہ ہوگی۔ اندر کی طرف رخ کرو۔ تو تسلی وتشفی کے سامان خود تمہارے اندر دھسنے کے شائق ہیں۔ جو اسے اندر سے علم وطاقت تلاش کرتے ہیں۔ ان میں لڑائی جھگڑے نہیں ہوتے سب کے سب شانت ہو جاتے ہیں۔ مگر جو باہر ہی کی طرف اپنی تحقیقات کے رخ کو مائل رکھتے ہیں ان پر اگیان کا حملہ ہوتا ہے اور وہ غلط راہ پر جا گرتے ہیں۔ اور نتیجہ خرابی ہوتی ہے مذہب والے کیوں لڑتے ہیں۔ کیونکہ باہر مکھی ہیں۔ ان کی وجہ سے خونریزیاں ہوتی ہیں اور اشانتی پھیلتی ہے سدھنس

والے کیوں دنیا میں خرابی مچاتے ہیں۔کیونکہ باہر مکھی ہوتے ہیں۔اور اُن کے عجیب وغریب ایجادیں بنی نوع کے قتل اور بربادی کے اوزار ہو جاتے ہیں۔اس لئے یاد رکھو جہاں کہیں گیان کا لفظ استعمال کیا جائے۔ وہاں انتر مکھی تعلقات کا میل ضرور ہو گا۔گیان کا اطلاق بالکل باہر کے خارجی معلومات ہی تک محدود نہیں ہے۔یہ گیان ہے۔یہ گیان یوگ ہے

گیان کے روشن اور تاریک پہلو دو نو ہی ہیں جو انتر مکھی ہوتے ہیں وہ سچے گیانی بنتے ہیں۔جو باہر مکھی ہوتے ہیں۔وہ واچک گیانی کہلاتے ہیں۔پہلے نے تحقیقات کر کے اصلیت کا جوہر پالیا۔اور شانت ہے دوسرے نے اوروں کے خیالات کا جھوٹا بسنخوردہ کھالیا۔باہری باتیں سیکھ لیں۔کتے کی طرح بھونکتا آگیا۔مگر من کا اشانت ہے گیان کتنے کی چیز نہیں ہے۔بلکہ متھنے اور سار گرہن کرنے کی چیز ہے۔سچا گیانی گیانیوں کے معلومات کو لیکر اپنی زندگی کا جز بنالیتا ہے۔واچک گیانی کہی سنی سنکر گیانیوں کی تعلیم کو ہوش کا۔سیر وسیاحت کا۔اور دین ودنیا کی دلچسپی کا ذریعہ بنا لیتا ہے۔اسلئے تم بھول کر بھی کسی واچک گیانی کو سچا گیانی نہ سمجھو۔وہ گمراہ آدمی ہے اور وہ دنیا کو دھوکا دینے والا ہے۔

گیانیوں کی صحبت میں رہ کر جو اصلیت کا سبق سیکھنے کے خواہشمند ہوں ان کو سب سے پہلے اپنے من کی تربیت کرنی چاہئے۔اس وقت وہ واچک گیانی ہونے کے خطرے سے محفوظ ہونگے۔من کی تربیت کا ذریعہ چو سادھن ہے۔بویک۔وراگ۔کھٹ سمپتی۔مموکشتا۔یہ چو سادھن ہیں۔یہ مشکل ضرور ہیں۔مگر ان میں سے کسی ایک کا کم از کم شاگرد

میں بننا لازمی ہے۔اگر ایک بھی نہیں ہے تو سمجھ لو ابھی وہ گیان کے جذب کرنے کے قابل نہیں ہوا ہے۔تاہم اس سے ہمارا یہ مطلب نہیں ہے کہ اس کو تحقیقات کا موقعہ نہ ملے۔وہ اور طرح سے اپنے معلومات وسیع کرتا رہے گیان کی تلاش میں مصروف رہے۔لیکن اس کا خیال ضرور رکھے کہ جب تک من پاک و صاف برتن کی حیثیت نہیں حاصل کریگا۔اس وقت تک گرو کی زبان سے گیان کی تعلیم پانے کے قابل نہ ہوگا۔

گیان مارگ برعکس اور طریقوں کے کسی کا برودھی نہیں ہے وہ ہر مذہب کو ہر ملت کو ہر طریق کو ہر پنتھ وسمپروا کو ان کی خاص حیثیت دینے کے لئے تیار رہتا ہے۔وہ سمجھتا ہے۔ان کی ضرورتیں ان کے آتمک پھرناؤں کے موافق ہیں۔اور اس لئے وہ بھی نظام کائنات میں ضروری اور لازمی رکن ہیں۔ان سب کی نگاہ محدود رہتی ہے۔یہ سب گنوں کے دائرے میں نشست رکھتے ہیں۔مگر گیان اس لامحدود طبقے کا پتہ لگاتا ہے جہاں وسعت کی اصطلاح کوئی معنے نہیں رکھتی اور جہاں گن کا امکان بھی نہیں پایا جاتا یہ بڑا فرق ہے جو گیان مارگ میں اور دنیا کے دوسرے مذہبوں میں ہے۔

گیانی جس وچار و غور کی مدد سے اصلیت تک پہنچنے کا اہتمام کرتے ہیں وہ نہایت بسیط و طول طویل مضمون ہے۔اور ہم نہیں جانتے کہ کس طرح ان چند صفحات کے سلسلے میں ان سب کو قلمبند کریں۔تاہم کچھ تھوڑا بہت بطور نمونہ کے یہاں پیش کرتے ہیں۔یہ تمام وکمال نہیں ہے۔نہ یہ اطمینان بخش ہوگا۔تاہم اپنے طور پر بلا کسی کے عقیدے پر حملہ کئے ہوئے ہم اپنے پڑھنے والوں کو گیان مارگ کے متعلق کچھ تھوڑا سا خیال دینگے سنسار میں دکھ ہے۔اس دکھ سے نجات کی صورت خارجی تدبیروں

۵۷ دیکھو اگلا صفحہ

سے نہیں ہو سکتی ہے۔ مرض کا علاج دوا۔ بھوک کے دور کرنے کی تدبیر غذا۔ آگ۔ دھوپ کی سختیوں سے بچنے کے بہت سے سامان ہیں۔ مگر یہ عارضی ہیں۔ یقینی نہیں ہیں۔ ان کے استعمال سے یہ کبھی امید نہیں کی جا سکتی کہ وہ پھر کبھی نہ ہونگے۔ دکھ کے دور کرنے کا اصلی ذریعہ آتم گیان ہے۔ آتما کو ایک دفعہ پہچان لو۔ تم کو پھر کبھی دکھ نہ ہوگا۔ اور ان سے دائمی نجات حاصل ہو جائیگی ✣

(۲) جاگرت اوستھا میں تم اپنی اندریوں سے دنیا کے سکھوں کا مزہ لیتے ہو۔ سوپن اوستھا میں تمہارا سنکلپ خود سکھوں کو پیدا کرتا ہے۔ سوشپتی اوستھا میں سوا تمہارے اور کوئی نہیں رہتا اور تم سب سے زیادہ سکھی رہتے ہو۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ تم خود ہی سکھ ہو۔ تم سکھ بھنڈار ہو اور سکھ تمہارا سروپ ہے۔ کیونکہ اگر ایسا نہ ہوتا تو سوشپتی میں تم کو سکھ نہ ملتا۔

(۳) کسی نے لڑکے میں سکھ مان رکھا ہے۔ کسی نے استری میں سکھ مان رکھا ہے۔ ان میں سکھ صرف فرض کر لیا گیا ہے۔ اصل میں یہ سکھ کے ہیتو نہیں ہیں۔ اگر یہ سکھ کے ہیتو ہوتے تو ان میں ہمیشہ سکھ ہونا چاہئے تھا۔ پھر وہ حالت نہیں رہی۔ سبب یہ تھا کہ لڑکے کے خیال سے چت کی ورتی بکھری ہوئی تھی۔ اس کے آنے پر ستھر ہو گئی۔ من ایکاگر ہوا۔ آتما کا اس پر عکس پڑا۔ اور سکھ ملا۔ اگر لڑکے سے سکھ ہوتا تو ہمیشہ کا ہوتا۔ ایسا

حاشیہ صفحہ ۲۰۔ جن کو ویدانت کے متعلق بسیط علم حاصل کرنا ہو وہ ویدانت کلپدرم وچار کلپدرم۔ یوگ کلپدرم وگیان کلپدرم اور گیتا گیان کلپدرم کا انتظار کریں۔ جو بہ احتیاط ساد ھو کے سلسلے میں طبع ہونگی۔ شیو

نہیں ہوتا۔مگر آتما کا سکھ ہمیشہ کا ہے۔جو چیت کو لگاکر کرتے ہیں۔سکھی ہوتے ہیں۔اور جو اپنی آتما میں سدا استھر رہتے ہیں ان کے سکھ کا تو کہنا ہی کیا ہے۔

(۴) آتما ایک رس ہے۔جسم لڑکا جوان بوڑھا ہوتا ہے۔آتما ایک طرح رہتا ہے۔اور ساکشی میں ہے۔جاگیرت سوپن اور سوشپتی میں جسم کی حالتیں مختلف ہوتی ہیں۔مگر آتما تینوں حالتوں میں ایک طرح رہتا ہے۔ساکشی روپ رہتا ہے۔گیان اندریہ وکرم اندریہ کے کام کرنے اور نہ کرنے کے وقت بھی آتما ایک طرح رہتا ہے اس سے ظاہر ہے کہ یہ آتما نہیں ہیں بلکہ ان سب کا ادھار آتما ہے۔

(۵) آتما ہمارے جسم میں پنچ کوش سے نیارا ہے۔ستھول شریر پران۔من۔بدھی۔آنند۔یہ پانچ کوش ہیں۔شریر جب کام کرتا ہے۔تب بھی اور نہیں کام کرتا تب بھی آتما جانتا ہے۔اسی طرح پران۔من۔بدھی وغیرہ کے متعلق سمجھ لو۔یہ ثبوت ہے کہ ان میں سے کوئی آتما نہیں ہے۔آتما کوئی اور ہی چیز ہے کہ جس کے آدھار پر یہ شریر ہے۔

(۶) تمہارے جسم کتنے گولک ہیں۔گولک اندری یا سوراخ یا چکر یا کنول یا نس ناڑی کے مرکز کو کہہ سکتے ہیں۔جہاں اندری۔چکر۔یا کنول۔یا نس ناڑی کی گرہ ہے وہاں خاص خاص شکتیاں رہتی ہیں۔آنکھ کی سکھی سورج۔من کی چندرما ہے۔وعلےٰ ہذا القیاس۔مگر کل جسم کے یہ تمام دیوتا و تمام شکتیاں صرف اس وقت تک زندہ ہیں جب تک ان کا آتما کے ساتھ سمبندھ ہے۔تم ہی تو ہو جو آنکھ ناک کان۔زبان سب کو حرکت میں رکھتے ہو تمہارا آتما سب جگہ موجود ہے اور سب کا آدھار ہے۔

(۷) جس طرح تمہارے جسم میں آنکھ ناک کان وغیرہ کے دیوتا اور تمام کیڑے وغیرہ باس کرتے ہیں ویسے ہی برہمانڈ کا حال ہے۔اس میں بھی نکشتر۔تارا گن۔دیوتا۔دانو۔منشیہ سب ہیں۔اور یہ سب جس کے آدھار پر ہیں وہ پرماتما کہلاتا ہے۔جو تمہاری حیثیت جسم میں ہے وہی اس کی حیثیت برہمانڈ میں ہے۔جیسے تم جسم میں ویاپک ہو ویسے ہی وہ کل برہمانڈ میں ویاپک ہے۔جس میں تمہارا شریر رہی ہے۔جیسے تم جسم میں سب کے آدھار ہو۔ویسے ہی برہمانڈ میں پرماتما سب کا آدھار ہے۔

(۸) تمہارے جسم میں جو آتما ہے وہ ست ہے آنند ہے۔کیونکہ اس کی ہستی سے جسم کی ہستی ہے۔اسی کے چیتن شکتی سے من بدھی سوچ سمجھ سکتے ہیں اسی سے آنند کی پراپتی ہے۔اسی طرح باہری جگت میں جو پرماتما ہے وہ بھی ست چت آنند ہے۔اسی کی ستّا سے جگت ست ہے۔اسی کے پرکاش سے سورج چاند کو پرکاش ہے۔اسی کے آنند سے سب کو سکھ ہے۔تمہارا جسم ویشٹی یعنی عالم صغیر ہے۔برہمانڈ سمشٹی یعنے عالم کبیر ہے۔جو ایک میں ہے وہی دوسرے میں ہے۔اس میں سر مو فرق نہیں ہے۔

(۹) اپنے کو جسم سے علیحدہ سمجھ لو۔تم آتما ہو۔اور آتما ست چت اور آنند ہے۔برہمانڈ سے ایشور کو الگ خیال کرو۔وہ آتما ہے اور اور آتما ست۔چت اور آنند ہے۔آتما۔آتما میں بھید نہیں ہے۔بھید صرف پرپنچ میں ہے۔اس آتما کا جان لینا ہی گیان ہے۔یہی تو سی کا مقصد ہے۔یہی اہم برہم کی مراد ہے۔یہی یہ برہم کار فرہے یہی اہم آتما برہم کا ماحصل ہے۔

میں نے اوپر کی سطروں میں صرف جزوی طور پر گیانیوں کی سمجھ بوجھ کی مثال دیدی ہے۔ اس طرح وہ اپنے وچار شکتی سے حقیقت تک واصل ہونے کا یتن کرتے ہیں۔

اور جن کو اس آتما کا سچا گیان ہو جاتا ہے پھر اُس کو اور کسی بات کے جاننے کی ضرورت باقی نہیں رہ جاتی۔ جس نے اس کو جان لیا اس نے سب کو جان لیا۔ اور ایسے ہی جاننے والے کو گیانی کہتے ہیں۔ جو اس جاننے کا سادھن کرتا ہے وہ گیان یوگی ہے جس کو ایسا گیان نہیں ہے وہ اگیانی ہے۔

سنتیسویں شاکھا

قصہ

کہانی

روائت حکائت

چندن کا درخت

کسی دیس کا ایک راجہ شکار کھیلنے گیا تھا۔ اس نے ہرن کے پیچھے گھوڑا چھوڑ دیا۔ ہرن چھلانگیں بھرتا ہوا جنگل کے وسط میں جا نکلا۔ راجہ بھی اس کے پیچھے پیچھے گھوڑا دوڑاتا ہوا چلا گیا۔ یہانتک کہ وہ اپنے لشکر سے کوسوں دور رہ گیا۔ اور سوا لق ودق جنگل کے اور کچھ نظر نہ آتا تھا۔ دوپہر کے وقت اس کو سخت گرمی معلوم ہوئی اور پیاس کی شدت سے جان لبوں پر آگئی۔ اس نے چاروں طرف نگاہ کی۔ وہاں آبادی کا کہاں پتہ! تلاش کرنے پر درخت

کے تلے ایک غریب لکڑہارا پھوس کے جھونپڑے میں بیٹھا ہوا نظر آیا۔راجہ اس کے پاس پہنچا۔بھائی! میں بھوک اور پیاس سے سخت تکلیف میں ہوں اگر تیرے پاس پانی ہو تو دو گھونٹ مجھ کو دے۔لکڑہارے نے اپنے لوٹے میں سے اس کو پانی پلایا اور باجرے کی سوکھی روٹی کا ایک ٹکڑا نذر کیا۔راجہ نے اس کو بڑے شوق سے کھایا۔اور جب اس نے پانی پی لیا۔اس کی آنکھیں کھلیں وہ پوچھنے لگا۔تو کون ہے اور کیوں اس جنگل میں رہتا ہے؟

وہ بولا"مہاراج! میں غریب آدمی ہوں جنگل کے درخت کاٹ کر جلاتا ہوں اور اُس کے کوئلے بنا کر شہر میں بیچتا ہوں اور انہیں پر گذر اوقات کرتا ہوں۔راجہ نے کہا۔اس وقت تو نے مجھ پر بڑا احسان کیا۔میں اس دیش کا راجہ ہوں۔تم کسی دن راجدھانی میں آنا۔میں اس کے بدلے تم کو کچھ دونگا۔لکڑہارے نے کہا"بہت اچھا"

راجہ یہ کہہ کر وہاں سے اپنی راجدھانی میں آیا۔دس پندرہ دن کے بعد غریب لکڑہارا بھی پوچھتا پوچھتا دربار میں حاضر ہوا۔پہلے تو دربان نے بہت اصرار کیا۔لیکن جب اس نے کہا کہ میں راجہ کے حکم سے ملنے آیا ہوں۔اور اس کی نشانی دکھلائی۔دربان نے اُس کو اندر داخل ہونے کی اجازت دی راجہ اُس کو دیکھ کر بہت خوش ہوا۔دل میں سوچنے لگا۔میں کیا تدبیر کروں۔جس سے اس کا دکھ درد دور ہو۔آخر اُس نے چندن کا لمبا چوڑا باغ جو بیسیوں بیگھہ میں تھا۔اُس کو سونپ دیا۔

لکڑہارا دل میں خوش ہوا۔چلو اچھا ہوا۔اس باغ کے درختوں کے کوئلے خوب ہونگے۔زندگی کٹ جائیگی۔یہ سوچ کر وہ روز اچھے اچھے درخت چن کر کاٹ کر جلا دیتا۔اور اُن کے کوئلے بنا کر بازار میں دو چار روپیہ

کو فروخت کر آتا۔ اس طرح اس نے پانچ دس برس کے عرصے میں سارا باغ ملیا میٹ کر دیا۔ صرف ایک دو درخت باقی رہ گئے اور وہ ویرانہ بن گیا۔

ایک مرتبہ راجہ کے ذہن میں آیا۔ چلو آج صندل کے باغ کی سیر کریں اور دیکھیں اس لکڑ ہارے کا کیا حال ہے! وہ وہاں آیا۔ دیکھا کیا ہے نہ کہیں باغ ہے نہ درخت ہیں۔ ہر جگہ کوئلوں کا ڈھیر لگا ہوا ہے اس کے دل کو سخت رنج پہنچا۔ مگر کیا کرتا باغ دے چکا تھا۔ پوچھا بھائی! تو نے یہ کیا کیا۔ وہ بولا مہاراج! آپ کی دیا سے زندگی کے دس برس تو گذر گئے۔ اس باغ کو دیکر آپ نے میرا بڑا کلیان کیا۔ اس کو تو میں نے کوئلہ بنا کر بیچ لیا دو درخت باقی ہیں۔ سوکھی لکڑیوں میں صرف یہ دو گز کی لکڑی باقی ہے اس کو آج جلاؤنگا۔ اگر آپ کی مہربانی سے کوئی اور باغ مل جاتا تو زندگی کا سہارا ہوتا۔

راجہ مسکرایا۔ خوب۔ اچھا میں یہاں دو گھنٹہ ٹھیرتا ہوں۔ تو اس دو گز لکڑی کو لے جا کر یونہی شہر میں فروخت کر آ۔

لکڑ ہارا لکڑی کو لے کر بازار میں آیا۔ چندن کی لکڑی دیکھ کر لوگ دوڑے کسی نے دس کسی نے بیس روپے دینے چاہے۔ آخر کو وہ بیس روپیہ میں بکی لکڑ ہارا قیمت لے کر روتا ہوا راجہ کے پاس آکر کہنے لگا۔ کرپاندھان! آپ نے تو مجھے لاکھوں روپیہ کا سرمایہ دیا تھا۔ مگر میری قسمت میں افلاس تھا اس کی میں قیمت نہیں جانتا تھا سب کو جلا کر خاک کر دیا۔ افسوس! اب کیا کروں راجہ بولا۔ بھائی چندن کا درخت روز روز نہیں ملتا۔ جب قسمت عروج پر آتی ہے تب ہی نصیب ہوتا ہے۔ اب میں کیا کروں۔ دوسرا باغ تجھ کو کیسے دوں جا ان باقی دو درختوں کی نگہداشت کر۔ ان سے پھر بھی تیرا بھلا ہوگا۔

لکڑ ہارے نے راجہ کا اپدیش سنا۔ گو وہ دولتمند تو نہیں ہوا۔ مگر

پھر بھی دو درختوں کی طفیل سے اس کی زندگی کا باقی حصہ آرام سے کٹ گیا۔
اس قصہ میں چندن کا باغ منشیہ کا شریر ہے۔ اس کے ایک ایک سوانس چندن کے درخت ہیں۔ جب ایشمد روپی راجہ کسی کرم یا بھاؤ بھگتی سے خوش ہو کر یہ بخش دیتا ہے۔ انسان کی دولتمندی کا وقت آجاتا ہے۔ لیکن نادان انسان اس کو وشے بھوگ کی اگنی میں جلا جلا کر کوئلہ کر دیتا ہے۔ ہم سب نے بھی ایسا ہی کیا ہے۔ سوانس کی کبھی قیمت نہیں جاتی مگر دو دن کی زندگی ابھی باقی ہے۔ اگر اب بھی ہوش سے کام لیں تو ممکن ہے۔ گذشتہ اعمالوں کی تلافی ہو سکے۔ اس لئے جن کو عقل و تمیز ہے ان کو چاہئے۔ ایشور پرائن ہو کر ایک ایک سوانس اس کو ارپن کر کے اپنا کلیان کریں۔

سوانس سوانس پر رام کہو۔ برتھا جنم مت کھوئے
کو جانے اس سوانس کا آون ہوئے نہ ہوئے
جاکی پونجی سوانس ہے۔ چھن آوے چھن جائے
تا کو ایسا چاہئے رہے نام رلو لائے
کہتا ہوں۔ کہہ جات ہوں۔ کہا بجاؤں ڈھول کیا
سوانسا خالی جات ہے تین لوک کا مول
ایسے مہنگے مول کا ایک سوانس جو جائے
چودہ لوک پٹے ترنہیں۔ کیوں تو ڈھول ملائے برابر
نیند نشانی نیچ کی۔ اُٹھ کبیرا جاگ سوت
اور رسائن چھوڑ کر۔ تو نام رسائن لاگ۔

عورت اور اُس کے رشتہ دار

کسی دھرماتما آدمی کی ایک لڑکی ایک ایسے سیٹھ دولتمند کے یہاں بیاہ کرائی۔جو حد درجہ کا کنجوس تھا۔باپ کے یہاں لڑکی کی عادت خیرات کرنے کتھا وارتا سننے کی پڑ گئی تھی۔یہاں سمجھ اور ہی رنگ تھا مگر اس کے دل میں دھارس تھا۔وہ گھبرائی نہیں اور ایشور سے پرارتھنا کیا کرتی تھی تاکہ گھر والوں کا دل بدل جائے۔اتفاق سے ایک دن کسی سنیاسی کا اس مکان کی طرف سے گزر ہوا۔اُس نے بھکشا کے لئے آواز دی۔لڑکی دروازے پر بیٹھی تھی بولی "مہاراج! اس گھر میں تازہ کھانا نہیں کھایا جاتا۔سب باسی کھانا کھاتے ہیں۔اس لئے میں مجبور ہوں"۔سادھو تو چلا گیا۔لڑکی کے سسر نے یہ لفظ سن لئے۔اپنی استری کو بلا کر کہنے لگا۔"دیکھو تو بہو سادھو سے شکایت کرتی ہے کہ تازہ کھانا نہیں ملتا۔یہ سنکر ساس آکر اس کو سخت سُست کہنے لگی۔لڑکی بولی! "ماتا جی! غصہ نہ کرو۔میرا مطلب یہ تھا کہ اس گھر میں لوگ اپنے پہلے جنم کا دیا ہوا کھاتے ہیں۔اس جنم میں خیرات نہیں ہوتی۔ساس بولی۔"ایسی باتیں نہ کیا کرو۔اس سے گھر کی ناک کٹتی ہے۔مگر سیٹھ سیانا تھا لڑکی کی بات نے اُس کے دل پر اثر کیا۔اُس نے حکم دیا۔کہ بہو سے کہدو۔آج سے وہ چنے کی روٹی سادھو سنیاسیوں کو کھلایا کرے۔لڑکی خوش ہوئی اور وہ اُس دن سے چنے کی روٹیاں خیرات میں دینے لگی اس طرح کرتے ہوئے چھ مہینے گزر گئے۔ایک دن اُس نے سوچا سیٹھ کو کچھ اور زیادہ اپدیش دینا چاہئے۔اس نیت سے اس نے جان بوجھ کر چنے کی روٹی بغیر دال بھاجی کے صرف نمک رکھ کر پروس دیا۔سیٹھ جھنجھلایا تو بہو سے تو کچھ نہیں کہا۔اپنی استری

کو بلا کر ڈانٹ بتانے لگا۔" کیا گھر میں گیہوں کا آٹا اور دال بھاجی نہیں ہے جو تجھ کو بہو نے چنے کی روٹی کھانے کو دی"۔ ساس کو سخت غصہ آیا۔ وہ آگر پھر بہو کو سینکڑوں صلواتیں سنانے لگی۔ جب بڑھیا چپ ہوئی۔ لڑکی بولی۔" ماتا جی! غصہ نہ کرو۔ پتا جی سے کہو۔ جو جیسا دیگا ویسا پاویگا وہ ہر روز چنے کی روٹی خیرات کرتے ہیں۔ اگلے جنم میں بھی چنے کی روٹی کھانے کو ملیگی۔ اسلئے میں چاہتی ہوں۔ ابھی سے ان کی عادت پڑی رہے۔ یہ بات سنکر ساس سسر دونو کے کان کھڑے ہوئے اور حکم دیا۔" اچھا جس طرح تمہاری خوشی ہو ویسا خیرات کرو"۔ بہو نے رفتہ رفتہ اسی طرح ان سب کا مزاج بدل دیا۔ اور آخر میں سب دھرماتما ہو کر ست سنگ کرنے لگے۔ اور اچھے آدمی بن گئے پہلے کی خراب عادتیں جاتی رہیں۔ اب ان کے ہاں اتیتھی ستکار ہونے لگا۔ سچ ہے۔ اس طبیعت کی لڑکیاں دونو کل کو تار دیتی ہیں۔ اور ان کا پاک اثر اپنا کام کئے بغیر نہیں رہتا۔

(۱) پریمی ڈھونڈھت میں پھروں۔ پریمی ملے نہ کوے
پریمی جن کے درس ہے۔ سب جگہ پریمی ہوئے

(۲) جیسی لو پہلے لگی۔ تیسی نبھے اور
اپنے دیہہ کی کو کہے۔ تارے پرش کرور

(۳) پریم بھاو اک چاہئے۔ بھیس انیک بنائے
چاہے گھر میں باس کر۔ چاہے بن کو جائے

(۴) پریمی جن کے درس سے چھوٹے کرم کلیش
پریم بھاو اک چاہئے۔ کیا گودڑی کیا بھیس

(۵) کتھا کیرتن کرن کی۔ جاکی نس دن ریت

کہیں کبیر داداس سے۔ نشچے کیجے پریت
(۶) کتھا کیرتن رات دن۔ جا کے اودم ایہہ
کہیں کبیر تا داس کے ہم چرنن کی کھیہ

سونا بونا

روایت ہے ایک چور چوری کرتے وقت پکڑا گیا۔ راجہ نے اُس کے قتل کا حکم دیا۔ جب چور نے سنا کہ وہ جلد پھانسی پر لٹکایا جائیگا۔ اس کو سخت رنج ہوا۔ قید سے بھاگ کر جان بچانا مشکل تھا۔ کوئی تدبیر ذہن میں نہیں آئی۔ آخر دیر تک غور کرنے کے بعد اس نے جیل خانہ کے داروغہ کو بلوایا۔ اور کہا۔ "جاؤ راجہ سے کہو۔ اگر تھوڑی دیر کے لئے مجھے دربار میں آنے کا موقعہ ملے تو میں سونا بونے کی تدبیر بتاؤنگا۔ راجہ کو خبر دی گئی۔ وہ متحیر ہوا۔ اس سے بہتر اور کیا بات ہو سکتی ہے؟ جب سونے کی کھیتی ہونے لگیگی۔ تو رعایا خوشحال اور ملک مالا مال ہو جائیگا۔ حکم دیا گیا۔ جاؤ۔ چور کو حاضر کرو۔ چور سامنے آیا۔ اس کے ہاتھ میں ایک اشرفی تھی۔ اس نے راجہ سے مخاطب ہو کر کہا۔ "خداوندا! اگر یہ اشرفی زمین میں بو دی جائے تو اس سے درخت پیدا ہو گا۔ اور پھر اس درخت میں ایسے ایسے پھل بہ افراط لگینگے۔ لیکن شرط یہ ہے جو شخص اس کو بووے وہ ایماندار ہو۔ اور زندگی میں اُس سے کوئی جرم سرزد نہ ہوا ہو۔ میں چور ہوں۔ میرا ہاتھ پاک نہیں ہے اسلئے حضور کے حوالہ کرتا ہوں۔ آپ اس کو بوئیے۔ راجہ نے اشرفی کی طرف نگاہ کی۔" افسوس بونے کو تو میں بو دیتا۔ مگر میرا ہاتھ بھی پاک نہیں ہے۔ راجہ نے دیوان کی طرف رخ کیا۔" میں بھی بے گناہ نہیں ہوں۔ اس نے قلعدار کا

نام لیا۔ قلعہ دار نے بھی عذر کیا۔ پھر برہمن دیوتا جو پروہت تھے پیش کئے گئے وہ چور کے حقیقی بھائی نکلے۔ آخر اشرفی ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ منتقل ہوتی رہی۔ کسی نے بولنے کی جرأت نہ کی تب چور نے کہا۔ مہاراج جب کسی کا ہاتھ پاک نہیں ہے تو پھر میں کیوں گناہ کے عوض مارا جاؤں۔ راجہ نے کہا سچ ہے۔ اگر تم مارے جاؤ گے تو پھر مجھ کو بھی پھانسی پر لٹکنا چاہئے یہ سوچ کر راجہ نے اس کے قصور کو معاف کر دیا۔

ہم دیکھتے ہیں۔ چوری۔ بدکاری۔ اور گالی گلوچ کے کرشمے اکثر موقعوں پر کیسی خوفناک شکل میں نظر آیا کرتے ہیں لیکن جہاں ذرا عقل و تمیز ہوتی ہے وہاں اس قصے کے چور اور بے ایمان راجہ کی طرح برتاؤ کرنے سے سب کے عیبوں پر پردہ ڈھک دیا جاتا ہے۔ لیکن جہاں چوری کے ساتھ سینہ زوری بے ایمانی کے ساتھ زبردستی۔ حرامکاری کے ساتھ غرور ہوتا ہے۔ وہاں فساد کی آگ خوب مشتعل ہو جاتی ہے۔ پھر وہ کسی کے دبائے نہیں دبتی جس قدر چوری و حرامکاری کے چھپانے کی کوشش ہوتی ہے۔ اسی قدر اُن کے حالات طشت ازبام ہوتے ہیں۔ ایک ایک کا بھانڈا پھوٹتا ہے۔ ایک ایک کی پول کھلتی ہے۔ اور وہ گروہ خود تو جہنم واصل ہو ہی جاتا ہے۔ اوروں کو بھی اپنے ساتھ لے ڈوبتا ہے۔

ایسے موقعوں پر ہماری تو یہی رائے ہے کہ انسان اپنے قصوروں پر نادم ہو کر پچھتائے۔ ایشور کے حضور افسوس کرتا ہوا آیندہ پاک زندگی گزارنے کی قسم کھائے۔ اپنی کمزوری کو مضبوطی کی رنگت کبھی نہ دے۔ کیونکہ دنیا اندھی نہیں ہے۔ اس کی بناوٹی باتوں کو پہچان جاتی ہے۔ اور وہ لوگوں کی نگاہ میں گر جاتا ہے۔ اگر ایسے گروہ میں رہنا مشکل ہے تو بہتر ہے الگ

تھلگ ہو کر زندگی بسر کرے۔ لیکن دیدہ دلیری اور دریدہ دہنی سے کبھی کام نہ لے۔ اگر ایک شخص میں ایسی عادت آجائیگی۔ تو اور بھی ممکن ہے اس کی تقلید کرینگے۔ اور اس کی بداعمالیوں کی تعفن لوگوں کے دماغ کو اس قدر پریشان نہ کریگی۔ بلکہ نیچر کی قوتیں بتدریج ان کے ساتھ مناسب سلوک کر کے ان کو چھپا دینگی۔

ایک دانشمند راجہ

ایک راجہ کو کسی شخص نے خیرات کی بزرگی کا وعظ سنایا۔ اس کی نصیحت کچھ اس طرح راجہ کے دل میں اثر کر گئی کہ اس دن سے وہ زیادہ خیرات کرنے لگ گیا۔ گاؤں میں جگہ بجگہ مدرسے بنوا دئے۔ نہر اور کنوئیں کھدوائے سادھو مہاتماؤں کے آرام کی خاطر جابجا دھرم شالے تعمیر کرائے۔ وزیروں نے دیکھا کہ اگر اسی طرح چند روز یہی حالت رہی تو خزانہ خالی ہو جائیگا۔ اور ملکی انتظام میں خلل پڑیگا۔ سب نے ملکر راجہ سے کہا کہ خزانہ کا بھرا رکھنا ضروری ہے۔ تاکہ وقت بیوقت جب کوئی دشمن حملہ کرے تو فوج تیار کی جاسکے اور ملک کی حفاظت کے لئے آدمی نوکر رکھے جاسکیں۔ راجہ نے جواب دیا۔ ہماری ساری مضبوطی رعیت کی خوشی ہے۔ اگر رعیت خوش ہے۔ تو کوئی راجہ ہم پر حملہ نہ کرسکیگا۔ یہ دولت بھی رعایا سے لی گئی ہے۔ انہیں کے کام آتی ہے۔ اُن کے لڑکے پڑھائے لکھائے جاتے ہیں اگر وہ راضی رہینگے تو ہم کو اور کس کا خطرہ ہے! اس جواب سے اس وقت وزیر چپ رہے لیکن وقت بیوقت راجہ کو تنگ کرتے۔ راجہ نے مجبور ہو کر یہ

حکم دیا۔ کہ اگر کوئی ۔ اس بارہ میں پھر کچھ کہیگا ۔ تو زبان کٹوا دونگا ۔ امیر وزیر سب گھبرائے ۔ کیا کرتے ۔ مگر وہ خزانہ کو بچانا اپنا فرض سمجھتے تھے ۔ اسلئے آپس میں مشورہ کیا ۔ بڑے وزیر نے کہا راجہ کے سامنے تو اب کوئی بول نہیں سکیگا ۔ میں ایک تدبیر بتاؤنگا ۔ چنانچہ جب راجہ شکار کھیلنے گیا ۔ اس نے موٹے لفظوں میں اس کے کمرہ میں یہ عبارت لکھدی ۔

مال جمع کن تا از خطرہ نجات یابی

"یعنے آفت سے بچنے کے لئے دھن کی حفاظت کرنا اچھا ہے ۔ جب راجہ واپس آیا ۔ دیوار پر نظر پڑ گئی ۔ تحریر کو پڑھا ۔ سمجھا ۔ یہ وزیروں کی ہی کارستانی ہے ۔ زبان نہیں کھل سکتی تو اب قلم سے کام لیتے ہیں ۔ اس نے اس کے نیچے لکھ دیا :-

نکوکاراں را از خطرہ خوفے نیست

"یعنے نیک لوگ آفت میں مبتلا نہیں ہوتے "

وزیروں نے اس کو پڑھا ۔ سمجھا راجہ ماننے والا نہیں ۔ مگر دوسری مرتبہ پھر جب راجہ کہیں باہر گیا ہوا تھا بڑے وزیر نے جرأت کر کے اس کے نیچے لکھ دیا :-

انساں گاہ گاہ آماجگاہ مصیبت میشود

" یعنی اتفاق سے کبھی کبھی آفت آجاتی ہے "

راجہ نے اس کو بھی پڑھا ۔ دل میں سوچنے لگا ۔ وزیر ہم کو سمجھانا ہی چاہتے ہیں ۔ کہ رام اور جدھشٹر کی طرح کبھی کبھی نیک آدمی بھی مصیبت میں مبتلا ہو جاتے ہیں ۔ مگر ان نادانوں کو یہ خبر نہیں کہ جب خراب وقت آتا ہے تو سب سے پہلے دولت ہی ضائع ہوتی ہے ۔ جیسے جلاوطنی سے

پہلے یدھشٹر ساری دولت ہار گیا تھا۔ اس لیئے اُس نے اس کے جواب میں یہ عبارت لکھدی :۔

مال و دولت قبل از مصیبت ضائع مے شود
"جمع کی ہوئی دولت پہلے برباد ہوجاتی ہے"

وزیروں نے سوچا یہ نہ مانیگا۔ اس لئے آخر سب چپ ہو رہے۔ راجہ اسی فیاضی کے ساتھ اپنا کام کرتا رہا۔ اور ایشور کی دیا سے اس کے جیتے جی کوئی لڑائی بھڑائی نہیں ہوئی۔ رعیت ہر وقت مدد کے لئے اور سر دینے کو تیار رہتی تھی۔

آجکل کے لڑکے

کسی علاقہ میں ایک بہت بڑا سیٹھ رہتا تھا۔ جس کے پاس پچاس لاکھ روپیہ کی دولت تھی۔ رنگون اور مدراس تک میں اس کے کاروبار کا سلسلہ جاری تھا۔ اور ہنڈی پتری میں سب جگہ اس کی ساکھ مانی جاتی تھی۔ سیٹھ کی عمر ساٹھ برس کے قریب تھی۔ اس کے دو لڑکے تھے اور دونو بالغ تھے۔ اتفاق سے سیٹھ بیمار پڑ گیا۔ بہت کچھ دوا علاج کی گئی۔ مگر کوئی نتیجہ نہیں ہؤا۔ اس کو خوف ہؤا۔ کیا عجب کہیں یہ بیماری موت کا بہانہ بنکر نہ آئی ہو۔ اُس نے اپنے دونو لڑکوں کو بلا کر کہا۔ کون جانے میرا انت کال نزدیک پہنچ گیا ہو۔ اس لئے میں تم سے ایک بات کہتا ہوں۔ جب دیکھنا کہ میرا آخری دم آپہنچا ہے۔ اس وقت سونے کی مرصع سانکلی جو قریب چھ ہزار کی مالیت کی ہوگی۔ میرے ہاتھ سے کسی برہمن کو دان کرا دینا" لڑکوں نے کہا۔ سانکلی

پر کیا منحصر ہے۔ ہم لاکھ دو لاکھ خرچ کرینگے۔ سیٹھ بولا۔ یہ تو تمہاری باتیں ہیں۔ نہ تم اس قدر خرچ کرو گے اور نہ میں چاہتا ہوں کہ اس قدر رقم فضول دیدی جائے۔ یہ سانکلی ہمیشہ میرے پاس رہی ہے۔ اس کو دان میں دیدینا۔" لڑکوں نے رضامندی ظاہر کی۔

سانکلی گجراتی بھاشا میں سونے کی زنجیر کو کہتے ہیں۔ صوبجات متحدہ میں اس کو سانکڑی یا سنکڑی بھی بعض بعض جگہ کہتے ہیں۔ گجراتی زبان میں سانکلی گڑ کی مٹھائی کو بھی کہتے ہیں۔ جس پر تل لگے ہوتے ہیں۔

بڈھا سخت بیمار ہوگیا۔ ڈاکٹروں نے کہا۔ اب اس کے بچنے کی امید نہیں ہے۔" لڑکے دل میں خوش ہوئے۔ چلو اچھا ہوا۔ بلا ٹلی۔ ظاہراً اس کا آخری وقت آپہنچا تھا۔ بڈھے نے ہاتھ کے اشارے سے لڑکوں کو دان کرانے کے لئے کہا۔ اس کی زبان بند ہوگئی تھی۔ بول نہیں سکتا تھا۔ لڑکے جانتے تھے وہ کیا کہہ رہا ہے مگر انجان بنکر ٹال مٹول کرنے لگے۔ جب بڈھے نے دیکھا کہ وہ نہیں سمجھتے۔ بیچارے نے ہاتھ اٹھا کر اشارہ سے پھر بتانا چاہا۔ بڑا لڑکا بولا۔ معلوم ہوتا ہے۔ پانی پینے کی خواہش ہے مگر بڈھے نے ہاتھ ہلا کر منع کیا۔ اور بیچارہ پھر اشارہ کرنے لگا۔ جب وہ نہیں سمجھے۔ تب اس نے کوشش کر کے بڑی محنت سے کہا "سانکلی لاؤ" بیٹوں نے کہا "پتاجی سانکلی مانگتے ہیں۔ جاؤ۔ بازار سے ایک پیسہ کی خرید کر لاؤ۔ تل کی سانکلی آئی۔ اس کے منہ میں دینے لگے۔ وہ منع کرنے لگا مگر یہ کب مانتے تھے۔ کہنے لگے ایسا نہ ہو ہمارا باپ اپنے دل میں سانکلی کھانے کی ہوس لیجائے۔ ایک ٹکڑا توڑ کر باپ کے منہ میں ڈال دیا۔ بڈھے کو سخت کراہت ہوئی۔ اس نے بمشکل تھوک کر گرادیا۔

لوگ منتظر ہیں کہ اب جان نکلتی ہے۔ تب جان نکلتی ہے مگر بڈھا لڑکوں کی بیوفائی دیکھ کر دل ہی دل میں پیچتاب کھاتا رہا۔ اس نے پرمیشور سے پرارتھنا کی اگر میری جان بچ گئی۔ تو میں اتنا روپیہ دھرم میں خرچ کرونگا ایشور دینددیال ہیں۔ اس کی دعا قبول ہو گئی۔ جان نہیں نکلی۔ بلکہ اسی وقت سے وہ تندرست ہونے لگا۔ اب روز بروز اُس کی حالت اچھی ہوتی گئی۔ یہانتک کہ پندرہ دن کے بعد وہ پھر ویسا ہی ہٹا کٹا بن گیا۔ وہ لڑکوں سے دل میں تو ضرور نفرت کرتا تھا۔ مگر ان سے کچھ کہنا نہیں چاہا۔ جب اچھی طرح تندرست ہوگیا۔ ایک دن لڑکوں کو بلا کر کہا تم میں سے ایک بھائی مدراس جاکر وہاں کا کام سنبھالے اور دوسرا رنگون کا اسی ارادے سے سفر کرے۔ وہ باپ سے مُنیموں (گماشتوں) کے نام خط لیکر روانہ ہوئے۔ باپ نے پیچھے سے گماشتوں کو تار دیا۔ کہ کوٹھیاں بیچ کر ان سب کا روپیہ روانہ کردو۔ یہاں بھی اس نے تمام مال و اسباب اور گھر کا اثاثہ فروخت کر دیا اور سب روپیہ لیکر کاشی جی میں چلا گیا اور وہاں خیرات کرنے لگا۔ اس کی بڑھیا عورت بھی ساتھ ساتھ چلی گئی۔ کیونکہ لڑکوں کی بدسلوکی کو دیکھ کر وہ بھی کشیدہ خاطر ہو گئی تھی۔ بنارس میں آکر سیٹھ نے ایک دو جگہ سدابرت جاری کر دیا۔ کہیں پاٹھ شالا کھول دی گئی کہیں دھرم شالہ بنوادی۔ اور اسی طرح اپنی گاڑھی کمائی دھرم ارتھ میں صرف کرنے لگا۔

جب بیٹے مدراس و رنگون پہنچے وہاں کوئی دوکان یا کوٹھی نہیں تھی معلوم ہوا کہ ان کے آنے سے پہلے سب کو فروخت کر دیا گیا۔ مایوس ہو کر اپنے گھر کاٹھیاوار آئے۔ یہاں بھی کچھ نہیں رہا تھا۔ آخر جب بھوکے مرنے لگے

بنارس کی طرف روانہ ہوئے اور پوچھتے پوچھتے اُس محلہ میں پہنچے جہاں سیٹھ رہتا تھا۔ جب مکان میں داخل ہونے لگے دربانوں نے روکا یہ کہنے لگے ہم سیٹھ کے لڑکے ہیں۔ دربان بولا جب تک سیٹھ کی اجازت نہ ہوگی۔ ہم کسی کو اندر نہ جانے دینگے۔ آخر جب دربان سیٹھ کو اطلاع دینے کے لئے گیا۔ اس نے کہا۔ نالائق یہاں بھی آ پہنچے۔ دھکے دیکر نکال دو غرضیکہ دونو بیعزتی کے ساتھ نکالے گئے۔ ان کی ماتا نے بھی ملاقات نہ کی۔

لڑکوں نے پھر کاشی کے خاص خاص مہاجنوں سے ملکر سفارش کرانی چاہی۔ یہ سیٹھ کو آکر سمجھانے لگے۔ مگر جب سیٹھ نے اُن کی کمینہ حرکت کا قصہ سنایا تو ان کو بھی نفرت ہوئی۔ تاہم ان کے بیچ بچاؤ کرنے سے آخر میں پچیس پچیس ہزار روپیہ ان کو دئے گئے۔ اور وہ کاٹھیاواڑ میں آکر اپنا کام کرنے لگے۔

چھجو بھگت کے تین تجربے

چھجو بھگت لاہور شہر میں ایک دھرماتما شخص تھا۔ اس کے نام کا ایک چوبارہ اب تک موجود ہے۔ یہ بہت بڑا ایماندار اور نیک آدمی تھا ایک مرتبہ کسی پٹھان نے اس کو سو اشرفیاں امانتاً رکھنے کو دیں۔ کیونکہ وہ کسی جگہ سفر کو جانے والا تھا۔ چھجو نے کہا تو اپنا مال صندوق میں رکھ کر کنجی لگادے۔ پٹھان نے ایسا ہی کیا۔ جب برس دو برس کے بعد وہ واپس آیا چھجو نے ہنس کر کہا۔ یہ کنجی لے اور اپنا مال نکال لے۔ یہیں لے

اس کو ہاتھ بھی نہیں لگایا- اشرفیوں کی تھیلی سپرد کرتے وقت پٹھان نے گنا نہیں تھا- مگر واپس لیتے وقت گننے لگا- اس میں ایک کم نکلی پھر تو وہ اپنے آپے سے جاتا رہا- جھجو نے کہا- میرے دوست! میں نے تیری تھیلی کو چھوا نہیں- تیری ہی غلطی ہے- مگر اس نے ایک نہ مانی- آخر بھگت نے بیس روپیہ دیکر اپنا پیچھا چھوڑایا- پٹھان پھر بھی اس کو گالیاں دیتا ہوا اپنے گھر کو گیا- جس نے سنا جھجو کو کہنے لگا- یہ بھگت کیسا ہے- دنیا کے ٹھگنے کو بگلے کا بھیس نکالا ہے اور جو کوئی آتا غریب کو لعن طعن کرتا-

پٹھان گھر پہنچا اور اپنی عورت سے کہنے لگا- دیکھا یہ بھگت جگت کو ٹھگت ہیں- اگر میں نے سختی نہ کی ہوتی تو ایک اشرفی ہضم کر گیا ہوتا- اتنا کہنا تھا کہ عورت کے کان کھڑے ہو گئے وہ کہنے لگی ایک اشرفی تو میں نے تھیلی میں سے نکال لی تھی- تم سے کہنا بھول گئی تھی- بہتر ہے تم چل کر اس مرد خدا سے معافی مانگو- کیا جانے تم نے اس پر کیا ظلم کیا ہے- ورنہ میں اپنی جان دیدونگی- خدا کا قہر نازل ہوگا- اور ہماری اولاد وغیرہ سب ضائع ہو جائیگی پٹھان اور اس کی جورو دونوں روتے ہوئے بھگت کے پاس آئے- اور راہ میں سب سے اپنی غلطی بیان کرتے آئے- جب جھجو کے پاس پہنچے- اس نے کہا اب کیا چاہئے- یہ بولے قصور ہوا- للہ معاف کرو- اشرفی تو میری عورت نے نکال لی تھی- میں نے بیخبری میں تم کو برا بھلا کہا- اب یہ دو عدد اشرفیاں لے کر ہم کو معاف کرو- جھجو ہنسا- میں نے ایک دفعہ نہیں بلکہ لاکھ دفعہ تم کو معاف کیا- تمہاری اشرفیوں کو ہاتھ لگانا میرا دھرم نہیں کیونکہ گرہستی ہوں- ہاں میرے بیس روپے واپس کردو- پٹھان نے ایسا ہی کیا- اور سخت شرمندہ ہو کر گھر واپس آیا- اس مرتبہ جس جس نے جھجو

کی ایمانداری سنی۔ کہنے لگا کیوں نہ ہو۔ دنیا میں اگر ایمانداری نہ ہوتی تو ابھی تختہ الٹ گیا ہوتا۔ مجھ کے پاس بھی لوگ آکر تعریفیں کرنے لگے۔ اس نے ان کے سامنے داہنے ہاتھ سے ایک مٹھی خاک اٹھا کر زمین پر ڈال کر کہا۔ یہ دنیا کی تعریف کے لئے ہے۔ اور بائیں ہاتھ سے ایک مٹھی خاک کی ڈال کر کہا۔ یہ اس کی شکایت اور برائی کے لئے ہے۔ آج سے مجھ کو دنیا کی استتی و نندا کی کچھ پرواہ نہیں ہوگی۔

بھگت لین دین کا کام کرتا تھا۔ ایشور کی مہربانیاں دیکھ کر اس کے دل میں خیال آیا۔ میں کیوں نہ سارا وقت اسی کے کام میں صرف کروں۔ مگر اس کا فیصلہ نہیں ہوا۔ وہ دل میں کئی روز سوچتا رہا۔ ایک دن ایک گلی سے گزر رہا تھا۔ اور اسی خیال میں محو تھا۔ سامنے سے آواز آئی بھگت جی ایک طرف ہٹ ہو۔ اس نے نظر اٹھا کر دیکھا بھنگن ٹوکرہ لئے ہوئے آرہی تھی اس نے اس کو نمسکار کیا اور اس کی بات کو منجانب ایشور سمجھا۔ پھر تو اس روز سے اس نے اپنی دوکان سمیٹ لی اور باقی عمر ایشور کے بھجن میں صرف کرتا رہا

جب اسی طرح کئی برس گزر گئے سر شام کسی نے آواز دی۔ "شام ہوگئی۔ نادان اب بھی دنیاوی کاروبار کی طرف سے دل نہیں ہٹاتے"۔ یہ بات کسی اور سے ایک دوکاندار نے کہی تھی۔ بھگت نے سمجھا۔ آواز غیب سے ہے اب زندگی کا دن ختم ہوا۔ شام آگئی۔ وہ اٹھا نہا دھو کر بھجن میں مصروف ہوا۔ اور دوسری صبح کے وقت لوگوں نے اس کے جنازے کو اٹھایا۔

جن کی آنکھیں کھلی ہیں اور کان کھلے ہیں۔ ان کو ہر وقت ایشور کی طرف سے ایسے ہی اپدیش ملتے ہیں۔

(۱) ابھاگے کے من وشواش ہے سدا گورو ستسنگ ۔ آٹھ پہر جگ بھجے لئے تو نہ ہو جب بھنگ

(۲) جاکے من وشواش ہے تاہی کو اپدیش | شانت چت ہردا سکھی تاسو کہئے سندیس
(۳) جاکے من وشواش ہے تاکا ساچا گیان | چپل سے نشچل بھیا۔کہئے وہی سوجان
(۴) جاکے من وشواس ہے تاہی پہلے نج نام | من تھر تن تھر سرت تھر من نچ بیا پارام
(۵) جاکے من وشواش ہے تاسوں کیجے پریت | آپ ترے پربھو نام لے اور ہونار ہے میت

سب کا خوش کرنا

کسی شہر میں دو دوست رہتے تھے۔جن کا ساتھ کا اٹھنا بیٹھنا تھا۔ایک دن بااتفاق سے وہ کسی مہاتما کے ست سنگ میں چلے گئے۔عالموں کے کلام میں اثر ہوتا ہے اس روز کیرتی (نیکنامی) کے متعلق اُپدیش دیا جا رہا تھا۔مہاتما نے کہا۔اصلی زندگی صرف اُس شخص کی ہے۔جس کی لوگ تعریف کریں اور اس کی سیوا سے خوش ہوں۔بدنامی موت کی نشانی ہے بلکہ موت سے بھی بدتر ہے۔ اُس اپدیش نے دونو دوستوں کے دل پر اثر کیا۔دونو نے کہا" چلو ہم بھی نیک کام کریں اور نیکنامی حاصل کریں"۔دونو کے پاس پچیس پچیس ہزار تیس تیس ہزار کی ملکیت تھی۔مگر ان کی سمجھ بوجھ ایک سی نہیں تھی۔ایک نے کہا چلو خوب خیرات کریں۔ہر شخص کو کچھ نہ کچھ دیا کریں۔اس سے نیک نامی حاصل ہوگی۔اس طرح سوچ کر وہ اپنا مال لٹانے لگا۔جو کچھ اثاثہ تھا سب ہی تھوڑے دن میں خرچ ہو گیا۔لوگ خوب تعریفیں کرنے لگے۔یہ اپنی بڑائی سنکر کتے کی طرح پھول جاتا۔آخر یہ نوبت آئی کہ اس کا مکان وغیرہ سب بک گیا۔اور لڑکے بالے سب تکلیف میں پڑ گئے۔اس نادان نے سمجھا کیا ہرج ہے۔روپیہ نہیں ہے تو کچھ پروا نہیں۔چلو ہاتھ پاؤں سے

لوگوں کی خدمت کرینگے۔ چنانچہ وہ کسی کا پانی بھر دیتا۔کسی کی ٹہل سیوا کر دیتا مگر جب کوئی اس غریب کو ایک محلے سے دوسرے محلے میں لیجاتا۔ لوگ ناراض ہو جاتے۔ اس کو تو بہر حال خدمت کرنا مقصود تھا۔ مگر یہ نوبت آگئی کہ جب وہ ایک محلے سے دوسرے محلے میں جاتا۔ تو لوگ کہتے۔ کیوں! وہاں خوب مال ملتا ہے؟ کچھ عرصے تک تو غریب نے اس قسم کے طعنے برداشت کئے۔ مگر آخر میں دکھی ہو کر کہنے لگا۔ "یہ نیکنامی کیا ہے! یہ تو بدبلا ہے مگر پھر بھی اپنے قاعدہ کو نہیں چھوڑا۔

دوسرے شخص نے کیا کیا؟ اس نے سوچا۔ ساری دنیا کو خوش کرنا اور اس کو خوش کر کے نیکنامی حاصل کرنا مشکل ہے اور یہ فضول ہے۔ ساری نیکی کی جڑ ایشور ہے آؤ۔ اس کے بھجن بندگی کریں۔ اور وہ ایسا ہی کرنے لگا۔ جب اُس کی روحانی حالت درست ہو گئی۔ وہ ایک گھنٹہ روز اور دل کے ست سنگ کے لئے دینے لگا۔ اب تو تمام شہر کے رہنے والے اس کے پاس آنے لگے اور اس کی نیکنامی کا شہرہ دور دور پھیل گیا۔ اس کے پرانے دوست نے بھی سنا۔ وہ ایک دن ملنے آیا اور اس نیک ایشور بھگت کی بزرگی اور آدمیوں کی شردھا دیکھ کر بڑا پرسن ہُوا۔ اور اس سے حیرت میں آکر کہنے لگا۔ بھائی! یہ کیا بات ہے؟ ہم تم دونو نیک کام کرتے ہیں اور نیکی کے خواہشمند ہیں مگر تو سکھی ہے اور نیکنام ہے۔ تیری دنیاوی و دینی حالت دونو درست ہیں سب تیری بڑائی کرتے ہیں۔ مگر میرا حال برعکس ہے۔ میں نے سارا املاک و جائداد دوسروں کو خیرات کر دیا۔ غریب بن گیا۔ اب بھی اپکار کا کام کرتا رہتا ہوں۔ مگر دکھی ہوں۔ نیکنامی کو کون کہے۔ لوگ آوازے کستے ہیں۔ طعنہ دیا کرتے ہیں اس نے جواب دیا۔ "فرق صرف اس قدر ہے کہ تو ایک ایک آدمی کو خوش کرتا ہے

جو نہ کبھی ہُوا نہ ہوگا۔ مَیں صرف پرماتما کو خوش کرتا ہوں۔ جو سب کا مالک ہے سب کا گرو ہے۔ سچا ست گرو۔ سچا ماں باپ۔ سب کی پرورش کرنے والا سب کی جڑ اور بنیاد ہے۔ اگر وہ خوش ہے تو سب خوش ہوتے ہیں اور اگر وہ ناراض ہے تو پھر کسی کی خوشی نہیں کام دیتی۔ تو نے سخت غلطی کی دھوکا کھایا۔ تیرا طریقہ خوش کرنے کا غلط تھا۔ تو بھول گیا۔ اگر میری طرح اس کا چرن سیوک بن جاتا۔ تو آپ ہی سب راضی ہو جاتے اور تو نیک نام بنتا صرف اسی سے رشتہ جوڑنے سے کام نکلتا ہے۔ در در ٹھوکر کھانا نادانی ہے۔

(۱) ایک نام کو جان کر دو جا دئے بہائے
تیرتھ۔ برت۔ جپ۔ تپ نہیں۔ ستگور چرن سمائے

(۲) جو یہ ایک نہ جانیا۔ تو بہو جانے کیا ہوئے
ایکے تے سب ہوت ہیں۔ سب سے ایک نہ ہوئے

(۳) جو یہ ایکے جانیا۔ تو جانا سب جان
جو یہ ایک نہ جانیا۔ تو سب ہی جان اجان

(۴) سب آئے اس ایک میں ڈال۔ پات پھل پھول
کبیر پاچھے کیا رہا۔ گہہ پکڑا جب مول

(۵) ایک جان۔ ایکے سمجھ۔ ایکے کے گن گائے
ایک نہ رکھے۔ ایکے پرکھے ایکے سول جتائے

اس شخص نے اپنی غلطی تسلیم کر لی۔ اور پھر اس سے وہ بھی نیک شخص کے ست سنگ میں رہنے لگا۔ اور اس کی تکلیف خوشی اور آنند میں مبدل ہو گئی۔

پاپی برہمن

کسی قصبے میں دو برہمن رہتے تھے۔ یہ دونو بھائی تھے۔ باپ کے مرنے کے بعد چھوٹے بھائی نے حکمت عملی کرکے ساری دولت پر آپ قبضہ کر لیا بڑا بھائی نیک و ایماندار اور بھلا مانس تھا۔ غریب نے ایک بزازی کی دوکان نکال لی۔ فی روپیہ ایک آنہ نفع لیا کرتا تھا۔ اور جھوٹ نہ بولتا تھا دکان چھوٹی تھی۔ مشکل سے پانچ چار آنے کے پیسے روز ملتے تھے اور وہ اسی پر گزران کرتا تھا۔ پانچ چار مہینے کے بعد چھوٹا بھائی اس کی دکان پر آیا اور کہنے لگا۔ میں نے تو باپ کی ساری کمائی اڑا دی۔ اب میرے پاس کچھ نہیں رہا۔ اگر تجھ سے ہو سکے تو میری امداد کر۔ اس نے کہا میرے بال بچے ہیں۔ پانچ چار آنے روز میں بڑی مشکل سے دن کٹتے ہیں۔ خیر یہ ایک روپیہ لے جا۔ گاؤں سے دودھ لا کر بیچا کر۔ دو آنہ روز تجھ کو مل رہا کریگا۔ تیرے بال بچہ نہیں ہیں۔ کھانے کے لئے کافی ہوگا۔ مگر خبردار کبھی بے ایمانی نہ کرنا۔"

چھوٹے بھائی نے روپیہ لے لیا۔ اور بڑے بھائی کی صلاح کے موافق دودھ بیچنا شروع کیا۔ روز دو آنے کے پیسے مل جاتے تھے۔ ایک دن اس کے دل میں پاپ سمایا۔ اس نے کہا۔ لاؤ آج دودھ میں پانی ملائیں۔ اور اس نے ویسا ہی کیا۔ اس دن اس کو چار آنے نفع ہوا۔ اب دوسرے اور تیسرے دن بھی اس نے اسی طرح کیا۔ بڑے بھائی کی نصیحت بھول گیا۔ یہاں تک کہ چند ہی روز میں اس کے پاس بہت روپیہ جمع ہو گیا۔ اور اب اس نے دودھ کی بہت بڑی دوکان نکال لی۔ اور

پانی ملا ملا کر بیچنا شروع کیا۔چند ہی روز میں وہ مالدار ہو گیا۔اور سونے چاندی کے زیور بنائے۔بڑے بھائی کو دیکھ کر تعجب ہوا۔وہ دل میں سوچنے لگا۔کہ دیکھو میں ایمانداری سے کام کرتا ہوں۔میرے پاس کچھ روپے نہیں ہیں یہ پانی ملا ملا کر دودھ بیچتا ہے اور کتنا مالدار ہو گیا ہے۔

اس برہمن کے دل میں شک گزرا۔اس نے سوچا یہ کیا راز ہے؟ ایماندار ظاہر ادکھی اور بے ایمان سکھی ہیں مگر وہ اس معمہ کو حل نہ کر سکا آخر ایک سادھو کے پاس جا کر کہنے لگا۔مہاراج! میرا بھائی بے ایمان ہے وہ سکھی اور دولتمند ہے۔میں ایماندار ہوں مگر دکھی اور غریب ہوں اس کا کیا سبب ہے۔سادھو نے ہنس کر پوچھا۔وہ کیا بے ایمانی کرتا ہے اس نے کہا۔وہ دودھ میں پانی ملا کر فروخت کرتا ہے۔سادھو نے پوچھا کیا تو بتا سکتا ہے کہ اس نے ابتک کتنے لوٹے پانی دودھ میں ملا کر بیچے ہیں۔ اس نے حساب لگا کر تعداد بتا دی۔کیونکہ وہ روز روز کا حساب کرتا رہا تھا سادھو نے کہا۔بہت اچھا۔ایک گڑھا قدآدم کے برابر کھودو۔اس نے ویسا ہی کیا۔تب سادھو نے کہا۔اسی لوٹے سے ماپ ماپ کر پانی بھر دے ہمیں تم نے پانی بھر دیا۔تب سادھو نے حکم دیا ذرا تو اس گڑھے میں کھڑا تو ہو جا جب برہمن کھڑا ہو گیا۔تو اس کی گردن کے برابر پانی آیا۔سادھو نے اس کو کہا۔ابھی تک پانی کی مقدار اس کے ڈبانے کے لئے کافی نہیں ہے۔ جب اتنے لوٹے پانی وہ اور ملا لیگا تب غارت ہو جائیگا۔اس کی دولت بے ایمانی کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ اگلے جنم کے شبھ کاموں کا پھل ہے مگر افسوس وہ بے ایمان اس کو بھی غارت کر رہا ہے۔

برہمن اپنے گھر چلا آیا۔اور دن گنتا رہا۔جب پانی کے لوٹوں کی تعداد

برابر ہوگئی- اس نے سوچا- دیکھیں آج میرا چھوٹا بھائی کیسے پانی میں ڈوبتا ہے- کیونکہ اس نے سادھو کی پیشینگوئی کو اور معنے میں سمجھا تھا-

یہاں یہ گل کھلا- کہ شام کے وقت دودھ کی دوکان بند کرنے کے بعد اس برہمن نے اپنا روپیہ پیسہ زیور وغیرہ سب گن گنا کر صندوق میں بند کردیا اور دودھ کے تلے کی آگ بجھا کر اور بجھی ہوئی لکڑیوں کو دوسری لکڑیوں کے انبار میں پھینک کر سو رہا- ہونیوالی بات- اس لکڑی میں کہیں آگ رہ گئی تھی- آہستہ آہستہ سلگ کر اس نے اور لکڑیوں کو بھی پکڑ لیا اور ایک بجے رات کے وقت اُس مکان میں آگ لگ گئی- برہمن نیند سے چونک اٹھا- اڑوس پڑوس کے لوگ آگئے بجھانے کو دوڑے- مگر لاحاصل جو کچھ گھر میں مال ومتاع تھا سب جل کر خاک ہوگیا اور دودھ بیچنے والا ہائے قسمت وائے قسمت کرتا ہُوا رونے لگا-

اس کے پاس سوائے ایک روپیہ کے جو اس کی انٹی میں بندھا تھا اور کچھ نہ رہ گیا- پانی میں دودھ ملا کر بیچنے کا یہ انجام ہُوا-

یاد رکھو جو پاپ کرتے ہیں- ان کا نتیجہ اچھا نہیں ہوتا- سکھ تو ان کے حصے میں آتا ہی نہیں- ہاں دولت وغیرہ جو اگلے شبھ کرموں کی وجہ سے اکٹھی ہو جاتی ہے- وہ اس طرح غارت ہو جاتی ہے-

زندگی کیا ہے؟

ایک لڑکے سے میں نے یہ پوچھا — تو بتا مجھ کو زندگی ہے کیا؟
بولا لڑکا عجب ہو تم نادان — یہ معمہ بہت ہی ہے آسان

ہم سے بچے بھی جانتے ہیں اسے
زندگی کھیل ہے تماشا ہے

اس کی ماں سے سوال میں نے کیا
مسکرا کر جواب اُس نے دیا
زندگی عشق ہے محبت ہے

تو بتا مجھ کو زندگی ہے کیا؟
تم کو اس کا نہیں ہے کچھ بھی پتا
زندگی شفقت و عنایت ہے

باپ اس لڑکے کا تھا واں موجود
بات ہے ایک اور جواب ہیں دو
اس نے سنجیدگی سے مجھ سے کہا
فرض کو اپنے تم بجا لاؤ۔

میں نے اس سے کہا کہ یا معبود
تم بھلا کیا جواب دیتے ہو!
کچھ بھی مشکل نہیں ہے یہ عقدہ
زندگی ہے یہی۔یہ سچ سمجھو

آگیا ایک واں پہ مردِ خدا
بولا سادھو کہ نفس کو مارو
خدمتِ خلق زندگانی ہے
مرگئے وہ جئے جو اپنے لئے
یہی طاعت یہی عبادت ہے
یہی تفریح ہے یہی ہے کھیل

اس سے میں نے وہی سوال کیا
اوروں کے کام دنیا میں آؤ
زندگی ایسی شادمانی ہے
جیتے ہیں وہ جو اوروں کے لئے مرے
یہی زہد و رضا قناعت ہے
یہی الفت ہے۔اور یہی ہے میل

جو کہ اوروں کے کام آتے ہیں
وہ بجا فرض اپنا لاتے ہیں

ہمیشہ رہنے والا نام

عہد طفلی میں یہ خواہش تھی کہ میرا نام ہو
سب کا میں پیارا بنوں اور میرا نیک انجام ہو

ریگ پر اک روز جا کر میں نے لکھا اپنا نام
مجھ کو یہ امید تھی - قائم رہیگا یہ مدام
آیا اک جھونکا ہوا کا نام میرا مٹ گیا
میرے دل کو دوستو بیحد رنج و غم ہوا

پھر تو میں نے اک درخت تو پہ نام اپنا لکھا
اس سے بھی امید تھی قائم رہیگا یہ سدا
بادِ صرصر نے اسے آخر گرایا خاک پر
عالم وحشت ہوا طاری دل غمناک پر

جا کے لوحِ سنگ پر لکھا بارِ دگر
نام اپنا تا ابد قائم رہے با کر و فر
یہ ستم پیشہ فلک پر دے رنجور تھا
آیا اک دن زلزلہ پتھر بھی چکنا چور تھا

ہو کے پھر مایوس اپنے دل سے میں نے یہ کہا
تو ہی بتلا دے کہ آخر میں کروں تدبیر کیا
وہ لگا کہنے تجھے ہوتا ہے گر ہر دلعزیز
نام اپنا دوسروں کے دل پہ لکھ اے باتمیز

اندھیر نگری کا قصہ

ایک سادھو اپنے چیلے کے ساتھ کسی شہر میں آیا اور اس کو بازار میں کھانے پینے کا سامان خریدنے کو بھیجا - چیلا خوشی خوشی اچھلتا کودتا آیا - "مہاراج! بڑا اچھا شہر ہے یہاں ٹکے سیر بھاجی اور ٹکے سیر کھاجا بکتا ہے - ہر چیز ٹکے سیر ہے میں نے

بھی اپنے لئے اور آپ کے لئے کھاجا ہی خریدا ہے- خوب کھائیے- اور یہاں ہی رہئے" سادھو کے کان کھڑے ہوئے- کہنے لگا "فوراً اسباب اٹھاؤ- یہاں رہنا ٹھیک نہیں ہے- مگر چیلے نے کہا" مہاراج! میں تو یہاں ہی رہونگا- آپ اکیلے جائیے- سادھو نے رنج کے ساتھ کوچ کر دیا-

دوسرے دن ایسا واقعہ ہوا کہ ایک شخص کی دیوار گری- اور ایک غریب آدمی نیچے دب کر مر گیا- پولیس نے دیوار والے کو گرفتار کیا- راجہ نے کہا تو نے دیوار گرا کر میری رعایا کا خون کیا اسلئے تجھ کو پھانسی ملیگی- اس نے کہا "دھرم اوتار میرا کیا قصور ہے قصور معماروں کا ہے جنہوں نے کمزور دیوار بنائی- راجہ نے کہا اچھا اس کو چھوڑ دو- معمار کو پکڑ لاؤ- معمار بولا حضور میں کیا کروں- کمہار کے گھڑے سے پانی ٹپکتا تھا- اسلئے دیوار خوب اچھی طرح تر نہیں ہوئی- کمزور رہ گئی- میں بیقصور ہوں- راجہ نے تھوڑی دیر سوچا" یہ ٹھیک ہے اچھا کمہار کو پھانسی دیدو- پولیس کمہار کو پکڑ لائی- وہ دور اندیش تھا- عدالت کے الف کھے ڈھنگ کو جانتا تھا- سوچ سمجھ کر بولا- مہاراج لکڑی کاٹنے والے نے گیلی لکڑی دی تھی- اس لئے گھڑا اچھی طرح نہیں پک سکا- میں بیقصور ہوں- لکڑی والا بلایا گیا مگر وہ سخت نادان تھا- اس سے کچھ جواب نہ بن آیا- بیچارا پھانسی پر لٹکایا گیا- مگر چونکہ دبلا پتلا آدمی تھا- پھانسی کا پھندا اس کے گلے کے لئے ڈھیلا معلوم ہوا راجہ کو خبر دی گئی- اس نے کہا" اچھا انصاف چاہتا ہے کہ جان کے بدلے جان لی جائے- کسی موٹے آدمی کو پھانسی پر چڑھاؤ-

پولیس تلاش میں نکلی- سادھو کا چیلا خوب لحیم شحیم اور الفربہ مرد آدمی تھا بیچارا دھر لئے گئے- کتنی معذرت کی مگر اندھیر نگری میں کون سنتا تھا- نقارخانہ میں طوطی کی آواز- آخر پھانسی کی جگہ لائے گئے- اب چیلے کو معلوم ہوا کہ گرو جی سچ کہتے

تھے۔یہاں رہنے میں خیریت نہیں تھی۔جب کوئی تدبیر نہ سوجھ پڑی۔وہ پچھتانے اور ایشور کے دربار میں پرارتھنا کرنے لگا۔اتفاق سے گروجی کسی وجہ سے وہاں پہنچ گئے۔اس نے کہا۔مہاراج! بچائیے۔جان عذاب میں ہے۔گرو نے سارا ماجرا سنا۔پھر چیلے کے کان میں کچھ کہکر راجہ سے کہنے لگا۔مجھ کو پہلے پھانسی دیدو۔مگر اسی وقت چیلے نے کہا۔نہیں نہیں مجھ کو پہلے پھانسی پانے دو۔" آخر جب جھگڑا ہونے لگا۔راجہ نے پوچھا۔کیوں جھگڑ رہے ہو؟ گرو نے کہا آج شبھ منگل کا دن ہے جو شخص پہلے پھانسی پائیگا راجہ ہوگا۔جو پیچھے پھانسی پر چڑھیگا منتری ہوگا۔راجہ کے منتری کے منہ میں پانی بھر آیا۔وہ کہنے لگا اگر یہ بات ہے تو مجھ کو پہلے پھانسی پر لٹکاؤ۔راجہ نے کہا۔او کمبخت! تو منتری ہے راجہ کیسے ہوگا۔میں پہلے پھانسی پر چڑھونگا۔پھر تیری باری آئیگی غرضیکہ سادھو کی حکمت عملی کی وجہ سے راجہ اور منتری دونو مرے اور سادھو کے چیلے کی جان بچ گئی۔یہ اندھیر نگری کا قصہ ہے۔

مناسب طریقے

ایک مرتبہ اکبر نے بیربر سے کہا۔تم میں انصاف کرنے کی قابلیت نہیں ہے ورنہ تم عدالت کے زیور ہوتے۔بیربر نے جواب دیا۔انسان میں ہر قسم کی طاقت ہے صرف موقع و محل ملنا چاہئے۔وہاں کام کرنے کے ڈھنگ نرالے ہوتے ہیں۔آپ چاہے آزما دیکھئے۔

اکبر نے آخر ایک دن ایک جھگڑے کا مقدمہ بیربر کے حوالہ کیا۔تین آدمی گرفتار ہوکر آئے تھے۔بیربر نے سب سے پہلے ان سب کو غور کی نگاہ سے دیکھا پھر فرداً فرداً ایک ایک کو علیحدہ کرکے سزائیں دیں۔

ایک آدمی کو اس نے بری نگاہ سے دیکھا - اور کہا " افسوس ! اس شرافت کا آدمی اور ایسا کام کرے - اور اس کو اسی وقت چھوڑ دیا - دوسرے سے مخاطب ہو کر کہا " تم کیسے اچھے خاندان کے آدمی ہو - اگر تمہارا باپ زندہ ہوتا تو آج اس کو کیسا صدمہ پہنچتا - خیر جاؤ تم کو رہا کر دیا جاتا ہے " - تیسرے شخص کی نسبت اُس نے یہ حکم دیا - کہ اس کو گدھے پر چڑھا کر سارے شہر میں تشہیر کرو اس کی یہی سزا ہے " -

اکبر اس نرالی عدالت کے ڈھنگ کو دیکھ کر سخت گھبرایا - ایک ہی جرم اور مختلف سزائیں - مگر دم بخود تھا - اس وقت تو کچھ نہ بولا - جب عدالت برخاست ہوئی - پوچھنے لگا " بیربل ! یہ تم نے کیا کیا ؟ اس نے کہا - جہاں پناہ میں نے انصاف کیا - اگر یقین نہ آئے تو تحقیقات کر کے دیکھ لیجئے -

اکبر نے تحقیقات کی - مخبروں نے رپورٹ کی کہ جس آدمی کو بیربر کو نے بری نگاہ سے دیکھا تھا - گھر پہنچتے ہی شرم کے مارے اس نے خودکشی کر لی دوسرا جس کی ملائمت کے ساتھ ملامت کی گئی تھی - اپنا مال اسباب لیکر دوسرے شہر کو چلا گیا - اور قسم کھائی کہ اس ذلت کے بعد کبھی آگرہ میں آکر منہ نہ دکھاؤنگا - مگر تیسرا شخص باوجود گدھے پر بٹھا کر تشہیر کئے جانے کے بھی شام کو خوب شراب پی اور بدمست ہو کر قتل عمد کا مجرم ہوا - پولیس نے گرفتار کیا ہے -

اکبر نے بیربر کی خداداد ذہانت کی تعریف کی - مگر ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ مروجہ عدالت میں اس طرح سزائیں دینا مناسب نہیں ہے -

دنیاوی قاعدہ و قانون کا برتاؤ چاہے کیسا ہی کیوں نہ ہو - مگر روحانی معاملات میں اس قسم کا سلوک نہایت اچھے نتیجے پیدا کرتا ہے - روحانی تعلیم انسان کو ہمیشہ اس کے قدرتی جذبات کے موافق ملنی چاہئے - جس کو گیان کی آنکھیں

نہیں ہیں اس کو ناحق کرم کے گورکھ دھندے میں کیوں پھنسایا جائے جو ابھی کرم کانڈ کے طبقے میں ہے۔ اس کو کیوں خواہ مخواہ گیان کے الجھن میں ڈالا جائے بھگتی والا کیوں نہ بھگتی کرے وعلیٰ ہذا القیاس۔

گیان اپاؤسنا و کرم بھگتی ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ مگر طبیعت کے شوق کو بھی دیکھنا چاہئے۔ سب دہان بارہ پنسیری ٹھیک نہیں ہے۔ ورنہ وہی مثل صادق آتی ہے۔ اندھیر نگری چوپٹ راجہ ٹکے سیر بھاجی ٹکے سیر کھاجا اور ناحق ادھکاریوں کا نقصان ہو رہیگا۔

تیاگ

ایک راجہ جنگل میں مرگیا۔ اور کسی رشی کے قدموں پر گر کر کہنے لگا۔ آپ مجھ کو نجات کا راستہ بتاؤ۔ سادھو نے جواب دیا۔ سر دسنگ پر تیاگم یعنی سب سے علیحدگی کرلو۔ یہی نجات ہے"۔ راجہ نے پھر اور سوال نہ کیا۔ اور گھر پر آکر راج کاج۔ جورو لڑکے۔ سب کو چھوڑ جنگل میں چلا گیا۔ اور وہاں رہنے لگا۔ کچھ دن گذرے۔ مگر اس کو شانتی نہیں ہوئی تب پھر وہ سادھو کے پاس آیا۔ اور اس سے پھر نجات کا راستہ دریافت کیا۔ سادھو بولا"سب سے علیحدگی کر لینا نجات ہے"۔ راجہ نے دل میں سوچا۔ گو میں نے سب کچھ چھوڑ دیا ہے مگر چونکہ جنگل میں آشرم بنا کر رہتا ہوں۔ اس لئے ابتک تیاگی نہیں ہوں۔ اس نے اس کو بھی ترک کر دیا۔ اور برہنہ تن کھلی ہوا میں رہنے لگا۔ مگر تاہم تشفی نہ ہوئی تب پھر وہ سادھو کے پاس جاکر نجات کا ذریعہ دریافت کرنے لگا۔ سادھو نے پھر وہی بات کہی۔ اس نے سمجھا میں نے سب کچھ ترک کر دیا۔ صرف جسم

باقی ہے۔شائد یہ جسم نہ رہیگا تو نجات ہو جائیگی۔اس ارادے سے وہ پہاڑ کی چوٹی پر پہنچا اور وہاں سے گر کر جان دینے کی ٹھہرائی۔اتفاق سے اس کا گرو بھی وہاں پہنچ گیا۔اس کا ارادہ بھانپ کر کہنے لگا۔کیوں کیا نیت ہے؟ اس نے جواب دیا سب کچھ ترک کر چکا۔صرف جسم باقی ہے اگر جسم نہ رہیگا تو نجات ہو جائیگی۔سادھو نے جواب دیا۔تم نے میرے لفظوں کو کیسا غلط سمجھا ہے اگر یہ جسم فنا ہو جائیگا تو کیا دوسرا جسم اسی وقت نہ تیار ہو جائیگا؟ جسم کے خراب کر دینے سے نجات نہیں مل سکتی۔تم نے مجھ سے ایک سچی بات سن لی صرف لفظوں پر چلے گئے۔اصلیت کی طرف نگاہ نہیں کی۔سچا تیاگ یہ ہے۔انسان دنیا میں رہے۔مگر دنیا کا ہو کر نہ رہے۔

یہ تیاگ کی اصلی مراد ہے۔مگر اس غلط تیاگ کی بدولت کتنے گھر ویران ہو گئے۔کتنے ماں باپ لاولد بن گئے۔بہت کم لوگ ایسے ملینگے جو اصل تیاگ کو سمجھتے ہونگے من کو بس میں کرو۔دنیا کے بنکر نہ رہو۔جیسے پانی میں کنول رہتا ہے۔اور اس کے پتے نہیں بھیگتے۔اسی طرح تم دنیا میں رہ کر اس کی آلائشات سے دور رہو یہ سچا تیاگ ہے۔

مقدّس سایہ

مدت گزری کسی بہت بڑے سنت کی پاکی اور بزرگی کو دیکھ کر خدا کے فرشتوں کو سخت متحیر ہونا پڑا۔یہ سادھو جہاں جاتا تھا۔صبر و برکت پھیلاتا تھا اور لطف یہ کہ اس کو اپنی بزرگی کا مطلق علم تک نہیں تھا۔جیسے گلاب کی خوبصورت پنکھڑیاں بغیر جانے ہوئے اپنی آسمانی خوشبو سے لوگوں کا دماغ

معطر کرتی رہتی ہیں۔اسی طرح یہ بزرگ بھی اپنے قول و فعل اور خیال سے بندگانِ خدا کا بھلا کرتا تھا۔اس کا اس اصول پر عملدرآمد تھا۔

لینے کو ست نام ہے دینے کو ان دان
ترنے کو ہے ونیتا۔ ڈوبن کو ابھمان

فرشتوں نے خدا کو کہا" یا بار خدایا! اس بزرگ کو کرامات کرنے کی طاقت عطا فرما۔

خدا نے جواب دیا۔بہت اچھا۔مگر پہلے اس فقیر سے بھی تو پوچھ دیکھو وہ سدھی شکتی چاہتا بھی ہے۔یا نہیں"۔

فرشتے اس کے پاس آکر کہنے لگے" کیوں جی کیا تم چاہتے ہو۔کہ تمہارے ہاتھ کے لگنے سے مریض اچھے ہو جائیں؟

سنت نے کہا" نہیں۔میں چاہتا ہوں یہ کام خود خدا ہی کرے"۔

"پھر کیا یہ تم کو منظور ہے کہ تمہارے اپدیش سے گنہگار آدمی نیک بن جائیں"

"نہیں یہ فرشتوں کا کام ہے۔میں صرف دعا مانگتا ہوں۔میں بروں کو نیک نہیں بناتا۔

فرشتوں نے تیسری مرتبہ پوچھا۔کیوں کیا تم نہیں جانتے۔کہ تم صبر استقلال اور دانائی کا نمونہ بن جاؤ۔تاکہ انسان تمہاری مثال سے نیک ہوں۔اور تمہاری زندگی خدا کی ستائش کا ذریعہ بنے؟

سنت نے جواب دیا" نہیں میں نہیں اہنسا۔آدمی میری طرف رجوع کریں۔میری خواہش ہے وہ پرماتما کی طرف جھکیں۔میں ان کا دل کبھی خدا کی طرف سے نہ پھیرونگا۔خدا کو طاقت ہے۔وہ اپنی ستائش کے ذریعے پیدا کر لے"۔

فرشتے گھبرائے۔پھر تم کیا چاہتے ہو"
سنت ہنسا۔میں کس بات کی خواہش کروں۔مجھ پر خدا کا فضل ہے۔اُس کا دیا ہُوا سب کچھ میرے پاس موجود ہے"
فرشتوں نے کہا تم کسی نہ کسی قسم کی کرامات کی خواہش کرو۔ ورنہ مجبوراً تم کو دی جائیگی۔
سنت بولا۔بہت اچھا۔میں یہ چاہتا ہوں کہ جہاں کہیں میرا سایہ پڑے وہاں خیر و برکت کے کرشمے پیدا ہوں۔لیکن میں ہمیشہ اس سے ناواقف رہوں۔
فرشتے سخت پریشان و حیران ہوئے۔آخر آپس میں مشورہ کرکے یہ تجویز نکالی کہ جہاں کہیں اس فقیر کا سایہ پڑے وہ اس کو دیکھ نہ سکے۔ مگر سایہ کے پڑتے ہی بیماروں کو صحت۔فکرمندوں کو تسلی۔مضمحل طبیعتوں کو آرام عطا کیا جائے۔
اور ایسا ہی ہُوا۔جہاں کہیں داہنے بائیں آگے پیچھے اس فقیر کا سایہ پڑتا وہیں سوکھا ہُوا درخت لہلہاتا ہُوا نظر آیا۔جلی ہوئی گھاس تر و تازہ ہو گئی خشک نہروں میں پانی آ گیا۔مرجھائے ہوئے بچے پنپ اٹھے۔ناامید عورتیں خوش ہو گئیں۔
مگر فقیر اپنا روزانہ کام حسب معمول کرتا رہا۔جیسے سورج اپنی روشنی بکھیرتا ہے ویسے ہی وہ ہر چہار طرف خیر و برکت پھیلاتا رہا۔مگر اس کو ذرہ بھی اس کا علم نہیں تھا۔
لوگ اس کی منکسر المزاجی کی تعظیم کرتے۔خاموشی کے ساتھ اس کے پیچھے رہتے اور اس کے کراماتی اثر سے فائدہ اٹھاتے رہتے تھے۔رفتہ

رفتہ وہ اس کا نام بھی بھول گئے اور سب اس کو مقدس سایہ کے مہمل خطاب سے مخاطب کرنے لگے۔ (ترجمہ)

اڑتیسویں شاکھا

انگ دچار
ورن چار
سکشا دچار

ہمارا ہاتھ

کبیر نربندھن بندھ رہا - بندھ نربندھن ہوئے
کرم کرے کرتا نہیں - داس کہاوے سوئے

اس قدرت میں ہر چیز غور کرنے اور سمجھنے کے قابل ہے جس کی طرف نگاہ جاتی ہے۔ اسی میں اتنی خوبیاں نظر آتی ہیں کہ ہم ان کو کبھی تمام وکمال بیان نہیں کر سکتے۔ اور شاید ہم کو اپنی عمر میں کبھی ایسا موقعہ ہاتھ نہ آئیگا۔ کہ ہم یہ کہہ سکیں کہ ہم نے ان پر عبور پا لیا ہے اس دنیا میں ہم دیکھتے ہیں کہ جن کو کسی قسم کا کام یا انتظامیہ فرائض سپرد ہیں۔ ان کی [illegible] بھی بہت وسیع ہوتی ہے۔ بالعموم اس طرح کی طاقتوں کی دو قسم کی حیثیت دیکھی جاتی ہے۔ ایک تو یہ ہے کہ وہ ایک دیشی یعنی مختص المقام ہیں۔ دوسرے وہ سرب دیشی یعنی اپنے منصبی دائرے میں ہر جگہ محیط رہتے ہیں سورج کو دیکھو وہ نظام شمسی میں صرف ایک جگہ موجود ہے۔ [illegible] کی سمجھ اس کی

صورت دیکھنے سے آتی ہے۔ سورج بلاناغہ روز پورب سے نکل کر پچھم کی طرف جاتا ہے۔ اور ابھی دن کے چوبیس گھنٹے ختم نہیں ہوتے کہ وہ پورب میں اسی شان کے ساتھ برآمد ہوتا ہے۔ پورب اور پچھم کی سیر کی اصطلاح صرف نسبتی ہے۔ ہم صرف اپنی ظاہری آنکھوں سے اس کا علم حاصل کرتے ہیں۔ ورنہ اصل میں سورج نہ کہیں آتا ہے نہ جاتا ہے۔ مگر کونسی جگہ ہے جہاں اس کی دستگیری کے کاروبار نظر نہیں آتے۔ یہ اس کی روزانہ گردش زمین کے چکر کھانے کی وجہ سے نظر آتی ہے۔ ورنہ اپنے ہاتھوں کی وجہ سے وہ نہ صرف کرۂ ارض کے چپہ چپہ زمین کی مساحت کیا کرتا ہے۔ بلکہ اس کی پرداخت ترتیب اور تقسیم میں ہر وقت مصروف رہتا ہے سورج کی ہزاروں کرنیں بکھری ہوئی ہر جگہ موجود ہیں۔ اور ہم جو کچھ موسم کی تبدیلی۔ گرمی۔ سردی۔ بارش وغیرہ کے مناظر دیکھا کرتے ہیں۔ یہ سب اسی کے ہاتھوں کی صناعی کے نمونے ہیں۔ پانی برستا ہے۔ آندھی آتی ہے۔ ہوا چلتی ہے۔ زمین اناج پیدا کرتی ہے۔ غلے پکتے ہیں۔ یہ سب محض سورج کی طفیل اور مہربانی کی بدولت ہے۔ وہ ہمیشہ فیاضی کے ہزاروں ہاتھوں کو اس سیر چشمی کے ساتھ پھیلائے ہوئے رکھتا ہے کہ ہم میں یا ہماری زمین و دیگر سیاروں میں جو کچھ زندگی و حرارت موجود ہے وہ سب اسی کی بخشی ہوئی ہے۔ دن کو تو تم صاف صاف دیکھ رہے ہو کہ ہم براہ راست سورج سے گرمی اور سردی کا فیض حاصل کیا کرتے ہیں۔ مگر رات کے وقت بھی سورج ہم سے جدا نہیں ہوتا۔ ہمارے مکانوں کی تنگ و تاریک کوٹھڑیوں میں۔ ہمارے نس اور ناڑیوں میں۔ ہماری زمین کے اندھیرے سے اندھیرے غاروں میں ہر وقت سورج دیوتا موجود رہتے ہیں۔ کیونکہ اگر یہ

تھوڑی دیر کے لئے بھی اپنے ہاتھوں کو سکوڑ لیں تو جتنے سیارے۔ستارے۔قمر وغیرہ اجرام سماوی ہیں ابھی بیجان بن کر حرف غلط کی طرح محو و منفک ہو جائیں۔سورج سب جگہ اوات پروت ہے جس طرح مالے کے دانوں کے اندر سوت لگے دھاگے پروئے رہتے ہیں۔ویسے ہی یہ سورج بھی ہے دنیا میں کیا چیز ہے جو سورج کی نہیں ہے۔خواہ سورج سے نہیں ہے۔یہ سورج ہی دراصل سہسراباہو ہے اور ذرہ ذرہ سے معاملہ میں اس کا ہاتھ ہر جگہ کام کرتا ہے۔زندگی کا مسئلہ تو قطعی طور پر سورج سے متعلق ہے مگر موت کی حالت میں بھی اس کے ہاتھوں سے مختلف قسم کی طاقتیں نکل کر مردہ جسم کے اجزا کو ہر وقت منتشر اور غائب کرنے کا اہتمام کرتی ہیں۔اس سورج کو اگر ہم اس سہسرباہو پرماتما کا نائب کہیں تو شاید مبالغہ نہ ہوگا۔کیونکہ بہت سے اوصاف ہیں وہ اس سے مشابہ ہے۔

مگر حیرت یہ ہے کہ یہ سورج ایک دیشی ہے اور ایک دیشی بنکر بھی اپنی سلطنت میں سرب دیشی و محیط کل کہلانے کا پورا پورا استحقاق رکھتا ہے اور ہر جگہ اس کے عطیات کی بخشش کا بڑی قابلیت کے ساتھ اہتمام ہے۔

کہتے ہیں ورشٹانت کا صرف ایک انگ لینا چاہئے اور اس وجہ سے ہم اپنے ناظرین سے امید رکھینگے کہ وہ دیکھیں ہمارے جسم میں کونسا عضو ہے جو سورج کے ان اوصاف سے موصوف ہے۔

جو حیثیت کہ سورج کو ہے وہ دراصل کسی کسی صورت میں ہمارے ہاتھ کو بھی نصیب ہے۔ہمارا ہاتھ بھی ایک دیشی ہے مگر اپنی روزانہ کارروائیوں کے لحاظ سے وہ سرب دیشی کہا جا سکتا ہے۔ہاتھ دراصل ہمارے کندھوں سے ملحق ایک جگہ قائم کئے گئے ہیں۔وہ نہ بہت لمبے ہیں نہ بہت چوڑے ہیں۔ہمارے جسم میں ہاتھ سے بھی زیادہ لمبے اعضا موجود ہیں۔مگر ان کی رسائی

ہر جگہ نہیں ہے۔ ہاتھ ہر جگہ پہنچتا ہے۔ نیچے سے لیکر اوپر تک چوٹی سے لیکر ایڑی تک۔ پیٹ سے لیکر پیٹھ تک ہر جگہ یہ ہاتھ پہنچکر اپنا کام کیا کرتا ہے۔ اس ہاتھ کی حیثیت اس وجہ سے سوچنے اور سمجھنے کے قابل ہے۔ یہ ہاتھ دراصل مالک کی صنعت کا عجیب وغریب نمونہ ہے۔ کیسے خوبصورتی کے ساتھ بنایا گیا ہے اور کیسی اچھی ترکیب ہے کہ وہ بلا دقت ہر جگہ پہنچکر اپنا کام کرتا ہے۔ یہ ایک دیشی بھی ہے اور سرب دیشی بھی ہے۔ یہ محدود بھی ہے اور اپنے انتظامی فرائض کی نظر سے لامحدود بھی ہے۔

جسمانی کاروبار میں اس کا کام صرف یہاں ہی تک محدود نہیں ہے بلکہ وہ تمام اندریوں کا مالک اور سب کا ہرتا دھرتا بھی ہے۔ سب کو اس سے مدد پہنچتی ہے۔ سب اس کے زیر بار احسان ہیں۔

جب سر میں پاؤں میں آنکھ میں ناک میں کان میں پیٹ میں درد ہوتا ہے۔ یہ ہاتھ بلا درخواست کئے ہوئے سب کے پاس جاکر ان کا علاج کرتا ہے یہی کانوں کی کثافت دور کرتا ہے۔ یہی دانتوں کو منہ کو۔ زبان کو شدھ رکھتا ہے۔ یہی حلق میں انگلیاں ڈال کر غرارے کراتا ہے۔ یہی موچ کے وقت پکڑ کر ہڈیوں کو اپنی جگہ واپس آنے کے لئے مجبور کرتا ہے نہاتے وقت یہی جسم کے تمام مساموں کو صاف کرتا ہے۔ جہاں جہاں میل جم جاتی ہے سب کو دھو دیتا ہے۔ یہی آنکھوں میں سرمہ لگاتا ہے۔ عینک چڑھاتا ہے۔ پاؤں میں جوتی ڈالتا ہے۔ سر میں کنگھی کرتا ہے جسم کو کپڑے پہناتا ہے اور ہر عضو کے خوبصورت بنانے اور اُن کے قاعدے میں رکھنے کا انتظام کرتا ہے

یہ اُس کی ادنےٰ سے خدمات ہیں۔ جس کا جی چاہے کوئی عضو اعتراف کرے خواہ نہ کرے۔ مگر ہاتھ ہر جگہ پہنچکر اُن کو سنبھالتا رہتا ہے۔ سب سے زیادہ

تعریف کی بات تو یہ ہے کہ اگر ہمارے جسم کا کوئی عضو بیکار یا معطل بن جاتا ہے۔ خواہ خراب ہو جاتا ہے تو یہ عجیب و غریب عضو اُس کی جگہ قائم مقامی کرنے کے لئے موجود ہو جاتا ہے۔

کسی کی آنکھ نہیں ہے۔ ہاتھ آنکھ کا کام دیتا ہے۔ ہاتھ کو اندھے کی لاٹھی کہا گیا ہے۔ اندھے کو دکھائی نہیں دیتا۔ ہاتھ لاٹھی ٹیک کر خواہ ہاتھ سے ٹٹول کر اُس کو اصلیت کی خبر دیتا ہے اکثر عُلما کا اب اس بات میں اتفاق ہوتا جاتا ہے کہ جب انسان کی آنکھیں معذور ہو جاتی ہیں۔ ہاتھ ٹٹول کر بتا دیتا ہے کہ یہ فلاں چیز ہے۔ بعض بعض حالتوں میں تو محض ٹٹولنے سے اندھوں کو رنگ کی تمیز ہو جاتی ہے۔ ہم نہیں جانتے یہ تمیز کیسے آجاتی ہے۔ مگر یہ دیکھا گیا ہے کہ جب کوئی چیز کسی اندھے میں دی جاتی ہے تو وہ فوراً ہاتھ سے چھو کر بتا دیتا ہے کہ یہ کالے رنگ کی ہے یہ مثالیں گو عام نہ ہوں۔ مگر شاذ بھی نہیں ہیں اسی طرح اب اندھوں کو ہاتھ سے ٹٹول کر پڑھنے کی تعلیم دی جاتی ہے اور وہ جوتا وغیرہ بنانے کا کام کرتے ہیں اور چھاپے خانوں میں ٹائپ کے حروف کمپوز کرتے ہیں۔

جب کسی کی ٹانگیں نہیں ہوتیں خواہ ٹوٹ جاتی ہیں تو یہ ہاتھ پاؤں کی خدمت بھی انجام دینے لگتا ہے اور اس کی کمی کو پورا کر دکھاتا ہے۔

یہ ہاتھ گونگے کی زبان بھی بن جایا کرتا ہے۔ اس وقت اُس کے رمز و کنایہ اور اشارے کے ساتھ سمجھانے کی قابلیت قابل غور ہوتی ہے۔ دیکھو گونگے کس طرح ہاتھ بنا کر اپنا مطلب سمجھاتے ہیں۔ اگر پانی کی ضرورت ہے تو ہاتھ کٹورے کی شکل کا بن کر ہونٹوں کے قریب آجاتا ہے۔ اگر بھوک لگی ہے تو وہ یا تو لقمہ کی صورت بن کر منہ کی طرف اشارہ کریگا۔ یا پیٹ تھپتھپائیگا۔ ناک

کی طرف بدبو آرہی ہے وہ مجبور ہے کہ اُس کو سونگھا کرے۔اس میں بطور خود اس سے بچنے کی طاقت کہاں ہے۔ مگر ہاتھ محافظ بنکر سامنے آجاتا ہے یا تو ناک کو دبا لیتا ہے۔ یا اُس کو بل دیتا ہے یا بدبو کی چیز کو پرے ہٹا دیتا ہے اور جب کسی شے کے اچھی طرح سونگھنے کی خواہش ہوتی ہے۔ہاتھ اُس کو ناک کے پاس پہنچا دیتا ہے۔اسی طرح آنکھ کو جب کسی چیز کے دیکھنے کی خواہش ہوتی ہے تو ہاتھ اُس کو پکڑ کر آنکھوں کے سامنے رکھ دیتا ہے طالب علم کیسے پڑھ سکتا اگر ہاتھ نہ ہوتے خواہ نجومی کیسے دوربین سے دیکھ سکتا اگر ہاتھ نہ ہوتے۔اسی طرح کانوں کا حال ہے جس طرح ناخوشگوار آواز سنائی دینے لگتی ہے۔کان کو سخت مصیبت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔وہ مجبور ہے کہ آواز سنا کرے۔ناک مکان دو تو کھلے ہوئے بنائے گئے ہیں۔مگر ہاتھ بڑی ہوشیاری کے ساتھ اپنی اُنگلیوں کو اس حساب سے کانوں میں ٹھونس دیتا ہے۔ جیسے تم بوتل میں مضبوط کاگ جماتے ہو۔پھر آواز نہیں سنائی دیتی۔

آنکھ۔ناک۔کان اور چرم (لامسہ) یہ سب ہاتھ کے محتاج ہیں۔لامسہ کا تو یہ حال ہے کہ اس کا خزانہ ہی ہاتھوں میں ہے اگر ہاتھ نہ ہوں تو لامسہ کو سخت کمزوری کا صدمہ پہنچتا ہے تم شاید کہو گے کہ پانچ گیان اندریوں میں سے ہاتھ صرف چار کو فائدہ پہنچاتا ہے مگر نہیں یہ زبان (قوت ذائقہ) کو بھی فائدہ پہنچاتا ہے۔اگر ہاتھ نہ ہو تو زبان کیسے ذائقہ لے سکتی ہے۔یہی ہر قسم کی چیز ول کو زبان تک پہنچاتا ہے۔

گیان اندریوں کی نسبت اب ہم زیادہ کہنا نہیں چاہتے۔تم نے دیکھ لیا کہ یہ سب کس طرح ہاتھ کی محتاج ہیں۔اب آؤ تم کو کرم اندریوں کی طرف متوجہ کریں۔

کرم اندریاں پانچ ہیں۔ ان کے نام یہ ہیں۔ ۱۔ ہاتھ۔ پاؤں۔ زبان (قوت کلامیہ) پیشاب کی اندری۔ پاخانہ کی اندری۔

ہاتھ تو ہاتھ ہی ٹھہرا۔ اس کا کیا بیان کیا جاوے۔ مگر نہیں اس کے اپنے فرائض بھی بتا دینا ضروری ہے۔ اس ہاتھ کے دو فرض ہیں۔ ایک پکڑنا۔ دوسرے چھونا۔ یہاں بھی قدرت نے ایک ہی چیز میں دو مختلف منشا ہیں۔ چھونا تو گیان شکتی ہے جس کو لامسہ کہتے ہیں اور پکڑنا کرم شکتی ہے۔ گویا ایک ہی اندری میں یہاں دو دیوتا بستے ہیں۔ اور ایشور کی کیسی قدرت ہے اگر ہاتھ میں چھو کر معلوم کرنے کی طاقت نہ ہوتی۔ تو پھر اس کو کتنا نقصان پہنچ جاتا مثلاً ایک چیز آگ کی طرح گرم ہے۔ ہاتھ کو چھونے سے اس کا علم ہو جاتا ہے اور وہ اس کو نہیں پکڑتا۔ چھونے کا گیان گو تمام جسم کو ہے۔ مگر چھونے (سپرش کرنے کی طاقت) کا بھنڈار ہاتھ ہی بنایا گیا ہے۔ اس ہاتھ کی بناوٹ بھی غضب کی ہے۔ کیسے کیسے اس کو جگہ جگہ سے موڑ کر بنایا گیا ہے۔ وہ سخت سے سخت اور ملائم سے ملائم ہے کتنی ہڈیوں کا مجموعہ ہے۔ اور کتنی نسیں اس کو باندھتی ہیں۔ مگر یہ بیان چونکہ علم تشریح الاعضا سے متعلق ہے ہم اس کو یہاں ہی چھوڑتے ہیں ہاتھ اپنا کام تو کرتا ہی رہتا ہے۔ اب سنو دوسروں کو وہ کیسے فیض پہنچاتا ہے پہلے زبان کو لے لو۔ جس سے یہاں ہماری مراد قوت کلامیہ سے ہے۔ کیونکہ زبان بھی کرم اور گیان دو دو فرائض انجام دیتی ہے۔ قوت ذائقہ گیان ہے قوت کلام کرم ہے۔ سوچنے سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ بھلا بیچارہ ہاتھ قوت کلامیہ کو کیا مدد دے سکیگا۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ زبان بھی اس کی زیر بار احسان ہے تم نے دیکھا ہوگا۔ بات کرتے وقت اکثر لوگ ہاتھ بناتے ہیں۔ خواہ ہاتھ کو خاص خاص صورتوں میں قائم کرتے رہتے ہیں۔ اس کے دو سبب ہیں۔ اول تو دل کے تمام جذبات

مٹھی بند کر لینے سے یکسو ہو جاتے ہیں۔ یہ ہاتھ کا دل پر احسان ہے۔ دوسرے کلام زوردار اور باا ثر ہو جاتا ہے یہ زبان پر احسان ہے اکثر لکچرار لکچر دیتے وقت میز پر گھونسا مار دیتے ہیں۔ خواہ ایک انگلی سے اشارہ کرتے ہیں۔ اس سے بھی وہی مراد ہے اس میں بھی کلام کے باا ثر بنانے کا راز چھپا ہوا ہے۔ اس کے سوا بات چیت کرتے کرتے اکثر ہاتھ کی ایک انگلی ہونٹ پر آجاتی ہے۔ اس کی غرض یا تو تنبیہ و عبرت ہوتی ہے یا کلام کرنے والا چاہتا ہے کہ اُس کی بات دوسرے تک نہ پہنچائی جائے۔ یہ مجملی طور پر زبان پر ہاتھ کا احسان ہے۔

پاؤں کی مدد اگر ہاتھ نہ کرے تو ایشور جانے اُس کا کیا حال ہو۔ درد کے وقت وہی بیچارہ مالش کرتا ہے۔ دھوتا ہے سب کچھ خدمت انجام دیتا ہے۔ ہاتھ پیشاب و پاخانہ کی اندریوں کو جو مدد دیا کرتا ہے۔ وہ ہم کو تم کو سب کو معلوم ہے۔ اگر وہ اپنی مدد نہ دے۔ تو کئی بیماریوں کے پیدا ہونے کا خوف رہتا ہے۔

الغرض کرم اندریاں بھی ہاتھ کی ویسی ہی محتاج ہیں۔ جیسے گیان اندریاں ہیں اس کے چشمہ فیض سے کوئی محروم نہیں جاتا۔

گیان اور کرم اندریاں تو مستفید ہوتی ہیں۔ کل جسم اُس کا زیر بار احسان ہے کہیں جسم پر چیونٹی بیٹھ جائے۔ ہاتھ بیساختہ وہاں پہنچ جاتا ہے۔ سر سے لیکر پاؤں تک سب اُس کے محتاج و دست نگر بنائے گئے ہیں۔ سوتے وقت ہاتھ سر کا تکیہ بنتا ہے۔ چلتے وقت ہاتھ کیسے ہلتے رہتے ہیں۔ اگر ہاتھ نہ ہلتے رہیں۔ تو پھر تمہارا چلنا مشکل ہو جائے۔ یہ جسم کو ہلکر برابر رکھتے ہیں۔

یہ جسمانی خدمتیں ہیں۔ جو ہاتھ انجام دیتا ہے۔

باقی رہیں اور اُس کی دنیاوی خدمتیں۔ اُن کا بیان تو دس بیس جلدوں

میں بھی نہیں آسکتا۔
یہی ہاتھ کتابیں لکھتا ہے۔ اخبارات ایڈٹ کرتا ہے۔ ہاتھ ہی دراصل اہل قلم ہے۔ یہی ہاتھ لڑائی فتح کرتا ہے۔ تلوار چلاتا ہے۔ تیر مارتا ہے گولے برساتا ہے۔ اصل میں یہ ہاتھ ہی اہل سیف ہے۔ یہ ہاتھ کل بناتا ہے۔ مشین ایجاد کرتا ہے۔ اسی نے دنیا کی تمام عماتیں بنائیں۔ اُس کے بنائے ہوئے مینار آسمان سے باتیں کرتے ہیں۔ یہی پہاڑ کی اونچائی ناپتا ہے۔ یہی سمندر کی گہرائی کی تھاہ لیتا ہے۔ اسی سے دوائیں بنتی ہیں۔ یہ علاج تقسیم کرتا ہے غرضیکہ کوئی کہاں تک کہے۔ ایک دو۔ دس بیس باتیں ہوں تو بتائی جائیں۔ تمام دنیا اس کی صنعت و حرفت سے بھری ہے۔ ہر جگہ اس کی پہنچ ہے۔ ہر جگہ یہ تماشا کر رہا ہے۔ مگر لطف یہ کہ بیچارہ نہ تو کسی سے مزدوری مانگتا ہے۔ نہ کسی پر اپنا احسان جتاتا ہے۔ یہ ہاتھ اگر مدد نہ کرے تو کیسے کوئی پاک فرائض انجام دے سکتا ہے۔
اے کشتریو! دنیا میں ہندو قوم میں تمہاری حیثیت ہاتھ کی ہے۔ تم بہت ڈینگ مارا کرتے ہو۔ بتاؤ تو سہی تم میں یہ وصف ہے یا نہیں۔ اگر ہے تو ہم تم دونو مبارک ہیں۔ اگر نہیں ہے تو اس وقت تک ایشور کے لئے اپنے آپ کو کشتری نہ کہو۔ جب تک اپنے ہاتھ کی طرح تمام قوم کی خدمت بلا معاوضہ و بلا احسان جتائے نہ کرو۔ کیونکہ اصل میں کشتری وہی ہیں۔ جو مرد میدان ہوں۔ ہندو جاتی کے لئے سر بکف ہوں۔ ایک دلیشی رہ کر سرب دلیشی بنے رہیں۔ سب پر اُن کا رسوخ حاوی ہو۔ سب اُن کا لوہا مانیں۔ سب کے لئے اُن کے فیض کا چشمہ کھلا رہے۔ برہمن۔ ویش اور شودر سب ان کے دست نگر رہیں۔ اُن کے بغیر کوئی کام نہ کرسکیں۔ ایشور

آشیرباد دیں کہ ہمارا قومی ہاتھ مضبوط ہو اور ہم اصلی کشتری پیدا ہوں +

ہمارا سر

ہمارا سر گو دیکھنے میں چھوٹا ہے مگر یہ تمام جسم میں نسبتاً سب سے زیادہ تندرست* سب سے زیادہ نمایاں - سب سے زیادہ شاندار - سب سے زیادہ سربرآوردہ اور سب سے زیادہ اہم ہے - ساری بزرگی اس سے ہے اور اس کی ہے اگر یہ نہ ہو تو جسم کے اور عضو بن نہیں سکتے - سب سے پہلے سر پیدا ہوتا ہے اور تب اور عضو پیدا ہوتے ہیں - یہ جس طرح مقدم ہے - ویسے ہی مؤخر بھی ہے - زندگی پہلے سر میں آتی ہے اور جب انسان مرنے لگتا ہے - تب بھی آخری مقام زندگی کا سر ہی ہوتا ہے - اگر سر میں جان ہے تو لوگ پھر بھی امید کرتے ہیں - اگر اس کی حرارت زائل ہو گئی تو آس ٹوٹ جاتی ہے -

اگر اس سر کی بزرگیاں بیان کی جائیں تو کم از کم میں خود دو تین کتابوں میں اُس کا بیان کر سکونگا - اور پھر بھی وہ بیان ادھورا ہی رہیگا کیونکہ خلقت میں جو چیز ہے وہ سر ہی تو ہے - یہ دیکھیے ہے باقی گون ہیں - اگر یہ ہوتا ہے تو سب ضروری اعضا وقت پر پیدا ہو جاتے ہیں اگر یہ نہیں ہوتا تو دوسروں کا نام ونشان تک بھی نہیں رہتا -

سر ہی اس جسم کی جڑ ہے - سر کے بالوں کی بالکل ویسے ہی حیثیت ہے

*جسم کے تمام عضو سر پانی پر تیرتے ہیں سر ہمیشہ ڈوب جایا کرتا ہے -

جیسے درختوں کی جڑوں میں اکثر تاگے نظر آتے ہیں۔ درخت کی مشابہت پر تم کو تعجب نہ ہونا چاہئے۔ ہم اور تم دراصل چلنے پھرنے والے درخت ہی ہیں فرق یہ ہے کہ جن کو تم درخت کہتے ہو اُن کی جڑ نیچے کی طرف رہتی ہے اور وہ ایک جگہ قائم رہتے ہیں۔ ہم متحرک درخت ہیں ہماری جڑ اوپر کی طرف ہے اور اسی وجہ سے یالگیہ ولکیہ رشی نے اپنی مشہور کتاب ورہد آرنیک اُپنشد میں انسان کو متحرک، درخت بنایا ہے۔

جس طرح درخت کی جڑیں اس کی تمام قوتیں چھپی رہتی ہیں۔ ویسے تمہارے اور ہمارے سر میں بھی تمام طاقتیں موجود ہیں۔ یہ سر ہی دراصل گیان کا بھنڈار ہے۔ پانچ گیان اندریاں بھی اسی سر میں ہیں۔ پانچ گیان اندریوں کے نام یہ ہیں۔ کان۔ ناک۔ آنکھ۔ ذائقہ۔ لامسہ۔ کان سنتے ہیں۔ آنکھیں دیکھتی ہیں۔ ناک سونگھتی ہے۔ زبان ذائقہ لیتی ہے۔ لامسہ یا سپرش سے چھونے کا گیان ہوتا ہے۔ یہ پانچ اندریاں یا پانچ دیوتاؤں کے رہنے کی جگہ ہیں اور ان کے پانچ بھوگ ہیں۔ مثلاً کان کا دیوتا دِشا ہے اور اس کا بھوگ شبد ہے۔ آنکھ کا دیوتا سورج ہے۔ اُس کا بھوگ روپ ہے۔ ذائقہ (زبان) کا دیوتا ورُن ہے۔ اُس کا بھوگ رس ہے۔ ناک کا دیوتا اسونی کمار ہے اس کا بھوگ گندھ ہے۔ توچا (چرم) کا دیوتا وایو ہے اس کا بھوگ سپرش ہے۔

یہ پانچ دیویہ شکتیاں ہیں جو سر میں موقع موقع سے رہتی ہیں صرف ان ہی پر کیا موقوف ہے اور کتنی طاقتیں اس سر کو حاصل ہیں جن کا لوگوں کو وہم و گمان بھی نہیں ہو سکتا۔ ایک دو ہوں تو کوئی گنائے جہاں لاکھوں اور کروڑوں کا شمار ہو بلکہ جہاں بیشمار طاقتیں ہوں وہاں کوئی کیا کہے اور کیا نہ کہے ایسے موقعوں پر عقلمند حیرت کے ساتھ خاموشی اختیار کر لیتے ہیں۔

اس سر کو برہمہ لوک سے مشابہ کیا جا سکتا ہے۔ جس میں بھی طرح طرح کے دیوتا دیبہ شکتی والے باس کرتے ہیں۔

اسی سر میں دماغ ہے جو اعضائے رئیسہ میں سب سے افضل ہے۔ اسی سر کی چوٹی پر جہاں ہندوؤں کی سکشا ہوتی ہے۔ تمام رگوں کا مرکز ہے۔ جسم کی نس ناڑی اور رگ وریشہ کا اصل الاصول وہاں ہی ہے اور اس کا تمام جسم سے میل ہے۔ اگر تمہارے پاؤں میں مچھر ڈنس مارے تو پاؤں کی نسوں کے تار جو دماغ سے ملے ہیں حرکت میں آکر اپنے مرکز کو خبر دینگے اور جب اس کے مرکز کو حرکت ہو گی تب ہی تمہارے جسم کو مچھر کے زخم پہنچانے کا علم ہوگا۔ یہ نس ناڑیاں اور دماغ جس طرح مل جل کر کام کرتے ہیں وہ نہایت عجیب و غریب مضمون ہے۔

اسی دماغ میں ایک رقیق و سیّال قسم کا مادہ رہتا ہے جس کو سنسکرت میں اوجس کہتے ہیں۔ یہ کسی قدر زردی مائل ہوتا ہے رگوں کا مجموعہ جو دماغ میں ہے اسی اوجس میں تیرتا رہتا ہے۔ جب کوئی شخص کسی کے سر پر گھونسا مارتا ہے اوجس جھٹ پٹ پھیل جاتا ہے اور ضرب بہت شدید نہیں ہونے پاتا۔ پرماتما کی قدرت میں کیا کیا عجائبات ہیں جس کو اُس نے جیسا دیکھا اس کے لئے سامان بھی ویسا بنایا۔ اگر دماغ میں اوجس نہ رہتا تو وہ اس قدر صدمہ سے محفوظ نہیں رہ سکتا تھا۔

یہ اوجس ایک قسم کا دھاتو ہے۔ جو بیشتر غذا سے بنتا ہے۔ جیسے خون چربی بیج وغیرہ دھاتو ہیں ویسے ہی اوجس بھی دھاتو ہے۔ اور یہ سب میں سریشٹ ہے۔ زیادہ اوجس اُن میں پیدا ہوتا ہے جو برہمچاری ہوتے ہیں اور بیرج کی رکشا کرتے ہیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ بیرج ہی کی لطیف شکل

اوجس ہوتی ہے۔ جس میں جتنا اوجس ہوگا اتنا ہی وہ تیجسوی۔ پراکرمی اور پرشارتھی ہوگا۔ ساری شبدھی شکتی کے حاصل ہونے کا دار و مدار اوجس پر ہے یوگیوں میں اوجس بہت ہوتا ہے۔ اور اسی وجہ سے زیادہ طاقتور ہوتے ہیں جن میں اوجس زیادہ ہوتا ہے اُن کی پہچان یہ ہے چہرہ کُندن کی طرح دمکتا رہتا ہے۔ آواز رسیلی ہوتی ہے۔ آنکھوں میں خاص قسم کا تیج ہوتا ہے یہاں تک کہ اگر وہ ایک نظر اٹھا کر شیر کو دیکھ لیں تو پھر شیر کو اُن پر حملہ کرنے کی جرأت نہ ہوگی۔ زیادہ اوجس والے میں ایک وصف یہ اور ہوتا ہے کہ اس کے سر کے چاروں طرف ایک قسم کی روشنی پھیلی رہتی ہے۔ جو در اصل اسی اوجس سے تعلق رکھتی ہے جو شخص زیادہ مباشرت کرتے ہیں اور بیرج رکشا نہیں کر سکتے اُن میں اوجس نہیں پیدا ہوتا اور اوجس کے نہ پیدا ہونے سے ان میں بل اور پراکرم بھی نہیں آتا۔ اس لئے ودیا پڑھنے والوں کو۔ یوگ کرنے والوں کو۔ ست سنگ میں جانے والے کو۔ بن پرستی کی زندگی بسر کرنے والوں کو اور عام طور پر تمام غور و فکر سے کام رکھنے والوں کو چاہئے کہ وہ زیادہ تر بیرج کی رکشا کا خیال کریں۔

یہ سر اوجس کے رہنے کی جگہ ہے۔

اسی سر میں درخت کے آکار کے نس وناڑیوں کی ترتیب کی ایک صورت ہے جس کو زندگی کا درخت کہتے ہیں۔ اس کے متعلق کبیر صاحب نے اس طرح فرمایا ہے۔

یا۔ بروا۔ چھنے جو کوئی آواگون۔ رہت سو ہوئی

غرضیکہ سر کے عجائبات کا کوئی کہاں تک بیان کرے۔ جو کچھ کہا گیا سو جیے

وچارنے کے لئے وہی بہت کچھ ہے -
اس اپنے سر سے ہم بہت سے سبق سیکھ سکتے ہیں - پہلا سبق تو یہ ہے کہ جس طرح قدرت نے اُس کو بالوں سے محفوظ کر رکھا ہے اور ہوا کے جھونکے سے بال بکھرے رہتے ہیں - ویسے ہی ہم بھی اپنی سوسائٹی کے خارجی تحفظ کا سامان موجود رکھیں اور جیسا موقع ہو ویسا پہلو بدل جائیں - دوسرا سبق یہ ہے کہ جس طرح دماغ کی حفاظت اوجس سے ہوتی ہے ہماری سوسائٹی کے اندر اس طرح کی قابلیت کا مادہ ہو کہ باہر کے حملہ کرنے والوں کا اثر ہمارے اندر کمیں محسوس نہ ہونے پاوے اب تک ہندوؤں نے اس کا بڑی خوبصورتی سے انتظام کر رکھا تھا - خارجی حملے ان کے اندر انتشار نہیں پیدا کر سکتے تھے اور ان کی جنتھا کو کبھی سخت صدمہ نہیں پہنچتا تھا - اور باتوں کو جانے دو - مذہبی حملوں کی روک تھام جس طرح اب تک ہندو کرتے رہے وہ دنیا میں عجیب و غریب ہے - بھلا بتاؤ تو سہی خارجی و باہری خیالات کس حد تک ہندوؤں کے اندرونی دائرہ کے متاثر کرنے میں کامیاب ہوئے - کیونکہ اُن کے درمیان اندرونی تحفظ کا بہت بڑا سامان موجود تھا - اندر و باہر دونو طرف سے وہ محفوظ تھے - اور ان کا دھرم کرم ہمیشہ بچتا آیا - ہندوؤں کی زندگی صرف اُن کے دھرم میں ہے جب تک یہ دھرم زندہ ہے - تب تک اُن کو مرنے کا خطرہ نہیں ہے - مگر اب بے پرواہی ہو رہی ہے اندرونی و بیرونی تحفظ کی دیواریں منہدم کی جا رہی ہیں - ہندوؤں کو چاہئے اپنے دھرم کو بچا رکھیں - اُس پر صدمہ نہ آنے دیں - اور وہ برابر زندہ رہینگے - تیسرا سبق یہ ہے کہ جب ہم دو دفعہ دیکھ لیں دو دفعہ

سن لیں دو دفعہ سونگھ لیں۔ تب ایک دفعہ زبان کھولیں۔ کیونکہ دو کان دو ناک، دو آنکھیں قدرت نے دی ہیں اور زبان ایک ہی دی ہے حقیقت تو یہ ہے کہ ہم کو تین دفعہ سنکر تین دفعہ دیکھ کر اور تین دفعہ سونگھ کر تب ایک دفعہ زبان کھولنی چاہئے۔ لیکن اگر تین دفعہ نہ ہو تو دو مرتبہ سہی۔ اس سے احتیاط جذب اور خود اختیاری کی طاقت آتی ہے اور انسان بہ آسانی ضبط والا بن جاتا ہے۔ ہندوؤں میں یہ وصف پہلے بہت تھا۔ مگر اب نئی پود زیادہ چنچل اور کم غور کرنے والی ہو گئی ہے اور ضرورت ہے کہ وہ محتاط بنائی جائے۔ ہم نے تین مرتبہ کا لفظ یوں ہی استعمال نہیں کیا تم نے اکثر اپنے گھروں میں عورتوں کو قصہ کہانی کہتے وقت سنا ہوگا۔ جب وعدہ وعید و پیمان کا کبھی وقت آتا تھا۔ بزرگ ہندو تین مرتبہ وعدہ کرنے والے کی بات سنکر تب ہاں کہتے تھے۔ ہندو عورتیں اس کو تین تروا چا کہتی ہیں۔ اس کا ایک سبب تم کو اور بھی بتا دیتے ہیں۔ جن دو دے اندریوں سے تم دیکھتے ہو وہ در اصل آنکھ نہیں ہیں۔ اصلی آنکھ تو تمہارے دماغ کے اندر ہے۔ اسی کو ترنیتر۔ شیو نیتر۔ رُودر نیتر وغیرہ کہتے ہیں اور یہ ظاہری گول گول آنکھیں صرف اندریاں ہیں۔ اسی طرح ناک۔ کان کا بھی حال سمجھو۔ چوتھا سبق جو ہم کو سکھاتا ہے وہ یہ ہے کہ آنکھ۔ ناک اور کان کے موقعوں پر وچار کرتے ہوئے تب بولنے کا ساہس کرو۔ کان و آنکھ قریب قریب ایک ہی سطح پر قائم کئے گئے ہیں ناک ذرا نیچے ہے۔ زبان سب کے تلے ہے اس کا مطلب۔ صرف یہ ہے۔

اول اندیش وانگہی گفتار

بغیر سوچے سمجھے انسان کبھی منہ سے کوئی بات نہ نکالے۔ اگر وہ

اس پر عامل نہیں ہے تو خطرے میں گرفتار ہو گا - پانچواں سبق جو ہم اپنے سر سے سیکھ سکتے ہیں - وہ یہ ہے - کہ جس طرح تمام رگوں کا باہمی تعلق دماغ میں پہنچکر ایک ہو جاتا ہے ویسا ہی ہم لوگ قومی سلسلے کے تانے بانے میں گتھے رہتے ہیں - باہر والے چاہے بھلے ہی کہا کریں کہ ہندوؤں میں میل نہیں ہے مگر اُن کا میل اس طرح کا لطیف ہو جیسا کہ نس و ناڑیوں کا ہے - سب علیحدہ علیحدہ رہیں - علیحدہ علیحدہ اپنے اپنے فرائض انجام دیں - اپنے اپنے رنگ - و روپ میں الگ الگ نظر آویں مگر اصل روپ میں سب ملے ہوئے رہیں چھٹا سبق یہ ہے کہ جس طرح سر میں دماغ کو سب سے اونچی جگہ دی گئی ہے - ویسے ہی ہمارے درمیان جو سر لیشٹ اور سوچنے والے لوگ ہوں اُن کو اونچی پدوی ملتی رہے اور سب اُن کی تعظیم کیا کریں - بدھ دیو نے اپنے شاگردوں کو نہایت واضح پیرائے میں تعلیم دی ہے کہ جب تک چھوٹے بڑوں کی تعظیم کا دم بھرتے رہینگے - تب تک قومیت کا شیرازہ کبھی خراب نہیں ہو گا - ہندو اپنے بزرگوں کی تعظیم اسی شدومد سے کرتے تھے - یہاں تک کہ اکثر رشیوں کے آمد کے وقت راجہ اپنا تخت چھوڑ دیا کرتے تھے - بزرگوں کی تعظیم کسی خاص قوم سے مخصوص نہیں تھی - بلکہ ہر قوم کے بزرگ کے ساتھ تعظیم وادب سے پیش آنا ہندو جاتی کا خاصہ تھا - مہاراجوں کے بڑے بڑے یگیوں میں دیرینہ سال شودر بھی عزت و تعظیم کے ساتھ بلائے جاتے تھے - اگر یہ عزت کسی خاص قوم یا فرقہ سے مخصوص ہوتی تو آج برہمن رام و کرشن کے اپاسک نہ ہوتے - یہ سوچنے و سمجھنے کی بات ہے - زمانہ کے ناموافق حالات نے ان

تیس چالیس برسوں کے درمیان ہندوؤں میں جو تفرقے پیدا کردئے ہیں وہ پہلے کبھی ایسے نہیں تھے۔ ساتواں سبق یہ ہے کہ گیان کو کرم پر ہمیشہ ترجیح رہے مگر ایسی غلطی بھی نہ ہونے پاوے کہ کرم کی طرف سے لوگ بے پرواہ ہوجائیں۔ آٹھواں سبق جس پر ہم زیادہ زور دے کر ذہن نشین کرانا چاہتے ہیں۔ وہ یہ ہے کہ ہماری آنکھ۔ ناک۔ کان کھلے رہیں۔ اگر کبھی کبھی آنکھ بند بھی ہوجائے تو مضائقہ نہیں۔ مگر کان وناک کبھی بند نہ ہونے پاویں۔ ہم ہمیشہ دیکھتے رہیں کہ ہمارے ارد گرد کیا ہورہا ہے۔ ہمیشہ سونگھتے رہیں کہ جو موافق وناموافق خیالات کی ہوا بہہ رہی ہے اس میں ہمارے لئے خوشبو یا بدبو کا کیا سامان ہے۔ مگر زبان کو ہمیشہ بند رکھیں اسی وجہ سے ہمارے سر میں بھی زبان صرف دو تہہ ہونٹوں ہی سے بند نہیں رکھی گئی۔ بلکہ خاردار کانٹے اس کے گرد لگادئے گئے ہیں۔ تاکہ وہ جلد حرکت میں نہ آوے۔ جو بولا مارا گیا۔ ایک چپ سو بلا کو ٹالتی ہے جو نہیں بولتا اُسے کوئی کچھ نہیں کہتا۔ جو بولتا ہے اُس کو عذاب ہوتا ہے۔

نہ گفتہ ندارد کسے باتو کار
ولیکن چو گفتی دلیلش بیار

زبان کے ہمارے سر میں دو کام ہیں بولنا اور ذائقہ لینا۔ ہمارے کہنے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ تم بالکل ہی مون ورتی اختیار کرو۔ بلکہ اس شعر پر تمہارا عمل رہے۔

دو چیز تیرہ عقل است، دم فرو بستن
بوقت گفتن و گفتن بوقت خاموشی

جہانتک ہوسکے کم بولو۔ کام زیادہ کرو۔ چونکہ زبان کے بارہ میں ہم اس سلسلے کے ایک مضمون میں بہت کچھ کہینگے۔ زیادہ نہیں کہنا چاہتے۔ بہتر ہے تم اس کو دو تین مرتبہ پڑھو۔ تاکہ تم کو خود نئے نئے مضمون سوچنے کو ملینگے۔

یہ متعدد سبق ہیں۔ جو ہم سر سے سیکھتے ہیں۔ ہم نے صرف اتنا ہی لکھا ہے۔ ہمارے کالم محدود ہیں۔ مختلف قسم کے مضامین کے لئے جگہ دینی ہے۔ اس لئے زیادہ نہیں لکھتے۔ باقی تم خود سوچو سمجھو اور اپنے طور پر آپ صاحب غور بنو۔

یہانتک تو تم نے سمجھ لیا۔ ہمارے مجلسی جسم میں برہمن دیوتا کو سر کا رتبہ دیا گیا ہے۔ وہ برہمن اس وجہ سے کہلاتے ہیں کہ برہمہ سے قریب ہیں اور برہمہ کی ماہیت کو جانتے ہیں۔ اس لئے سوسائٹی ان کو سر کی طرح اپنا سردار اپنا پیشوا اور اپنا امام سمجھتی تھی وہ دیکھنے والے سننے والے سونگھنے والے۔ چھونے والے ذائقہ لینے والے اور بولنے والے تھے۔ سر کی طرح اپنے فرائض انجام دیتے تھے۔ مگر جیسے کشتری۔ ویش۔ شودر بگڑ گئے یہ بھی تباہ و آوارہ ہیں۔ سارے گیان کے اوصاف ان سے دور ہو گئے صرف ذائقہ لینے کی تمیز باقی رہ گئی۔ کھیر کھانڈ کا مزہ لینا تو خوب آتا ہے مگر دیکھنا بعد النانام کو بھی نہیں رہا۔ اُن کی خرابی کل ہندوؤں کی خرابی کا باعث بن گئی۔ کیونکہ جب سر بگڑ گیا تو پھر جسم کا ایشور حافظ۔ بادلا کیا ظلم نہیں ڈھاتا۔ شوریدہ سر کیا کچھ آفت برپا نہیں کرتا۔ اسی وجہ سے ان ذائقہ لینے والوں نے ہم کو، ہماری سوسائٹی کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ تفریق و تقسیم۔ ذات پات۔ چھوت چھات کا وہ جال پھیلایا کہ بس وے بس۔ سدنساستر گیت ہو گئے۔ ودیا کی ردا ... جاتا رہا ایسا اندھیر

مچ گیا کہ جس کا حد و حساب نہیں۔
ہندوؤں کو چاہئے کہ اپنے سر کو درست رکھیں اور ایسی تدبیریں سوچیں کہ ہم میں اچھے برہمن پیدا ہوں۔ اچھے برہمنوں کی پیدائش سے پھر دیش کا سدھار اور جاتی کا ادھار خود بخود ہو رہیگا۔ اگر لائق فائق برہمن ہم میں ہوتے تو کشتری۔ ویش و شودر سب اپنے اپنے ورن میں قائم ہو کر ہندو جاتی کو کچھ کا کچھ بنا دیتے۔
ایشور آشیرباد دیں کہ ہم میں سچے برہمن پیدا ہوں۔ اور ہم پھر بھارت کی زائل شدہ عظمت کے واپس لانے کا اہتمام کریں۔

ہمارا پیٹ

تمام دنیا پیٹ سے پریشان رہتی ہے کاش یہ ظالم پیٹ نہ ہوتا تو اچھا ہوتا۔ ساری عزت و ذلت اسی موذی کی وجہ سے ہوتی ہے۔ نوکری کرو۔ چاکری کرو۔ کھیتی کرو۔ باڑی کرو۔ دور دور دیس دیس مارے مارے پھرو۔ کیوں؟ اسی پیٹ کی خاطر۔ خوشامد۔ چاپلوسی۔ لوٹ۔ پاٹ۔ سب اسی کے لئے کئے جاتے ہیں۔

کھانے کے سوا نہ کچھ بھی بھایا
اس پیٹ نے دربدر پھرایا

یہ الفاظ ہیں جو ہم اکثر سنا کرتے ہیں۔ جو لوگ پیٹ کو رات دن کوستے رہتے ہیں۔ ان کو یہ نہیں معلوم کہ اگر پیٹ نہ ہوتا۔ تو اس طبقے میں وہ کیونکر زندگی

سے بہرہ ور ہو سکتے تھے - اس پر کوئی نہیں وچار کرتا - سب ایک سرے سے دوسرے سرے تک پاپی پی کر رات دن غریب پیٹ ہی کو گالیاں دیا کرتے ہیں - اور جو کچھ برا بھلا ان کے ہاتھوں سے خواہ من سے اور زبان سے ہو جاتا ہے - اس کا باعث پیٹ ہی کا قرار دیتے ہیں - یہ تو سب کے سب اچھے مگر پیٹ پاپی اور چنڈال ہے - ان کو اپنے پالن پوشن کی فکر نہیں صرف پیٹ بھرنے کا خیال رہتا ہے -

کیا یہ پیٹ سچ مچ ایسا ہی پاپی ہے - کیا یہ ظالم سچ مچ سب کو پریشاں کیا کرتا ہے ؟ آدمی جہاں ماں کے گربھ سے باہر آیا - وہ ہائے پیٹ وائے پیٹ کرتا ہوا آتا ہے - نئے پیدا شدہ بچوں کی کیفیت تو نہایت ہی عجیب و غریب معلوم ہوتی ہے - یہ ایسے مر بھکے آتے ہیں کہ جو کچھ ملا پیٹ میں ڈالنے کے شائق رہتے ہیں - معلوم ہوتا ہے - مدت سے بھوکے تھے اور اب جو کچھ خاک بلا ہاتھ لگی سب کو منہ میں ڈالنا چاہتے ہیں اور ایسے بیباک ہوتے ہیں - کہ اگر سانپ کا سر خواہ دم ہاتھ میں آجائے تو اس کو بھی نگلنے کے خواہشمند نظر آوینگے - انسان جیتے جی سب سے زیادہ پیٹ کے کام دھندے میں لگا رہتا ہے - اس لئے ظاہرا ان سب کی شکایت کیا عجب صحیح ہو مگر دراصل ایسا نہیں ہے -

ایک مرتبہ کا ذکر ہے - جیسے آجکل لوگ پیٹ کی شکایت کیا کرتے ہیں ویسے ہی جسم کے تمام اعضا کو شکایت ہو گئی تھی - سب پیٹ کی فرضی خواہ اصلی شکایات سے پریشان ہو رہے تھے - ہاتھ کہتا تھا بھئی ! اچھی ہوئی اس پیٹ کے ہاتھوں ہم تو تنگ آگئے - رات دن کی محنت مزدوری کرتے کرتے تھک گئے - پاؤں نے کہا - تلاش رزق کی دوڑ دھوپ سے ہم بھی گھبرا گئے

آنکھوں نے کہا پیٹ نہ ہوتا تو ہم خوب آرام کرتے۔ ناک نے منہ سکوڑ کر شکایت کی۔ مجھ کو بھی اسی موذی کے لئے سب کچھ سونگھنا پڑتا ہے۔ دانت بولے تمہارے لئے تو پھر بھی خیریت ہے۔ ہم کو تو اس نے اچھی خاصی چکی بنا رکھا ہے۔ زبان نے کہا میں اپنا دکھڑا کس کو سناؤں۔ اسی کے لئے مجھ کو جھوٹ سچ حق ناحق بولنا پڑتا ہے۔ اسی کمبخت کی خاطر الٹی سیدھی سننی پڑتی ہے۔ ہائے پیٹ نہ ہوتا تو کیوں ناخوشگوار باتیں سُنتے۔ دل نے کہا تم تو اپنی اپنی جگہ رہ کر پھر بھی آرام کرتے ہو۔ مجھ کو زمین و آسمان کے قلابے ملانے پڑتے ہیں۔ پیٹ نہ ہوتا۔ تو کہاں کا سنکلپ کہاں وکلپ اسی طرح باری باری تمام عضووں نے پیٹ کی شکایتیں کیں جب سب کہہ چکے۔ خاموشی کا عالم طاری ہوا پیٹ ان سب کی بات کو سُن سن کر من ہی من میں ہنستا رہا۔ اُس کی ہنسی نے زہر ڈھا دیا۔ اب تو تمام شکایت کرنے والے بگڑ کھڑے ہوئے اور جلسے میں مختلف رزولیوشن پاس کرنے کے بعد اس بات پر آمادہ ہوئے کہ چونکہ پیٹ موذی ہماری محنتوں کے پھل کو اکیلے ہڑپ جاتا ہے۔ اس لئے ہم سب لوگ آج سے کچھ اس کا کام دھندا نہ کریں گے دیکھیں تو سہی۔ یہ کیسے ہمارے بغیر جیتا جاگتا رہتا ہے۔ اب بچہ کو معلوم ہو گا۔

اس طرح تجویز کرنے کے بعد سب نے ہڑتال بول دی۔ کان نے کان دبا لئے۔ آنکھوں کی تپلیوں پر پلکوں کی چق پڑ گئی۔ زبان بند۔ دانت لاحرکت ہاتھ۔ پاؤں بےحس ہو گئے ایک دن دو دن تین دن گزرے۔ کسی نے کچھ نہیں کیا۔ پیٹ میں دانہ پانی بالکل نہ جا سکا۔ وہ بھی سکڑ کے پیٹھ سے لگ گیا چوتھے دن ہڑتال کرنے والوں کی گت بری ہو گئی۔ آنکھیں پتھرا گئیں

زبان لڑکھڑانے لگی- ہاتھ پاؤں کانپنے لگے- جب یہ نوبت ہوئی تو پھر ان سب نے اپنا جلسہ منعقد کیا- تاکہ اپنی موجودہ حالت پر غور کریں جلسے کے منتری نے کھڑے ہو کر کہا "صاحبان! آج چوتھا دن ہے کہ ہم نے پیٹ کے عذاب سے بچنے کے لئے آزادی حاصل کی- مگر یہ آزادی غلامی سے بھی بدتر ہے- اب تو ہم سب کو جان کے لالے پڑے ہیں- ایسی کمزوری آگئی ہے کہ جس کا حدوحساب نہیں" حاضرین جلسہ اتنے کمزور ہو رہے تھے- کہ ان منہ سے بات بھی اچھی طرح نہیں نکلتی تھی- سب کو پریشان دیکھ کر پیٹ نے خود ہی بولنا مصلحت سمجھا- اُس نے کہا "پیارے دوستو تم نے میری شکایت کی- میں نے سن لی- میں اُسی وقت کہنے والا تھا کہ تم خودکشی کر رہے ہو- مگر چونکہ تم کو تجربے کا سبق پڑھانا بھی منظور تھا- اس وجہ سے میں خاموش رہا- اب کہو- کیا حال ہے- تم مجھ کو خودغرض کہا کرتے تھے میں ہی تمہاری محنت کا ہڑپنے والا مشہور تھا- مگر تمہاری حالت خود کہہ رہی ہے کہ تم سخت غلطی میں پڑ گئے اور اب اُس کا خمیانہ اٹھا رہے ہو- میں تم سبھوں کے درمیان رہتا ہُوا تمہارا اصلی محافظ بنا تھا- جو کچھ تم لا کر مجھ کو سپرد کرتے تھے- میں اس کو لطیف بنا کر تمہارے رگ و ریشہ میں پہنچا دیا کرتا تھا- تمہاری پیدا کی ہوئی غذا کو ہڈی- مانس- خون- چربی- بیرج- اور اوجس وغیرہ کی شکل میں ہی تبدیل کرتا رہتا تھا- اور سب کو ان کی حیثیت اور ان کی خواہش و ضرورت کے موافق غذا کا سامان مہیا کرتا رہتا تھا- جس کا نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ تم سب طاقتور- بنکر اپنا اپنا کام کیا کرتے تھے اور زندگی کے مقصد کی تکمیل میں مصروف تھے- اس میں بتاؤ- میں نے کیا ہڑپ لیا- اور کیا بیجا کیا- بلکہ

غور کر کے دیکھو تو اب بھی اس ہڑتال کے قحط کے زمانے میں بھی اپنے بچے کھچے سرمائے سے تم کو پال رہا ہوں۔ میں نہ ظالم ہوں نہ جلاد ہوں۔ نہ بیرحم ہوں نہ خود غرض ہوں۔ مجھ کو تم نے ناحق بدنام کر رکھا ہے میرا عیب صرف یہ ہے کہ میں تم سب کے لائے ہوئے سامان کو تمہارے واسطے کام میں لاتا تھا۔ تم سب نے تو اپنے اپنے کام کی خوب تعریفیں کیں۔ مجھ کو لعن طعن سنایا۔ ہڑتال بول دی۔ مجھ کو کہنا سننا نہیں آتا۔ میں صرف کام کرنا پسند کرتا ہوں۔ اور اس کام کی تعریف بھی نہیں چاہتا۔ اگر تم نے اودھم نہ مچائی ہوتی تو میں کبھی زبان تک نہ کھولتا! خیر اب بھی کچھ نہیں گیا۔ اگر صبح کا بھولا ہوا شام کو گھر آ جائے تو اُس کو بھُولا نہیں کہتے بہتر ہے تم اپنی اور اپنے دوستوں کی زندگی قائم رکھنے کے لئے پھر ویسے ہی کام کاج میں لگو۔ اب بھی تمہارا اسی میں بھلا ہے۔

سب مجبور تھے کیا کرتے۔ اپنے اپنے کام میں لگے۔ پیٹ پوجا کا فرض ادا کیا اور پھر پہلے کی طرح تندرست ہو گئے۔"

یہ قصہ بالکل فرضی ہے مگر حقیقت کا سبق سکھلانے کا بہت اچھا انتظام کرتا ہے۔ جس طرح اس قصے میں پیٹ کی شکایت ہے۔ ویسے ہی اب بھی شکایت کی جاتی ہے۔ لیکن ان شکایت کرنے والوں سے کوئی پوچھے کہ بھائی! تم دنیا میں جینا بھی چاہتے ہو یا نہیں؟ اگر وہ جواب دیں کہ جینا چاہتے ہیں۔ تب تو پیٹ کا خیال رکھنا ضروری ہے۔ اگر وہ کہیں کہ نہیں جینا چاہتے۔ تو ان سے کہو۔ جاؤ پانی میں ڈوب مرو۔ شکایت کیوں کرتے ہو۔ دو میں سے کسی حالت میں پیٹ کی شکایت نہیں ہونی چاہئے۔

زندگی کے کاروبار کے سلسلے میں رہ کر ہم کو اس پیٹ سے بہت سی نصیحتیں سیکھنی ہیں۔سب سے پہلی نصیحت یہ ہے کہ ہم اس کی طرح ایثار نفسی کی زندگی بسر کریں۔سب کی سیوا کریں۔سب کے کام میں آئیں۔مگر کسی سے تعریف خواہ مدح سرائی کی آرزو نہ رکھیں۔دوسری نصیحت یہ ہے کہ ہم میں جس طرح پیٹ کچھ نہ کچھ بیماری وغیرہ کے لئے پس انداز کرتا رہتا ہے ہم بھی پس انداز کرنے کی عادت سیکھیں۔جو لوگ ساری عمر کمائی کرنے میں گزار دیتے ہیں اور پاس کچھ نہیں رہتا۔اُن کی عزت و حرمت تو کیا آخری عمر میں شانتی بھی نصیب نہیں ہوتی۔اس لئے اس وقت کے لحاظ سے جب ہاتھ پاؤں جواب دینے والے ہیں کچھ نہ کچھ سرمایہ اکٹھا کر رکھو۔دنیاوی زندگی کے لئے یہ ضروری شرط ہے تیسری نصیحت یہ ہے کہ ہم اپنے عزیزوں بیگانوں اور ہموطنوں کے ساتھ نیتھا یوگیہ برتاؤ کریں جس کو جس چیز کی ضرورت ہو اُس کو وہی چیز دیں۔ دوسری کبھی نہ دیں۔دیکھو پیٹ ایک ہی غذا کو لے کر اُسی کی مختلف صورتیں بنا کر کسی کو چربی دیتا ہے کسی کو خون دیتا ہے اور کسی کو اوجس دیتا ہے۔ ہم کو ابھی یہ تک سیکھنا ہے کہ اگر دان بھی کریں تو کس کو کیسا دان دیں۔مثلاً ہمارے پاس کسی قدر معلومات کا ذخیرہ ہے اگر ہم سب کو فلاسفی ہی سکھانے لگ جائیں تو مہا انرتھ ہوگا۔جو جیسا ہو اس کو ویسا علم دو۔ہمیشہ پاتر کو پاتر کا خیال رکھو۔چوتھی نصیحت یہ ہے کہ ہم اپنے آپ کو مرکز اور تمام دنیا کو اپنے اردگرد چکر لگانے والا سمجھیں۔سب سے محبت کریں۔سب کو خوش کریں سب سے ملیں جلیں۔مگر اپنے سروپ کو کبھی نہ بھولیں۔پانچویں نصیحت یہ ہے کہ ہم دیشی بنے ہوئے سرب دیشی ہونے کا خیال رکھیں۔پیٹ کو دیکھو

ایک ہی جگہ میں ہے - مگر ایڑی سے لیکر چوٹی تک وہ ہر جگہ اپنے کام کے سلسلے کی وجہ سے موجود ہے - ایک ایک روم کا اُس کے ساتھ تعلق ہے ہندوؤں کو بالخصوص اس ضروری سبق سیکھنے کی سخت ضرورت ہے ہم مقتضائے وقت کو نہیں دیکھتے - ہم کو نہیں معلوم دنیا میں ہمارے ارد گرد کیا ہو رہا ہے ہم کو ذرا بھی خبر نہیں کہ بنگال و مدراس کے ہندوؤں کی کیا دشا ہے - اگر دو کان کرتے ہیں تو لالہ جی کو یہ بھی خبر نہیں کہ دو کان کے سوا کوئی اور بھی دنیا ہے یا نہیں - کام تو بیچ مچ اسی طرح ہی کرنا چاہئے مگر ساتھ ہی سوسائٹی میں رہ کر سوسائٹی کے حقوق اور سوسائٹی کی حالت کی طرف سے آنکھ میچنا حد درجہ کی مکروخود کشی ہے - ہندوؤں کو چاہیے اخبارات پڑھیں - رسالے پڑھیں - کتابیں پڑھیں - اپنی واقفیت کو بڑھاویں اور سوشیل معاملات میں دلچسپی لیں - چھٹی نصیحت یہ ہے کہ سب کی بہتری میں اپنی بہتری سمجھیں اور ایسے خیالات کا پرچار کرتے رہیں جس سے قوم کا بچہ بچہ متاثر ہو جائے - اور اُس کے ابھرنے کا دنیا میں سامان پیدا ہو جائے - ساتویں نصیحت یہ ہے کہ کام اس طرح چھپے ہوئے کریں کہ کسی کو کانوں کان خبر تک نہ ہونے پاوے - تاکہ شہرت و نیک نامی کا بھوت ہم کو نہ دبوچ سکے - دان دیں تو گپت دان دیں کسی کی مدد کریں تو گپت مدد کریں - آٹھویں نصیحت یہ ہے کہ گن گراہی بنیں - اچھی بات کو گرہن کر لیں - بُری بات کو تیاگ دیں - جیسے پیٹ کو جو غذا دیجاتی ہے - وہ لطیف حصے کو لیکر جزو بدن بنا لیتا ہے - کثیف کو فضلہ کی شکل میں خارج کر دیتا ہے - اس کو کبھی اپنے اندر رہنے نہیں دیتا -

اگر کہیں اتفاق سے رہ گیا تو کئی تدبیروں سے باہر نکال دیتا ہے کیونکہ فاسد مادہ سے صحت کے زائل ہونے کا خوف رہتا ہے - اسی طرح تم بھی صرف نیک باتوں کو اپنی زندگی و چال چلن کا جزو بناؤ اگر اتفاقیہ کوئی بری عادت پڑ گئی ہو - تو اُس کو جس قدر جلد ممکن ہو ترک کرو ورنہ اخلاقی بیماری کے شکار بنو گے -

کہانتک کہیں - یہ پیٹ ہم کو ہزاروں نصیحتیں سکھا سکتا ہے - یہ پیٹ اگر نہ ہوتا تو آج ہم زندہ کیسے ہوتے - اسی کی بدولت ہم ہیں سب کچھ ہے اگر یہ نہ ہوتا تو عقل و تمیز کیسے آتی - کیسے ہم کام کر سکتے یہی لمحہ لمحہ ہماری حالت کو تبدیل کرتا رہتا ہے اور ایک ایسا مشین ہے جو رات دن چلا کرتا ہے - بند ہی نہیں ہوتا - جس دن یہ بند ہوگا - اُسی دن زندگی کا بھی خاتمہ ہو جائیگا -

جس طرح ہمارے جسم میں پیٹ ہے ویسے ہی ہمارے مجلسی جسم کے پیٹ یہ ویشیہ مہاراج ہیں جس کو ہم تم نادانی اور اپنی نالائقی سے بنیا کہہ کر چڑھاتے ہیں - مگر یہ نیک انسان سب کی سہتے ہیں - اور اپنا کام انجام دے رہے ہیں جیسے آجکل برہمن کشتری بگڑ گئے - ویسے یہ بھی بگڑے ہوئے ہیں اور ان کے بگڑنے سے ہندو جاتی بگڑ گئی ہے - کیونکہ جس کا پیٹ بگڑ جاتا ہے اس کا جسم بھی بگڑ جاتا ہے - ہاتھ - دماغ - دل سب ناکارہ ہو جاتے ہیں - مرض کی اصلی جگہ پیٹ ہے پیٹ ہی سے علاج کا سلسلہ شروع ہوتا ہے اگر کسی طرح یہ سوچنے سمجھنے کے قابل بن جائیں - تو آج ہزاروں پاٹ شالائیں سینکڑوں کالج - پچاسوں یتیم خانے بیسیوں غریب خانے دم کے دم میں بن جائیں - مگر ان کو ہوشیار کرنے والا کوئی نہیں ہے - سب المست ہیں

صرف ایشور کا آسرا ہے۔
جس دن دیش میں سچے ویش پیدا ہو جائینگے۔ اسی دن اصلی بہتری کی بنیاد ملک میں قائم ہو گی۔ یہ زمانہ تجارت کا زمانہ ہے۔ اس وقت دنیا میں برہمن یا کشتری کا راج نہیں ہے بلکہ بنیوں اور تاجروں کا راج ہے۔ انگلینڈ۔ جاپان سب بنئے ہی ہیں۔ تم بھی ملک میں سچے بنئے پیدا کرنے کی فکر سوچو۔ اور ایشور سے دعا مانگو کہ وہ ایسے سچے ویش بھگت ایثار نفس والے۔ فنا فی القوم بنئے ہم میں کثیر تعداد میں پیدا کرے۔

ہمارا پاؤں

ایک بارہ سنگا کسی تالاب کے کنارے کھڑا ہوا پانی پی رہا تھا اتفاق سے اس کی نگاہ اپنے سینگوں کے عکس پر پڑی۔ اور وہ خوشی سے کہنے لگا۔ "اہاہا میرے سینگ کتنے اچھے ہیں۔ کیسے خوبصورت ہیں۔ جنگل کے جانوروں میں سے کسی کو بھی ایسے سینگ نہیں ہے۔ یہ بہت قیمتی چیزیں ہیں۔ ان کی وجہ سے میری عزت ہے بارہ سینگوں ہی کی وجہ سے میں بارہ سنگا کہلاتا ہوں۔ مجھ سے زیادہ خوبصورت کون ہوگا۔ تھوڑی ہی دیر بعد اس کی نگاہ ٹانگوں کی طرف گئی۔ ان کے دیکھتے ہی اس کی خوشی کافور ہو گئی اور وہ اداس ہو کر سوچنے لگا کیسی بھدی اور بُری ٹانگیں مجھ کو ملی ہیں کاش میرے نہ ہوتیں تو اچھا ہوتا۔ ان کی وجہ سے میری ساری عظمت خاک میں مل گئی سینگوں کی خوبصورتی

بڑھاپا آگیا۔ برہما نے سوچ سمجھ کر کام نہیں کیا۔ اس کو چاہئے تھا جیسے خوبصورت سینگ بنائے ہیں ویسے ہی پاؤں بھی بناتا۔ اگر مجھ سے رائے لی گئی ہوتی تو میں ایسی ٹانگیں کبھی نہ پسند کرتا۔ مجھ کو یہ ٹانگیں نہیں بھاتیں میں ان کو پھوٹی آنکھوں سے بھی نہیں دیکھ سکتا۔ مگر جب وہ اس طرح سوچ رہا تھا دور سے شکاری کتوں کی آواز کان میں پڑی۔ وہ چوکنا ہو گیا۔ دیکھتا کیا ہے کہ چند آدمی کتوں کو ساتھ لئے ہوئے شکار کی تلاش میں چلے آرہے ہیں۔ بارہ سنگا اُن کو دیکھ کر چھلانگیں مارنے لگا۔ اور دم کے دم میں یہ جا وہ جا نظر سے اوجھل ہو گیا۔ کتے اس کی گرد کو بھی نہ پہنچ سکے۔ اور اُس نے چند ہی لمحوں میں میلوں کی مسافت طے کر لی۔ اتفاق سے وہ کسی گھنے جنگل سے ہو کر نکلا۔ درختوں کی شاخوں میں اُس کی سینگیں پھنس گئیں وہ اُلجھ گیا اور ہزار کوششیں کیں۔ مگر اُن سے نکل نہ سکا۔ کتوں کو لئے ہوئے شکاری اُس کی تعاقب میں آرہے تھے۔ اُن کی نظر اُس پر پڑ گئی اور وہ دم کی دم میں گرفتار ہو گیا۔ بیرحم شکاریوں نے اُس کی گردن پر چھری چلادی اور کتے اُس کو نوچنے لگے۔ جب اُس کی گردن پر چھری چل رہی تھی۔ اُس نے آدمیوں سے پوچھا۔ "تم کیوں مجھ کو اس طرح ہلاک کر رہے ہو۔ میں نے تمہارا کیا قصور کیا ہے؟" جواب دیا گیا۔ "ہم محض تیرے سینگوں کی وجہ سے تجھ کو قتل کر رہے ہیں۔" یہ سنکر غریب بارہ سنگا رو رو کر کہنے لگا۔ "اے روشنی طبع تو برمن بلا شدی۔" میری ساری ممتا ان سینگوں پر ہی تھی۔ میں ان کو اپنے جسم کا بہترین حصہ سمجھ رہا تھا۔ یہی میری موت کے سبب ہوئے جن ٹانگوں سے میں نفرت کرتا تھا۔ انہوں نے حتے الامکان میرے بچانے کی کوششیں کیں مگر

سینگوں نے مجھ کو درختوں کی شاخوں میں پھنسا دیا۔ میں کتنا نادان تھا۔
مجھ کو سمجھ نہیں آئی میں ناحق ان پر اور ان کی خوبصورتی پر ناز کرتا رہا۔
یہاں تک کہ غرور میں آ کر میں برہمہ کو بھی سخت سُست کہنے لگا۔ اے
میری بھدی ٹانگو! میں نے تم پر ظلم کیا۔ تمہاری قدر نہیں جانی۔ ایشور نے
اس کا مہلک بدلہ مجھ کو دیا اور میں بری طرح مارا گیا۔ اے خوبصورت سینگو!
تم میرے لئے بدترین عذاب ثابت ہوئے۔ اور تمہاری ماممتا اور ممتا کے کارن
آج میرے گلے پر چھری چلی کاش اگر میں ٹانگوں کی قدر کرتا۔ تو کیوں مارا
جاتا۔ سچ ہے جو اونچا سر کر کے چلتا ہے اُس پر بلائیں نازل ہوتی ہیں
جو نیچے کی طرف نگاہ رکھتا ہے وہ مصیبت کے کنوئیں میں کبھی نہیں گرتا۔
اسی وجہ سے شاید پرم سنت کبیر صاحب نے فرمایا ہے۔

اونچے پانی نا ٹکے۔ نیچے ہی ٹھہرائے
نیچا ہوئے سو بھر پیئے اونچ پیاسا جائے
بڑا ہُوا تو کیا ہُوا۔ جیسے لمبی کھجور
پنچھی کو چھایا نہیں۔ پھل لاگے اتی دور

یہی سبب ہوگا جس کی وجہ سے مہاتما تلسی داس جی سننے
والوں کو سنا گئے ہیں۔

نیچ نیچ سب تر گئے۔ سنت چرن لولین
جات ہی کے ابھمان سے۔ ڈوبے سکل کولین
بڑے بڑائی پائے کر۔ روم روم ہنکار
ستگور کے پریچے بنا۔ چاروں برن چمار

میں نے اونچے کی طرف دیکھا۔ نیچے کی طرف بالکل خیال نہیں کیا۔ میری

بنیاد کمزور رہ گئی اور افسوس میری ہستی کی عمارت آج بیجا ناز کے آندھی کے جھکولوں سے کس طرح ڈھ گئی - اے شکاریو! میں آج تمہاری بیرحمی کی چھری کا شکار ہو رہا ہوں - نا تم کو بد دعا دیتا ہوں - جب تم بھی میری طرح اپنی ٹانگوں کی بیقدری کرو گے اور اپنی جیسی شخصیت کے نچلے حصے کی طرف سے بے پرواہ بنو گے - مہاپر بھو شیو کا ترسول تم کو بھی برباد کریگا - اے بیدرد کتو! آج تم مجھ کو اپنے دانتوں سے چبا چبا کر کھا رہے ہو - مگر یہی حالت تمہاری بھی ہوگی اور جیسے مجھ کو اپنے قیمتی عضو کی بیقدری کے صلے میں یہ مزائل رہی ہے تمہارا بھی کہیں ٹھکانا نہ رہیگا اور تم نہ صرف ہمیشہ کے لئے غلام بنے رہو گے - بلکہ دنیا میں تمہاری ہستی ذلت اور حقارت کی ہستی ہوگی - یہ کہہ کر مصیبت زدہ بارہ سنگا نے آسمان کی طرف نظر اٹھائی اور اسی وقت اس کی روح جسم سے نکل گئی -

میرے پیارے پڑھنے والو! دیکھو تو سہی - کہیں تم بھی تو نادان بارہ سنگا کی طرح اپنے پاؤں کی بیقدری نہیں کر رہے ہو ورنہ جو کچھ اس کی حالت ہوئی وہی تمہاری بھی ہوگی اور تم بھی اس کی بد دعا کی وجہ سے ہلاکت کے منہ میں پڑو گے -

ہمارے جسم میں یہ پاؤں اپنی نوعیت کے لحاظ سے خاص قسم کی حیثیت رکھتے ہیں -

یہ پاؤں ہمارے جسم کی عمارت کے زبردست ستون ہیں - ان کی مضبوطی سے ہی سارا جسم مضبوط رہتا ہے - ان میں لغزش آتی نہیں کہ وہ پھر سنبھل نہیں سکتا اور اڑا اڑا دھم کرتے ہوئے گر جاتا ہے - جن لوگوں کو پائیں کا خیال رہتا ہے ان کو کئی قسم کی بیماریوں سے نجات رہتی ہے -

کہا جاتا ہے جب تک پاؤں میں گرمی ہے تب تک موت کا خدشہ نہیں رہتا۔ پاؤں ٹھنڈے ہوئے نہیں کہ پھر جسم کی خیریت نہیں رہتی۔ اسی وجہ سے اکثر لوگ پاؤں میں گرمی دینے والے ادویات کی مالش کیا کرتے ہیں۔ یہ مالش سر۔ ہاتھ یا پیٹ کی نہیں ہوتی۔ ہمیشہ پاؤں ہی کو ملا جاتا ہے۔ پاؤں ہی جسم کی حالت کے اندازہ کرنے کے مقیاس الحرارت ہیں۔ انہیں پر اُس کا دارومدار ہے۔

یہ پاؤں پرتھوی کے قائم مقام ہیں۔ جب تک پرتھوی ہے تب ہی تک باقی چار تتو پانی۔ آگ۔ ہوا۔ اور آکاش دنیا میں اپنی خوبصورتی اور کارروائی کا تماشہ دکھاتے ہیں۔ پرتھوی کو ذرا اپنی حالت سے کھسکنے دو پھر نہ ہوا ہوگی نہ آگ ہوگی نہ پانی ہوگا۔ نہ صرف اُن کی ہستی معرض خطر میں آجائیگی۔ بلکہ وہ کہیں بھی نہ ٹھہر سکینگے پرتھوی ہی آدھار ہے پانی کی ہوا کی۔ آگ کی اور آکاش کی۔ اس کے بغیر کوئی بھی قائم نہیں رہ سکتا اسی طرح اگر پاؤں نہ ہوں۔ تو سر۔ ہاتھ پیٹ۔ سب نکمے ہو جائینگے۔ سب میں نقص ہوگا اور سب صرف انگ ہینگ ہی نہیں کہلائینگے۔ بلکہ اُن کو نہ تو جسمانی و دماغی صحت نصیب ہوگی نہ روحانی ترقی کا موقعہ ہاتھ آویگا۔ جس کی ٹانگیں اچھی نہیں ہوتیں وہ لنگڑا اور لُولا کہلاتا ہے اور لنگڑے لولے آدمی بیمصرف ہی نہیں ہوتے۔ بلکہ لوگ اُن کا منہ تک دیکھنا نہیں چاہتے اور شبھ کام کی ابتدا سے پہلے اُن کا دیکھنا بدشگونی سمجھی جاتی ہے۔

پاؤں کی عزت سب سے پہلے کی جاتی ہے۔ کوئی کسی کا ہاتھ پیٹ۔ یا سر نہیں پوجتا پاؤں ہی کی پوجا کی جاتی ہے۔ اس پاؤں کا دیوتا گنیش کہلاتا

گیان کلپدرم

ہے ۔ جب لوگ کسی سے دعائیں مانگتے ہیں تو اپنے آپ کو اُس کا چرن سیوک کہتے ہیں ۔ سر ۔ ہاتھ اور پیٹ کی سیو کائی کی اصطلاح بھونڈی اور بھدی معلوم ہوتی ہے ۔ کیونکہ ان میں خدمات لینے کا رتبہ صرف پاؤں کو بخشا گیا ہے کیونکہ یہ سب کے آدھار ہیں ۔

پاؤں جسم میں اگنی کے قائم مقام ہیں ۔ یہ اصل میں آنکھوں سے تعلق رکھتے ہیں ۔ اور یاد رکھو اکثر آنکھ کے علاج کے لئے پاؤں کا علاج مقدم سمجھا جاتا ہے ۔ آنکھ اگنی کے ستوگن انش سے بنے ہیں اور پاؤں اگنی کے تموگن انش سے بنے ہیں ۔ اسلئے آنکھ جس چیز کو دیکھتی ہے پاؤں اُس کو وہاں تک پہنچا دیتے ہیں ۔ یہ اُن کے درمیان باہمی نسبت ہے اگر تم کو اس میں شک ہو تو کسی اچھے وید سے پوچھ دیکھو ۔ اگر پاؤں کو صدمہ ہے تو آنکھوں کو بھی ہوگا ۔ یہی سبب ہے کہ اکثر لوگ کہتے ہیں کہ تنگ جوتا نہ پہنو اور زیادہ کھڑاؤں کا استعمال نہ کرو ۔ ورنہ آنکھوں کو ضرب آویگا ۔ اس لئے یہ ہمیشہ ذہن نشین رکھنا چاہئے کہ آنکھوں کی بینائی کے خیال سے پاؤں کو آرام کی حالت میں رکھنا ضروری ہے ۔

ممکن ہے کہ جو لوگ شاستروں کی سمجھ نہیں رکھتے وہ اس پر اعتراض کر بیٹھیں اسلئے ہم بطور جملہ معترضہ کے ذیل کی چند سطروں میں گیان اور کرم اندریوں کی باہمی مناسبت دکھلائینگے ۔ گیان اندریاں تتوں کے ستوگن انش سے بنتی ہیں اور کرم اندریاں اُن کے تموگن انش سے بنتی ہیں ۔ مثلاً

(۱) آکاش کا ستوگن حصہ کان (قوت سامعہ ہے) اور آکاش کا تموگن حصہ زبان (قوت کلامیہ) کان آواز سنتا ہے زبان آواز کا اظہار کرتی

ہے -یہ ان میں باہمی نسبت ہے۔

(۲) وایو کا ستوگن حصہ چرم - توچا (قوت لامسہ) ہے اور وایو کا رجوگن حصہ ہاتھ ہے توچا اندری سپرش کرتی ہے -ہاتھ سپرش کی چیز کو گرہن کرتا ہے -یہ ان کے درمیان باہمی نسبت ہے۔

(۳) جل کا ستوگن بھاگ زبان (قوت ذائقہ) ہے اور جل کا رجوگن بھاگ اُپستھی (پیشاب کی اندری) ہے -زبان رس لیتی ہے اُپستھی رس کو خارج کرتی ہے -یہ ان کے درمیان باہمی نسبت ہے۔

(۴) پرتھوی کا ستوگن بھاگ ناک (قوت شامہ) ہے اور پرتھوی کا رجوگن بھاگ گدا (پاخانہ کی اندری) ناک گندھ کو سونگھتی ہے گدا گندھ کو خارج کرتی ہے یہ اُن کے درمیان باہمی نسبت ہے -اسی طرح

(۵) اگنی کا ستوگن بھاگ آنکھ ہے -اور اگنی کا رجوگن بھاگ پاؤں ہے -آنکھ روپ کو دیکھتی ہے -پاؤں روپ کے پاس لے جاتے ہیں یہ ان کے درمیان باہمی نسبت ہے۔

اس مقابلہ اور مشابہت سے بہ آسانی سمجھ میں آجائیگا کہ پاؤں کس طرح اگنی کے قائم مقام ہیں -اگنی برہمانڈ میں خاص دیوتا ہے -ویدوں میں اس کی استتی کے منتر بہت زیادہ ہیں اس نظر سے پاؤں کی بڑی ہی عظمت ہے۔

اس رچنا میں ہر چیز کا بھنڈار ہے اور اُن بھنڈاروں سے خاص خاص طاقتوں کے دھاروں کے نکلنے کے خاص خاص نلکے بنے ہوئے ہیں -مثلاً تمہارا سر بہت سی طاقتوں کا بھنڈار ہے ان طاقتوں کے دھار کے نکلنے کے نلکے تمہارے ہاتھ ہیں -اسی طرح تمہارا پیٹ بھی بھنڈار

بہت سی طاقتوں کا اس کے اثرات یا طاقتوں کی دھار - پاؤں سے نکلتی ہے جو نسبت سر کو پیٹ سے ہے وہی عکسی طور پر ہاتھ کو پاؤں سے ہے۔

ہاتھ اور پاؤں دونو کی انگلیوں کے پوروں کے ناخنوں کی راہ سے مقناطیسی دھار نکلا کرتے ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ اکثر جو مہاتما اپنا ہاتھ کسی کے سر پر رکھتے ہیں تو اس سے یہ مقصود ہوتا ہے کہ وہ اپنا کشف خواہ اپنی بجلی کی طاقت ہاتھوں کے ذریعے اُس میں ڈالنے و حلول کرنے کا اہتمام کرتے ہیں اُسی طرح مقناطیسی یا بجلی کی طاقت تمہارے پاؤں کے انگوٹھوں سے برآمد ہوا کرتی ہے اور جو لوگ کسی مہاتما کے پاؤں کو اپنے مستک سے پرنام کرتے ہیں اُس کے پوتر کرنے والے اثر کے وارث ہوتے ہیں۔

یہ بات یوں ہی نہیں کہی جا رہی ہے بلکہ یہ واقعہ ہے اور صریح واقعہ ہے جس کو تم خود بلا کسی غیر کی مدد کے امتحان کر سکتے ہو تم اپنی انگشت سبابہ کو خاص کو پیشانی کے قریب لے جاؤ۔ تم دیکھو گے کہ اُس انگلی سے نکلنے والی دھار دونو بھوؤں (ابروں) کے اندر عجیب و غریب انداز سے داخل ہو رہی ہے جب کوئی شخص اپنی یہ انگلی کسی کے دونو ابروں کے درمیان ذرہ فاصلہ کی دوری پر قائم کرتا ہے تو جہاں پیشانی کے اُس حصے میں سنسنی پیدا ہوتی ہے۔ ساتھ ہی انگلی میں سنسناہٹ پیدا ہوگی اور اُس میں ایک قسم کی لغزش آویگی اسی طرح جب کسی کے پاؤں کے انگوٹھے کا ابروں کے درمیانی حصے کے ساتھ سپرش ہوگا اُسی نتیجے کا اظہار ہوگا۔ یہ خصوصیت اس پاؤں کی ہے۔

پاؤں کی ساخت بھی خاص طور پر ہے۔ تلوے کا چمڑا انسبتاً جسم کے تمام حصوں سے موٹا بنایا گیا ہے اور اُس کی ترتیب اس طرح کی ہے کہ وہ

جسم کے قائم رکھنے کے لئے موزوں ہو سکے۔ اُس کے موڑ بھی جا بجا اس طرح کے ہیں کہ اٹھنے بیٹھنے کھڑے ہونے اور چلنے کے وقت سہولیت سے کام دے سکیں اور دقت محسوس نہ ہو۔ جہاں موٹائی چاہئے وہاں موٹائی ہے جہاں پتلا ہونا چاہئے وہاں سے پتلا ہے۔ ٹخنوں کے اوپر کی ہاڑیاں بھی کیسے عجیب و غریب انداز پر واقع ہوئی ہیں تاکہ بہ آسانی ضرورت کے وقت مڑتی رہیں۔

جسمی نظام میں جہاں پاؤں کو امتیاز اور اہمیت کا یہ رتبہ حاصل ہے ساتھ ہی یہ روحانی شغل غور و فکر کے موقعہ پر بھی خوب کام دیتا ہے اگر آدمی اچھے آسن پر بیٹھنا نہیں جانتا تو وہ نہ تو اچھی باتیں سوچ سکتا ہے اور نہ زیادہ تر دیر تک جم کر رہ سکتا ہے۔ اسلئے تمام روحانی شغلوں سے پہلے اس کی تربیت کا خیال کیا جاتا ہے اور جب وہ خاص طرح کی بیٹھک کی ثابتیت حاصل کر لیتا ہے تب شغل کی ابتدا کی جاتی ہے۔ سب سے زیادہ سمادھی لگانے والے یوگی اس کے زیر بار احسان ہوتے ہیں۔

اس پاؤں سے ہم جو سبق سیکھتے ہیں سیکھ سکتے ہیں وہ یہ ہیں۔ اول یہ سب سے زیادہ فرمانبردار ہے۔ ابھی دل میں ایک خیال پیدا نہیں ہوا کہ وہ فوراً اٹھ کر اُس کے کرنے کے لئے تیار ہو جاتا ہے۔ دوسرے وہ اپنے کام کو مستعدی سے انجام دیتا ہے۔ دوسرے اگر وہ تھک جاتا ہے تو شکایت نہیں کرتا۔ یہ دوسری بات ہے کہ اور عضو اس کی مدد خود بخود کرنے لگیں۔ تیسرے جہاں جیسا موقع دیکھتا ہے ویسے ہی جھک جاتا ہے چوتھے سر ہاتھ اور پیٹ سب کا بار اپنی گردن پر رکھتا ہے۔ پانچویں کسی سے اپنی خدمت کی مزدوری نہیں مانگتا۔ چھٹویں۔ اُس میں کسی قسم کا میرا تیرا۔

پیتا نہیں ہے - ساتویں جب تک اُس کو حکم نہیں ملتا کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتا - آٹھویں اشارہ پر کام کرتا ہے - نویں اس میں غضب کی قوت برداشت ہے - وغیرہ وغیرہ -

ہمارے مجلسی جسم کے پاؤں شودر ہیں - برہمن سر ہیں - کشتری ہاتھ ہیں پیٹ ویش ہے - پاؤں شودر ہیں - ہندو جاتی کے چار مختلف ہنگموں کی تقسیم و تشریح اسی طرح کی گئی ہے - اور اصل میں بھی ایسا ہی ہے - سر چھوٹا ہے مگر تمام لطیف و ستوگنی طاقتیں اُس میں ہیں - برہمن کی تعداد گو کم ہو - مگر وہ ودیا بدھی کا بھنڈار ہے - ہاتھ وزن کے لحاظ سے اور جسامت کے لحاظ سے گو تھوڑا ہے مگر سارا شریر اس کے آدھین ہے - کیونکہ کشاتر دھرم پر دھرم کہا گیا ہے - پیٹ کا تیسرا درجہ ہے - اور وہ رجوگنی شکتیوں کا بھنڈار ہے - پاؤں کی شکل ہاتھ سے زیادہ مشابہ ہے - سر اور پیٹ اگر شکل میں کچھ کچھ ملتے ہیں تو ہاتھ پاؤں بھی بہت کچھ مشابہت رکھتے ہیں - اس مشابہت سے کسی کو ناراض نہیں ہونا چاہئے - قدرت میں ایسا ہی انتظام کیا گیا ہے - انسان سے جو قریب درجہ کے حیوان ہیں وہ چار ہاتھ والے ہیں - ان سے اُتر کر چار پاؤں والے ہیں - چار ہاتھ والے جانور پاؤں کا کام ہاتھوں ہی سے لیتے ہیں اسی طرح چار پاؤں والے جانور ہاتھوں کا کام پاؤں ہی سے لیا کرتے ہیں یہ ان کے درمیان خاص مشابہت ہے سر اور پیٹ دو بھنڈار ہیں اور دو بھنڈاروں کی خاص طاقتوں کی اشاعت تقسیم اور انتظام کی نالیاں ہاتھ اور پاؤں ہیں اگر یہ چاروں اپنے اپنے فرض کو فرض سمجھ کر خوبصورتی سے کام کرتے ہیں تو سوسائٹی کا انتظام درست ہے اور اگر غلط سمجھ لیکر اپنی حیثیت کو نہ جانکر

اور جھوٹے غرور میں پھنس کر ایک دوسرے کی حقارت کرتے ہیں تو سمجھ لو اُن کے لئے خیریت نہیں ہے اگر وہ آج برباد نہیں ہوئے تو کل ضرور برباد ہو کر رہینگے۔ کیونکہ کسی شخص کا جسم اس وقت تک مکمل نہیں ہوتا۔ جب تک چاروں انگ درست نہ ہوں۔ اور جب تک چاروں انگ درست نہ ہونگے صحت نصیب نہ ہوگی۔ نہ جسمی عقلی و روحانی مقاصد کی تکمیل ہو سکیگی اور بیمار جسم جلد ختم ہو جائیگا۔

برہمن۔ کشتری۔ ویش۔ شودر۔ ان میں سے کوئی کسی سے کم درجے کا نہیں ہے سب اپنے اپنے رتبے میں خاص غرض اور خاص اہمیت رکھتے ہیں جو ناداں برہمن کسی کشتری ویش یا شودر سے نفرت کرتا ہے۔ اُس سے کہو اپنی ٹانگیں توڑ لے پیٹ چاک کر ڈالے ہاتھ کٹوا لے جو بے عقل کشتری شودر یا ویش کی حقارت کرتا ہے۔ اس سے کہو پیٹ اور ٹانگوں سے کیوں کام لیتا ہے۔ جو ویش شودروں کے نام سے چڑھتا ہے اس کو لولا لنگڑا ہو کر رہنا چاہئے۔

ہم دیکھتے ہیں ہندو غلطی سے۔ غلط فہمی سے۔ نادانی سے شودروں کو اپنے سے علیحدہ سمجھ کر اُن سے نفرت کرتے آئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ سب کے سب ایسے کمزور ہو گئے کہ اب سنبھالے نہیں سنبھلتے۔ نفرت کا وہ سلسلہ اب تک جاری ہے۔ اور اگر کچھ دنوں یہی حال رہا تو اس میں شک نہیں۔ اس قصے کے بارہ سنگے کی طرح اُن کا بھی یہی حال ہوگا اور شکاریوں کے کتے اُن کو نوچ نوچ کر کھا جائینگے۔ اور وہاں کی بندونا صحیح اور ثابت ہوگی۔

زمانہ اور طرح کا ہے۔ ہندوؤں کو سوچ سمجھ کر کام کرنے کی ضرورت

ہے۔ سوسائٹی تبدیلی چاہتی ہے۔ تبدیلی پرکرتی کا خواص ہے۔ دھرم کرم کبھی ایک حالت پر نہیں رہتے۔ اگر یہ نہ ہوتا تو گیارہ سمرتیاں نہ بنتیں نہ اتنے اچاریہ ہوتے اس واسطے ان کو چاہئے کہ باہمی نفرت سے باز آئیں مل جل کر شیر و شکر بنکر رہیں ورنہ ایسا دن آئیگا جب

بچو گے تم اور ساتھی تمہارے
اگر ناؤ ڈوبی تو ڈوبیںگے سارے

ایشور آشیرباد دیں کہ ہم میں سچے برہمن سچے کشتری ۔ سچے ویش اور سچے شودر پیدا ہوں اور بھارت کی گئی ہوئی عظمت واپس آئے۔

اوم شانتی

ہماری زبان

لقمان حکیم ابتدائی عمر میں کسی سخت مزاج یونانی کا نوکر تھا۔ اُس شخص نے ایک دن اپنے دوستوں کی دعوت کی۔ اور لقمان سے کہا "جہانتک ممکن ہو۔ تم اچھے سے اچھا گوشت اس دعوت کے موقع کے لئے خرید کر لاؤ"۔ لقمان نے اپنے خیال کے موافق تعمیل حکم کی۔ مہمان بلائے گئے دسترخوان چنا گیا۔ جب کھانے کا وقت آیا۔ سب لوگوں نے رکابیوں کے سرپوش کو علیحدہ کیا۔ ان کی رکابی میں زبان کے سوا اور کچھ نہیں تھا سب کو حیرت ہوئی۔ لقمان کا مالک غصہ سے آگ بگولا ہو گیا کہنے لگا۔ "کیوں جی! کیا میں نے نہیں کہا تھا کہ اچھے سے اچھا گوشت میرے دوستوں کے کھانے کے لئے

لانا؟ لقمان نے سنجیدگی سے جواب دیا خداوند نعمت! یا ہیں نے لفظ بلفظ آپ کے حکم کی تعمیل کی بھلا فرمائیے تو سہی - انسان کے جسم میں زبان سے بہتر کیا چیز ہے اسی سے اسرار آلہی کا وعظ کیا جاتا ہے اسی سے فلسفہ وسائنس کی اشاعت ہوتی ہے اسی سے تعلیم و تدریس کی نہریں جاری ہوتی ہیں انسان کو جو کچھ دوسروں پر فضیلت حاصل ہے - وہ محض زبان کی وجہ سے ہے - زبان نہ ہوتی - تو کیا کبھی ممکن تھا کہ وہ اس قدر علم و عقل اور ہنر و فن میں ترقی کرتا؟ کبھی نہیں - میری سمجھ میں زبان انسانی جسم میں بہترین عضو ہے اسی لئے آپ کے حکم کے موافق ہیں نے دستر خوان پر صرف زبان ہی کے چنے جانے کا اہتمام کیا - مالک چپ ہو گیا - دوستوں سے معذرت کی - اور لقمان کی طرف بری نگاہ سے دیکھ کر کہنے لگا - بہت اچھا - اگر تمہاری دانست میں زبان بہترین عضو ہے تو کل تم میرے دوستوں کے کھانے کے لئے بدترین گوشت لاؤ - لقمان نے سر جھکا لیا - مہمان چلے گئے - دوسرے روز پھر وقت مقررہ پر آئے - سب کو تعجب تھا - کہ دیکھئے! آج کیا چیز میز پر چنی جاتی ہے؟ جب سب نے سرپوش اٹھایا - پہلے دن کی طرح سب کی رکابیوں میں زبان ہی زبان رکھی ہوئی تھی - مہمان سخت متعجب ہوئے - آج میزبان کا غصے کا پارہ حد اعتدال سے تجاوز کر گیا - وہ غصے کو نہ روک سکا - اور غیظ و غضب کی حالت میں آکر کہنے لگا " نالائق بدمعاش! کل زبان بہترین گوشت تھی - آج وہ بدتر کیسے ہو گئی؟ لقمان نے سنجیدگی سے کہا - خداوند نعمت زبان سے بدتر کیا چیز ہے - اسی سے گالیاں دی جاتی ہیں - اسی سے لڑائی جھگڑے پیدا ہوتے ہیں - اسی سے گھر ویران

ہوجاتے ہیں۔ سلطنتوں میں انقلاب آتے ہیں۔ سازشیں کی جاتی ہیں غرضیکہ جتنی خرابیاں ہیں سب زبان کی وجہ سے ہیں۔ آپ ہی فرمائیے ہیں اُسے کیا غلطی کی ؟ مالک چاہتا تھا۔ کہ لقمان کو اس گستاخی کے لئے سزا دے مگر مہمانوں نے بیچ بچاؤ کر دیا۔ لقمان کی دانائی کی تعریف کی اور کون جانے شاید اُسی وقت سے اُس کو آزادی کی دولت سے بہرہ ور ہونے کا موقع ملا ہو۔

یہ قصہ ہے۔ کون جانے صحیح ہے یا غلط ہے۔ مگر سوچئے گر لئے اس سے کیسے اچھے سبق ملتے ہیں۔ واقعی اس زبان کی ہمارے جسم میں کیسی عجیب و غریب حیثیت ہے۔

شاستر کار کہتے ہیں۔ اس زبان کی طاقت کا کیا ٹھکانا ہے۔ یہ اگنی ہے آگ سے بنی ہوئی ہے جس وقت مشتعل ہو جاتی ہے اور کوہ آتش فشاں سے زیادہ خوفناک آگ برسانے لگتی ہے۔ کسی زبردست لکچرار کو نہ دیکھو وہ کیا کرتا ہے۔ جس وقت اُس کی زبان چلنے لگتی ہے آدمیوں کے دل کے اندر جوش کی بھٹی سلگنے لگتی ہے۔ دل دھڑک اٹھتا ہے۔ آنکھوں میں خون اُتر آتا ہے۔ اندرونی و دلی جذبات اس طرح ابھر کھڑے ہوتے ہیں۔ کہ اُن کا سنبھالنا مشکل ہو جاتا ہے۔ وہ زبان ہی تھی جس نے مہابھارت کے میدان میں اپنے جھلستے ہوئے شعلوں سے کورو اور پانڈو دل کو جلا کر خاک سیاہ کر دیا۔ نہ کرشن نے ارجن کو لڑنے کا وعظ کیا ہوتا۔ نہ درونا چاریہ بھیشم اور کرن کے ایسے دلاور خاک و خون میں لت پت ہوتے۔ وہ زبان ہی تھی جس نے زمانہ حال کی تواریخ میں یونانیوں کو ٹرکی کی غلامی سے آزادی کی نعمت عطا کی۔ ٹرکی اور یونانی فوجیں لڑ رہی ہیں قریب تھے

کہ ترک غالب آئیں اور یونانی مغلوب ہو کر بھاگ نکلیں۔ اُسی وقت ایک شاعر کھڑے ہو کر بہ آواز بلند اپنی پرجوش نظم سنانے لگتا ہے۔ یونانیوں کے رگ و ریشوں میں خاص قسم کی حرارت پیدا ہوتی ہے۔ اور وہ دشمنوں کو اس طرح زک دیتے ہیں کہ دنیا کو حیرت ہوتی ہے۔ یہ ہاتھی اور مچھر کی لڑائی تھی مگر یونان غالب آتا ہے۔ ترکی مغلوب ہو جاتا ہے۔

زبان کی تعریف کون کر سکتا ہے۔ یہ اگنی ہے یہ آگ ہے لیکن ساتھ ہی ساتھ یہ زبان پانی کی تاثیر بھی رکھتی ہے۔ قدیم بھارت میں ایک مرتبہ ایسا واقعہ پیش آیا۔ کہ دو سلطنتوں کی فوجیں کُشت و خون کرنے کے لئے آمادۂ جنگ ہوئیں۔ سرحد کے متعلق کچھ جھگڑا اٹھا۔ جب یہ سب لڑنے کے لئے ہاتھ پاؤں سنبھال رہیں ایک رحمدل سادھو کے کان میں تلواروں کے کھڑکنے کی صدا پڑی۔ وہ مہاں آتما والا تھا۔ اُس کا دل اس قدر وسیع تھا کہ اُس میں تمام خلائق انسان و حیوان کے لئے ہمدردی کا جوہر موجود تھا۔ رحم مجسم ہمدرد عالم! اس سے نہیں رہا گیا۔ وہ لڑنے والی فوجوں کے درمیان آ کر کھڑا ہو گیا اور لڑنے والوں سے مسکرا کر کہنے لگا۔ کیا تم میری بات بھی سنو گے یا یوں ہی خون کی ندی بہا دو گے؟ لوگوں کو تعجب ہوا۔ یہ کیسا نڈر و سست بے خوف اور نرالی طبیعت کا سادھو ہے۔ جو چمکتی ہوئی تلواروں کے نزدیک اس بے خوفی سے آ کر بات چیت کرتا ہے۔ لڑائی موقوف ہو گئی۔ دو نو فریق کے افسر اُس کے پاس آئے اور ادب سے سر جھکا کر کھڑے ہو گئے۔ مہاتما نے پوچھا لڑائی کس لئے ہو رہی ہے؟ جواب دیا گیا۔ سرحد کے لئے اُس نے کہا اس جنگ و جدل میں کم از کم دس ہزار آدمی مارے جائینگے کیا اُن کی زندگیاں اس سرحد سے قیمتی نہیں ہیں؟ افسروں نے کہا بیشک

زیادہ قیمتی ہیں۔ مہاتما نے کہا - پھر کیوں لڑتے ہو؟ دیکھو! میں تم سے کہتا ہوں۔ ناحق کی خونریزی نہ کرو - انصاف کو ہاتھ سے نہ دو - دریا کے اس طرف کا علاقہ تمہارا اور اُس طرف کا ان کا رہے - یہی تمہاری سلطنت کی سرحد ہو اور اسی پر قانع ہو کر تم آپس میں میل ملاپ سے رہنا چاہئے - جاؤ اپنے اپنے راجاؤں سے کہو - یہ بدھ کا فیصلہ ہے اور وہ راضی ہو جائینگے - ایسا ہی ہوا - لڑنے والوں نے اپنی اپنی تلواریں میان میں کر لیں - اور اُس بے سرو سامان سادھو کو نمسکار کر کے اپنے اپنے گھروں کو واپس گئے اس موقع پر زبان نے پانی کا کام دیا - اور لڑائی کے خوفناک شعلے جو بھڑکنے کو تھے دب گئے اور سب میں شانتی آگئی -

غرضیکہ زبان عجیب چیز ہے - ایک جگہ وہ لڑنے کے لئے حوصلہ بڑھاتی ہے - دوسری جگہ لڑنے والوں کو صلح و اتفاق کے لئے تیار کر دیتی ہے یہ اجتماع ضدین سوائے زبان کے اور تم کو کہاں اور کس چیز میں نظر آئیگا؟ کیا تم نے کبھی اس پر غور بھی کیا ہے - زبان ہمارے جسم میں دو کام کرتی ہے یہ سارے ذائقوں کو چکھتی ہوئی اُن کی بھلائی برائی کا پتہ دیتی ہے اور یہی قوت کلام بھی ہے - یہی رُلاتی ہے - یہی ہنساتی ہے - جو لوگ تھوڑی دیر کے لئے اس زبان کی باریکیوں پر غور کرتے ہیں - وہ موکش پد کے ادھکاری ہوتے ہیں - جو زبان کے مسئلے پر غور نہیں کرتے اُن سے اصلی ترقی ابھی کوسوں دور ہے - زبان قوت ذائقہ ہونے کی وجہ سے گیان اندری کہلاتی ہے اور قوت کلام کی وجہ سے یہ کرم اندری بھی ہے - ہمارے جسم میں سوائے زبان کے اور کون اندری ہے - جو کرم اور گیان دونو کے فرائض اس خوبی سے انجام دیتی ہے یہ صرف زبان ہی ہے -

گوسائیں تلسی داس جی مہاراج نے اس زبان کی حیثیت ظاہر کرنے میں ایک موقع پر عجیب طرح کی شاعرانہ بندش سے کام لیا۔ آپ فرماتے ہیں:-

رام نام منی دیپ دھر جیبھ دیہری دوار
تلسی بھیتر باہرو جو چاہس اُجیار

ترجمہ ۔" یہ زبان (ہمارے شریر روپی مکان کی) دہلیز ہے ۔اس پر رام نام روپی من کے چراغ کو جلا کر رکھ دو۔ اے تلسی! اگر روشنی کی خواہش ہے تو اسی سے بھیتر باہر اُجالا ہو گا"۔

یہ کلام اعلےٰ درجہ کا پاکیزہ اور شاعرانہ ہے۔

بہ حیثیت گیان اندری یہ زبان کس کس قسم کے فرائض انجام دیتی ہے نہایت باریک اور دقیق مضمون ہے ۔لیکن بہ حیثیت کرم اندری اگر یہ ایک طرف نرک کو لے جاتی ہے۔ تو دوسری طرف کنجی بن کر بہشت کے دروازے کو کھول دیتی ہے ۔ہم بطور خود اس زبان کی نسبت کیا کہیں۔ کیا نہ کہیں آؤ سنو پرم سنت کبیر صاحب جو کچھ فرما گئے ہیں اُن کا اعادہ کرتے ہیں۔

گار۔ انگارا۔ کرودھ۔ جھل۔ نندیا دھواں ہوئے
ان تینوں کو پرہرے سادھ کہاوے سوئے

ترجمہ ۔ گالی انگارا ہے غصہ بھبھکتا ہوا شعلہ ہے۔ غیبت گوئی دھواں ہے جو ان تینوں کو چھوڑ دے۔ وہی سادھو کہلاتا ہے۔

آوت گالی ایک ہے الٹت ہوئے انیک
کہن کبیر نہ الٹئے وہی ایک کی ایک

ترجمہ ۔ گالی آتی ہوئی ایک ہی ہوتی ہے ۔لیکن اگر الٹ دو۔ تو وہ متعدد ہو جاتی ہے ۔کبیر صاحب فرماتے ہیں ۔اگر تم گالی کو نہ الٹو تو پھر وہ ایک کی ایک

ہی رہے گی۔

ایسی بانی بولئے - من کا آپا کھوئے
اُورن کو سیتل کرے آپا سیتل ہوئے

ترجمہ۔ ایسی بات چیت کرنا چاہئے - جس میں غرور کا شمول نہ رہے - اس سے دوسرے ٹھنڈے ہوتے ہیں - اور آپ بھی انسان ٹھنڈا ہوتا ہے۔

بولی تو انمول ہے جو کوئی جانے بول
ہئے ترازو تول کر - تب مُکھ باہر کھول

ترجمہ۔ اگر کسی کو بات چیت کرنا آوے - تو بولی نہایت قیمتی چیز ہے دل کے ترازو میں تول کر تب منہ سے باہر نکال۔

کُوٹل بچن سب سے بُرا جا کرے تن چھار
سادھ بچن جل روپ ہے برسے امرت دھار

ترجمہ۔ سخت الفاظ بہت برے ہوتے ہیں تن کو جلا کر خاک سیاہ کر دیتے ہیں - سادھو کے الفاظ پانی کی خاصیت رکھتے ہیں اور اُن سے امرت کی دھارا برستی ہے۔

ہیے ترازو آن کر - سب رس دیکھا تول
سب رس ما ہیں جیبھ رس جو کوئی جانے بول

ترجمہ۔ دل کے قدرتی ترازو میں تمام لذات کو تول کر کے دیکھ لیا - سب لذتوں میں زبان کی لذت کا مزہ کچھ اور ہے - بشرطیکہ کوئی بولنا جانتا ہو۔

شبد برابر دھن نہیں جو کوئی جانے بول
ہیرا تو دا موں ملے - شبد کا مول نہ تول

ترجمہ - شبد کے برابر کوئی دولت نہیں ہے - بشرطیکہ کوئی بولنا جانتا ہو - ہیرا تو دام دینے سے مل جاتا ہے - مگر شبد کی نہ تو قیمت ہے نہ وزن ہے -

سیتل شبد اُچاریئے - اہنگ آنئے نانہہ
تیرا پریتم تجھ میں - دشمن بھی تجھ مانہہ

ترجمہ - ٹھنڈی باتیں کیئے - غرور کو دل میں نہ آنے دیجئے کیونکہ تمہارے دل میں جہاں تمہارا دوست رہتا ہے - وہاں دشمن بھی رہتا ہے -

آہا - کیسی اچھی نصیحت ہے - دل تو چاہتا ہے کہ اس قسم کے تمام دوہے یہاں درج کر دیئے جائیں - مگر جگہ نہیں ہے -

یہ زبان کا حال ہے - اسی سے دشمنی مول لی جاتی ہے - اسی سے لوگ دوست بن جاتے ہیں - ایک ہندی کا شاعر کہتا ہے -

کاگا کا سوں لیت ہیں کوئل کا کو دیئے
میٹھے بچن سنائے کر جگ اپنا کر لیئے

ترجمہ - کوا نہ تو کسی سے کچھ لیتا ہے - نہ کوئل کسی کو کچھ دیتی ہے - صرف میٹھے بچن سنا کر تمام دنیا کو اپنا بنا لیتی ہے -

ایک فارسی کا شاعر اسی مضمون کو دوسرے لفظوں میں اس طرح ادا کرتا ہے

بہ شیریں زبانی و لطف و خوشی توانی کہ پیلے بموئے کشی

ترجمہ - میٹھے بول سے اور مہربانی و خوشی سے تم ایک ہاتھی کو بال سے کھینچ سکتے ہو -

اس زبان سے انسان اگر چاہے تو دل کو تسخیر کرلے یہی موہنی منتر ہے اسی میں تمام سحر اور جادو ہے - اسی سے موکش پد کا ادھکار ملتا ہے -

اڑتیسویں شاکھا

ڈیمانڈ

سپلائی

قوت ارادی

اس میں کلام نہیں ایشور دنیا کا سچا حاکم ہے مگر یہ خیال کرنا کہ وہ مثل ایک ضدی اور ہٹیلے فرمانروا کے کام کرتا ہے بالکل غلط اور بیہودہ مضمون ہے۔ جس وقت انسان یہ سمجھ لیتا ہے کہ ہماری دینی و دنیوی بہتری میں ہماری خواہشات اور حوصلے کا بھی بہت کچھ شمول و اثر رہتا ہے اسی وقت سے اُس کو اس زبردست مسئلے کی خبر پڑنے لگتی ہے جو اس صفحہ کا عنوان ہے۔ انگریزی میں اسی کو ڈیمانڈ اینڈ سپلائی" (Demand & Supply) کا اصول کہتے ہیں اور آجکل بھی اس پر اکثر زور و شور کے ساتھ بحث کی جاتی ہے۔

دنیا کی تواریخ میں کوئی ایسا بھی زمانہ آیا تھا جب خاص خاص قومیں اور خاص خاص فرقے اپنے آپ کو پسندیدہ جماعت کے نام سے نامزد کیا کرتی تھیں اور دوسری قوموں پر اپنی بزرگی ثابت کرنے کے لئے ہر وقت تیار رہا کرتی تھیں اور ابھی ہندوستان میں کم از کم اس خیال کے آدمی تعداد کثیر میں ملینگے مگر جن فرضی اوصاف پر اس ترجیح و فضیلت کا دار و مدار تھا در اصل اُسکی کچھ حیثیت نہیں تھی۔ کیونکہ ایشور کے نزدیک کوئی برا یا بھلا نہیں ہے وہ ایک کو بُرا اور دوسرے کو بھلا نہیں بناتا اس کی حکومت انصاف کی حکومت ہے نہ وہ کسی ایک کو بلا سبب فارغ البالی بخشتا ہے نہ دوسرے کو ذلت اور حقارت کے غار میں گراتا ہے جس قانون کے زیر متابعت دنیا کا کام ہو رہا ہے اُس میں اس ناقص تمیز کے لئے ذرا بھی گنجائش کی جگہ نہیں ہے ابتری و بہتری محض اتفاقیہ امور نہیں ہیں۔ اور نہ اُس کے کاروباریوں ہی بلا سبب ہوتے رہتے ہیں۔ ہر چیز کا کوئی نہ کوئی سبب ضرور ہے اور یہ وسیع اور لمبی چوڑی کائنات علت اور معلول یعنی کارن اور کاریہ کے اٹل قانون کے ماتحت قائم کی گئی ہے جن کو دنیا میں عروج ہے خواہ جیوں

نے کسی حیثیت کے صفحات میں شہرت اور ناموری کا استحقاق حاصل کیا ہے اس کا کوئی نہ کوئی خاص سبب ضرور ہے۔

یہ ایک بات ہے جو ہم لوگوں کو اپنے ذہن نشین کر لینا چاہئے دوسری بات جس کو ہم اپنے پڑھنے والوں کی خاص توجہ کے قابل سمجھتے ہیں اور جو ہمارے ملک کے ایک ایک بچے کی نگاہ کے سامنے رکھنی چاہئیں وہ ڈیمانڈ اینڈ سپلائی کا سوال ہے۔ بات یہ ہے جہاں جس چیز کی مانگ ہوتی ہے قدرت میں خود بخود اس کے مہیا کرنے کا سامان پیدا ہو جاتا ہے دنیا میں آپ دیکھتے ہیں بعض ملک ہر قسم کی دولت و اسباب سے اس قدر مالا مال ہیں ان کو نہیں معلوم ہوتا کہ کس طرح خرچ کریں۔ برعکس اس کے ہندوستانی ایک ٹکڑا روٹی کو ترستے ہیں یہ کیا بات ہے؟ کیا ایشور نے ان کو اس طرح بنایا؟ نہیں کبھی نہیں۔ اصلیت یوں ہے "ڈیمانڈ اینڈ سپلائی" کے قانون نے یہ حالت پیدا کر رکھی ہے ان کو دولت کی چاہ ہے اور ضرورت روز بروز اس کے مہیا کرنے کی تدبیریں سکھلاتی رہتی ہے۔

ہم کیوں دکھی ہیں؟ یہاں بھی "ڈیمانڈ اینڈ سپلائی" کا اصول کام کر رہا ہے ہم نے جو کچھ طلب کیا ہے وہی ہم کو مل رہا ہے اور آئندہ چل کر جس بات کی خواہش ہوگی وہی ہم کو دی جائیگی آپ میں سے ممکن ہے بہت سے صاحب ہمارے نفس مطلب کے سمجھنے میں غلطی کریں۔ اسلئے ہم تواریخ سے مدد لیکر آپکے دل پر اپنے مافی الضمیر کو نقش کرنا چاہینگے۔

سنئے یہاں بھی ایک زمانہ تھا۔ جب دولت و حشمت کی کوئی حد نہیں تھی سب کے پاس ضرورت سے زیادہ مویشی تھے دودھ اور شہد کی نہریں بہتی تھیں۔ اور قدرت نے اپنے خواہشمند بچوں کی آسائش و آرام کے سارے سامان ان کی خواہش کے موافق مہیا کر دئے تھے سب کی نہ صرف ضرورتیں رفع ہوتی تھیں بلکہ ان کو کچھ دنوں بعد ایسا معلوم ہونے لگا کہ اس دولت کو کہاں اور کس جگہ کام میں لائیں یہ مہابھارت سے کئی صدی پہلے کا واقعہ ہے قاعدے کی بات ہے دولت کی کثرت انسان کو بدی و بدکاری کی طرف مائل کر دیتی ہے اور

انسان کی اخلاقی حالت کے درست رکھنے کی فکر نہ کی جائے تو ہمیشہ یہ نتیجہ ہو جاتا ہے کہ وہ عیش پسند اور بداخلاق بن جاتا ہے۔ ہمارے یہاں بھی یہی حالت ہو گئی جو تمیز دار اور عقیل تھے انہوں نے اس بدی کی بنیاد۔ دولت اور فارغ البالی میں دیکھی اور فطرتاً اُن کو یہ وبال جان معلوم ہونے لگی اور ایک ایسا معلمین کا فرقہ ملک میں پیدا ہو گیا جس نے صاف صاف لفظوں میں دولت کی مذمت اور افلاس کی تعریف کرنی شروع کر دی۔ فلاسفروں نے اسی خیال پر سوچا اور قوم کے دل اور قوم کی توجہ کو اسی خاص سبجکٹ کی طرف مائل کرنا مصلحت تصور کیا فقیرانہ طرز روش کی ترجیح کا وقت آگیا اور ہم مہابھارت سے پیشتر۔ اس زمانہ میں اور نیز اس کے بعد مختلف فرقوں کو جن میں جین بدھ ویدانتی اور دوسرے گروہ شامل ہیں اپنے روزانہ وعظ میں سادگی کی زندگی کی تعلیم دیتے ہوئے پاتے ہیں ان کی تعلیم میں اصل کوئی نقص نہیں تھا وہ آیڈیل لوگ تھے اور جس بات کو کہتے تھے اس میں سچائی تھی مگر عوام غلطی و غلط فہمی سے ہمیشہ افراط و تفریط کی جانب مائل ہو جاتے ہیں میانہ روی و اعتدال پسندی کو جو اخلاق و تہذیب کی جان ہے فراموش کر دیا اور جیسے پہلے عیاشی حرامکاری اور دوسرے مغلظ طرز معاشرت میں مصروف تھے اسی طرح پھر جوش اور خیال کے کچے نوجوانوں نے دنیاوی جاہ و حشم کو لات مار کر افلاس و قناعت کی طرف خیال کو رجوع کر لیا اور پھر ان کو در و دیوار سے ایسے الفاظ سنائی دینے لگے جو مولوی ابراہیم کے ذیل کے شعر سے مشابہ ہیں۔

بند بگسل باش آزاد اے پسر چند باشی بند سیم و بند زر

مفلسی کی تعلیم کا وہ سلسلہ جو مہابھارت سے پہلے کسی خاص غرض کو لیکر شروع کیا گیا تھا خاص طور پر نشوونما پاتا رہا اور گو بیچ بیچ میں کسی کسی عقیل روحانی معلم نے اس کے روکنے کیلئے صدا بلند کی اور پھر ایک مرتبہ مہابھارت کے بعد اشوک کے زمانہ میں ہم ہندو قوم کو ایک خاص عروج کی حالت میں دیکھتے ہیں مگر وہ ایک ایسا زبردست سیلاب ثابت ہوا جو کسی کے روکنے سے نہ رک سکا اور وہ روز بروز یہاں تک بڑھتا گیا کہ ہندوؤں کی سی زبردست قوم خیالی بندش اور خیالی باتوں میں پڑ کر اپنے کو غیروں کی دستبرد سے نہ بچا سکی ایرانیوں نے پنجاب کے بہت سے حصے وقتاً فوقتاً فارس کی سلطنت میں ملا لئے یونانیوں کی یورش نے اس کو نیچا دکھایا مسلمانوں نے اُس کو آسانی سے شکار کی طرح مار لیا اور آخر میں برطانیہ کے دلیر شیر نے اسکو اپنے پنجے میں دبوچ لیا۔ لوگ دولت

اکنا گئے تھے افلاس اور ناداری کے خواہشمند تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ دولت ہاتھ سے چھن گئی۔ جاہ و حشم جاتا رہا اور اس کے ساتھ قومی آزادی سے بھی ہاتھ دھونا پڑا یہ کیوں ہوا کسی دیوتا کے قہر یا ایشور کے ظلم کے سبب سے نہیں۔ بلکہ ہم نے اپنے دل میں ایک خواہش پیدا کی اس کے مآل کار کو نہ سمجھ سکے بجا قومی خواہش کے رجحان کو روکنے والے فلاسفر ہم میں نہیں ہے اور ہم وہ بن گئے جو دنیا آج ہمکو دیکھ رہی ہے۔

پیارے دوستو! یہ ہماری تخفیض اور پست حالی کا ایک راز ہے جو اب بھی ہمکو اپنے ذہن نشین کر لینا چاہیئے ہم آپ سے جھوٹی بات نہیں کہتے نہ خواہ مخواہ غلط گھڑے ہوئے پیچیدہ عقدے کے پردے میں الٹے سیدھے سکھانا چاہتے ہیں۔ یہ صریح واقع ہے۔ یہ سچائی ہے اور اگر آپ میں ذرا بھی سمجھ بوجھ کا مادہ ہے تو آپ ہمارے بیان میں وہ سامان پائینگے جو بلا کسی تردد کے آپ کی بربادی کے نقشے کے تمام مدارج آپ کے سامنے کھول کر رکھ دینگے۔

آپکو جس چیز کی مانگ ہوتی ہے وہ ہمیشہ دیجاتی ہے۔ روپیہ ہو یا علم۔ دولت ہو یا حرمت کوئی چیز ہو صرف طالب صادق چاہئے دل کے پردے میں خیال کی لہر اٹھنے کی دیر ہے جہاں اس لہر میں تیزی اور زور آنے لگا پھر وہ کسی کے دبانے سے نہیں دبتا۔ مانگ کی نظر نہ آنیوالی قوت کبھی رایگاں نہیں جاتی وہ اپنا اثر جلد یا دیر میں دکھا کر تب چین لیتی ہے جس طرح خواہش ہمکو سنسار میں پھنساتی ہے اسیطرح ہم خواہش کر کے نجات حاصل کرتے ہیں۔ جیسے خواہش ہمکو ترقی کے بلند زینے پر پہنچا سکتی ہے اسیطرح غلط خواہش کر کے یا غلط جگہ قدم رکھنے سے ہم تنزلی کے قعر مصیبت میں گر جاتے ہیں یہ ایک راز ہے جسکو ہر شخص کو سمجھ لینا چاہیئے ڈیمانڈ اینڈ سپلائی کا عالمگیر قانون عجب طرح سے کام کرتا ہے کوئی سمجھدار شخص مشکل سے نظر آئیگا جس کی زندگی میں اس قسم کے دو چار مثالیہ واقعات نہ گزرے ہوں۔ ہاں یہ دوسری بات ہے کہ کوئی ان پر سوچنے کی تکلیف نہ گوارا کرے۔

اس سے زیادہ سچی اور کوئی بات نہیں ہو سکتی کہ ہماری موجودہ خراب حالت ہماری خواہش کا نتیجہ ہے اس میں ایشور خواہ کسی دیوتا کا قصور نہیں ہے ہم نے جیسا پسند کیا۔ جیسا چاہا۔ ویسا ہمارے سامنے آیا اگر اب بھی ہم اسکو اچھی طرح سمجھ لیں کہ ہم جو چاہتے ہیں وہی بن جاتے ہیں تو اس

اس کو شک ہو سکتا ہے کہ ہم بہ آسانی اپنی حالت کو درست کر سکینگے۔

ہم خود ہی مفلس اور نادار بنے ہم ہی تھے جن کی خواہش نے ادبار کی غار میں لا کر گرا دیا ہماری حیثیت دنیا میں مالک کی ہے ہم قدرت کے شہزادہ ہیں اور اگر اب بھی ہم پنپنا چاہتے ہیں تو ہمارے بگاڑنے کی کسی میں طاقت نہیں ہے۔ ہم خود اپنی بہتری اور ابتری کے جوابدہ ہیں افلاس اور دولت نیکی اور بدی۔ ترقی و تنزلی۔ یہ صرف ایسی حالتیں ہیں جو کہ ہمارا دل گھڑتا ہے۔ صرف دل کی رفتار کو ایک طرف سے دوسری طرف پھیر دو جہاں ویرانگی ہے آبادی نظر آئیگی۔ جہاں رنج ہے وہاں خوشی پیدا ہو جائیگی۔ جہاں جنگل ہے وہاں شہر آباد ہو جائینگے۔ ریگستان میں سیرابی بخش جھیلیں لہراتی ہوئی ہونگی اور جس خطے کو قحط و خشکسالی نے جھلس دیا ہے وہ یکدم ہرا بھرا ہو جائیگا چاہے کوئی مانے یا نہ مانے ہم ہی ہیں جو اپنی قسمت کو پلٹ سکتے ہیں صرف مانگنے کی ضرورت ہے۔ ایک دفعہ اس مانگ کی طاقت کو زور پکڑنے دو۔ پھر مہیا کرنے کا سامان قدرت میں خود بخود پیدا ہو جائیگا۔

انتالیسویں شاکھا

انولیوشن
ڈیولیوشن
ایوولیوشن

آجکل مسئلہ ایوولیوشن پر غور کرنے اور اس کی مدد سے سچائی تک پہنچنے کا دنیا میں عام خیال ہے۔ کہا جاتا ہے۔ کہ یہ مسئلہ بالکل مغربی دماغ کی اختراع ہے۔ مگر یہ سچ نہیں ہے مذہبی دنیا کے کوئی مسائل ایسے نہیں ہیں جو ہندوستان کے فلسفہ میں زیر بحث نہ آئے ہوں اور لطف یہ ہے

کہ ہمارے یہاں کے رشی ومنی نے بڑے غور وتمیز کے ساتھ بال کی کھال نکالنے کی کوشش کی تھی۔ صرف فرق اتنا ہے کہ یورپ کے علما سائینس سے مدد لیتے ہوئے ہر چیز کو عملی تقطیع۔ تقسیم اور تفریق سے صاف صاف دکھلانے کا اہتمام کرتے ہیں۔ ہمارے یہاں تفصیلی وضاحت سے ہمیشہ درگذر ہوتا رہا ہے۔ صرف خاص خاص ضروری پہلوؤں کو نگاہ کے سامنے لاکر حقیقت تک پہنچا دینے کی فکر کی گئی ہے اور اُس کا سبب یہی ہے۔ انسان ہزار کوشش کرے مگر وہ کسی طرح درجہ بندی اور تفصیل کے معاملات میں کامیاب نہیں ہوگا کیونکہ سرشٹی اننت اور اپار ہے کال بھگوان کے چکر کی مسلسل زنجیر کی تمام کڑیوں کو انگلیوں پر شمار کرکے بتا دینا نہ صرف مشکل بلکہ غیر ممکن ہے۔ اسلئے مغرب کا فلسفہ ہمیشہ غیر مکمل رہا ہے اور ہمیشہ ایسا ہی رہیگا۔ ہمارے یہاں چونکہ سچائی کے مرکز تک پہنچنے کا خیال بڑی سرگرمی سے کام کرتا رہا ہے۔ اسلئے فروعات اور غیر ضروری شاخوں پر تفصیلی بحث کرنے سے پرہیز کیا گیا۔ ایولیوشن یعنی مسئلہ ارتقا ہندوؤں کے لئے نیا مضمون نہیں ہے۔ وید جو تمام خیالات کے بھنڈار ہیں اُن کو جانے دیجئے۔ ہمارے یہاں پوران وغیرہ تک میں یہ موجود ہیں اور صاحب غور وفکر کے لئے اُن کے صفحات میں اس قسم کے دلچسپ مضمون ملتے ہیں۔ کپل آچاریہ کا زبردست سانکھیہ فلسفہ ایولیوشن کے مسئلہ پر بڑی وضاحت اور صراحت سے روشنی ڈالتا ہے اور کپل غالباً تواریخی دنیا کے پہلے فلاسفر ہیں۔ جنہوں نے عقل کی مدد سے سرشٹی کے سنجیدہ ولاینحل مسئلہ کے گرہ کشائی کی کوشش کی ہے اُن کا طرز بیان اس زمانہ کے ایولیوشن ماننے والوں سے مختلف ضرور ہے۔ مگر وہ ان سے بہت اونچے درجہ کا ہے اس کتاب کی کسی شاکھا میں سرشٹی کے مختلف مدارج زیر بحث آگئے ہیں۔ پڑھنے والوں کو چاہئے پھر دوبارہ اُن کا مطالعہ

پورانی سوکشم سرشٹی کے مدارج کو ترتیب کے ساتھ بیان کرتے ہوئے بتاتے ہیں کہ سب سے پہلے ستھول سرشٹی میں زندگی کا اظہار پانی سے ہوتا ہے۔ اسلئے کہا گیا ہے کہ وشنو بھگوان کشیر ساگر میں باس کرتے ہیں اُن کے نابھی سے کنول پیدا ہُوا۔ کنول سے برہما پیدا ہوئے۔ برہما سے سارا جگت رچا گیا۔

اس پانی میں زندگی مختلف مدارج کو طے کرتی ہوئی مچھلی کی صورت میں ظاہر ہوئی یہ ہمارے یہاں مچھ اوتار ہے۔ جو پانی سے باہر نہیں نکلتا۔ پھر مچھلی نے بتدریج کچھوے کی صورت اختیار کی جو پانی اور خشکی دونو میں چل پھر سکتا ہے یہ وشنو کا کچھ اوتار ہے۔ اس کے ایولیوشن نے اور شکل اختیار کی اُس سے جنگل کے جانور نکلے۔ یہ باراہ اوتار ہے اور جو جنگل میں رہنے کا شائق ہے۔ یہاں تفصیلی وضاحت نہیں ہے صرف خاص قسم کی درجہ بندی کی گئی ہے۔ مچھلی بطور خود تمام آبی جانوروں کی خلاصہ ہے۔ کچھوا ہر قسم کے اُن جانوروں کا نائب ہے جو خشکی اور پانی دونو میں رہ سکتے ہیں۔ اسی طرح باراہ خلاصہ ہے تمام جنگلی جانوروں کا۔ بیچ بیچ کی کڑیوں کے قائم کرنے کی فکر نہیں کی گئی۔ صرف وسیع نظر آدمیوں کو خاصیت کے دکھانے کا اہتمام کیا گیا ہے۔

جنگلی جانور سے پھر اس قسم کی خلقت پیدا ہوئی۔ جس میں حیوانیت اور انسانیت دونو موجود تھیں۔ تفصیلی واقعات کی پرواہ نہ کرتے ہوئے یہاں اُس کی صورت نرسنگھ کی شکل میں دکھائی گئی۔ جس میں شیر کی غضبناکی کے ساتھ انسان کے اوصاف وخط وخال موجود ہیں۔ اس نرسنگھ کے درجہ کو طے کرتے ہوئے پھر زندگی چھوٹے آدمی میں ظاہر ہوتی ہے اس کا اظہار باون

ہوا ہے اور اگر بغور دیکھا جائے تو اس میں مجملی طور پر وہ سب خوبیاں موجود ملینگی جو سفلی اور علوی معاملات سے تعلق رکھتی ہیں یہ چھوٹا انسان ترقی کرتا ہُوا پرسرام میں ظاہر ہوتا ہے جس میں حد درجہ کی غضبناکی ہوتی ہے اس میں غضبناکی کا ہونا قدرتی بات ہے۔ پھر وہ آہستہ آہستہ رام۔کرشن۔ اور بدھ کے مبارک اوتاروں میں اپنی خوبصورتی کا تماشا دکھاتا ہے جو سرل سوبھاؤ۔عقلی ذہانت اور سنتوں کی تقدیس کے لئے بالترتیب مشہور ہیں یہ انسانی ایولیوشن ہے اور علے ہذا القیاس۔

ہندوؤں نے یہاں ہی تک اپنی ذہانت کو محدود نہیں کر رکھا۔ وہ ان کے پہلے اور مابعد مدارج کے بھی ذہن نشین کرانے کا بھی خیال رکھتے تھے اور اُن کی وضاحت غور کرنے سے پورانوں کے صفحات میں ملیگی۔

یوروپین محقق نے اب تک صرف ایولیوشن کی تعلیم دی ہے وہ بھی ادھوری ہے کہ جس کا نہ سر ہے نہ پیر ہے اور بیچ کی زنجیر کی بہت سی کڑیاں غائب ہیں۔ جن کے پتہ لگانے کی کوشش مدنظر رہتی ہے۔

ہمارے یہاں انولیوشن۔ڈیولیوشن اور ایولیوشن ان سب پر وچار کیا گیا ہے اور زندگی کا پتہ ایسی ہستی سے لگایا گیا ہے جو اصل میں ایک ہے محیط کل ہے اور اُسی کو پرم تتو کہتے ہیں۔ وہی برہم ہے وہی سب کچھ ہے اُسی نے کہا "میں ایک ہوں انیک ہو جاؤں" اور یہ جگت بن گیا۔

انولیوشن کے لغوی معنے ہیں اندر ہی اندر سوروپ کا ہونا۔ یہ زندگی کی کارن اوستھا ہے اسی کو کارن سروپ کہتے ہیں۔ پہلے دل میں خیال پیدا ہوتا ہے اور وہی خیال بیج روپ ہوتا ہے۔ اسی کو سنکلپ کہتے ہیں جو کچھ پیدا ہونے کو ہوتا ہے سب کچھ خیال میں موجود رہتا ہے۔ جو اندر ہی وہیں باہر آتا ہے

اندر اور باہر صرف نسبتی الفاظ ہیں ورنہ حقیقت یہ ہے کہ یہ سارا جگت برہمانڈی من میں ہے۔ انولیوشن پہلا درجہ ہے اس کے بعد ڈیولیوشن کی باری آتی ہے ڈیولیوشن کے لغوی معنے ہیں نیچے کی طرف رجوع ہونا۔ خیال جب عملی جامہ پہننے کی کوشش کرتا ہے تب یہ حالت پیدا ہوتی ہے۔ اور اس کے دھار نیچے کی طرف رجوع ہوکر اظہار کرنے کی خواہشمند رہتی ہے یہ سوکشم سرشٹی ہے۔ ڈیولیوشن کے سلسلہ میں جب خیال ایک جگہ قائم ہوکر شکل و صورت حاصل کر لینے لگتا ہے تب اُسی کو ایولیوشن کہتے ہیں یہ سب الفاظ غیر زبان کے ہیں جن میں وہ گو ایسے واضح پیرایہ میں اپنے معنے ظاہر نہیں کرتے۔ مگر میں جو کچھ کہہ رہا ہوں وہ غلط نہیں ہے اور زمانہ آرہا ہے۔ جب مغربی فیلسوف اس کو صحیح تسلیم کرینگے اور سرشٹی کے ان تمام مدارج پر اپنے طرز خیال کے موافق روشنی ڈالینگے۔ مثال کے طور پر تم اس کو اس طرح سمجھو کہ ایک انجنیر کسی مکان کے نقشہ کو اپنے دماغ میں سوچ رہا ہے جو کچھ اُس کو بنانا ہے۔ اُس نے اُس کا نقشہ اپنے دل میں قائم کر لیا۔ ساری کھڑکیاں۔ دروازے۔ دیوار۔ چھت سب اُس میں موجود ہیں۔ اس خیالی نقشہ کا کارن اور انولیوشن کی حالت کہتے ہیں جب وہ ہاتھ میں کاغذ اور پنسل لیکر اُس کا نقشہ بنانے لگتا ہے تب ڈیولیوشن ہوتا ہے یعنے اُس کے دماغ سے خیالی کی دھار نکل کر نیچے کاغذ کی طرف رجوع ہو جاتی ہے اور جو کچھ اس کو بنانا ہے سب کاغذ پر کھنچ آتا ہے۔ یہ سوکشم رچنا ہے اور پھر جب بنیاد ڈال کر وہ اُسی کے موافق مکان بنانے لگتا ہے تب ایولیوشن شروع ہوتا ہے۔ ایولیوشن کے معنے ہیں باہر کی طرف اظہار کرنا یہ تین حالتیں ہیں جو سرشٹی میں موجود ہیں۔ یورپین عُلما باہر کی رچنا ہیں جہاں سے زندگی کی ابتدا ہوتی

وہاں سے اُس کے مدارج کا شمار کرنے لگتے ہیں اور زنجیر کی ایک کڑی کو دوسرے سے ملا کر اسکو مکمل بنانا چاہتے ہیں۔ پانی سے زندگی کے مدارج کو شروع کرتے ہوئے وہ انسان تک پہنچتے ہیں۔ یہاں اگر اُن کو پتہ نہیں ہے کہ آگے چلکر زندگی کن کن صورتوں میں اپنا اظہار کریگی۔

ہمارے یہاں کے رشی منی کہہ گئے ہیں کہ حرکت ہمیشہ دائرہ کی صورت میں ہُوا کرتی ہے۔ اسلئے اس ایولیوشن کو پھر ڈیولیوشن کے درجہ سے گزرتے ہوئے انولیوشن کی حالت میں جاکر اُس پرم تتو میں مل جاتا ہے۔ کیونکہ دائرہ بنانا لازمی ہے۔ پہلے ہم موکش میں تھے بندھن میں آگئے پھر موکش میں جانا ہوگا۔ یہ اُپنشد کا قول ہے اسی سرشٹی کو پھر اپنی اصلی حالت میں ہو جاتا ہے اور وہ پھر جاری ہوتی ہے یہ تماشہ ہمیشہ اسی طرح ہوتا رہا ہے اور ایسا ہی ہمیشہ ہوتا ہے۔

یوروپین محقق کس طرح ایولیوشن کی تعلیم دیتے ہیں اُس کو ہم یہاں صرف اختصار کے ساتھ قلمبند کرتے ہیں۔ تاکہ جن لوگوں کو اس مضمون سے مذاق وہ بہ آسانی سچائی کی روح کو بھی جذب کر سکیں اور ساتھ ساتھ تحقیق وتدقیق کے سلسلہ میں ویدانت کی جامع تعلیم کی بھی وقعت کریں۔ ایولیوشن دراصل وہاں سے شروع ہوتا ہے۔ جہاں نصف دائرہ بن کر زندگی اوپر کی طرف رخ کرتی ہے۔ اور آہستہ آہستہ اونچے چڑھتے ہوئے پورا دائرہ بناتی ہے۔

اُس خیال کے علماء کہتے ہیں کہ ابتدا میں مادہ بھاپ کی صورت کا ہوتا ہے یہ بھاپ بالکل بادل کی شکل کے ہوتے ہیں۔ اور ان ہی سے تمام کرے مع سورج کے بنتے ہیں۔ اس حالت میں مادہ بہت لطیف ہوتا ہے اس میں حد درجہ کی گرمی رہتی ہے اس کے ٹھنڈے ہونے میں صدیاں صرف ہوتی ہیں۔ ہماری زمین یعنی کرہ ارض کھولنے والے پانی سے پندرہ ہزار گنا زیادہ گرم تھی۔ اس

گرمی میں زندگی کا امکان اُن کی دانست میں امرِ دشوار ہوتا ہے۔ مادہ ذرّوں کی صورت کا ہوا کرتا ہے اور وہ اتنے چھوٹے ہیں کہ ان کی جسامت کا حساب لگانا غیر ممکن ہے۔ جب یہ ٹھنڈے پڑ گئے زمین میں کچھ سختی آئی وہ ٹھوس ہونے لگی اور اُسی وقت سے زندگی کی ابتدا شروع ہوئی۔

سب سے پہلے زمین کے وہ دو نوں سرے ٹھنڈے ہوئے جن کو ہم قطب شمالی اور قطب جنوبی کہتے ہیں قطب شمالی میں برف کے تلے اب بھی ایسی چیزیں برآمد ہوتی ہیں جن سے اُن کے آباد ہونے کا پتہ لگتا ہے۔ اور پھر جیوں جیوں وہ زیادہ ٹھنڈا ہوتا گیا جاندار خطِ استوا کی طرف آنے شروع ہوئے زمین کا درمیانی حصہ بعد کو ٹھنڈا ہوا ہے۔

ابتدائی زندگی بہت سادہ قسم کی تھی۔ اور اُس میں معمولی طور پر کیمیائی اجزاء کا شمول تھا۔ جو براہ راست ہوا۔ پانی اور مٹی سے حاصل کی گئی تھیں۔ نباتات حیوانات اور انسان کے جسم میں۔ آکسیجن۔ نٹروجن۔ ہائیڈروجن۔ کاربن گندھک۔ اور فاسفورس ملتے ہیں سب کے جسم میں ایک ہی قسم کے اجزا ہوتے ہیں اُن میں صرف بڑھنے اور من کے نشو و نما کے خیال سے اختلاف کے درجہ قائم کئے جاتے ہیں یہ سب چیزیں ابتدا میں کیمیائی صورتوں کی ہوتی ہیں اور پھر یہ گولک یعنے کوٹھڑیوں کی شکل میں ترتیب پانے لگتی ہیں۔ پہلی زندگی جو محسوس شکل اختیار کرتی ہے نباتات ہے کیونکہ نباتات میں یہ گولک زیادہ تعداد میں نہیں ہوتے یہاں سے پھر آگے کی طرف زندگی کا قدم بڑھتا ہے۔

یہ گولک اصل میں تمام زندگی کا اصل الاصول ہے۔ یہ بڑھتا جاتا ہے اور یہ تقسیم ہو کر بھی زندہ رہتا ہے۔ اگر ایک ٹکڑے کو دوسرے سے علیحدہ کر دو تو وہ مرتے نہیں بلکہ زندہ رہتے ہیں۔ ان میں بڑھنے احساس کرنے اور اپنی جنس کے پیدا کرنے کی طاقت قدرتی طور پر موجود رہتی ہے جس جاندار میں ایک ہی گولک ہوتا ہے

وہ تن تنہا اپنی زندگی کے تمام فرائض انجام دیتا ہے مگر جیوں جیوں زندگی میں زیادہ نشو و نما کی طاقت آتی جاتی ہے۔ ایک ایک میں کئی کئی گولک شامل ہو جاتے اور ان کے فرائض میں اختلافات پیدا ہو جاتے ہیں یہانتک کہ جانوروں کی ہڈی۔ خون۔ اور نس ناڑی کے گولک اپنے اپنے فرائض کے لحاظ سے مختلف ہوتے ہیں یہ حالت نباتات کی بھی ہے اُن کے جڑ رگ و ریشہ۔ تنہ پتے۔ بیج پھول اور پھل سب کے گولک مختلف شکل کے نظر آتے ہیں۔

جس طرح ترقی ہوتی جاتی ہے۔ یہ گولک تعداد میں بڑھتے جاتے ہیں۔ انکی بالیدگی کا باعث غذا ہے۔ غذا حاصل کرنے کے بعد گولک بڑھ جاتے ہیں اور خاص جسامت حاصل کرنے پر وہ تقسیم ہو کر علیحدہ ہو جاتے ہیں اور علیحدہ علیحدہ جاندار بنجاتے ہیں اور اپنی اپنی باری پر یہ پھر بڑھنے شروع ہو جاتے ہیں اور بڑھ کر پھر تقسیم و علیحدگی کی وجہ سے کروڑوں کی تعداد کے ہو جاتے ہیں

ابتدا میں ایک ہی گولک ہوتے ہیں پھر کئی گولک مل کر ایک ایک جانور بنتے ہیں ان کی بہترین مثال اسفنج ہے۔ جس میں بیشمار گولک نظر آوینگے۔

زندگی کے ابتدائی مرحلہ میں نباتات اور حیوانات کی شکل و صورت میں تمیز کرنا بہت مشکل ہے۔ کیونکہ دونو کے اوصاف و حالات قریب قریب مساوی ہوتے ہیں مگر آگے چلکر ان کی صورتوں میں فرق آنے لگتا ہے یہانتک کہ نباتات سے تو شاخ نکلتی ہیں اور حیوانات اپنی صورت کے ہمجنس پیدا کرنے لگ جاتے ہیں نباتات کی ابتدا کائی وغیرہ سے ہوتی ہے اور انہیں سے رفتہ رفتہ کھمبور۔ گھاس۔ سبزی وغیرہ پیدا ہوتے ہیں یہانتک کہ قانون ارتقا کے بموجب پھر اِن ہی سے سینکڑوں طرح کے درخت پھل والے و پھول والے پیدا ہو جاتے ہیں اور نباتات کی دنیا نظر آنے لگتی۔ حیوانات کی شاخ میں پہلے ایک گولک والے ہوتے ہیں یہ پھر آہستہ آہستہ نشو و نما پا کر پانی میں ہزاروں قسم بنجاتے ہیں۔ ان

کے نام لاطینی زبان میں ہزاروں ہیں۔ جن کی تفصیل طوالت سے خالی نہیں۔ ان سے اسفنج پیدا ہوتا ہے۔ پھر مونگے کا کیڑا پیدا ہوتا ہے اور انہیں سے مختلف ناموں کی مچھلیاں و کیڑے مکوڑے آتے ہیں کیڑوں مکوڑوں میں مکڑی۔ جھینگر پیٹھ کی ہڈی والے جانور ان ہی سے پیدا ہوتے ہیں۔ جس میں ہزاروں طرح کی مچھلیوں کا شمار ہے۔

ان کے بعد وہ جانور آتے ہیں جو آبی و خشکی ہیں یعنی وہ پانی میں بھی رہ سکتے ہیں اور خشکی میں بھی رہ سکتے ہیں یہ مینڈک۔ گیچی۔ بینگ وغیرہ ہیں پھر اور طرح کے کیڑے مثلاً سانپ گھڑیال۔ کچھوے وغیرہ پیدا ہوتے ہیں۔ رفتہ رفتہ حیوانی زندگی ہر قسم کے پرندوں کی صورت میں اظہار کرتی ہے۔

ان سب کے آخر میں وہ جاندار آتے ہیں جو دودھ پینے والے کہے جاتے ہیں۔ ان کی ہزاروں و لاکھوں قسمیں ہیں مثلاً وھیل (مچھلی) گھوڑا۔ ہاتھی۔ کتا۔ بھیڑیا۔ شیر۔ چیتا وغیرہ ان میں سے بعض گوشت خور ہوتے ہیں بعض گوشت نہیں کھاتے۔

پھر زندگی بتدریج نشوونما پاکر معمولی بندر کی صورت میں ظہور کرتی ہے۔ یہی بندر پھر شمپنزی اور بن مانس بنتا ہے جو انسان کی صورت سے بہت کچھ مشابہت رکھتا ہے شمپنزی اور بن مانس انسانی نسل کے پیدا کرنے والے ہیں۔ انسان کی پہلی صورت کافر اور غار میں رہنے والے۔ زمین کھودنے والے جنگلی فرقوں کی ہے۔ یہی آہستہ آہستہ مہذب اور شائستہ انسان بنتے ہیں جن میں عقل و ذہانت کی عجیب طرح پر تکمیل ہوتی ہے اور وہ پہلی دفعہ خلقت کے راز کے پتہ لگانے کی طرف مائل ہوتے ہیں۔

یہ ایولیوشن کے مسئلہ کی مجملی کیفیت ہے۔

ہمارے یہاں اصل میں ایولیوشن کے مسئلہ سے کسی کو اختلاف نہیں ہے فرق صرف اتنا ہے کہ وہ اس سے بہت زیادہ اونچے جاتے ہیں۔

یہ ایولیوشن کیوں ہوتا ہے؟ اس کا مختصر جواب یہ ہے کہ آتما پر جو پردے پڑ

گئے ہیں۔ قدرت اُن کے آتارنے کا اس سلسلہ میں اہتمام کرتی ہے اندر ہی اندر ان غلافوں کے دور کرنے کی کوشش کشمکش کی حالت میں جد وجہد کرتی ہے اور وہ ایک درجہ سے دوسرے درجہ میں ترقی کرتی ہوئی اوپر کی طرف لیجا رہی ہے۔ زندگی کے سفلی طبقہ میں وہ کوشش اس قدر احساس کی صورت اختیار نہیں کرتی۔ مگر خواہش وہاں بھی موجود ہے اور اُس کا اظہار محسوس شکل انسانی قالب میں ہوتا ہے۔ اس الیولیوشن کے سلسلہ میں کبھی کبھی ہر طبقہ میں اعلےٰ شخصیتوں کا ظہور ہوتا ہے وہ اپنے تجربے اوروں کے لئے چھوڑ جاتے ہیں یہ وہ افراد ہیں جن کی خواہش بہت زبردست ہوا کرتی ہے۔ عام آدمیوں کے طبایع آہستہ آہستہ ترقی کرتے ہیں۔ مگر ترقی ہو رہی ہے۔ قدم ہمیشہ آگے کی طرف پڑتا ہے اور من چاہتا رہتا ہے کہ کسی طرح یہ پردے اتر جائیں۔ آزادی کی خواہش فطرت میں داخل ہے اور اُسی کے سلسلہ میں خول اُترتے چلے جا رہے ہیں۔ یہی آزادی موکش ہے نجات ہے۔ آنند ہے اور سکھ ہے۔

اس آزادی کی خواہش کو صاف صاف لفظوں میں آسانی سے بیان نہیں کیا جا سکتا۔ مگر وہ ہر جاندار میں موجود ہے اور جاندار ہی میں کیوں؟ من کو تم اپنی غلطی سے بیجان کہہ رہے ہو وہ بھی اس سے خالی نہیں ہے یہ دوسری بات ہے کہ تم اُس کو سمجھو خواہ نہ سمجھو۔ مگر یہ حقیقت ہے اور حقیقت سے آنکھ میچنا درست نہیں ہے۔

چالیسویں شاکھا

آدرش
آئیڈیل
معراج

لوگ رات دن خیالی پلاؤ پکاتے رہتے ہیں۔ اُن کے ہوائی قلعے دل ہی دل کے

اندر بنا کرتے ہیں - بیچارے جب کبھی کسی سے اپنا ما فی الضمیر کہتے ہیں اُن پر لعن وطعن کی صدائیں بلند کی جاتی ہیں اور ناحق اُن کے دل کو صدمہ پہنچایا جاتا ہے - ظاہر بین - کوتاہ بین اور نزدیک بین انسان کو نہیں معلوم ہوتا کہ خیالی بندشوں کے سلسلہ میں کیا طاقت کام کرتی ہے وہ نہ آتما کے پیار اور اننت شکتی کی خبر رکھتے ہیں نہ انکو انسان کے اندر دبی ہوئی اور چھپی ہوئی طاقت کا اندازہ ہوتا ہے وہ صرف سطح اور ظاہری حالت کو دیکھتے ہیں اور اس سے نتیجہ نکال کر ہوائی قلعے بنانے والوں اور خیالی پلاؤ پکانے والوں کو جو منہ میں آتا ہے سنا پ شناپ آگیا کہہ سناتے ہیں اور اس کو لعنت وملامت کا نشانہ بناتے ہیں مگر میں ایسا نہیں کر سکتا - میں انسان کے دل کے اندر گھس کر پتہ لگانے کا شائق رہتا ہوں اور اُس اصلیت کو دیکھنا چاہتا جو اُس کے اندر کُرید رہی ہے - میں انسان کے تمام جذبات کی عزت کرتا - کونسا کام ہے جو انسان نہیں کر سکتا - اُس کے کام کی ابتدا نہیں شیخ چلی کی باتوں ہی سے ہوا کرتی ہے - مانا اس وقت اُس کی حالت کچھ ہے - اُس میں کمزوریاں ہیں - اُس میں لغزشیں ہیں - مگر کیا کمزوریاں اور یہ لغزشیں اس کے طاقتور اور زیادہ طاقتور بنانے کے سامان نہیں ہیں؟ بچہ اُٹھنے اور چلنے پھرنے کا خواہشمند ہے - ماں سے کہتا ہے - میں دوڑونگا مگر چلتے وقت پھسل پڑتا ہے - نادان اس پر ہنستے ہیں - میں خوش ہوتا ہوں - میں کہتا ہوں شاباش بیٹے بچہ کو اسی طرح گرتے پڑتے ہی سے طاقت آئیگی چل - پاؤں آگے کی طرف رکھ میں اپنے ہاتھ سے تجھ کو سہارا دیتا ہوں - اور تحریک وترغیب کے قانون کے زیر اثر وہ بچہ اس طرح دوڑنے لگ جاتا ہے کہ ایک مرتبہ بڑے بڑے عمر والے اُس کے گرد کو نہیں پہنچتے - تم میری طرح ان بچوں کو جو ابھی روحانی زندگی کی ابتدا کر رہے ہیں بُرا بھلا نہ کہو - اُن کو گرتے پڑتے اپنے خیال کے موافق کام کرنے دو - وقت آئیگا جب روحانی نقطۂ نگاہ سے یہ بھی بالغ ہونگے اور کسی وقت دنیا کو ششدر اور متعجب

کرو ینگے۔ کمزوریوں کو نہ دیکھو۔ خیال کی روح کو دیکھو جو اس کے دل کو متحرک کر رہی ہے۔

انسان جس خیال کو وا ہیں جگہ دیکر کام کرتا ہے۔ اُسی کو آدرش۔ آئیڈیل اور معراج کہتے ہیں مذہبی اور روحانی دنیا میں اُسی کا نام اشٹ ہوتا ہے۔ یہ "اشٹ"۔ یہ آدرش۔ یہ آئیڈیل یہ معراج بطور خود مکمل ہوتا ہے۔ اسکی جگہ دل و دماغ میں ہُوا کرتی ہے اور انسان جو کچھ کوشش کرتا ہے اُس کا مقصد یہ ہُوا کرتا ہے کہ باہری جگت میں اُس کا اظہار ہو۔ اور وہ تمام کمزوریوں پر غالب آکر اپنے خیالی معراج کی صورت میں اصلی جلال و نور کے ساتھ چمکتا ہوا نظر آوے اور وہ اُس طرح کا بن جاوے کہ اُسکی فرضی شخصیت گم ہو کر وہ اپنے آدرش میں ہمہ تن محو ہو۔

اشٹ یا آدرش ہر شخص کا جدا گانہ ہُوا کرتا ہے اور اختلافات کے طبقہ میں اختلافات کا ہونا بہت ضروری ہے ورنہ پھر سرشٹی کا مقصد مفقود ہو جائیگا۔ ابتدا میں کام اختلاف کے ساتھ شروع کیا جاتا ہے۔ مگر آخر میں سب ایک ہی منزل پر پہنچتے ہیں پھر ان میں کچھ فرق نہیں رہ جاتا۔ مذہبی اصطلاح میں یوں کہنا چاہئے کہ سدھانت میں سب ملتے ہیں فروعات میں بھید ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر سمجھو۔ ایک وکیل عدالت کے سامنے انصاف کے لئے جھگڑتا ہے اُس کا آدرش انصاف ہے اور اس کے اظہار کیلئے سرگرمی سے کوشش کرتا ہے اسی طرح ایک سنگتراش پتھر میں سے خوبصورت تصویر نکالنے کے لئے ہاتھ میں ہتھوڑا لیکر کام کرتا ہے اس کا آدرش خوبصورتی ہے وہ چاہتا ہے کہ خوبصورتی پرگٹ ہو اور ویسے نئی نئی باتیں نکال کر وہ پتھر میں دکھلانے کا اہتمام کر رہا ہے۔ خوبصورتی پتھر میں نہیں ہے اُسکے دل میں ہے اور دل ہی اُس کو ہاتھوں کے ذریعہ گڑھ رہا ہے۔ وکیل نے لڑ جھگڑ کر انصاف کرا لیا۔ مصور نے توڑ پھوڑ کر تصویر بنالی۔ اب دیکھو خوبصورتی اور انصاف کوئی دو چیزیں نہیں ہیں جو انصاف ہے وہی خوبصورتی ہے جو خوبصورتی ہے وہی انصاف ہے انصاف اور خوبصورتی آخر میں مُرادف اور ہم معنے بنجاتے ہیں کیونکہ نہ بغیر خوبصورتی کے انصاف انصاف ہے نہ خوبصورتی بغیر انصاف کے خوبصورتی ہے وہ دونوں ایک ہی چیزیں ہیں صرف اُنکے اظہار کے طریقوں میں اختلاف ہے۔ اور آخر میں سچا

وکیل اور سچا بت تراش دونوں ہی دل کے پاک صاف ہو جاتے ہیں بشرطیکہ وہ میرے تیرے سے علیحدہ رہ کر کام کریں۔ دونو ایک ہی درجہ میں آجاتے ہیں اور زندگی کے مقصد کو جو بطور مکمل آیڈیل کے ان کے ذہن میں قائم ہو گیا تھا حاصل کر لیتے ہیں۔ اسی طرح اگر غور و تعمق کی نگاہ سے دیکھو تو تمام "اشٹ" آخری منزل پر ملجاتے ہیں۔

آیڈیل یا اشٹ جیسا کہ میں نے پہلے کہا ہے بطور خود مکمل چیز ہوا کرتی ہے اسکی جگہ ذہن میں ہے مگر ابھی تک انسان کو ملی نہیں ہے۔ اور اسی کے پانے کیلئے ہاتھ پاؤں مارے جاتے ہیں اسکی حیثیت بیج کی ہوتی ہے جس کے اندر تمام برگ و بار موجود ہیں مگر عالم شہود میں انکا کرشمہ نظر نہیں آتا جو کچھ پیدا ہونیوالا ہے وہ بیج میں ہے مگر اسکو موقع ملنا چاہئے کہ وہ ضروری خارجی سامان اکاش منتڈل سے یکر درخت کی صورت میں ظاہر ہو۔ جیسے عمارت کا نقشہ پہلے ہی سے انجنیر کے دماغ میں رہتا ہے مگر جبتک وہ اسکو اینٹ اور پتھروں کی مدد سے باہر نہیں کھڑا کر کے دکھاتا تب تک باہری دنیا میں کچھ نظر نہیں بالکل اسیطرح لڑکے میں خود بخود سارا سامان موجود رہتا ہے وہ انسان اور بالغ آدمی بننے کا خواہشمند ہے اور اسلئے وہ ایسے کام ایسے پیشے ایسے عادات سیکھتا ہے جو اسکے بلوغت تک پہنچنے کی مدد کیلئے لازمی ہیں جبتک وہ بالغ نہ ہوگا اس میں کمزوریاں رہینگی۔ اُسکو تجربہ سکھاتا ہے اسکو مشاہدہ کرنا ہے۔ اُسکو گر گر کر اٹھنا ہے اور تم کو اسلئے کیا حق ہے جو اسکو برا بھلا کہتے ہو۔

اگر انسانی طبیعتوں کا مطالعہ کیا جائے تو تم دیکھو گے کہ سب طبائع جداگانہ ہیں کوئی پہلوان بننے کا شایق ہے کسی کو حاکم بننے کی خواہش ہے۔ کوئی بیرسٹر ہونا چاہتا ہے کوئی مدرسی کرنیکا شوق رکھتا ہے اور ہر شخص فطرتاً اسی قسم کے کام کرتا ہے جو اسکے لئے موزوں ہے ان کو برا بھلا نہ کہو انکو اپنے مزاج کے موافق کام کرنے دو سب ہاں بارہ پنسیری ٹھیک نہیں ہے کیسے ممکن ہے کہ سب ایک قسم کے ہوں وقت آئیگا جب یہ اپنے آیڈیل کے موافق سوچتے ہوئے اپنی زندگی کو مکمل کر لینگے اور سب کے سب شاندار حیثیت میں نظر آنے لگینگے ہر شخص کو معراج پر پہنچنا ہے دیر وہاں ہوتی ہے جہاں خوف ہوتا ہے ایک شخص کے دل میں کامیابی کا شوق ہے آیڈیل تو اسکے دماغ میں ہے مگر ڈر کے مارے اسکو کامیابی نصیب نہیں ہوتی۔ اسکو اپنے اوپر بھروسہ نہیں ہے

نہ اپنی آتما کی طاقتوں پر پورا پورا وشواس ہے اور وہ مخالفت سے ڈرتا ہے اسکو خوف رہتا ہے کہ کہیں کوئی ناراض نہ ہو جائے۔ اُسکو ڈر ہے کہیں بدنامی کا ٹیکا ماتھے پر نہ لگے۔ وہ بیوی رشتہ دار عزیز۔ اقارب۔ سوسائٹی اور بزرگوں کی پسندیدگی کا بہت خیال رکھتا ہے۔ اسقدر اپنے آئیڈیل کا خیال نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ کامیاب نہیں ہوتا۔ کامیابی دراصل وہاں ہوتی ہے جہاں انسان کھل کھیلتا ہے اُسکی نظر صرف اپنے مقصد کی طرف رہتی ہے رات دن اُسی کی دُھن۔ سوتے جاگتے اُسی کا فکر۔ اٹھتے بیٹھتے اسی کا ذکر۔ آئیڈیل اُسکے رگ و ریشہ میں سرایت کرجاتا ہے۔ ایسا شخص کبھی ناکامیاب نہیں ہوتا دوسرا ایک سر دہرا سودا کے خبط میں گرفتار ہے کہ وہ کیسے کامیاب ہو۔ تمکو ایک قصہ سناتا ہوں مگر خیال رکھنا قصہ کے سلسلہ میں کہیں اصلیت سے بھٹک نہ جانا۔ شیوجی یوگی تھے۔ یوگ کرتے وقت اُنکے دل میں ایک ورتی پیدا ہوئی "برہم ہے یا نہیں ہے"۔ یہ ورتی اُنکی اپنی شکتی تھی اس کا نام ستی تھا۔ اس میں وسوسہ۔ دوچتائی حیض بیض کی عادت تھی جو اصلیت پر پہنچنے سے روکتی تھی شیو نے بار بار کوشش کی کہ یہ ورتی راہ راست پر آجائے مگر یاد رکھو جہاں بھرم اور سنشے پیدا ہوتے ہیں وہ بآسانی دور نہیں ہوتے۔ مجبور ہو کر شیو نے یوگ کی گہری سمادھی میں اپنے آپ کو بٹھا دیا اور ستی روپی سنشے کی ورتی یوگ اگنی سے مع اپنے تمام کنبے اور قبیلے کے جلکر خاک ہو گئی۔ شیو نے کام اننگ کو بھی جلا ڈالا تب اُنکے سارے سنشے دور ہو گئے اور ستی اپنے سنشے کے سروپ کو چھوڑ کر پاربتی کی شکل میں ظاہر ہو کر پھر شیو کے ساتھ آگئی۔ اس پاربتی میں پتھر کا استقلال تھا۔ کیونکہ مستقل مزاجی اور ثابت قدمی روپی ہماچل کے گھر میں جنم لیکر پھر شیو سے آکر ملی اب اس میں بھرم نہیں رہا تھا اور پھر شیوجی پورن گیانی۔ پورن یوگی پورن تپسوی بن گئے اور بھگتی گیان اور یوگ کے آئیڈیل کو حاصل کر لیا۔ یہ حقیقت ہے اسکو معمولی قصہ نہ سمجھو۔ بلکہ عرفان اور معرفت کا نکتہ ہے اور تم کو بھی ایسا ہی کرنا پڑیگا۔ جبتک تم بھی خوف و خطر کے خیال کو جلاکر بھسم نہ کر دو گے اپنے آدرش کو کبھی پورا نہ کر سکو گے۔

لوگ اصلیت کے خیال کو نہیں سمجھتے ناحق لفظوں کے جھگڑے میں معروف رہتے ہیں اے بھائی! لفظوں پر کیوں اڑتے ہو کلام کے روح کو کیوں نہیں جذب کرتے ویدانتی کہتا ہے۔ "جگت متھیا اور برہم ست ہے" سنت فرماتے ہیں "نام ست اور جگت جھوٹا ہے"۔ مگر سودے باریک بین آدمیوں کے کوئی بھی حقیقت کیطرف

ایل نہیں ہوتا۔ ان کاموں کے اندر جو معنے چھپے ہیں اپنے آدرش کے سوا اور سب ہیچکارہ ہیں یا تو اپنے آدرش کاخیال رکھو۔ یا باہری جگت کے سامان سے سروکار رکھتے رہو۔ جبتک لوک لاج پبلک کی رائے و دنیا کے خوف کا فکر ہے۔ تب تک تم کبھی کامیاب نہ ہوگے۔ سب کو چھوڑکر صرف اپنے آدرش کی طرف جھکو اور دیکھو کامیابی ہوتی ہے یا نہیں ایک کے سوا دوسرے کا نام بھی نہ لو۔ ایک کو جانو۔ ایک کو پڑھو۔ ایک کی گفتگو کرو۔ ایک کا عمل اور ایک کا شغل ہو۔ اُسیوقت آتما کے پردے آناً فاناً میں اُترنے لگینگے اور اپنے معراج کو جیتے جی حاصل کرلوگے۔ کسی کے کہنے سُننے۔ و بحث مباحثہ کی مطلق ضرورت باقی نہ رہیگی۔

ایک نام کو جان کر دو جا دیو بہائے
جپ تپ تیرتھ۔ ورت نہیں شگو ترن سمائے ترک کرو
سب آئے اُس ایک میں ڈال پات پھل پھول
اب کہو پاچھے کیا رہا؟ گہ پکڑا جب مول

یہ مول یہ جڑ یہ آئیڈیل تمہارا اپنا اپنا آئیڈیل ہے۔ اسی سے تعلق رکھو تب تمہارا کام بنیگا۔ اور اگر جگت کو بھی ست اور برہم کو بھی ست مانتے ہو تو سُن رکھو۔

گر خدا خواہی و ہم دنیائے دوں
ایں خیال ست و محال ست و جنوں

نادان کم سمجھ کہتے ہیں کہ پورانوں میں اجتماع ضدین ہے نادان کم سمجھ سمجھتے ہیں کہ ست درشن ایک دوسرے کے برخلاف ہیں۔ انکی نگاہ اصلیت پر نہیں ہے۔ بھلا بتاؤ تو سہی جس کو گنیش کا اشٹ ہے وشنو و شیو یا شکتی کو کیسے بڑا مان سکتا ہے۔ بڑا تو جب ہوگا اُس اشٹ ہی ہوگا اگر وہ اوروں کو بھی بڑا سمجھیگا تو پھر اشٹ کی پراپتی کیسی ہوگی ۔ ہر شخص ہر کام نہیں کرسکتا۔ ہر شخص صرف ایک ہی کام کرسکتا ہے۔ ایک کام مکمل ہوتا ہے۔ بہت سے کام ادھورے رہتے ہیں یہی حالت کھٹ درشنوں کی بھی ہے تم صرف اپنے دھرم کو ملحوظ رکھو۔ اپنا اشٹ سچا دوسرے متھیا ہیں۔ اپنے آدرش کی طرف مائل ہوجاؤ اور سچائی سے دور نہ رہوگے۔ یہ برہم ست اور جگت متھیا کی تشریح ہے اور عمل و شغل۔ غور و فکر سوچ وچار میں جب آؤگے تم پر اسکی حقیقت کھل جائیگی اسوقت میری نگاہ کے سامنے صرف اس مضمون کی سرخی کا خیال ہے میں نہیں جانتا میرے اردگرد کیا ہو رہا ہے میں صرف نفس مطلب کی طرف نگاہ رکھتا ہوں وہ تو ست ہے باقی سب است ہیں۔ اگر مضمون لکھتے وقت سب کو ست سمجھ کر پیش نظر رکھوں تو یہ لکھ کیا سکونگا

سب کی طرف سے چیت کو ہٹا کر ایک اصلیت میں گاڑ دینا ہے جبتک ایسا نہ ہوگا حقیقت کا پردہ نہ اٹھیگا۔ حقیقت ہمیشہ ایک ہوا کرتی ہے دو چار دس بیس نہیں ہوتی جب کسی کام کو کرنے لگے۔ بھول جاؤ جگت کو بھول جاؤ ارد گرد کے مناظر کو بھول جاؤ اپنے فرضی شخصیت کو صرف تمہارا آئیڈیل تفکر کے سامنے ہے اور تم بازی جیت لیجاؤ گے۔ دنیا کے کاروبار میں۔ دین کے معاملات میں فلسفہ کے مطالعہ میں۔ یوگ کے شغل میں۔ اگر اس اصول پر عملدرآمد کرتے ہو تو کام بنیگا اگر غلطی سے اور باتوں کا بھی خیال رکھتے ہو تو پھر تمہارا ٹھکانا نہیں ہے۔ فکر عبث سے آزاد ہو۔ یکے دان و یکے بینی و یکے گو" کے مقولہ پر عمل کرو۔ تب کامیابی تمہاری قسمت میں آویگی یہی جینے جی مرنے کا مضمون ہے کوئی یہ نہیں کہتا کہ گلے میں پھانسی لگالو۔ کہنا صرف اتنا ہے اپنے اشٹ کی بھیری پر آہوتی بنکر خودی و خود بینی کو بھسم کر دو۔ معراج کے سوا کوئی بات سامنے نہ آوے اپنے آئیڈیل کے مذبح پر ذبح ہو جاؤ۔ یہی سچی قربانی ہے۔ اپنے آدرش کے نام پر گم ہو یہ سچا بلدان ہے اور تم اسرار معرفت سے نابلد۔ اور ناواقف نہ رہوگے اگر اپنے کو زندہ رکھتے ہو تو تمہارا آدرش زندہ نہ رہیگا۔ اگر اپنی خواہ اپنی دنیا کی سمجھ رکھتے ہو تو معراج مکمل نہ ہوگا۔ محو ہو جاؤ اپنے خیال معراج میں۔ بھلا دو اپنی ہستی کو آدرش کی ہستی میں اور تم کو ابدی حیات نصیب ہوگی۔

بے فنائے خود میسر نیست دیدار شما ۔ میفروشد خویش را اول خریدار شما

نادانوں کی طرح بہت سی باتیں نہ سوچا کرو ایک بات سے تعلق رکھو اور وہ صرف تمہارا آئیڈیل ہے کسی لڑنا جھگڑنا ٹھیک نہیں۔ لڑنے جھگڑنے سے تو یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ تمہاری نگاہ میں اوروں کی بھی وقعت ہے اگر تم اُن کی ہستی کو نہ مانتے تو کیوں لڑتے۔ کوئی مردہ سے لڑنے نہیں جاتا۔ اور یہ تمہارا بھرم ہے تم محض ناقص و موہوم چیز کو زندگی دے رہے ہو۔ رسّی میں سانپ نہیں ہے کیوں ڈرتے ہو موٹھ آدمی نہیں ہے۔ کیوں کانپتے ہو۔ تمہارے سوا دوسرا کوئی بھی نہیں ہے۔ کوئی اپنی ذات سے کب ڈرتا ہے یہی تمہاری ذات اصلیت ہے باقی سب متھیا ہے اور اسی اصلیت کا نام آدرش معراج اور آئیڈیل ہے یہی راز توستی کا ہے یہی نکتہ انا الحق کا ہے۔ اس کو ذرا سمجھو اور پھر دیکھنے کیسے تم کلیان نہیں ہو

ہیں جو کچھ تم سے کہتا ہوں صاف صاف کہتا ہوں۔ میرے یہاں بناوٹ اور تصنع نہیں ہے نہ مجھ کو منطق اور دلیل بازی سے تعلق ہے۔ ہر چیز آئینہ کی طرح صاف ہے اگر تم اب بھی نہیں سمجھتے تو تمہارا قصور ہے میں بہ آواز بلند تم کو سناتا ہوں - کہ تمہارے سوا اور کوئی بھی ہستی نہیں ہے تم ناحق بھرم میں پڑے ہو دل کے آئینہ کو ذرا مانجھا دو اور اپنے اندر کے چمن کا تماشا دیکھو۔

تم کہو گے۔ "ہمکو کامیابی مطلوب ہے" میں کہتا ہوں تم کامیاب ہو تم کہاں کامیابی تلاش کرتے ہو کامیابی تم سے اور کب ہے کامیابی کا آیڈیل تم میں ہے اور وہ تم خود آپ ہو۔

تم کہو گے اس کا ثبوت کیا ہے؟ میں کہتا ہوں قدم قدم پر یہ ثبوت موجود ہے دیدۂ بینا و گوش شنوا چاہئے درخت کے بیج میں جو کچھ ہو ہوا آ سب موجود ہے کیا تم اتنا بھی نہیں سمجھتے بجتنے پتے۔ پھول پھل نکلنے والے ہیں سب اسکے اندر ہیں وہ مجہولیت کی حالت میں پڑے موقع پاکر سب ظاہر ہو جاتے ہیں باہر کہیں کیا آتا ہے؟ اسی طرح تمام ذرہ ذرہ میں اصلیت چھپی ہے جو تم بنا چاہتے ہو تم میں پہلے ہی سے موجود ہے ذرہ دیکھ دینے کی ضرورت ہے۔ دل کو ضرب لگاؤ۔ پردوں کو دونوں ہاتھ سے پکڑکر چیر دو۔ اور تم حقیقت کا وہ تماشہ دیکھوگے جو حیرت کا باعث ہوگا۔ گحر بحر کا سودا ہے لینا ہو تو اس طرح لے لو۔ ورنہ دیر لگیگی۔ وہ باہر کہیں نہیں ہے تم میں ہے اور تم خود ہی ہو۔ اور اگر حیض بیض میں پڑے ہو تو کچھ دنوں اور پڑے رہو۔ وقت آئیگا جب تم کو میری باتوں کا یقین ہوگا۔ تم ہیرے موتیوں کو چھوڑکر کنکر چن رہے ہو۔ چنو کیا مضائقہ ہے کبھی تو تمہاری نظر جواہرات کے ڈھیر پر پڑیگی اور تم اپنی ذات کی طرف رجوع ہو گے۔ تمہاری ذات ہی آیڈیل معراج اور آدرش ہے۔ تم خود ست ہو اور سب است ہیں تم چیت ہو اور سب جڑ ہیں۔ تم آنند روپ ہو اور سب دکھ سردپ ہیں۔ یہ ست چیت۔ آنند اور یہ است۔ اچت اور دکھ صرف نسبتی نقطہ نگاہ سے کہے جاتے ہیں۔ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ تمہارے سوا اور کوئی بھی نہیں ہے جو کچھ ہو وہ تم ہی ہو اور یہ سب پسارا محض تمہارے بھرم اور اگیان سے ہے ایک دفعہ اس خارجی جگت میں اس تم کا آیڈیل دل میں قائم کرکے کام شروع کرو اور تم تھوڑے ہی زمانہ میں دیکھو گے کہ حقیقت کیا ہے۔

اکتالیسویں شاکھا

سوچنے کی باتیں

اُپدیش کے چٹکلے

عقل کے نکلنے

جھگڑے کا سبب - پاروتی مہارانی کے دو لڑکے تھے - گنیش اور سوام کارتک - گنیش کی سونڈ (ناک) لمبی تھی - اور سوام کارتک کی بارہ آنکھیں تھیں - گنیش جی انگلی سے اپنے بھائی کی آنکھیں گنتے - ایک دو تین - چار - اور سوام کارتک مہاراج ہاتھ سے اُن کی سونڈ ناپتے - ایک - دو - تین چار - اور پھر دونوں میں خوب لڑائی ہوتی - پاروتی کا ناک میں دم ہوگیا - روز روز کی لڑائی بڑی ہوتی ہے - اُس نے شیوجی سے پوچھا - مہاراج! یہ لڑکے بالک کیوں روز روز لڑتے ہیں - شیوجی نے مُسکرا کر جواب دیا - ان کی عادت ایک دوسرے کے عیب دیکھنے کی ہے - یہ اپنے عیب کو نہیں دیکھتے - دوسرے ہی کے عیب پر نظر ڈالتے ہیں اسلئے لڑتے ہیں - اور جب دیا ساگر شیو نے اُن کو بلا کر اُپدیش دیا پھر لڑائی جھگڑا ہمیشہ کے لئے ختم ہوگیا -

اگر تجھ کو منظور ہے بہتری ۔۔۔ نہ دیکھ عیب تو دوسروں کا کبھی
کہ بدبینی عادت ہے شیطان کی ۔۔۔ اسی میں لڑائی کی جڑ ہے چھپی

دنیا کے گرد چکر - گنیش کہتے تھے - میں بڑا ہوں - سوام کارتک کہتے تھے - میں بڑا ہوں - شیوجی نے اُن کا جھگڑا سُنا - مسکرائے - فرمانے لگے - بیٹو! ہیں تم میں سے اُس کو بڑا بناؤنگا - جو فوراً دنیا کا چکر لگا آوے - سوام کارتک جھٹ پٹ اٹھ کھڑے ہوئے - اور مور پر سوار ہوکر پڑنڈ دہی

پر کرما کو نکلے۔ انھوں نے سوچا گنیش چوہا کا سوار ہونے والا بھلا کب میرے مقابلہ میں دوڑ سکتا ہے۔ مگر جب مغرور سوامی کارتک روانہ ہوئے گنیش کی آنکھ کھلی۔ سوچا بڑائی کسی میں نہیں ہے بلکہ صرف ایشور میں ہے اور وہ یہ سمجھ کر شیوجی کی پرکرما کر کے بیٹھ گئے۔ اتنے میں سوامی کارتک آئے گنیش کو بیٹھا ہوا دیکھ کر جھنجھلائے۔ یہ کب پرتھوی کے چکر دینے کو نکلا تھا۔ گنیش نے جواب دیا۔ بھائی! مجھ کو بڑائی نہیں چاہئے تو بڑائی لے میں نے تو شیوجی میں تمام برہمانڈ دیکھ لیا۔ اور اُن کے گرد پرکرما کر کے بیٹھ گیا۔ میری سمجھ میں شیوجی میں ہی سارا برہمانڈ ہے۔ سوامی کارتک لاجواب ہو گئے۔ اور شیوجی نے خوش ہو کر گنیش کو بڑائی کا رُتبہ بخشا۔ اور دیوتاؤں کا سردار بنا دیا۔ یہاں تک کہ سب سے پہلے اُن کی پوجا ہوتی ہے۔

بڑی ہے فقط ذات ربِّ غفور عبث ہے کرے کوئی نازو غرور
جو اس نکتہ کو کوئی پہچان لے یقیناً جہاں میں بزرگی ملے

فتح کس کی ہے؟ اجودھیا کے لوگ رام کی بڑائی کرتے تھے کہ لنکا کو فتح کر لیا۔ اگست رشی نے رام کے دربار میں اس بات کو سنا۔ اور مسکرا کر بولے۔ لنکا کی فتح کا ٹیکا لکشمن کے ماتھے پر ہے۔ رام نے نہیں۔ بلکہ لکشمن نے لنکا کو فتح کیا۔ لوگ متعجب ہوئے پوچھنے لگے۔ یہ کیسی بات ہے۔ رشی نے جواب دیا۔ رام خودی کی غرض لے کر لڑے تھے۔ خودی و غرض والے لنکا فتح نہیں کر سکتے۔ لکشمن میں ایثار نفسی بیغرضانہ کوشش اور رام کی نشکام بھگتی تھی۔ اس وجہ سے لنکا فتح ہو گئی۔ جب تک انسان ایسا نہیں بنتا۔ تب تک لنکا فتح نہیں

کی جاتی۔ لکشمن کا ظہور اپنے لئے نہیں تھا۔ صرف رام کے فتح اور سنسار کے
اپکار کے لئے ہوا ہے۔ اسلئے سچے حقیقی فاتح لکشمن ہیں۔

تر ور۔ سرور۔ سنت۔ جن۔ چوتھے برسیں میہہ
پرمارتھ کے کارنے چاروں دھاریں دیہہ
درخت[له] برچھا پھلے نہ آپ کو ندی نہ پیوے نیر
پرسوارتھ کے کارنے۔ سنتن دھرا شریر

کتابوں کا بوجھ - ایک مرتبہ سارے رشی کیلاش پر شیوجی کے
درشن کے لئے آئے۔ اتفاقاً اُن کے دیکھا دیکھی ایک اور رشی بھی
وہاں آیا۔ جو سر سے پاؤں تک کتابوں کے بوجھ سے لدا تھا۔ بغل میں کتاب
ہاتھ میں کتاب۔ سر پر کتاب۔ پیٹھ پر کتاب۔ کمر میں کتاب۔
سارے رشی مسکرائے۔ اس کو تعجب ہوا۔ پوچھنے لگا۔ تم کیوں
ہنستے ہو۔ اُنہوں نے جواب دیا۔ تیری وجہ سے اب شیو کا
درشن نہ ملیگا۔ کیونکہ تو کتابوں کے بوجھ سے لدا ہے۔ شیو کا درشن
اُن کو ملتا ہے جو کتابی علم کو بھلا کر یہاں آتے ہیں۔ شیو کا درشن
کتاب کا مضمون نہیں ہے اور تو شیو کا درشن نہ پاویگا۔ اس لئے
گھبرا کر ساری کتابیں ایک دوسرے کے بعد گنگا میں پھینک دیں۔ اور
اُسی وقت مہاپربھو نے آکر درشن دیا۔

پڑھ پڑھ کر سب جگ مُوا۔ پنڈت بھیا نہ کوے
دھائی اکشر پریم کا۔ پڑھے سو پنڈت ہوئے
پڑھ پڑھ کے پتھر بھئے۔ لکھ لکھ بھئے جو اینٹ
کبیرا انتر پریم کی۔ نیک نہ لاگی چھینٹ

نہیں کاغذ نہیں لیکھنی نہ اکشر ہے جوے
پُستک چھانڈ جو بانچئی پنڈت کیسے ہوے

کڑوا جواب - ایک دولت شخص نے کہا۔ ویدانت میں کیا دھرا ہے مجھ کو تو اُس کی ایک بات بھی سمجھ میں آتی۔ اس کے دوست نے کہا تجھ کو کیا ہوا ہے جو ویدانت کا ذکر کرتا ہے۔ ویدانت تو اُن کے لئے ہے۔ جو دنیا اور اُس کے اسباب کو حقیر سمجھتے ہیں۔ تُو تو اِن کا غلام ہے۔ اس کی سمجھ تجھ کو کیسے آ سکتی ہے۔

مورکھ کے سمجھاونے۔ گیان گانٹھ کا جائے
کویلا ہوے نہ اوجرا۔ چاہے سومن صابون لائے

ایشور سب کا رازق ہے - ایک دن شیوجی دیر کر کے کیلاش پر آئے۔ پاروتی جی نے پوچھا۔ دیر کیوں ہوئی۔ آپ نے جواب دیا۔ اپنے لڑکوں کو کھلانے پلانے گیا تھا۔ پاروتی جی بولیں۔ کیا سچ مچ تم ہی سب کے روزی دینے والے ہو۔ اور کیڑے مکوڑے سب کو تم ہی سے روزی ملتی ہے۔ انہوں نے کہا ہاں۔ پاروتی کو یقین نہیں آیا۔ دوسرے روز جب شیوجی باہر گئے۔ دیوی نے ایک ناریل میں سوراخ کیا۔ اور اُس کے اندر کسی چیونٹی کو لیکر بند کر دیا۔ جب مہاپربھو واپس آئے۔ یہ پوچھنے لگیں مہاراج! سب کو روزی دے آئے؟ یہ بولے ہاں۔ تب پاروتی جی نے مسکرا کر کہا۔ ایک جانور کو آپ نے روزی نہیں دیا۔ شیوجی ہنسے۔ ذرہ اپنے گود میں چھپے ہوئے ناریل کو کھول کر دیکھو۔ تب بحث کرو۔ اور جب پاروتی نے اُس کو کھولا۔ چیونٹی کے منہ میں ایک چاول کا نیا دانہ موجود تھا۔ یہ شرمائیں۔ اور شیوجی کے پاؤں پر گریں۔

رچن ہار کو چینہہ لے ۔ روٹی کو مت روے
تُلسی من میدان میں ۔ اوڑہ پچھوڑا سوے

سچا جواب ۔ ایک ممکشو اپنے گرو کے درشن کو جا رہا تھا۔ راہ میں ایک واچک گیانی یوگی سے ملاقات ہوگئی۔ وہ پوچھنے لگا۔ تو کہاں جاتا ہے؟ اس نے جواب دیا۔ گورو بھگوان کے درشن کے لئے جاتا ہوں۔ اس نے کہا تو کیوں وہاں جاتا ہے۔ کیا تیرا گرو میری طرح مہینوں کی سمادھی لگاتا ہے۔ کیا میری طرح وہ بھی آگ پانی اور ہوا میں چل سکتا ہے۔ اپنا وقت نہ ضائع کر۔ وہ مکار ہے۔ اور پاکھنڈی ہے۔ ممکشو نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ میں اُن کے پاس صرف اس وجہ سے جاتا ہوں کہ وہ کسی کی برائی نہیں کرتے۔ نہ اُن میں میرا تیرا پنا ہے۔ اور نہ غصہ کرتے ہیں۔ اور میری نگاہ میں یہ سب سے بڑا معجزہ ہے یوگی اس جواب کو سنکر سخت شرمندہ ہوگیا۔

دوش پرایا دیکھ کے چلے ہنسنت ہنسنت
اپنا یاد نہ آوئی ۔ جا کا آد نہ انت
ساتوں سایہ میں پھرا۔ جمبو دیپ دے پیٹھ
نندیا پرائی نہ کرے ۔ سو کوئی برلا دیٹھ

عمل کی بات ۔ ایک عورت اپنے بچے کو کسی سادہو کے پاس لائی اور کہنے لگی۔ مہاراج! اس کا علاج کرو۔ اس کے دانتوں میں کیڑے پڑ گئے ہیں۔ اور یہ بیمار رہتا ہے۔ سادہو نے کہا۔ ایک ہفتہ کے بعد اس کو میرے پاس لانا۔ وہ چلی گئی۔ جب سات دن گزر گئے۔ پھر آئی۔ سادہو نے بچے کو دیکھ کر کہا بیٹے! آج سے گڑ نہ کھایا کر۔

تو اچھا ہو جائیگا۔ اور وہ اُسی دن سے اچھا ہونے لگا۔ عورت نے کچھ عرصہ بعد آکر سوال کیا۔ مہاراج! میرا بیٹا تو اچھا ہے۔ مگر تم نے سات دن کی مہلت کیوں لی۔ ذرہ سی بات تھی۔ اُسی دن کہہ دیتے۔ سادھو نے کہا۔ مائی! تیرا بچہ گُڑ کھانے کی وجہ سے بیمار تھا۔ اُس دن میں نے بھی گڑ کھایا تھا۔ اور میرے پاس گڑ دھرا تھا۔ اگر تیرے لڑکے سے میں کہتا کہ تم نہ کھاؤ۔ تو وہ میری بات نہ مانتا۔ میں نے سات دن تک گُڑ نہیں کھایا۔ تپ کیا۔ اور یہی وجہ ہے تیرے بچے نے میری بات مان لی۔

جیسی کہیں۔ کریں نہیں۔ اگیانی دن رات
کو کرسم ہوست پھریں۔ سُنی سنائی بات
جیسی مکھ سے نکسے۔ تیسے چالے نہہ
مانش نہیں وہ سوان گنت باندھے جم پرجانہہ

حیرانی کی بات ۔ موسیٰ یہودیوں کے نبی جنگل میں جا رہے تھے ایک گڈریہ ملا۔ جو کہہ رہا تھا۔ اے خدا! تو کہاں ہے؟ یار میرے! اگر تو مجھ کو مل جائے تو تجھ کو پیٹ بھر کے دودھ پلاؤں۔ پنیر چکھاؤں۔ دہی پلاؤں۔ یہ نعمت تجھ کو کہاں ملتی ہوگی۔ میرا مالک! تو مجھ کو مل جا۔ میں تیری سیوا کرونگا۔ جب تو بیمار ہوگا۔ تجھ کو کمل اوڑھاؤنگا۔ جنگل کی جڑی بوٹی لاکر تجھ کو پلاؤنگا۔ یہ سب بکری۔ بھیڑ تجھ کو دے دونگا۔ ذرا تیری خبر مل جائے۔ پھر میں کیا کبھی تجھ کو چھوڑنے والا ہوں۔ موسیٰ نے یہ باتیں سُنیں۔ کہنے لگے۔ او موذی کافر! کیا بکتا ہے۔ کیا خدا ایسا گیا گزرا ہے کہ تیرا دودھ دہی پیئے گا

گڈریا ڈرا۔ کیوں۔ کیا میں نے بُرا کیا۔ کیا خدا ناراض ہوگا؟ نبی نے کہا۔ ہاں۔ ناراض ہوگا۔ تب تو یہ گھبرا گیا۔ اور روتا ہُوا جنگل کی طرف بھاگ نکلا۔ اور اُسی وقت موسےؑ پر عتاب نازل ہُوا۔ تو نے میرے پریمی کو مجھ سے جدا کر دیا۔ میں نے اُن لئے تجھ کو نہیں بھیجا تھا۔

تو برائے وصل کردن آمدی
نے برائے فصل کردن آمدی

موسےؑ نے گھٹنا ٹیک کر معافی مانگی۔ بار خدایا! معاف کر۔ وہ شریعت کے برخلاف گفتگو کر رہا تھا۔ آواز آئی۔ وہ میرا سچا پیارا ہے۔ شریعت والے مجھ کو اتنے پیارے نہیں ہیں۔

موسیا آداب دانان دیگر اند
سوختہ روح وروان دیگر اند

سچ ہے۔ جو مالک کو جس طرح بلاتا ہے۔ وہ اُس کی ویسے ہی سنتا ہے۔ کرشن بھگوان کا واکیہ ہے۔ جس شکل میں پرانی مجھ کو پوجتے ہیں میں اُسی شکل میں اُن کو اپنا درشن دیتا ہوں۔

دسواں تو ہے۔ دس آدمی کسی طرف کو جا رہے تھے۔ ان میں سے دسوں مورکھ تھے۔ جب ایک ندی کے پار اُترنے لگے۔ ان میں سے ایک نے کہا۔ بھائی چلتے وقت ہم دس تھے۔ آؤ گن لیں۔ کوئی رہ تو نہیں گیا۔ ایک شخص نے سب سے پہلے شمار کیا۔ سب کو تو گنا۔ مگر اپنے کو نہیں گنا۔ خوف کی حالت طاری ہوئی۔ گھبرا کر بولا ایک کھو گیا۔ ہم صرف نو رہ گئے۔ اب تو کل گروہ میں کھلبلی پڑ گئی۔ سب نے یکے بعد دیگرے گنا۔ مگر سب شمار کرتے وقت اپنی خاص ذات کو نہیں گنتے تھے۔ اور اسی وجہ سے سب کے سب دسویں آدمی کو گم شدہ

سمجھتے تھے۔ آخر وہ رنج و الم سے پریشان ہو کر رونے لگے۔ اور سخت واویلا مچانے لگے۔ جب اس طرح روتے ہوئے کچھ عرصہ گزر گیا۔ ایک سادھو کا ادھر سے گزر ہوا۔ اُس نے پوچھا۔ تم کیوں روتے ہو۔ یہ بولے۔ دسواں نہیں ہے۔ ہم دس آدمی گھر سے چلے تھے۔ صرف نو رہ گئے۔ دسواں کھویا گیا۔ سادھو مسکرایا۔ بھلا میرے سامنے تو گنو اور جب ایک شخص ایک دو تین کرتے ہوئے نو تک پہنچا۔ کہنے لگا۔ دیکھئے صرف نو ہیں۔ سادھو نے کہا نادان دسواں تو ہے۔ اپنے کو کیوں نہیں شمار کرتا۔ یہ سُنکر سب کی آنکھیں کھل گئیں۔ اور وہ خوش ہو کر اپنے راہ چلے گئے۔

دنیا میں اسی طرح ہو رہا ہے۔ انسان سب کو دیکھتا ہے۔ اپنے کو نہیں دیکھتا۔ اس لئے بھرم میں پڑا رہتا ہے اور دکھ بھوگتا ہے۔ اگر وہ اپنے کو دیکھے تو پھر نہ بھرم رہے نہ دکھ ہو۔ اگر کوئی دانا آدمی مل کر اُس کو اپنی ذات کی ہستی کا پتہ دیدے۔ تو یہ بھرم ابھی دور ہو جائے۔

وستو کہیں ڈھونڈھے کہیں کیہی بدھ آوے ہاتھ
کہن کبیر تب پائیے بھید لیجئے ساتھ
بھیدی لیا ساتھ کر دینا وستو لکھائے
کوٹ برس کا پنتھ تھا پل میں پہنچا آئے

اپنی کرنی پار اُترنی ۔ کسی کھیت میں جانوروں کا گھونسلا تھا۔ جب کھیت پک گیا۔ کاشتکار اپنے لڑکے سے کہنے لگا۔ کل رشتہ داروں کو بلاؤ۔ کھیت کاٹ لیں۔ پرندوں کا جوڑا فکرمند ہوا۔ مادہ نے نر سے کہا جگہ چھوڑ دو۔ ورنہ کل خیریت نہیں ہے۔ نر نے جواب دیا۔ فکر نہ کرو۔ کاشتکار دوسروں کی مدد سے کھیت کاٹنے والا نہیں ہے۔ اس کا

کام نہ ہوگا۔ نہ کھیت کاٹا جا سکیگا۔ اور ایسا ہی ہوا۔ دو تین دن گزر گئے۔ کوئی بھی نہیں آیا۔ چوتھے دن کسان نے لڑکے سے کہا۔ رشتہ داروں پہ بھروسہ کرنا ٹھیک نہیں۔ کل میں خود آکر کھیت کاٹونگا۔ نر نے جس وقت یہ بات سنی۔ مادہ سے کہا۔ چل دوسری جگہ تلاش کر۔ کل کھیت ضرور کٹیگا۔ کیونکہ کسان خود کام کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ اور وہ جگہ چھوڑ کر چلے گئے۔ دوسرے دن کھیت بھی کاٹ لیا گیا۔

اپنے اُرجھے اُرجھیاں دیکھے سب سنسار
اپنے سُرجھے سُرجھیاں یہ گور گیان وچار

نرک اور سرگ ۔ جب یدھشٹر کو نرک میں لے گئے۔ اُس نے دیکھا ارجن۔ دروپدی وغیرہ سب شور کر رہے تھے۔ یودھشٹر نے پوچھا تم کیوں شور کر رہے ہو؟ سب نے کہا۔ ہائے ہم دُکھی ہیں۔ اپنے آپ کو دکھ سے نکالنا چاہتے ہیں۔ مگر نہیں نکل سکتے۔ یودھشٹر نے یم راج سے مخاطب ہو کر کہا۔ میں سرگ میں نہ جاؤنگا۔ یہاں رہ کر اپنی ہمدردی سے بھائیوں کا ساتھ دونگا۔ اور اُسی وقت تڑاقے کی آواز پیدا ہوئی۔ اور نرک غائب ہو گیا۔ اور وہ جگہ سرگ بن گئی۔ یودھشٹر نے پوچھا۔ یہ کیا بات ہے۔ جمراج نے جواب دیا۔ جہاں اپنی اپنی پڑی رہتی ہے وہاں نرک ہے۔ اور جہاں ہمدردی ہوتی ہے وہاں ہی سرگ۔ تیرے بھائی خود غرض ہیں۔ اُن کی خود غرضی نے اس جگہ کو نرک بنا رکھا ہے۔ تجھ میں پریم ایکتا ہے اور ہمدردی ہے۔ اس لئے یہ سرگ بن گئی۔ خود غرضی نرک اور ہمدردی سرگ ہے۔

تم ایک دفعہ اس نکتہ کو سمجھ لو۔ اور سرگ نرک کی سمجھ آجائیگی۔

جہاں آیا تہاں آپدا۔ جہاں سنشے تہاں سوگ
کہن کبیر یہ کیوں مٹیں۔ چاروں دیر گھہ روگ
جہاں دَیا تہاں دھرم ہے۔ جہاں لوبھ تہاں پاپ
جہاں کرودھ تہاں کال ہے جہاں چھما تہاں آپ

سرہانا اور پیتانا۔ کرشن کورو پانڈو دونو کے رشتہ دار تھے۔ مہابھارت کی لڑائی کی دعوت دینے کے لئے ارجن اور دریودھن دونو اُن کے پاس گئے۔ دریودھن پہلے گیا۔ مگر سرہانے کی طرف بیٹھا۔ ارجن پیچھے پہنچا۔ مگر پائینتی کی طرف بیٹھا۔ کرشن سو رہے تھے۔ جب نیند کھلی۔ پہلے ارجن کی طرف نگاہ گئی۔ اُس کے آنے کا سبب پوچھا۔ اور اُس کے ساتھ خود مہابھارت میں لڑنے کا وعدہ کیا۔ دریودھن نے کہا۔ میں پہلے آیا تھا۔ کرشن مسکرائے اُس کو اپنی فوج دیدی۔ فتح ارجن کی ہوئی۔ دریودھن مارا گیا۔ اگر تم اس سرہانے وپیتانے کے مضمون کو ایک دفعہ سمجھ لو تو کبھی اپنے مقصد کی تکمیل میں تم سے قصور نہ ہو۔

اونچے پانی نہ ٹکے۔ نیچے ہی ٹھہرائے
نیچا ہوسے سو بھر پئے۔ اونچے پیاسا جائے

دان بھی پاپ ہے۔ راجہ نرگ نے کروڑوں گائیں دان میں برہمنوں کو دیں۔ نرک کو گیا۔ کیونکہ اُس میں دان کا ہنکار تھا۔ ایک برہمن نے مہینوں فاقہ کیا۔ مہینہ بھر کے بعد اُس کو روٹی ملی اُس نے بھوکے کتے کو کھلا دیا۔ سورگ چلا گیا۔ کیوں اُس میں دان کا ہنکار نہیں تھا۔ تم بھی اس طرح کا دان دینا سیکھو۔ ان پُنیہ ہوگا ورنہ وہ بھی پاپ ہے۔

تن من دیا تو بھل کیا۔ جا سی سر کا بھار
جا کبھوں کہہ۔ میں دیا۔ تو بہت سہیگا مار
تن من دیا آپنا۔ رنج من تا کے سنگ
کہن کبیر۔ نر بھے بھیا سُن سنگور پرسنگ

پریم ہی اصلی چیز ہے ۔ نام دیو کا نانا بھگت تھا۔ اُس کو مالک کا بھی درشن نہ ہُوا۔ مگر یہ لڑکا غضب کا ٹھلکی تھا۔ جب درشن نہیں ہُوا۔ اپنا گلا کاٹنے کو تیار ہُوا۔ مالک نے مجبور ہو کر اس کو درشن دیا۔ اور اُس نے بچپن کے سو بھاؤ سے اُس کو دو تپانچے مارے کمبخت! جب میں سر کاٹنے لگا۔ تب تو آیا۔ اور پھر اُس کے ساتھ ساتھ رہنے لگا۔ اس کو لفظی طور پر صحیح نہ سمجھو۔ مطلب پر جاؤ جہاں آدمی اپنے آپ کو مار دیتا ہے اور پریم کی بیدی پر بلدان ہوتا ہے۔ وہاں ہی مالک اُس پر پرگٹ ہوتا ہے یوں تو سب ہی بھگتی کرتے ہیں۔

تو تو کرتا تو بھیا رہی نہ مجھ میں ہوں
واری تیرے نام کو جت دیکھوں تت توں
کبیر من مرتک بھیا دُربل بھیا شریر
لاگے ہر پیچھے پھریں کہیں کبیر کبیر

سدھی شکتی ۔ پیچھے ایک جوگی روز بڑ مارا کرتا تھا۔ کہ میں ہوا پر اُڑ سکتا ہوں۔ برسوں زمین کے نیچے سمادی میں رہ سکتا ہوں مہینوں پانی میں پڑا رہ سکتا ہوں۔ مجھ میں سدھی شکتی ہے کبیر صاحب نے اُس کی بات سنی قہقہہ مار کر ہنسے۔ دوست! تو نرا جانور کا جانور بنا رہا۔ کیا تو نہیں دیکھتا۔ باز و کبوتر ہوا میں اڑا کرتے ہیں۔ کچھوا برسوں مٹی کے

نیچے دبا پڑا رہتا ہے - مچھلیاں پانی میں رہتی ہیں پیاس سدھی سے تجھ کو زیادہ کیا ملا - تو انسان تھا - اگر انسان بنا رہتا تو کچھ بات بھی تھی - تو نے اپنے آپ کو حیوان بنا لیا - اور میرے سامنے اپنی حیوانیت کی ڈینگ مارتا ہے - جا ست سنگ کر - اور مالک کی بھگتی میں اپنی مکتی تلاش کر - وہ شرمندہ ہُوا - پاؤں پر گرا - اور کبیر صاحب کو اپنا گورو بنا لیا -

یہ تن وِش کی بیلری - گورامرت کی کھان
سیس دئے جو گورو ملیں - تب بھی ستا جان
جا کھو چیت بر تہا تھکے سُر نر مُن دیوا
کہیں کبیر سن سادھوا گورست گور سیوا

شیخ چلی کی باتیں - شیخ چلی کو ایک شخص نے دو آنہ کی مزدوری پر نوکر رکھا - اور اُس سے کہا - یہ کانچ کے برتن میرے مکان پر پہنچا دے - اس نے بوجھ کو سر پر اٹھا لیا - جب کچھ دور گیا - سوچنے لگا - آج شام کو مجھے دو آنہ کے پیسے ملینگے - ان سے مرغی خریدونگا - مرغی کے انڈے بچے بیچ کر بکری لونگا - اور بکری کا دودھ دہی بیچ کر اُس کی آمدنی سے بھینس لونگا - اور جب خوب روپیہ پیسہ اکٹھا ہوگا - شادی کرونگا - جب حسین عورت کھانا کھانے کے لئے بلانے آئیگی میں ناز سے کہونگا - چل چل میں ابھی نہ کھاؤنگا - اور جب وہ ہاتھ باندھ کر منت کریگی - میں اُس کو پاؤں سے مارنے لگونگا - کمبخت! شوہر کی بات نہیں مانتی - شیخ چلی اپنے خیال میں اتنا مست تھا کہ اس نے پاؤں چلا ہی دیا - بوجھ سر پر سے گر گیا - کانچ کے برتن

لوٹ گئے۔ اور مالک نے اُس کو اتنا مارا۔ کہ کچومر نکل آیا۔
بالکل یہی کیفیت اُن کی ہوتی ہے۔ جو بھگتی بھاؤ کے جھوٹے ڈھکوسلے میں پنتھ چلاتے ہیں۔ اور پیری مُریدی کے سلسلے میں نرک کو جاتے ہیں۔

سکھ ساکھا بہتے گئے۔ ست گور کیا نہ میت
چاسے تھے ست لوک کو۔ انت ہی اٹکا چیت
کل کا سوامی لوبھیا۔ سنسار رہا بندھائے
روپیہ دیوے بیاج پر۔ لیکھا کرتا جائے

بیالیسویں شاکھا

ست سنگ کی مہما
ست سنگ کا پرتاپ
ست سنگ کا پھل

والمیکی ابتدا میں خوفناک لوٹیرا تھا۔ ایک مہاتما کے ست سنگ اور اُس کے موثر اُپدیش کی برکت سے وہ زبردست عابد اور رشی بن گیا جس میں پہلے بگلے کا خواص تھا۔ جو گھاٹ میں رہ کر مچھلیوں کا شکار کھیلا کرتا تھا۔ وہ ہنس ہوگیا۔ اور روحانی مانسرودر کے کنارے موتی چُننے لگا۔ کون کہہ سکتا تھا کہ جنم کا مشہور بیرحم اور ناپاک قزاق اُس رتبہ کو پہنچ جائیگا۔ کہ وہ اخلاق۔ روحانیت اور علم ادب میں دنیا کا معلم بنے گا۔ مگر یہ ست سنگ کی مہما ہے۔ کہ والمیکی کی راماٗئن ہزاروں برس سے کروڑوں واربوں آدمیوں کی روحانی تشفی کی

باعث ہے۔

والمیکی شری رامچندر جی سے اپنا حال اس طرح بیان کرتا ہے پہلے میں ڈاکو تھا۔ ڈاکہ مارنا۔ لوٹ پاٹ کرنا میرا پیشہ تھا۔ آدمیوں کا جان سے مار ڈالنا میرے بائیں ہاتھ کا کرتب تھا۔ جو کچھ مجھ کو اس ذریعہ سے ملتا تھا۔ وہی میرے متعلقین کا رازقہ ہوتا تھا۔ عمر گزر گئی۔ میں سخت دل اور سنگدل بن گیا۔ مسافر میرا نام سنکر کانپتے تھے میرے خوف سے کوئی جنگل میں آسکتا تھا۔ ایک دن اتفاق سے ایک سادھو کا اُدھر سے گزر ہوا۔ میں گھات میں دبک رہا تھا۔ چھلانگ مار کر اس کے سر پر پہنچا "جو کچھ تیرے پاس ہے۔ میرے حوالے کردے۔ ورنہ خیر نہیں" سادھو ہنسا۔ "میرے پاس کیا ہے جو تجھ کو دوں۔ لیکن اگر تو میرے سوال کا جواب دیگا۔ تو میں تیرا اپکار کرونگا" مجھ کو اُس کی بیخوفی دیکھ کر تعجب ہوا۔ ایک معمولی آدمی اور والمیکی سے اس بے پروائی کے ساتھ بات کرے! میں نے غور و تعجب سے اس کی شکل کو دیکھا۔ چہرہ سے نور برس رہا تھا۔ ایشور کی بھگتی کا جلال نمایاں صورت میں دبک رہا تھا۔ شانتی مجسم! نہ کسی سے راگ نہ دویش! اس نورانی صورت نے میرے دل پر اثر کیا۔ میں نے پوچھا۔ کہو۔ کیا کہتے ہو؟ جواب ملا۔ تم مجھ کو صرف اتنا بتا دو۔ لوٹ مار کے پیشہ سے تم جن متعلقین کی پرورش کرتے ہو۔ وہ تمہارے اس کام کے نتیجے میں شریک ہونگے یا نہیں؟ میری زندگی میں یہ پہلا واقعہ تھا۔ کہ یہ سادہ و معمولی سوال کیا گیا۔ یا مجھ کو اُس کے سوچنے کا ملا تھا۔ میں کیا جواب دیتا۔ بولا "میں نہیں جانتا۔ لیکن اگر کہو تو گھر پر جاکر سب سے پوچھ آؤں۔ سادھو نے کہا جا۔ میں یہاں تمہارے

اُپکار کے خیال سے ٹھہرا ہونگا۔
میں گیا۔ ماں۔ باپ۔ بھائی بندھ۔ سب سے پوچھا۔ لوٹ مار کرنا پاپ ہے۔ جان مارنا بُرا کرم ہے۔ یہ ہم تمہاری پرورش کی خاطر کرتے ہیں۔ کیا تم اس پاپ کی سزا میں بھی میرے ساتھ شریک ہوگے؟ سب نے یک زبان ہو کر کہا۔ "ہر شخص دنیا میں اپنے فعل کا جوابدہ ہے۔" اُن کا جواب سنکر میرے اوسان خطا ہو گئے۔ کاٹو تو لہو نہیں بدن میں جیرے کا رنگ فق تھا۔ میں نے پھر کوئی بات نہیں کہی۔ سیدھا اُس کے پاس چلا آیا۔ اور جب میں نے گھر کے آدمیوں کا حال کہہ سنایا سادھو بولا۔ "نادان۔ احمق۔ اب تجھ کو سمجھ آئی یا نہیں۔ دیکھ دنیا کے عزیز رشتہ دار کیسے خود غرض ہیں؟ کیا اب بھی تجھ کو اُن کے خیال سے پاپ کرنے میں پس و پیش نہ ہوگا؟"
میں خاموش و تصویرِ حیرت بنا ہُوا اُس کی طرف دیکھا کیا۔ میرے سکوت کا فائدہ اٹھا کر وہ دیر تک مجھ کو اُپدیش سناتا رہا۔ اور اس کی صحبت کی برکت اور اُس کی تعلیم کا اثر یہ ہُوا۔ کہ میری زندگی بالکل پلیٹ گئی۔"
نارد رشیوں کے سرتاج۔ دیوتاؤں قابلِ تعظیم۔ منیوں میں افضل ایک داسی (لونڈی) کے لڑکے تھے۔ اُن کی ماں ایک سادھو کی خدمت کرتی تھی۔ نارد بھی اُس کے ساتھ بلاناغہ فقیر کے دربار میں حاضر رہ کر اُس کے کلام سنتے۔ اور اُس کی سیوا کرتے تھے۔ سادھو کی ست سنگ کا یہ نتیجہ ہُوا۔ کہ وہ اس بڑی عزت و بڑے رُتبہ کو پہنچ گئے

اس قسم کی ایک دو نہیں بلکہ بیشمار مثالیں دی جا سکتی ہیں۔ جن سے ست سنگ کی بزرگی ثابت ہوتی ہے۔

گوسائیں تلسی داس جی راماین کے مصنف ست سنگ کی عظمت جن واضح لفظوں میں بیان کرتے ہیں۔ وہ بہت ہی مؤثر و زوردار ہیں۔ اور یہاں پر اُن کا لفظ بہ لفظ ترجمہ کر دینا غیر موزوں نہ ہو گا۔ وہ فرماتے ہیں۔

آسمان میں پرواز کرنے والے طیور۔ پانی میں رہنے والی مچھلیاں۔ زمین کے بسنے والے حیوانات۔ ذی روح۔ غیر ذی روح جس قدر چیزیں تم دیکھتے ہو۔ ان میں سے ہر ایک میں جو جو اوصاف اور خوبیاں نظر آتی ہیں۔ وہ سب ست سنگ کی بخشش ہوتی ہیں۔ عقل کی تیزی۔ نیکنامی۔ شہرت۔ شکل و صورت کی پاکیزگی۔ خوشحالی۔ نیکی، غرضیکہ ہر ایک چیز جس کو جہاں کہیں اور جس کی وساطت سے ملی ہے۔ وہ صرف ست سنگ کا عطیہ ہے۔ لوک اور وید میں اس کے سوا اور کوئی تدبیر نہیں ہے"۔

"بغیر ست سنگ کے گیان نہیں ہوتا۔ اور جب تک رام کی کرپا نہیں ہوتی۔ ست سنگ کسی کو میسّر نہیں ہوتا"۔

ست سنگ خوشی دینے والی جڑ ہے۔ سدھی (کامیابی) اس کا پھل ہے۔ اور اُس کے سلسلہ میں جو سادھن کئے جاتے ہیں۔ جو تدبیریں عمل میں آتی ہیں۔ انسان جو کام کرتا ہے۔ وہ اُس کے پھول ہیں"۔

ست سنگ کو پا کر بُرے سے بُرے آدمی سُدھر جاتے ہیں۔ اُن کی

زندگیاں پلٹ جاتی ہیں اور جس طرح لوہا پارس سے مل کر کنچن و طلائے خالص ہو جاتا ہے۔ اسی طرح انسان نیک صحبت کی برکت سے کچھ کا کچھ بن جاتا ہے۔

یہ ایک مہاتما کا بچن ہے۔ جو دنیا میں تقدیس اور پاکی مجسّم تھا وہ ست سنگ کی بزرگی کی اس طرح شہادت دیتا ہے۔ اور کیا ہم کو اس میں شک ہے؟ ہماری سمجھ میں یہاں شک کرنے کی مطلق ضرورت نہیں ہے۔

ہندی میں ایک مثل ہے۔ خربُزہ خربُزے کو دیکھ کر رنگ پکڑتا ہے۔ اسی طرح دنیا میں بھلی اور بُری صحبت کا اثر ہوتا ہے۔ انسان جس آب و ہوا میں پرورش پاتا ہے۔ جن حالات اور واقعات کے زیر اثر وہ رہتا ہے۔ ویسے ہی اُس میں اوصاف پیدا ہو جاتے ہیں۔ اُس کی صحبت قطعی فیصلہ دے دیتی ہے کہ وہ کیا ہے اور کیا ہوگا اور اُس کی آئندہ زندگی کس سانچے میں ڈھلیگی۔ دنیا میں آپ جو کچھ کرشمہ دیکھتے ہو۔ یہ سب باہمی ملاپ اور صحبت کے نتیجے ہیں۔ خیالات کی مضبوطی۔ دل کا استقلال۔ سلطنتوں کے انقلابات۔ سوسائٹی کی بہتر و بدتر حالت۔ جوانوں کی اولوالعزمی۔ بوڑھوں کی دانائی۔ طرز معاشرت کی پسندیدگی و غیر پسندیدہ حالت۔ ترقی اور تنزل کے مرحلے۔ بول چال۔ یہ سب باہمی صحبت کے نتائج ہیں۔ اور انسان جیسے آدمیوں کے ساتھ رہتا ہے۔ ویسے ہی اُن کے خیالات جذب کرتا ہے۔ اور اُس کی شکل و صورت۔ وضع۔ قطع۔ تراش۔ خراش ویسی ہی بن جاتی ہے۔ اور اس لئے کہا گیا ہے۔

اوصاف — سنگت ہی گُن اُوپجیں - سنگت ہی گُن جائیں
مصری — بانس پھانس اور میسری تھی - ایک ہی مول بکائیں

ہم جہاں رہتے ہیں - ہمارے ساتھ جو رہتے ہیں - ہم خود جن کے ساتھ رہتے ہیں - ہم میں اور اُن کے درمیان ایک طرح کی ہمدردی ہو جاتی ہے - اور وہ سب خواہ ذی روح ہوں یا غیر ذی روح اس طرح مل جل کر خوبصورتی یا بدصورتی کا نقشہ دیکھنے والے کی نگاہ کے سامنے پیش کرتے ہیں - جو دنیا میں سب سے زیادہ تعجب انگیز معلوم ہوتا ہے - ہم کو کسی آدمی کا گھر دکھا دو - ہم فوراً بتا دینگے - اُس کے مزاج میں کس حد تک لطافت اور کثافت ہے - تم ہم کو کسی طالب علم کا کمرہ یا کتب خانہ دکھا دو - ہم فوراً سمجھ جائینگے کہ اُن کو کن مضمونوں سے دلچسپی ہے - ہم کو یہ معلوم ہو جائے کہ وہ کہاں کن کے درمیان اُٹھتا بیٹھتا ہے - اور پھر اس بات کا سمجھ لینا آسان ہے کہ اُس میں کیا خوبیاں ہونگی -

تم میں سے بہت سے آدمی ہماری بات کو شاید نہ سمجھ سکیں لیکن یہ سچ ہے کہ جس طرح شفاف شیشے میں انسان کا عکس پڑتا ہے - اسی طرح در و دیوار بھی اُس کے عکس کو منعکس ہی نہیں کرتے - بلکہ جذب کرتے ہیں - آج تم فوٹوگراف کو دیکھ کر حیرت کرتے ہو - ہمارے لئے اُس میں حیرت کی کوئی بات نہیں ہے یہ سچ ہے - ہم فونوگراف بنا نہیں سکتے لیکن اصول کو سمجھ سکتے ہیں - جو اس کی ایجاد کا باعث ہوا ہے - نہ صرف مادی اسباب آواز ہی کو جذب کر سکتے ہیں بلکہ وقت آویگا - جب کسی منہدم مکان کی ٹوٹی پھوٹی دیوار کو دیکھ کر

باریک بیں حکیم بہ آسانی بتا دیگا۔ کہ اُس میں خاص قسم کی صورت کا عکس موجود ہے۔ جو شخص وہاں رہ گیا ہے۔ وہ اس مزاج کا آدمی تھا اور ایسے کام کرتا تھا۔ ایسی باتیں سوچتا رہتا تھا۔ موجودہ ترقی جس کو دیکھ کر تم تعجب کرتے ہو۔ اصلی ترقی کی کتاب کا مختصر دیباچہ ہے یہ پہلا مرتبہ نہیں ہے کہ دنیا میں ترقی کے سامان و وسائل پیدا ہوئے ہیں بلکہ یہ ہمیشہ ایسا ہی ہوتا رہتا ہے۔ کبھی روح اپنی اصلیت کو جھلکاتی ہے۔ کبھی مادہ اُس پر غالب آجاتی ہے۔ کبھی لطافت ہے۔ کبھی کثافت ہے۔ کال کا گھومنے والا چکر ہمیشہ اوپر نیچے آیا جایا کرتا ہے۔ کبھی ست جگ ہے اور کبھی کلجگ ہے وعلےٰ ہٰذا القیاس۔

قدرت میں ہر جگہ دو اصول کام کرتے ہیں۔ لینا اور دینا۔ ہم جن سے ملتے ہیں۔ اُن کے ساتھ ہمیشہ تبادلہ کرتے رہتے ہیں۔ ہم باغ میں سیر کو جاتے ہیں۔ اگر ایک سانس سے پھول کی خوشبو کو جذب کرتے ہیں تو دوسرے سانس سے اپنے اندر کے مادہ کی بو کو خارج بھی کرتے ہیں۔ قدرت کے ذخیرے میں کمی بیشی اس وجہ سے نہیں ہوتی۔ کہ ہر جگہ لینے دینے کا اصول کام کر رہا ہے۔ اسی طرح اس اصول کا اثر ہمارے ملاپ میں رہتا ہے۔ اگر بُرا آدمی بھلے مانسوں کی صحبت میں جا کر سدھر سکتا ہے۔ تو بھلا آدمی بُرے آدمیوں کی صحبت میں بگڑ بھی سکتا ہے۔ جس میں زیادہ طاقت ہوگی۔ وہ غالب آویگی۔ یہاں ہم تم کو ایک مثالیہ قصہ سناتے ہیں۔

ایک شیر کا بچہ عہد طفولیت میں بھیڑ بکریوں کے گلے میں

شامل ہو گیا۔ ان کی صحبت نے بتدریج یہ نتیجہ نکالا۔ کہ وہ شکار کرنا بالکل بھول گیا۔ اور بھیڑ بکریوں کی طرح گردن جھکا کر گھاس چرنے لگا۔ اُس کی زندگی بکریوں کی ہو گئی۔ آخر ایک دفعہ ایسا واقعہ ہوا۔ کہ قریب کے جنگل سے کسی شیر نے اُس غلے پر حملہ کیا۔ بکریاں تو منتشر ہو گئیں۔ شیر بچے کو بھاگنے کا موقع نہیں ملا جنگلی شیر اُس کی ہیئت کذائی دیکھ کر افسوس کرنے لگا۔ پوچھا۔ تو کون ہے؟ جواب ملا۔ میں بکری ہوں۔ شیر اس جواب سے شرمایا۔ اُس کی گردن پکڑ کر جھیل کے کنارے لے گیا۔ اور کہا دیکھ تو شیر کا بچہ ہے۔ بکری نہیں ہے۔ میری اور تیری شکل شیروں کی سی ہے۔ بکریوں کی سی نہیں ہے۔ اُس وقت شیر بچہ کے شیر مردی کے سنسکار پیدا ہو گئے۔ اور جب وہ کہسار کی ترائی میں بھیڑ تا ہوا دھاڑنے لگا۔ نہ صرف بھیڑ بکریاں بلکہ اور جانور بھی سہم گئے۔ اور اُس کو اپنا بادشاہ تسلیم کر لیا۔

اس قصے میں بُری اور بھلی صحبت دونوں کی مثال موجود ہے۔ اس کے یہاں بیان کرنے کی غرض صرف اتنی ہے کہ جس میں زیادہ طاقت ہو گی وہ غالب۔ اور جس میں کمزوری ہو گی۔ وہ مغلوب ہو گا۔

صحبت کا اثر صرف بارہا آتے جانے ہی سے نہیں ہوتا۔ بلکہ دو چار مرتبہ کا ملاپ بھی کچھ نہ کچھ اپنا اثر پیدا کرتا ہے۔ اس کے متعلق دو مثالیں ہم ذیل میں بیان کرتے ہیں۔

۱۔ کارلائل انگلینڈ کا مشہور مصنف ہمیشہ روزانہ لنڈن کے اُس کوچے سے ہو کر نکلتا تھا۔ جہاں اکثر بُرے قماش کے آدمی رہا کرتے

تھے - اس کے دوستوں نے منع کیا - کہ ادھر نہ جایا کرو - اُس نے کہا کچھ مضائقہ نہیں - میں اپنے خیال میں اس قدر محو رہتا ہوں کہ اُن کی باتیں مجھ پر اثر انداز نہیں ہو سکتیں - اتفاق سے کارلائل بیمار ہو گیا - اس پر رفتہ رفتہ سرسام کی بیماری نے حملہ کیا - اور گھنٹوں بیہوش رہنے لگا - ایک دوست ہر وقت پاس رہتا تھا - اس بیہوشی کی حالت میں کارلائل جو کچھ اناپ شناپ بکتا - وہ اپنی نوٹ بک میں لکھتا جاتا تھا - جب اس کو صحت ہوئی کارلائل نے پوچھا - میں بیہوشی کی حالت میں کچھ بکتا تو نہیں رہا ہوں - دوست نے وہ نوٹ بک کھول کر دکھلا دی - کارلائل سخت نادم ہوا - کیونکہ وہ بیہوشی کی حالت میں اُسی قسم کی گالیاں منہ سے نکالتا رہا تھا - جو اُس محلے کے اوباشوں کی زبان پر رہا کرتی تھیں - اس کے بعد پھر اُس نے قسم کھالی اور اس محلے کی طرف سے آنا موقوف کر دیا -

دوسری مثال یہ ہے یونان کے ایک حکیم کا لڑکا جواریوں کی صحبت میں بیٹھا کرتا تھا - باپ نے بارہا منع کیا - بُری صحبت کے بدنتائج سمجھائے مگر لڑکا ہمیشہ یہی کہتا رہا - کہ میں تھوڑی دیر کے لئے جاتا ہوں - اُن کی صحبت مجھ پر کیا اثر کریگی - باپ سخت مجبور تھا - ایک دن اُس نے لڑکے سے کہا - تو ذرا اس کوئلے کو اپنے ہاتھ پر رکھ لے بیٹے نے ویسا ہی کیا - باپ نے کہا - اچھا اب پھینک دے - لڑکے نے اُس کو پھینک دیا - تب باپ نے کہا - دیکھ تیری ہتھیلی پر سیاہ داغ ہے - یا نہیں - لڑکا بولا ہاں - تب اُس حکیم نے سمجھایا - دیکھ کوئلا صرف ایک لمحہ تیرے ہاتھ میں رہا - مگر اُس نے بھی اپنا اثر دکھلا دیا - اسی طرح

گو کوئی شخص تھوڑی ہی دیر کے لئے بُری صحبت میں جائے۔ تاہم اُس کے اثر سے محفوظ نہیں رہ سکتا۔ اُس دن سے پھر لڑکے نے جواریوں کی صحبت بالکل ترک کر دی۔

جب معمولی آدمیوں کی صحبت کا یہ اثر ہوتا ہے۔ تو فرمائے جو لوگ کسی خیال کو اپنے دل میں جگہ دے کر کام کرتے ہیں۔ اُن کی صحبت کا اثر کس قدر گہرا نہ ہوگا۔ ہمارے یہاں روحانیت پسند طبیعتیں کسی خاص اصول پر عملدرآمد کیا کرتی تھیں۔ اب بھی ایسے لوگ موجود ہیں۔ جو عمل، شغل سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس لئے اُن کی باتوں میں ایک قسم کی تاثیر ہوتی ہے۔ جو اور دل میں نہیں ہوتی کیونکہ یہ لوگ رات دن اس کی نگہداشت کیا کرتے ہیں خیال کو اپنے دل پر تصرف کرنے کی اجازت دیتے ہیں۔ وہی اُن کے رگ و ریشوں میں سرایت کر جاتا ہے۔ وہ دنیا میں بےغرضانہ کام کرتے ہیں دل کے پاک۔ طبیعت کے نیک۔ ان کی صحبت کو سادھو کی اصطلاح میں ست سنگ کہتے ہیں۔ اور جو لوگ اُن سے ملتے جلتے رہتے ہیں وہ اس اصول کے موافق جس کا اوپر ذکر ہوا ہے۔ اُن کی پاکی و بزرگی کا حصہ پاتے ہیں۔

لوگ تقریریں کرتے ہیں۔ دھواں دھار سپیچیں دیتے ہیں جب گیان اور سچائی کے اوصاف بیان کرنے لگتے ہیں۔ تو زمین و آسمان کے قلابے ملا دیتے ہیں۔ مگر ان کا اثر کیا ہوتا ہے؟ وہی ٹیں ٹیں فش کیونکہ یہ سچے آدمی نہیں ہیں۔ ان کے لئے پلیٹ فارم کے بھانڈ کا خطاب بہت موزوں ہے۔ نہ انہوں نے کبھی ست سنگ کیا۔ نہ ست سنگ

کے اوصاف ان میں موجود ہیں۔ اس لئے ان کی باتیں اثر سے خالی رہتی ہیں۔ مگر جو لوگ کمائی کرتے ہیں۔ اور جن کی زندگی سچ مچ عمل اور پاکی کی زندگی ہے۔ اُن کا ایک ایک لفظ جادو کا اثر رکھتا ہے وہ جو کچھ کہتے ہیں۔ کرتے ہیں۔ کرتے ہی نہیں بلکہ وہ اُن کی ذات کے انگ سنگ بن جاتے ہیں۔ ان کا خیال نمایاں طریقے میں ان کی شکل وصورت میں جھلکتا رہتا ہے۔ اور جو کوئی اُن سے ملتا ہے وہ بھی ان سے محروم نہیں ہوتا۔

اس بات کو ہمیشہ یاد رکھو۔ ہر انسان اپنے ساتھ ایک دائرہ رکھتا ہے اور جیسے اُس کے عادات واطوار ہوتے ہیں۔ اُسی کے موافق اُس دائرہ میں اثر ہوتا ہے۔ نہ صرف زندہ بلکہ غیر ذی روح کے ارد گرد بھی تم کو ایسا دائرہ نظر آویگا۔ آگ کے دائرے میں حرارت ہوتی ہے کیونکہ حرارت اُس سے خارج ہوا کرتی ہے۔ پانی کے دائرے میں سردی اور خنکی رہتی ہے۔ کیونکہ سردی اُس سے خارج ہوا کرتی ہے۔ اسی طرح پاک آدمی جو دائرہ بناتے ہیں۔ خواہ اُن سے جو دائرہ بنتا ہے اُس میں پاکی کا اثر ہوتا ہے۔ اور جس طرح آگ و پانی کے ارد گرد جانے سے گرمی اور سردی محسوس ہوتی ہے۔ اُسی طرح اُن بزرگ ومبارک نفسوں کے پاس جانے سے انسان میں پاکی ومبارکی آتی ہے۔ اس لئے کبیر صاحب نے فرمایا ہے:۔

ردھ سدھ مانگوں نہیں۔ مانگوں تم سے ایہہ
رات دن درشن سادھ کا۔ کہیں کبیر موہے دیہہ
سکھ دیویں دکھ ہریں۔ دور کریں اپرادھ

کہیں کبیر وہ کب ملیں۔ پرم سیہی سادھ

تم نے قصے اور کہانیوں کے پیرائے میں غالباً سُنا ہوگا۔ کہ سادھو کے پاس جانے سے شیر اپنی خونخواری کی حالت چھوڑ دیتا ہے اور یہ ممکن بھی ہے۔ جو لوگ حد درجے کے نیک ہیں۔ اُن کا نیک اثر اُن کے اردگرد حلقہ مار رکھتا ہے۔ یہ ایسا ہی ہوتا ہے۔ جیسے آگ میں گرمی اور پانی میں سردی رہتی ہے۔ اور جو لوگ ان کے پاس جاتے ہیں وہ اُن کے وارث بن جاتے ہیں۔ اُسی طرح نیک آدمیوں کی فیض صحبت سے نیک ہو جاتے ہیں۔ اسلئے ست سنگ سے بہتر کوئی چیز نہیں ہے۔

تینتالیسویں شاکھا

موت پر فتح

دائمیّت

لافانی زندگی

ہمالیہ کی سر بہ فلک کشیدہ چوٹی برف کے غلاف سے ڈھکی ہے وہ بہشت کا زینہ ہے۔ جس پر چڑھ کر مسافروں کو آسمانی دنیا میں داخل ہوتا ہے۔ اس کا قدیم نام میرو ہے۔ آریہ ورت کے رشی اسی کو پہاڑوں کا بادشاہ کہتے تھے۔ اور اس میں کیا شک ہے۔ جس حقیقت سے۔ جس شان اور جس رفعت و شوکت سے وہ دنیا میں کھڑا ہوا ہے اُس کے لحاظ سے وہ سچ مچ بادشاہ ہے۔

چھ مسافر سرگرمی سے قدم اٹھاتے ہوئے چلے جا رہے ہیں۔ جیسے میرو پربت قریب آیا۔ بھیم نے ڈبڈباتی ہوئی آنکھوں سے

چلا کر کہا "مہاراج! دروپدی گر پڑی۔ فرمائیے۔ اس کا کیا سبب ہے؟"
یودھشٹر نے جواب دیا "وہ دھننجے (ارجن) کی طرف دار تھی۔ اس نے انصاف کی راہ کو ترک کر رکھا تھا۔ آج اس کو اس کا پھل ملا۔ جو دنیا میں بے انصافی کرتا ہے۔ جو معدلت کے اصول سے انحراف ورزی کا مجرم بنتا ہے۔ اس کی سزا موت ہے"۔ باقی ماندہ مسافروں نے تیزی سے آگے قدم بڑھایا۔ دروپدی کا خوبصورت جسم برف میں تحلیل ہونے کے لئے وہاں ہی چھوڑ دیا گیا۔ منزل قریب تھی۔ اس خیال نے اُن کے شوق کی آگ کو زیادہ مشتعل کر دیا۔

وعدۂ وصل چوں شود نزدیک
آتش شوق تیز تر گردد

چند ہی قدم آگے بڑھے ہونگے کہ سہدیو کا پاؤں ڈگمگایا۔ اور وہ دھم سے گر پڑا۔ بھیم نے سوال کیا "بھگوان! سہدیو بھی رخصت ہوا۔ اس کے مرنے کا سبب بتائیے۔ یودھشٹر نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ اس کو اپنی عقل پر ناز تھا۔ کسی کو اپنے سے زیادہ عقلمند نہیں سمجھتا تھا۔ غرور زوال کی پہلی علامت ہے جو مغرور ہیں۔ وہ موت کے منہ میں رہتے ہیں۔ سہدیو کے مرنے کا اس کے سوا اور کوئی سبب نہیں"۔ یودھشٹر پھر آگے کو روانہ ہوئے۔ ٹھہرنا مصلحت نہیں سمجھا۔ اور دیکھو چند ہی لمحہ کے بعد نکل کی بھی وہی حالت ہوئی۔ کرشنا اور سہدیو کی علیحدگی اس غریب پر شاق گزری اور وہ سنبھل نہ سکا۔ بھیم نے یودھشٹر کی توجہ اُس کی طرف منعطف

کرنی چاہی - مہاراج! نکل بھی گرے - یودھشٹر نے کہا "اُس کو اپنے حسن پر غرور تھا - وہ سمجھتا تھا - یہ حسن ہمیشہ رہیگا - اس لئے مارا گیا" - یہ کہہ کر یودھشٹر نے بے باکانہ آگے کی طرف قدم بڑھایا - پیچھے کی طرف سے آواز آئی "مہاراج! شور بیر ارجن! کی حالت غیر ہو گئی - جس کا نام سنکر دشمنوں کا کلیجہ دہل جاتا تھا - وہ اب کال کا لقمہ بن گیا - یودھشٹر نے کہا "اس کی عادت ڈینگ مارنے کی تھی - کہا کرتا تھا - میں دشمنوں کو ایک ہی دن میں برباد کرونگا - حالانکہ ایسا موقعہ کبھی نہیں ہوا - جھوٹ بولنا - فضول لن ترانی کرنا اور ڈینگ مارنا - یہ موت سے ہمکنار کرنے والی حرکتیں ہیں" یہ کہہ کر دھرم راج نے ثابت قدمی اور بے خوفی سے آگے کی طرف قدم بڑھایا - اب بھیم کے پاؤں میں لغزش آئی خداوندا! بھیم مر رہا ہے - بھیم آپ کو پیارا تھا - اب مجھ میں اٹھنے کی طاقت نہیں رہی ہے - آخر یہ تو بتا دیجئے - میرے مرنے کا کیا باعث ہے اگر آپ جانتے ہیں تو یہ راز جھٹ پٹ کہہ دیجئے - یودھشٹر نے پیچھے پھر کر نہیں دیکھا - اس کی آواز کو سنکر جواب دیا" اے بھارت! تو بہت کھاتا تھا - تجھ میں اپنی طاقت کا غرور تھا - جب تو کھانے میں مصروف ہوتا تھا - دوسروں کی ضرورتوں کو نظر انداز کر جاتا تھا - یہ حیوانیت ہے - جانور جب کھانے لگتے ہیں - اگر کوئی چھیڑ دے - تو اسی وقت اُس پر حملہ کر دیتے ہیں - یہانتک کہ اپنے مالک کو بھی کاٹ کھاتے ہیں - بھیم! تجھ میں حیوانیت تھی - تو سفلی جذبات کا غلام تھا - اس لئے موت کا شکار ہوا" - یودھشٹر اب اکیلا رہ گیا - جنہوں نے دنیا میں اس کا ساتھ دیا تھا - علیحدہ ہو گئے

جو چلتے ہیں۔ بچھڑینگے۔ مگر دھرم راج یدھشٹر سے قدم بڑھائے جا رہے ہیں۔ اور ان کے ساتھ ایک کتا ہے۔ جس نے ساتھ نہیں چھوڑا۔ وفاداری مجسم۔ تیری محبت پاک اور خود غرضی سے صاف ہے۔ کتا آخر وقت تک مہاراج کے ساتھ رہا۔ بھائی چھوٹ گئے۔ عزیز جدا ہو گئے بیوی الگ ہو گئی۔ مگر کتے نے ساتھ نہیں چھوڑا۔ برف تیزی سے گر رہا ہے۔ ٹھنڈی ہوا کے جھونکے بہہ رہے ہیں۔ یودھشٹر آگے بڑھے چلے جا رہے ہیں۔ اور وفادار کتا سایہ کی طرح مالک کے پیچھے جا رہا ہے۔ وہ سومیر پربت کی چوٹی پر پہنچ گئے۔

اور دیکھو اسی وقت ترلوک کی آواز آئی۔ سورگ کا دروازہ کھل گیا۔ اندر دیوتاؤں کا بادشاہ اپنے آسمانی رتھ پر بیٹھا ہوا نیچے اترا مہاراج! رتھ تیار ہے۔ سوار ہو جیئے۔ میں دیوتاؤں کی طرف سے آپ کا خیر مقدم کرتا ہوں۔ مگر راجہ کو رتھ پر قدم رکھنے سے انکار تھا۔ ارجن نہیں ہے۔ بھیم نہیں ہے۔ نکل اور سہدیو نہیں ہیں۔ میں ان کے بغیر سورگ میں داخل ہونا نہیں چاہتا۔" اندر نے جواب دیا وہ آپ سے پہلے سورگ میں داخل ہو گئے۔ پاپ کرم کی وجہ سے ان کو شریر تیاگنے کی مجبوری تھی۔ آپ کو اس جسم کے ساتھ سورگ میں داخل ہونے کی اجازت ہے۔"

مگر راجہ کو کچھ بھی پس و پیش تھا۔ وہ رتھ پر چڑھنے کے لئے تیار نہیں تھے۔ اندر نے کہا۔ اب کیا تامل ہے۔ دیکھئے سورگ کے پھاٹک آپ کے لئے کھول دئے گئے ہیں۔ دیوتا آپ کے خیر مقدم کے لئے سوہاونے راگ گا رہے ہیں۔ اناہت شبد کے خوش آیند

نغموں سے آکاش منڈل گونج رہا ہے۔اب کیوں دیر کرتے ہیں۔"
یودھشٹر نے انگلیوں سے کتے کی طرف اشارہ کیا۔"اے ترکال
درشی اندر! یہ میری محبت کا دم بھرتا ہے۔یہ بھی میرے ساتھ سرگ
کو چلیگا۔"میرے دل میں اس کے لئے دیا ہے۔رحم کا خیال اجازت
نہیں دیتا۔کہ میں بہشت کے خیال سے اپنے ساتھی کتے کو چھوڑ
دوں۔رفاقت چاہتی ہے۔وہ سورگ میں بھی میرا ساتھی بنے۔دھرم
کہتا ہے۔اپنے کتے کو بھی ساتھ لے چلو۔" اس لئے مجھ کو تامل ہے"۔اندر
نے کہا۔"سورگ میں کتے نہیں جا سکتے۔یہ امر محال ہے۔ان میں
حیوانیت ہے۔ان میں سفلی جذبات ہیں۔ان میں علوی جذبات
نام کو نہیں ہیں۔یہ صرف مرت لوک کے لئے مخصوص ہیں۔سورگ میں
امر دیوتا رہتے ہیں۔آج آپ نے دیوتاؤں کی گنتی کو پراپت کر لیا ہے
آپ میں اور مجھ میں کوئی فرق نہیں ہے۔دائمی خوشی آپ کے حصے
میں آئی ہے۔دیوتا کا سکھ آپ کو آج نصیب ہوا۔اے راجہ یودھشٹر!
میرا کہنا مانو۔بہشت کے خیال سے۔دائمی سکھ کے خیال سے۔
لافانیت کے خیال سے تم اپنے کتے کو یہاں ہی چھوڑ دو۔اس
میں بے رحمی نہیں ہے۔کیونکہ کتوں کو بہشت میں لے جانے کا دستور
نہیں ہے۔میں اس قانون کو کبھی توڑ نہیں سکتا۔اور نہ مجھ میں
اس کی انحراف ورزی کی طاقت ہے۔"

اور اس راجہ نے جس کا دل سنگ مرمر کے ٹکڑے کی طرح شفاف
تھا۔جس میں بال کے برابر بھی خود غرضی نہیں تھی۔اندر کی طرف
سے منہ پھیر لیا۔اور گڑگڑا کر کہا۔"ہزار آنکھ والے اندر! یہ آریوں کا

کبھی دستور نہیں ہے۔ کہ اپنے ساتھی کو ترک کر دیں۔ آریہ دھرم کا سدھانت ہے۔ جنہوں نے ساتھ دیا ہے۔ تم بھی اُن کا ساتھ دو میں اپنے پیارے اور وفادار کتے کو کبھی لالچ کے خیال سے دور نہ کرونگا۔ مجھ کو سرگ کے سکھوں کی خواہش نہیں ہے۔ میں خودغرض بننا نہیں چاہتا۔

اندر نے کہا "جو لوگ کتے کو ساتھ لاتے ہیں۔ وہ سورگ میں داخل نہیں ہوتے۔ اس لئے کتے کو چھوڑ دو" یودھشٹر بولے۔ شاستر کہتے ہیں کہ ساتھیوں کا ترک کرنا مہاپاپ ہے۔ یہ برہمن کے قتل کے برابر ہے۔ اے اندر! میں اپنی خوشی کے خیال سے اس کتے کو علیحدہ نہ کرونگا۔" اندر کہتا ہے "راجن! تم نے اپنے بھائیوں کو چھوڑ دیا۔ کرشنا دروپدی سے جدائی اختیار کرلی۔ پھر اس کتے میں کون سا سرخاب کا پر لگا ہے۔ کہ اس کو جدا نہیں کرتے۔" دھرم راج میں کورکشیتر کے میدان میں ایک مرتبہ لغزش کھا جانے سے مضبوطی آگئی تھی۔ کرشن کی چالاکی اور بھیم کی عیاری نے اُن سے دُروناچاریہ کے برخلاف جھوٹ کہلوادیا تھا۔ یہ سخت جانکاہ سبق تھا یودھشٹر نے اس دنیا میں اگر سیکھا تھا۔ اس لئے تجربے سے فائدہ اٹھا کر وہ اب زیادہ مستقل مزاج بن گئے تھے۔ اور دھرم کے مارگ سے نہیں ہٹنا چاہتے تھے۔ اندر کے کہنے کا مطلق اثر نہیں ہوا۔ نہ سورگ کے سکھوں کی خواہش، اس کے خیال کو کمزور بنا سکی۔ اور راجہ نے تمکنت کے ساتھ جواب دیا" اندر! دنیا جانتی ہے۔ مردوں کے ساتھ نہ دوستی ہو سکتی ہے نہ دشمنی۔ میرے بھائی اور دروپدی

سب مر گئے۔میں اُن کو زندہ نہیں کر سکتا۔مجھ میں اتنی طاقت نہیں تھی۔جب تک وہ زندہ رہتے تھے میں نے اُن کا ساتھ نہیں چھوڑا پناہ میں آئے ہوئے کو دھوکا دینا۔عورت کو قتل کرنا۔برہمنوں کی چیز چرانا۔دوست کو نقصان پہنچانا۔سب مہا پاپ ہیں۔اور اپنے پیار کرنے والے کو جدا کرنا۔ان سب کے برابر ہے سورگ مجھ کو نہ ملے کچھ پروا نہیں۔مجھ کو دیوتاؤں کی عزت نہ ملے۔کچھ پروا نہیں۔مجھ کو دائمی سکھ نہ ملے۔کچھ پرواہ نہیں۔مگر اے اندرا! میں اس کتے کا ساتھ کبھی نہ چھوڑونگا۔سمندر کی لہریں چاہے سومیر پربت پر چڑھ آئیں۔سومیر کی چوٹی سمندر کی عمق بن جائے چاہے چاند سے زہر برسنے لگے۔زمین و آسمان سب الٹ جائیں مگر یودھشٹر اپنے کتے کو جیتے جی کبھی علیحدہ نہ کریگا۔وہ پیار کرنے والے کتے کے خیال سے سورگ۔دائمی سکھ دیوتاؤں کی عزت سب کو چھوڑ دینے کے لئے تیار ہے۔"

ابھی مشکل سے یودھشٹر نے اپنی تقریر ختم کی تھی۔کہ آسمان سے پھولوں کی بارش ہونے لگی۔دھنیہ دھنیہ کی آواز سے سومیر پربت کی چوٹی گونج اٹھی۔اور دیکھو۔اسی وقت کتا نظر سے غائب ہو گیا۔اور اُس کی جگہ نورانی پوشاک پہنے ہوئے دھرم راج کھڑا تھا۔اُس نے یودھشٹر کو دعائیں دیں۔ان کے دھرم بھاؤ کے پیار۔دیا بھاؤ۔اور سچی وفاداری کی تعریف کی۔وہ سچ مچ کیسا بلند خیال مہاتما ہوگا۔جو اپنے حقیر کتے کی وفاداری پر بہشت کی نعمتوں کو نثار کر دیتا ہے۔کتے کے ساتھ پاتال میں جانا منظور ہے مگر کتے کو چھوڑ کر رتھ پر قدم رکھنے

سے انکار ہے۔ دھرم راج نے کہا "یودھشٹر تو دھنیہ ہے۔ تیرا
ساہس دھنیہ ہے۔ تیرا دھرم بھاؤ دھنیہ ہے۔ تو نے لافانی زندگی
حاصل کرلی۔ تو نے موت پر فتح پالی۔ سورگ تیرا ہے"۔
یودھشٹر۔ اندر۔ دھرم اور دوسرے دیوتا رتھ پر بیٹھ کر سورگ
کی طرف گئے۔ ناردرشی نے بہ آواز بلند کہا۔ "تو راج رشیوں میں
سب سے بڑا ہے"۔
بہشت کی کیا تعریف کی جاسکتی ہے کہ بہشت کا خیال خود ہی
انسان کو مست و بیخود بنا دینے والا ہے۔ ہر طرف خوشی کے ترانے
بج رہے ہیں۔ ہوا عطر و پھولوں کی خوشبو سے بھری ہے ہر جگہ
آنند و منگل ہو رہے ہیں۔ یہ سماں۔ یہ منظر۔ یہ تماشا دنیا میں کہاں
دیکھنے میں آتا ہے۔ مگر یودھشٹر کی نگاہ کسی طرف نہیں جاتی۔ کوئی
نظارہ اُس کے دل کو نہیں لبھاتا۔ اُس کو صرف اپنے بھائیوں
کا خیال ہے۔ اندر! میں وہاں جانا چاہتا ہوں۔ جہاں دروپدی
اور میرے چاروں بھائی ہیں۔ وہ سکھی ہوں یا دکھی۔ مجھ کو اُن کی
صحبت میں رہنا منظور ہے۔" اندر نے جواب دیا۔ "مہاراج!
سورگ ہے۔ یہاں دنیاوی الفت و محبت کا دم بھرنا غلطی ہے
آپ بہشت کی سیر کیجئے۔ دنیا کے رشتہ و تعلقات کو بھول جائیے
آپ سورگ میں آئے ہیں۔ آپ کے بھائی خوش ہیں۔ دروپدی
خوش ہے۔ اُن کی فکر نہ کیجئے"۔ یودھشٹر جواب دیتے ہیں۔ "دیوتوں
کے فتح کرنے والے! میں اپنے عزیزوں سے الگ نہیں رہنا
چاہتا۔ جہاں میرے بھائی ہونگے۔ وہاں ہی میرے لئے سورگ ہے

جہاں میرے بھائی ہیں۔میں بھی وہاں جانا چاہتا ہوں۔" اندر کی تسلی بخش باتوں نے یودھشٹر کے دل پر کچھ اثر پیدا نہیں کیا۔

یودھشٹر حیرت کی نگاہ سے اِدھر اُدھر دیکھتے ہیں۔مگر وہ پیاری صورتیں جو دنیا میں اُن کی رفاقت کا دم بھرتی تھیں۔کہیں نظر نہیں آتیں۔نکل اور سہدیو۔بھیم۔ارجن۔کوئی دکھائی نہیں دیتا آخر وہ کہاں ہیں؟ اتنے میں دریودھن دکھائی پڑا۔یودھشٹر کو تعجب ہُوا۔جو مہابھارت کی خونریزیوں کا باعث تھا۔جس کی وجہ سے سارا بھارت برباد ہو گیا۔اور جو سلطنت کے درہم برہم کرنے۔عزیز رشتہ داروں کے قتل کرانے اور کروڑوں بہادر دلیر راجپوتوں کے سر کٹوانے کا اصلی سبب تھا۔وہ یہاں بھی موجود ہے۔راجہ نے کراہیت اور نفرت سے نگاہ پھیر لی۔"میں وہاں جانا چاہتا ہوں۔ جہاں ارجن وغیرہ ہیں۔" نارد مسکرائے "راجن آپ غلطی پر ہو۔یہ سورگ ہے یہاں دوستی اور دشمنی کے رشتے منقطع ہو جاتے ہیں دریودھن میدان جنگ میں مارے جانے کے سبب سے سورگ میں آیا ہے۔" یودھشٹر بولے۔مناسب ہے۔مگر میں اپنے بھائیوں کے ساتھ رہنا پسند کرتا ہوں۔بتائیے۔کرن کہاں ہے۔دروپدی کہاں ہے۔ بھیم۔ارجن۔نکل۔سہدیو کہاں ہیں۔۔دیر نہ کیجئے۔مجھ کو وہاں لے چلئے میری آنکھوں کو اُن پیاری صورتوں کے دیکھنے سے راحت ملیگی۔میں سچ کہتا ہوں۔میں یہاں نہ ٹھیرونگا۔اگر میرے بھائی ساتھ نہیں ہیں تو یہ سورگ بھی میرے لئے سرگ نہیں ہے۔"

دیوتوں نے ایک دوت (فرشتہ) کو حکم دیا۔"جاؤ اِن کو

ان کے عزیز دوستوں کے پاس لے جاؤ۔اور یودھشٹران کے ساتھ روانہ ہوئے۔

راہ تاریک تھی۔اندھیرا گھٹاٹوپ چھایا ہُوا تھا۔ہاتھ کو ہاتھ نہیں سوجھتا تھا۔جس قدر وہ آگے بڑھے چلے گئے۔ویسے ہی تاریکی بھی گھنی ہوتی گئی۔پاؤں کے تلے انسان کی کھوپریاں پڑتی ہیں۔سڑی ہوئی لاشوں سے سخت بدبو آرہی ہے۔زمین خون کی وجہ سے چکنی ہوگئی ہے ہر وقت پاؤں کے پھسلنے کا ڈر ہے۔کہیں تو نوکیلے کانٹے ہیں کہیں چبھنے والی تیز جھاڑیاں ہیں۔کہیں جُھلسنے والی ریت ہے۔کہیں انگارے کی طرح گرم پتھروں کے ٹکڑے پاؤں کے نیچے آتے ہیں۔یودھشٹر کا دماغ پراگندہ ہوگیا۔طبیعت سخت گھبرا گئی۔اُنھوں نے پوچھا "یہاں دم گھٹتا ہے۔سانس رُکتی ہے۔مارے تعفن کے دماغ پریشان ہوگیا ہے"۔ دوت کہتا ہے "مجھ کو صرف یہاں تک آنے کا حکم تھا۔اگر آپ کی خواہش ہو۔خواہ آپ تنگ آگئے ہوں تو واپس چلئے۔

یودھشٹر کا دل قابو میں نہیں رہا تھا۔اُنھوں نے منہ پھیر لیا۔مگر ابھی مشکل سے اُن کو آگے قدم اٹھانے کا موقع ملا ہوگا کہ ماتم کی صدا بلند ہوئی۔روتے چلاّنے کی آواز سنائی دی "مہاراج! صبر کرو۔ذرا ٹھہر جاؤ۔اے دھرماتما! تمہارے جسم کی خوشی دینے والی ہوا کے جھونکوں سے ہم کو آرام ملا ہے۔ہم عذاب میں ہیں۔ہماری مصیبتوں کی یہاں کوئی حد نہیں ہے۔سخت دکھی ہیں۔ہائے ہم نے دنیا میں جو بُرائیاں کی تھیں۔اُن کی کیسی بُری سزا مل رہی ہے۔تمہارے آنے سے ذرا آرام ملا ہے۔کچھ چین آیا ہے۔کیونکہ تم دھرماتما ہو۔

تمہارے جسم کے انجرے ہم کو طراوت دے رہے ہیں مہاراج! رحم کرو۔ تھوڑی دیر کے لئے ٹھہر جاؤ۔ تمہاری وجہ سے ہم غریبوں کو تسکین ملی ہے۔"

دھرماتما اور دیالو رحمدل یودھشٹر کھڑا ہوگیا۔ اور محبت اور رحم کے لہجے میں پوچھنے لگا۔" اے دکھ سے ستائے ہوئے لوگو! تم کون ہو؟" مختلف دردناک آوازیں کان میں سنائی دیں۔" مہاراج! میں کرن ہوں" "میں بھیم ہوں۔ میں ارجن ہوں۔ میں نکل ہوں۔ میں سہدیو ہوں۔ میں دروپدی ہوں"۔ "ہم دروپدی کے لڑکے ہیں"۔

پرماتمن! ان معصوموں نے کیا قصور کیا تھا۔ سورگ میں بھی یہ اندھیر کہ بدکار دریودھن تو سرگ کے مزے لوٹے۔ اور یہ نیک آتمائیں اس طرح عذاب میں دکھ اٹھائیں۔ رنج غصہ اور تعجب نے یکے بعد دیگرے راجہ کے دل پر حملہ کیا۔ یودھشٹر نے تیوری بدل کر دوت سے کہا۔ ابھی ان دیوتاؤں کے پاس لوٹ جا۔ جن کا تو دوت ہے۔ اُن سے صاف صاف کہدے۔ چونکہ میرے بھائیوں کو میرے یہاں رہنے سے آرام ملتا ہے۔ میں یہاں ہی رہونگا۔ مجھے اپنے آرام و آسائش کی فکر نہیں ہے۔ یہ دکھ سے ستائی ہوئی آتمائیں میری موجودگی میں تسلی کا سامان پاتی ہیں۔ میں یہاں سے پیچھے کی طرف قدم نہ اٹھاؤنگا اور یہاں ہی رہونگا۔"

واہ ری وفاداری! اس بے باکانہ۔ دلیرانہ و مردانہ ہمت پر آفرین ہے۔ اس ایثار نفسی۔ اس بیغرضانہ محبت اور اس اصلی انسانیت کی کوئی کیا تعریف کر سکتا ہے۔"

اسی وقت پھر نقارے کی آواز پیدا ہوئی۔ اندھیرا غائب ہو کر چہار طرف فوراً فوراً نور ہی نور ہو گیا۔ نہ کہیں تعفن ہے نہ کہیں کانٹے ہیں۔ خوشی کے راگ دیوتے گانے لگے۔ اور اندرا اپنے آسمانی دوستوں کو ساتھ لئے ہوئے وہاں آ کر موجود ہو گیا۔ اور تسلی بخش لہجے میں کہنے لگا۔ اے موت پر فتح پانے والے یودھشٹر! یہ نرک (دوزخ) کا تماشا صرف بھرم تھا۔ اس کی کوئی اصلیت نہیں ہے۔ تم نے کوروکشیتر کے میدان میں اپنی مرضی کے برخلاف جھوٹ کہا تھا جس کی وجہ سے درونا مارا گیا یہ عارضی دوزخ کا نظارہ محض تم کو اس خفیف جھوٹ کی وجہ سے دیکھنا پڑا۔ اب آپ خوشی منائیے۔ چلئے۔ اب سچے سورگ میں قیام کیجئے۔ جہاں آپ کے سارے بھائی اپنے کرموں کا سکھ بھوگ رہے ہیں"۔ اور دھرم راج نے کہا۔ "اے پوتر آتما والے! تو آسمانی گنگا میں غوطہ مار تاکہ یہ جسمانی لباس اتر جائے۔ اور تو آسمانی قالب میں سورگ کے نور اور جلال کا وارث بنے"۔

اور ایسا ہی ہوا۔ یودھشٹر نے سورگ میں قدم رکھا۔ وہاں جلال اور نورانی شکل میں سری کرشن بھگوان ان کے خیر مقدم کے لئے موجود تھے۔ وہی کرشن جو دنیا میں پانڈو کے سچے دوست ثابت ہوئے تھے۔ ارجن بھگوان کے ساتھ تھا۔ کرن سورج کی طرح دمکتا ہوا یودھشٹر سے ہم آغوش ہوا۔ بھیم گلے ملا۔ نکل اور سہدیو دونوں باری باری ان سے ہم کنار ہوئے۔ دروپدی لکشمی کی طرح نورانی لباس پہنے ہوئے تھی۔ ابھمنیو دیوتاؤں کی طرح چمک رہا تھا۔ پانڈو۔ کنتی مادری بھیشم درونا سب ان سے ملے۔ اور سب مل کر پریم کے آنند میں محو ہو گئے۔

یہ یودھشٹر کے موت پر فتح پانے کا قصہ ہے پڑھنے والے اس سے خود نتیجہ اخذ کریں
نرک اور دوزخ کیا ہے۔ اس کا روپ اس قصے میں اچھی طرح دکھایا گیا
ہے۔ انسانی ہمدردی جس جگہ وسعت کے ساتھ کام کرتی ہے۔ وہاں سورگ
ہوتا ہے۔ جہاں خود مطلبی۔ نفسانیت اور خود غرضی ہوتی ہے۔ وہاں نرک ہوتا
ہے۔ جو لوگ ان بری عادتوں سے نجات پاکر سب کے لئے ہمدردی رکھتے
ہیں وہ نہ صرف خود سورگ میں جاتے ہیں۔ بلکہ سورگ میں دوسروں کو بھی
جگہ دیتے ہیں اور نہ صرف وہ خود موت پر فتح پاتے ہیں۔ بلکہ ان کی برکت
سے اوروں کو بھی لافانیت نصیب ہوتی ہے۔ مبارک ہیں وہ وجود
جن میں اس طرح کے اوصاف ہیں۔

چوتالیسویں شاکھا

شانتی

شانتی کا منتر

پرم شانتی

ہر سخن موقع و ہر نکتہ مکانے وارد

(ایک فلاسفر کا مقولہ ہے)

کہتے ہیں کسی ملک کے باشندے اتنے بےچین اور غمگین رہتے تھے کہ اُن
کو کسی طرح یہ زندگی قابل برداشت نہیں معلوم ہوتی تھی۔ زندگی کا تاریک پہلو
ہر وقت اُن کے سامنے رہتا تھا۔ اور وہ نہ تو ایشور کی کائنات کی خوبصورتی
کو دیکھ کر مسرور ہوتے۔ نہ دنیا کے کسی فرحت بخش نظارہ سے خوشی حاصل
کرتے۔ اگر پانی برسنے لگتا۔ تو وہ سیلاب کے خوف سے گھبرا اٹھتے۔ اگر
گرمی کا موسم آتا تو اُس کی شکایت۔ غرضیکہ صبح سے شام تک ہر شخص کی

زبان کسی نہ کسی تردد کی شکایت کرتی رہتی تھی۔ کسی کو اچھے نوکر نہیں ملتے تھے۔ کسی کا نوکروں کی بددیانتی سے ناک میں دم تھا۔

ایک دن اتفاق سے ایک سادھو پہاڑ کی چوٹی پر نمودار ہوا۔ اور وہاں سے اس بدنصیب ملک کے آدمیوں کی حالت پر غور کرتا ہوا اپنے دل میں سوچنے لگا۔ "چلو۔ ان کو اس رنج والم کے ہاتھوں سے نجات دیں۔ اور شانتی کے منتر سے واقف کر کے اس بیقراری اور اضطراب کی حالت کو مٹا دیں۔

جب وہ نیچے اُترا۔ سڑک پر ایک آدمی ملا۔ جو سخت بدحواس تھا۔ سادھو نے ہنس کر پوچھا۔ دوست کیوں پریشان ہو؟ کیا بات ہے؟ اس نے جواب میں اپنا سر اونچا کیا۔ کیا کہوں۔ نہ دن کو چین نہ رات کو آرام۔ مصیبت کے ہاتھوں سخت تنگ ہوں۔ میں بادشاہ کا حجام ہوں۔ میں نے حکم دیا تھا کہ شاہزادہ کی حجامت کے لئے موتی کے دستے کا اُسترا تیار کر دیا جاوے۔ وہ ابتک نہیں بنا۔ اس دنیا میں مجھ سے زیادہ بدنصیب کون آدمی ہوگا؟

سادھو خاموشی اور حیرت سے دو لمحہ تک اس آدمی کو دیکھا کیا۔ اور پھر بولا۔ "دوست! سنو۔ میں شانتی کا منتر جانتا ہوں اگر تم کو اُس کی واقفیت ہو۔ تو تمہارا سارا غم بات کی بات میں غلط ہو جائے۔

حجام کو سادھو کی بات کا یقین نہیں تھا کہنے لگا۔ یہ ممکن ہے دوسروں کو اس سے کچھ نفع پہنچے۔ میرے رنج وافکار خیالی و فرضی نہیں۔ جب وقت پر اُسترا نہ ملے۔ کیسے ممکن ہے۔ میرے دل کو چین آوے۔" سادھو نے حجام کے پاس جا کر اور اُس کے کانوں سے لگ کر کہا۔ "میں اس منتر کے لئے اتنا روپیہ لیتا ہوں۔ حجام سنکر چونک پڑا۔ "اس قدر بڑی رقم!

مگر پھر ضبط کر کے بولا۔" اچھا مجھ کو یہ راز بتا دو۔ میں شہر میں چل کر تم کو روپیہ گن دونگا"۔

سادھو بولا" رام رام! تم سمجھتے ہو۔ اس قدر قیمتی راز تم کو سڑک پر بتایا جائے۔ اس وقت تم گھر جاؤ۔ تین دن تک متواتر روزہ رکھو۔ اور شانتی کے مضمون پر غور کرتے رہو اور جب تعظیم اور اعتقاد کے ساتھ میرے پاس آؤ گے۔ تب میں تم کو شانتی کے منتر کا اُپدیش سناؤنگا"۔

حجام شرمندہ ہو گیا۔ سچ مچ اُس نادان نے سمجھا تھا کہ شانتی کا منتر کوئی معمولی چیز ہوگی۔ دونو خموشی و سکوت کے ساتھ وہاں سے روانہ ہوئے۔

حجام نے سادھو کی ہدایت پر عمل کیا۔ اور تین دن برت رکھنے اور شانتی پر وچار کرنے کے بعد وہ ادب کے ساتھ سادھو کے حجرے کی طرف آیا۔ سادھو نے کہا" اگر تم سختی سے سخت قسم کھاؤ۔ کہ یہ منتر اور کسی کو نہ بتاؤ گے۔ تو میں تم کو اپنا چیلا کرونگا۔ حجام نے قسم کھائی تب سادھو پہاڑ کے خوشنما دامن اور فرحت بخش وادی سے گزرتے ہوئے سورج دیوتا کے جلال کو دکھلاتے ہوئے شانتی بھون میں لے گیا۔ جہاں وہ مرید بناتا تھا۔ دو دن تک کسی نے حجام کو نہیں دیکھا۔ تیسرے دن دروازہ کھلا۔ اور وہ ہنستا ہوا نکلا۔ چہرے پر بشاشت کے آثار نمودار تھے۔ آنکھوں سے مسرت کا اظہار ہوتا تھا۔ جس نے دیکھا تعجب کیا۔

اُسی دن وہ شاہی محل میں حجامت بنانے گیا۔ بادشاہ بیچارا نہایت فکر و تردد کی حالت میں تھا۔ رنج کی وجہ سے اُس کے چہرے پر

اتنے شکن پڑ گئے تھے کہ حجام کو اُسترا لگانا مشکل معلوم ہُوا۔ وہ کہتا جاتا تھا اس دکھدائی دنیا میں کسی کو کیسے چین مل سکتا ہے۔ امید کی جاتی ہے کہ آج نہیں تو کل کچھ آرام ملیگا۔ مگر

مشکل این است کہ ہر روز بتر مے بینم

میں بڈھا ہوں۔ میری ضرورت کے سامان مہیا ہو جانے چاہئیں۔ مگر نہیں کون سنتا ہے۔ میری گاڑی ٹوٹ گئی۔ گھوڑا لنگڑا ہو گیا۔ مجھ کو جانا ہے۔ میں یقین کرتا ہوں۔ بارش ضرور ہو گی۔ یا مصیبت! کہیں تیرا حد بھی ہے کوئی میرے سفید بالوں کا لحاظ بھی نہیں کرتا۔"

حجام کے دل میں ترس آیا۔ اور اُس نے چپکے سے اُس ساد کا ذکر کیا۔ جو شانتی کا منتر بتاتا تھا۔

بادشاہ کا چچا بھائی اُس کا مرید بن گیا۔ اور اُس کی شانتی اور سنجیدگی لوگوں کی حیرت کا باعث ہوئی۔ پھر سادھو کے حجرے کے قریب وہ بھیڑ اکٹھا ہونے لگی۔ کہ تل رکھنے کی بھی جگہ نہیں ملتی تھی۔ اور باری باری سب نے اُس کی شاگردی قبول کی۔ اور تمام ملک میں شانتی اور امن واماں کی روح پھونک دی گئی۔ پہلی بد اطمینانی و بیچینی کافور ہو گئی۔ اور جب شاہی خاندان کا کوئی وارث نہیں رہا۔ باشندوں نے اتفاق رائے سے سادھو ہی کو بادشاہ بنانا چاہا۔ پہلے تو اُس کو بہت کچھ اعتراض تھا۔ مگر سب کا رخ دیکھ کر اُس نے ان کی درخواست قبول کر لی۔ اور اس کے عہد میں کبھی کسی نے بھی کسی طرح کی شکایت نہیں کی۔

اس سادھو کے ایک لڑکا تھا اور جیسا کہ مشہور ہے "عقلمند کے گھر نادان اور ولی کے گھر شیطان" پیدا ہوتے ہیں۔ یہ لڑکا بھی

نہایت بدتمیز اور نادان نکلا - تاہم بادشاہ کو کچھ فکر نہیں تھی "بڑا ہونے پر اسی شانتی منتر کے اُپدیش سے سب کچھ درست ہو جائیگا -

وزیروں نے بادشاہ سے کہا - شاہزادہ عجیب قسم کا مخلوق ہے - وہ کہتا پھرتا ہے - کیسا منتر - کیسا جنتر - کیسی شانتی کیسی بھرانتی! کسی سے کچھ نہ چھپاؤ - سانچ کو کیا آنچ! باطل عقائد کی بیخکنی کرو - صرف سچائی کی اشاعت ہو - اور چاہے بُرا ہو یا بھلا - سچ کے سوا منہ سے کوئی بات نہ نکلے

بادشاہ ہنسا - ابھی لڑکا ہے - ناتجربہ کار ہے - وقت پر سب کچھ ہو جائیگا - اور اس کی سمجھ میں آنے لگیگا - کہ

ہر سخن موقع و ہر نکتہ مکانے وارد

شانتی منتر کے اپدیش کے لئے اکیس برس کی عمر مقرر کی گئی تھی - بادشاہ کو خیال تھا - جب وہ اس عمر کو پہنچیگا - منتر بتا دیا جائیگا اور وہ باتمیز اور تجربہ کار ہو جائیگا -

مگر دنیا میں کون کس بات کا اعتبار کرے

ما درچہ خیالیم و فلک درچہ خیال

ابھی اکیس برس پورے ہونے پر نہیں آئے تھے کہ بادشاہ سلامت نے داعی اجل کو لبیک کہا اور بغیر شانتی منتر کا اپدیش پائے ہوئے نوجوان - ضدی اور پرجوش لڑکے کو تخت پر بٹھا دیا گیا -

ممکن تھا - دیرینہ سال باپ کی تعلیم اثر پیدا کرتی - کیونکہ وہ جانتا تھا کس طرح منتر کا اپدیش کیا جاتا ہے - دنیا میں زیادہ خرابیاں اس وجہ سے واقع ہوتی ہیں - کہ لوگ مزاج شناس کم ہوتے ہیں - بہت سے ضعیف سفید ریش والے بڈھے اکٹھا ہوئے اور نئے نوجوان بادشاہ کو

شانتی بھون کی طرف لے چلے۔ جہاں منتر کان میں پھونکے جانے کو تھا۔ نوجوان کی آنکھوں سے صاف ظاہر ہوتا تھا۔ کہ وہ اس رسم کو حقارت سے دیکھتا ہے۔ وہ غلط فہمی سے اپنے باپ کو بھی فاترالعقل۔ بداعتقاد اور کٹر سمجھنے لگا تھا۔ اور جب اس کو منتر سنایا گیا۔ اُس نے اپنے نوجوان اور گرم خون والے دل میں سوچا "یہ محض دھوکا ہے۔ فریب ہے۔ ڈھکوسلا ہے۔ میرا پہلا کلام یہ ہوگا کہ میں اپنی رعایا کو اس باطل پرستی کے ہاتھ سے نجات دوں۔ اور ان کو بتاؤں۔ کہ سچ سے بہتر کوئی مذہب نہیں ہے"۔

چیلا بنانے کا طریقہ یہ تھا۔

برت رکھنے کے بعد انسان کا دل خود کسی قدر شانت ہوجاتا ہے۔ اور اسی میں رسم ادا کرنے کے بعد گرو شاگرد کو لے جا کر کہتا تھا۔ "دیکھو یہ دنیا نہ مکمل ہے۔ نہ کوئی اس کو مکمل کر سکتا ہے۔ اس میں ہمیشہ کسی نہ کسی بات کی کمی رہیگی۔ پھر کیوں ہم ہر وقت شکایت کرتے رہیں لوگ شفاخانے بنواتے ہیں۔ شہر بساتے ہیں۔ مدرسے تعمیر کراتے ہیں۔ باغ تالاب۔ مندر۔ سرائے سب بنوا دیتے ہیں۔ امید کی جاتی ہے۔ سب سکھی ہونگے۔ مگر ایک بھونچال آتا ہے۔ سب گر پڑتا ہے اور انسان کا ہوائی قلعہ منہدم ہو جاتا ہے۔ ایسی حالت میں پھر ہم کیوں ہر وقت شکایت کرتے رہیں۔

"ہم ایک آدمی کو خیرات دیکر سمجھتے ہیں۔ اس کا بھلا کیا۔ اور وہ ہمارا شکریہ ادا کرے۔ اگر وہ ایسا نہیں کرتا تو ہم دکھی ہوتے ہیں۔ بُرا بھلا کہتے ہیں۔ غریب ہمارا کیوں شکریہ ادا کرے۔ ہم نے اُس کا

کیا اپکار کیا! وہ ہمارا محتاج نہ تھا۔ نہ ہے۔ وہ ایشور کا بندہ ہے ایشور
اُس کا مالک ہے۔ اُس نے ہمارا اپکار کیا۔ کیونکر اگر وہ نہ ہوتا تو ہم
خیرات دے کر کس طرح اپنے دل کو فیاضی کی مشاقی کا موقع دیتے
جو انسان کے بہترین اوصاف میں سے ہے۔ ایسی حالت میں پھر
کیوں ہم ہر وقت شکایت کرتے رہیں۔

"لڑکے بالے۔ جورو۔ متعلقین ہم کو اس واسطے ملے ہیں کہ ہم
ان کی پرورش و پرداخت کر کے اپنے آپ کو خوش رکھیں۔ دل
راضی رہے کہ ہم نے اپنا فرض ادا کر دیا۔ ان میں سے بعض دکھدائی
ہیں بعض اچھے۔ بعض بُرے ہیں۔ سب کو ایک حالت میں رکھنا
مشکل ہے۔ کیونکہ سب کے کرم جدا جدا۔ سب کے خواص و سنسکار
جدا جدا ہیں۔ تم صرف اتنا کام کرو۔ اور کام دل سے کرو۔ ذاتی
غرض۔ ذاتی نفع کا لحاظ نہ رکھو۔ ان میں سے کوئی تمہارا ساتھی نہیں
ہے۔ پھر ہم کیوں ہر وقت شکایت کرتے رہیں۔

"دنیا کے باشندوں کے مذہب۔ اعتقاد۔ طرز روش جدا گانہ ہیں
خیال کرنے کا ڈھنگ مختلف ہے یہ سوچنا کہ یہ سب ایک طریقہ اختیار
کر لیں ممکن نہیں۔ ہر شخص کا مذہب اس کے مزاج و طبیعت کے
موافق ہو گا۔ دنیا میں اختلاف قدرت کی جان ہے۔ اور خیالی باتوں میں
بالخصوص ہمیشہ اختلاف رہیگا۔ سب کو ایک خیال قبول کرنے کے لئے
مجبور کرنے سے کشت و خون ہو گا۔ پھر ہم کیوں ہر وقت شکایت کرتے رہیں۔
نوکر چاکر۔ ماتحتین ہمارے اور اپنے کرموں کے موافق ہم کو ملے ہیں
ان کے ساتھ صرف مناسب و موزوں برتاؤ ہو۔ اگر کبھی بھول چوک

ہو جاوے معاف کر دو۔ ہر وقت کے کوسنے سے تم دکھی رہوگے۔ سو چو تو کر کے اخلاق کے درست کرنے اور رات دن اُس کو سخت وسُست کہنے میں تمہارے بد اخلاق بن جانے کا خدشہ ہے۔ ایسی حالت میں پھر کیوں ہم ہر وقت شکایت کرتے رہیں۔

دنیا کا کام ہوتا ہے۔ ہو رہا ہے۔ ہوا کریگا۔ کام دل لگا کرو نتیجہ ایشور کے سپرد کرو۔ اگر کبھی کچھ بگڑ جائے۔ خواہ کوئی چیز ہاتھ نہ آوے تو دکھی کیوں ہوتے ہو؟ تمہارا فرض صرف کام کرنے کا ہے۔ تم اوزار ہو۔ تم کسی اور طاقت کے ماتحت ہو۔ جیسے کل کے پرزے اپنا اپنا کام کرتے رہتے ہیں۔ تم بھی کام کرو۔ اس سے زیادہ اپنی حیثیت نہ سمجھو۔ ایسی حالت میں پھر کیوں ہم ہر وقت شکایت کرتے رہیں۔

جب یہ اُپدیش ہو جاتا تھا تب منتر دیا جاتا تھا۔ اور شاگرد کو کہا جاتا تھا۔ غصہ۔ رنج و مصیبت کے وقت اس کا جاپ ہوتا رہے۔ منتر یہ ہے:—

اگما پائی ہے سنسار ناپائدار
بھرا ہے اس میں بہت بکار
گیانی سمجھیں سار اسار
جڑ چیتن کا کریں بچار
جن میں سمجھ بوجھ نہیں یار
اُن کو جانو رنپٹ گنوار
کام کرودھ لوبھ ہنکار
موہ میں بھرمے ہمت ہار

اُن پر ہر دم کال کی مار
کبھی نہ سمجھینگے وہ سار
ہے جو تجھ میں گرو کا پیار
جڑتا سے تو ہو جا ہشیار
یہ سب جڑ تو چیتن سار
اپنا شانت روپ لکھ یار

آسمان و زمین شانت ہو۔ سورج چاند تم میں شانتی آوے
نبسپتی تم شانت ہو جاؤ۔ پانی وایو اگنی شانت ہو۔ دیو و انترکش
شانت بنو اور میں بھی شانت بن جاؤں۔

یہ راز تھا۔ یہ شانتی کا منتر تھا۔ یہ نکتہ تھا۔ مگر بد تمیز شہزادہ نے
کہا واہ! اسی منتر کو بتا کر تم ہماری رعایا کا مال ہڑپ کر جاتے تھے۔ تم
ہم کو دھوکا نہیں دے سکتے۔ ہم اس الم غلم کے پھندے میں نہیں پھنس سکتے۔
بڈھے آدمیوں نے کہا "آپ نوجوان ہیں۔ کہئے کم اتنا نقصان لیجئے۔
ہم میں بھی کچھ سمجھ بوجھ ہے۔ اس منتر سے یہ کبھی مراد نہیں کہ وہ
خود جادو کا اثر رکھتا ہے۔ وہ صرف انسان کے سوچنے کی قوت کو
متحرک کرتا رہتا ہے۔ چند سال کے بعد آپ سمجھ جائینگے کہ یہ فضول
اور ناکارہ نہیں ہے۔ اس کے عمل سے مصیبتیں دوست بن کر
انسان کو پختہ کام بناتی ہیں۔ ورنہ وہ پریشان ہو کر تباہی کے منہ
میں چلا جاتا ہے۔ صرف منتر ہی نہیں۔ بلکہ اُپدیش بھی کیسا مفید
دیا جاتا ہے۔ جہاں آدمی نے ایک مرتبہ اس راز کو سمجھ لیا پھر
وہ کبھی نہیں گھبراتا۔ نہ ذرہ ذرہ سی کسی کی خفیف الحرکاتی پر غصہ کرتا ہے

آپ اس کی بے قدری محض اس وجہ سے کر رہے ہیں۔ کہ یہ آپ کو مفت میں مل رہا ہے۔ ایسا نہ ہونا چاہئیے۔"

نوجوان بادشاہ کو سخت نفرت ہوئی۔ وہ کہنے لگا۔ "تم لوگ بوڑھے ہو گئے۔ تمہاری عقل بھی بوڑھی ہے۔ تم کو اپنی آتما پر بالکل بھروسہ نہیں۔ منتر کا ڈھکوسلا بناتے ہو۔ اور دو چار اچھی باتیں لیکر اس میں باطل اعتقادی شامل کرتے ہو۔ میری سلطنت میں کبھی اگیان کی ترقی نہ ہو گی۔ میں منتر جنتر کی جڑ اکھیڑ کر پھینک دونگا۔ اور کل ہی میں سچ کا اعلان کر دونگا۔"

دوسرے دن تمام شہر میں ہلڑ مچ گیا۔ کہ بادشاہ اپنے محل کے کوٹھے سے عام آدمیوں کو سچائی کی تلقین کریگا۔ اور بلا امیدواری کی تکلیف دیتے ہوئے شانتی کے منتر کو بتا دیگا۔ اور یہی نہیں بلکہ اس کا بدل بھی کھولیگا۔

وقت مقررہ پر محل کے نیچے وہ ہجوم ہوا کہ جس کا حد نہیں۔ دارالسلطنت کے باشندوں کے علاوہ قرب وجوار کے دیہات کے باشندے بھی آئے اور بڑی توجہ کے ساتھ شاہی تقریر کے انتظار میں کھڑے ہوئے۔

بادشاہ سلامت بالاخانہ پر تشریف لائے۔ اُن کو دیکھتے ہی عوام نے خوشی کے نعرے (چیرز) بلند کئے۔ اس طرح تالیاں پیٹیں۔ کہ آدمیوں کے کان بہرے ہو گئے۔ جب بادشاہ کے ہاتھ کے اشارے کو دیکھ کر سب خاموش ہو گئے۔ تب آپ بولے "یا بدولت آج تم کو شانتی کا راز بتانا چاہتے ہیں۔ ہماری خواہش ہے کہ ہماری

رعایا اپنے اوپر وشواس رکھے۔ اور جب کوئی مصیبت یا تکلیف کا وقت آوے۔ یہ سمجھ لے۔ یہ سنسار اگما پائی ہے۔ یہی ایک شانتی کا راز ہے اور کچھ نہیں "

مگر اس کا کچھ بھی سامعین پر اثر نہیں ہوا۔ بادشاہ کو خود اس کی کسی قدر امید تھی۔ لیکن وہ یہ نہیں جانتا تھا کہ عوام اس کی تقریر کی بے عزتی کرینگے۔ لیکن جب وہ کہہ چکا ہر چہار طرف سے بڈھوں نے باآواز بلند کہا "نہیں یہ غلط ہے۔ اس کی بات کا یقین نہ کرو۔ اس نے تمام مدارج نہیں طے کئے۔ نہ اچھی طرح سب باتیں جانتا ہے یہ صرف منتر کا ایک حصہ ہے"۔

بادشاہ نے کہا۔ یہ لوگ سخت دھوکے باز ہیں۔ صرف تمہاری آنکھوں میں دھول اڑانا چاہتے ہیں۔ اور تب اُس نے تمام رسم و رواج و پابندیوں کا حال کہہ سنایا اور سارا منتر بھی سنا دیا۔

بڈھوں کو جو تکلیف ہوئی بیان سے باہر ہے۔ اُن کے وشواس کا قلعہ ٹوٹ گیا۔ جس بات کو وہ ساری زندگی قیمتی سمجھتے تھے۔ وہ مٹی میں مل گئی۔ بادشاہ نے ایک گھونسا لگا کر اُس قلعے کو جڑ سے اکھاڑ دیا۔ سب کو غصہ آگیا اور عوام نے کہا "اس بیرحم و سنگدل بادشاہ سے بدلہ لینا چاہئے۔ جس نے ہمارے مذہب کی تحقیر کی۔ اور ہم سے تمسخر کے ساتھ پیش آیا" اور سارا ہجوم محل کے اندر دروازوں کو توڑنے لگا۔

محل کے اندر بادشاہ سلامت بند ہو گئے۔ وہ خود متحیر و خوف زدہ تھے۔ سفید ریش والے مشیروں کی آنکھ سے آنسو جاری ہوئے۔

کسی طرح پھر امن و امان ہوا۔ عوام کو محل میں جانے کا موقع نہیں ملا

وہ بے دل۔ بددل اور پریشان ہو کر اپنے اپنے گھر چلے گئے۔ یہ سب کے سب دُکھی رہنے لگے۔ بوڑھوں کو کون کہے۔ نوجوانوں کے چہرے پر رنج کے شکن نمودار ہوئے۔ اور ملک کی جیسی پہلے حالت تھی پھر وہی ہو گئی۔ اور اُس کا نام "دُکھی دیش" پڑ گیا۔ پھر بادشاہ نے کتنی کوششیں کیں کہ وہ اگلی سی حالت پیدا ہو۔ مگر لا حاصل۔ کسی کو اس پر یقین نہیں آیا۔

اُس نے بہت دنوں تک سلطنت کی۔ لیکن زندگی کے کسی دن اس کو خوشی نصیب نہیں ہوئی۔ اور نہ اُس کے راج میں کوئی خوش نظر آیا۔

ایک دن وہ اتفاق سے شکار کے لئے نکلا۔ دیکھتا کیا ہے۔ ایک سو سوا سو برس کا بوڑھا آدمی اچھلتا کودتا جا رہا ہے اور خوشی کے گیت بھی گا رہا ہے۔ بادشاہ کو اپنے لڑکپن کی حالت یاد آئی جب وہ خود خوش تھا اور جب اُس کے باپ کی رعیت بھی خوش تھی۔

بڈھے کے سر پر بھاری بوجھ تھا۔ مگر وہ خوش تھا۔ اُس کا نوجوان لڑکا ساتھ تھا۔ اُس کے منہ پر ہوائیاں اُڑ رہی تھیں۔ بادشاہ نے نوجوان کی طرف مخاطب ہو کر کہا۔ "اس عمر میں بھی یہ بوڑھا خوش ہے۔ اس کا کیا سبب ہے؟ غمزدہ نوجوان لڑکے نے کہا۔ یہ احمق اور اگیانی ہے۔ اس کو اب بھی شانتی کے منتر میں وشواس ہے۔ کیونکہ جب شانتی کے منتر کا پول کھولا گیا تھا۔ یہ بہرا ہو گیا تھا اور اس نے بادشاہ کی تقریر نہیں سنی نہ کسی نے اس سے کچھ کہا

نہ اس کو کچھ لکھنے پڑھنے کا شوق ہے۔"

بادشاہ نے گہری سانس کھینچی۔ بڈھے کی نگاہ اُس پر پڑی جھک کر فرشی سلام کیا۔ اور یہ گیت گاتا ہُوا وہاں سے اپنی راہ چلا گیا۔

سیر دنیا کی دم بدم کیجیے
کس کا شکوہ وکس کا غم کیجیے
چند روزہ یہ زندگانی ہے۔
کس لئے اپنی آنکھیں نم کیجیے

اُس کے گیت کی صدا سے میدان گونج اٹھا۔ درختوں کے پرند اپنے پر وبال پھڑ پھڑاتے ہوئے چہکنے لگے۔ مگر افسوس! بادشاہ سلامت کی جو کیفیت تھی۔ وہ ناگفتہ بہ ہے!

یہ قصہ دلچسپ و مذاقیہ پیرائے میں شانتی کا بہت مؤثر سبق سکھاتا ہے یہ سنسار سچ مچ ایسا ہی ہے اور ایسا ہی رہیگا۔ شانتی صرف انسان کے دل میں ہے۔ جب تک من کی تربیت معقول طور پر نہیں ہوتی۔ دل کی کثرت پہلا زینہ ہے۔ پھر بدھی کو لطیف بنانا ہے۔ جب بدھی نرمل ہو جاتی ہے۔ تب شانتی ملتی ہے۔ اور شانتی سے سکھ کی پراپتی ہوتی ہے۔ سب سے پہلے دل پر قبضہ کرو۔ اس کو میرے تیرے پنے اور جھوٹے تعلقات سے آزاد کردو۔ تاکہ جو خیالات کی لہریں دل میں اٹھا کرتی ہیں وہ ٹھہر جائیں۔ جب تک جھیل کے پانی میں تموج کی حالت رہیگی اس میں نہ عکس ٹھیک ٹھیک صورت میں دکھائی دیگا۔ نہ اندر کی اصلیت کا پتہ ملیگا۔ جب من ٹھہر جائیگا چت کی درتی کے نرمل ہونے ہی بدھی نرمل ہوگی۔ بدھی کے نرمل ہو جانے سے شانتی ملیگی اور یہ شانتی ہی سکھ ہے اور تمام اردیہ ہے

پینتالیسویں شاکھا

تلاش مقصود مت شاستر آتم

اردو زبان کا ایک شاعر نادانستگی کی حالت میں زور دار لہجے میں کہتا ہے :۔

عدم سے جانب ہستی تلاش یار میں آئے
ہوائے گل میں ہم اس وادیٔ پرخار میں آئے

کون جانے اس شاعر کو اپنے خیال کے قلمبند کرتے وقت حقیقت کی سمجھ بھی تھی یا نہیں۔ یا یوں ہی شاعرانہ وجد کی حالت میں محو ہو کر وہ سچائی کا اظہار کر گیا ہے۔ مگر جو کچھ کہتا ہے پتے کی کہتا ہے اور غور و فکر سے کام لینے والوں کے لئے اُس کے اس مختصر مضمون میں کس طرح حقیقت کے اصلی جوہر کے سمجھنے و سمجھانے میں مدد ملتی ہے۔

حرکت ہمیشہ دائرے کی شکل میں ہُوا کرتی ہے۔ بیج میں درخت کی بالیدگی اور نشوونما کا سارا سامان حُبابی صورت میں موجود رہتا ہے۔ کوئی چیز باہر سے نہیں آتی۔ سب کچھ اس کے اندر موجود رہتا ہے جتنے پتے۔ جتنی ٹہنیاں۔ جتنے برگ و بار۔ جتنے پھول پھل ہوتے ہیں سب ہی رہتے ہیں۔ اور اگر انسان کی نگاہ باریک بیں ہوتی تو وہ بیج کے پردوں اور کثیف غلافوں کو پھاڑ کر دیکھ سکتا۔ کہ کس طرح اس میں درخت کے پھلنے پھولنے کا سامان سکڑا ہُوا داخل رہتا ہے۔ بیج زمین پر گرتا ہے۔ پرتھوی ماتا اُس کو رحم مادر کی طرح گود میں

لیکر اُس کو عالم شہود میں آنے اور اپنی عجیب و غریب ہستی کے دکھلانے کا موقع دیتی ہے۔ پہلے دو انکھوے پیدا ہوتے ہیں۔ پھر اور پتے ٹہنیاں۔ پھول۔ پھل آتے ہیں۔ اور بیج پیدا ہوتا ہے اور وقت پر یہ بیج پھر وہی خلقت کا تماشا دکھلاتا ہے۔ یہ دائرے میں حرکت کرنے کی بدیہی مثال ہے۔ اسی طرح گنگا وشنو بھگوان کے چرنوں سے نکل کر شیو کی جٹا جوٹ میں سماتی ہے۔ وہاں سے ہمالیہ کے کندراؤں سے گزرتی ہوئی۔ ہردوار۔ پریاگ۔ کاشی اور کپل آشرم سے گزر کر مہاساگر میں پہنچ کر پھر وشنو کے چرنوں میں جا کر داخل ہوتی ہے۔ یہ نقشہ بھی ویسا ہی مدوّر صورت میں جا کر مکمل ہوتا ہے۔ جیسے کہ بیج کی مثال میں دکھلایا جا چکا ہے۔ یہی حالت ایک ایک ذرہ کی ہے۔ سب اپنے اپنے اصل کی طرف رجوع رہتے ہیں۔ اور نادانستہ خواہ دانستہ اپنے اصل کی تلاش میں سرگرمی سے کام کرتے ہیں۔ یہ تلاش یار کا مضمون ہے۔

ظہور میں آنے سے پہلے وہ سکھ و آنند کی حالت میں محو تھے۔ اور جہاں اُس حالت میں فراق آتا ہے۔ انتشار پیدا ہوتا ہے۔ اور سکھ کا سنسکار جو اصل میں ست کی ذات ہے۔ اصلی حالت حاصل کرنے کے لئے کوشش کے نظارے دکھانے لگتا ہے۔ جب تک اصل حالت کی قربت نہیں نصیب ہوتی۔ یہ چکّر گردش میں رہتا ہے۔ جہاں اصلیّت ملی۔ پھر وہ سلسلہ بند ہو جاتا ہے۔ ایسا کیوں ہوتا ہے۔ ہماری سمجھ سے باہر ہے۔ اور ہم کبھی اس کا تشفی بخش جواب نہ دے سکینگے۔

حدیث از مطرب و مے گو و راز ایں وہر کمتر جو
کہ کس نکشود و نکشاید بہ حکمت ایں معمارا

مگر یہ تو تم جانتے ہو اور جان گئے ہو گے - کہ سرشٹی میں سکھ کی ریل اچھیل ہے - ذرہ سے لیکر سورج تک سب اسی اُدھیڑ بن میں لگے رہتے ہیں - نباتات - جمادات - معدنیات اور حیوانات - سب کو اُسی کی دُھن ہے - وہ جانیں خواہ نہ جانیں - مگر وہ اسی خیال میں غلطاں و پیچاں رہتے ہیں - انسان میں آکر وہ سنسکار مختلف صورت پیدا کرتا ہے - انسان میں آکر عقل اور من کی تکمیل کے ساتھ جب بالکل شخصی انانیت کی صورت میں اس کا ظہور ہوتا ہے - وہ دکھ و سکھ کے مناظر میں پریشان ہو کر اصلیت کی جستجو میں سرگرمی سے کام کرنے لگتا ہے - اگر اُس نے سارے پردوں کو چاک کر دیا - تو اصل کو سمجھ گیا - اور اتحاد یک جہتی وصال یا گیان کے درجے کو پاکر پھر جنم مرن کے ہنڈولے میں دوبارہ نہیں جھولتا - اگر یہ حالت نصیب نہیں ہوتی اور وہ بھرم میں پھنس گیا تو پھر اُسی طرح آواگون کا چکر کام کرتا ہے اور اُس وقت تک اُس کا سلسلہ برابر جاری رہتا ہے - جب تک وہ اصلیت کو نہیں پالیتا - اسی وجہ سے سرشٹی میں انسان کا درجہ بڑا تسلیم کیا گیا ہے -

اپنے سروپ کی سمجھ پردوں کی وجہ سے نہیں ہوتی - یا تی پردے سینکڑوں - ہزاروں اور لاکھوں ہیں سمجھانے بجھانے کے لئے اُن کو انسان کے نقطۂ خیال سے پانچ غلافوں کا نام دیا گیا ہے - انّ مے کوش - پران مے کوش - منو مے کوش وگیان مے کوش

آنند سے کوشش۔ اور جب یہ چاک ہو جاتے ہیں۔ اصلیت کا درشن نصیب ہوتا ہے۔

یہ پردے سب پر ہیں۔ نارنگی کو ہاتھ میں لے کر دیکھو۔ اُس پر موٹا چھلکا ہے۔ پھر حبابی پردہ ہے۔ پھر ریزے ہیں۔ ان سب کے اندر بیچ میں روح کی دھار چھپی ہوئی ہے۔ ان پردوں کو بھی اُسی سے تقویت ملتی ہے۔ مگر وہ نظر نہیں آتی۔ اُسی طرح تمہارا بھی حال ہے۔

ہم تم درا اصل سکھ کی تلاش میں روز روز پردے پھاڑنے کا اہتمام کرتے رہتے ہیں۔ کوئی غلط راہ سے پردہ پھاڑنا چاہتا ہے اور بھرم و کرم کے الجھن میں پھنس جاتا ہے۔ دوسرا صحیح طریقہ اختیار کرتا ہے۔ اور جلد اصلیت سے ہمکنار ہوتا ہے۔ چور، چوری کیوں کرتا ہے؟ صرف اس واسطے کہ اس کو موکش ملے۔ سکھ حاصل ہو۔ بھگت بھگتی کیوں کرتا ہے؟ صرف اس واسطے کہ اس کو موکش ملے۔ سکھ حاصل ہو۔ گیانی بال کی کھال کیوں نکالا کرتا ہے؟ صرف اس واسطے کہ اس کو موکش ملے۔ سکھ حاصل ہو۔ بات ایک ہے۔ مقصد ایک ہے۔ مگر چور عذاب میں گرفتار رہتا ہے۔ قید میں جاتا ہے۔ دکھ پاتا ہے۔ کیونکہ اُس نے غلط راہ اختیار کی تھی۔ اور اپنے کرم کی سزا بھوگ کر پھر وہی کوشش کرنے لگتا ہے۔ کبھی سیدھی راہ پر آتا ہے۔ کبھی غلط راہ جاتا ہے۔ بھگت بتدریج اپنا مقصد حاصل کر لیتا ہے۔ گیانی اُس کو جلد پراپت کرتا ہے۔

اتنا فرق ہے۔ سب موکش و سکھ کے خواہشمند رہتے ہیں۔ موکش اور سکھ دو چیزیں نہیں ہیں۔ مرادف و ہم معنی لفظ ہیں۔ اور یہی اپنا سروپ ہے۔ اسی کے جاننے۔ سمجھنے۔ حاصل کرنے کی سب کے دل میں چاہ رہتی ہے اور جب یہ مل جاتا ہے پھر کچھ کرنا دھرنا نہیں رہتا۔ یہ تلاش یار کا مضمون ہے۔

ان پردوں کے پھاڑنے کی کوششیں مختلف طریقے سے دنیا میں کی جا رہی ہیں۔ کسی کی نظر جسم پر ہے۔ وہ جسم کو سب کچھ سمجھ کر اسی کے پالن پوشن میں لگا رہتا ہے۔ یہ ہٹ یوگی ہیں۔ تمام پہلوان عیش پرست۔ دنیادار۔ مادہ پرست وغیرہ کا شمار اس طبقے میں ہے۔ یہ دیہہ آتم وادی ہیں۔ دوسروں کی نگاہ پران پر رہتی ہے۔ وہ پران ہی کو سب کچھ سمجھتے ہیں۔ اور اس کا سادھن کرتے ہیں۔ یہ پران یوگی ہیں۔ حبس دم۔ پاس انفاس۔ سانس سادھن کرنے والے وغیرہ اس زمرے کے لوگ ہیں۔ ان کو پران آتم وادی کہتے ہیں۔ تیسرا من کو سادھتا رہتا ہے۔ یہ من آتم وادی ہے۔ چوتھا۔ بدھی یوگ کرتا ہے۔ بدھی کو سب کچھ سمجھ لیتا ہے۔ اس کی نظر میں بدھی ہی سب کچھ ہے۔ یہ وگیان وادی اور چھنک۔ وگیان وادی ہیں۔ اور ان کو بدھی آتم وادی کہتے ہیں۔ پانچواں آنند کا سادھن کرتا ہے۔ ہمیشہ خوش رہنے کا جتن کیا کرتا ہے۔ اس کی سمجھ میں یہی سب کچھ ہے حالانکہ یہ کارن اوستھا ہے۔ ان کا غلاف لطیف ضرور ہے۔ مگر آنند پد سے ان کو بھی مس نہیں ہے۔ یہ آتم وادی ہیں۔ ان سب کے پردے

وہ ہیں - جو اصلی درجے کو اپنا آئیڈیل اور منتہائے نظر بناتے ہیں - یہ چیتن آتم وادی ہیں - اور یہی سرشٹی کے روح رواں اور مالک کے سچے پیارے ہیں -

ان تمام کوشش کرنے والوں کو اور طرح پر چار قسموں میں منقسم کیا گیا ہے - ارتھارتھی - جگیاسو - آرت - اور گیانی - ارتھارتھی وہ ہیں - جو کسی غرض کو لیکر مالک کی بھگتی کرتے ہیں - جگیاسو وہ ہیں جو محقق و متلاشی بن کر حقیقت کا پتا لیتے ہیں - آرت وہ ہیں - جو جنم مرن کے خوف سے اور سنسار کے دکھوں کے ڈر سے مالک کے چرنوں میں سکھ تلاش کرتے ہیں - گیانی وہ ہیں جنہوں نے اصلیت کو پاکر گیان میں استھتی کر لی ہے - ان کا درجہ سب میں بڑا ہے -

ان کی وضاحت دوسرے طریقے پر بھی کی جا سکتی ہے - اور ان میں سے بہتیرے ہندوؤں کے پنچ دیو کی نیشٹا لے کر کام کرنے والوں کے زمرے میں آجاتے ہیں - ان کے نام یہ ہیں گنپتیہ - ویشنو - شیو - شاکتک - سوریہ -

گنپت یا گنیش کے ماننے والے گنپتیہ کہلاتے ہیں گنپت مول دوار کا دیوتا ستھول رچنا کا موکل ہے - یہاں سے بدھی کا سلسلہ شروع ہوتا ہے - گنیش کو اسی وجہ سے سارے ہندو سب سے پہلے پوجتے ہیں - یہ شیو کا سچا فرزند ہے - جو اخلاقی و روحانی کامیابی کا مددگار ہوتا ہے - اور کامیابی بخشتا ہے - اور چونکہ یہاں ہی سے کنڈلنی کے جگانے کا

انتہام کیا جاتا ہے۔ اس وجہ سے اُس کی بڑائی کا گیت گایا جاتا ہے۔ یہ تم کا وہ روپ ہے۔ جو ستوگنی ہے۔

ویشنو۔ وشنو کے اُپاسک ہیں۔ جو نابھی کنول کا موکل ہے۔ جس کا روپ ستھول شریر میں جٹھر اگنی اور باہر کی رچنا میں اگنی ہے یہ سب کا پالن کرتا ہے اور شریر و برہمانڈ دونو کا مرکز بن کر ست سنکلپ سے اپنا کام کرتا ہے۔ اس میں ستوگن کا انش زیادہ ہے۔ اور اسی وجہ سے ویشنو کسی کو نہیں ستاتے۔ سب کا پالن پوشن کرتے ہیں اور دیا دھرم کو پالتے ہوئے آہنسا کو پرم دھرم بتلاتے ہیں۔ یہ وشنو مارگ کی بڑائی ہے۔

شیو کے اُپاسک شیو کہلاتے ہیں۔ شیو برہمانڈ میں وہ شخصیت ہے جو تم کو مغلوب کر کے ست کی طرف رہبری کرتا ہے۔ اسی وجہ سے وہ کلیان روپ ہے۔ شیو اگیان کے برباد کرنے والے ہیں اور سب کو تم کے اندھکار سے نجات بخشتے ہیں۔ تمہارے شریر میں ان کا استھان ہردے کنول یا ہردے چکر ہے۔ جہاں سے پران وایو کی اتپتی ہوتی ہے۔ یہ شیو دھرم کی بزرگی ہے۔

شکتی کے اُپاسک شاکتک ہیں۔ شکتی کا دوسرا نام دُرگا ہے جو شیو کی مہارانی ہے۔ اگر یہ نہ ہو تو شیو کچھ کام نہیں کر سکتے۔ یہ شیو میں ساتوکی ورتی ہے۔ جس کے نام سے راکشس جن سے مراد بُری باسنائیں ہیں۔ تھر تھر کانپتے رہتے ہیں۔ یہ کال مایا کے ناش کرنے والی ہے۔ اور جگت کی اتپتی اسی سے ہے پر باسنا روپ ہے۔ مگر ستوگنی ہے اور اسی سے ابتدا میں

برہما۔ وشنو اور مہیش پیدا ہوتے ہیں۔ یہ لوگ مایا ہے۔ اس کی صورت جلال والی ہے۔ اس کے تیج کے سامنے کوئی نہیں ٹھہر سکتا۔ اگر یہ نہ ہو تو نہ رچنا ہو سکتی ہے۔ نہ روحانی ترقی کا امکان ہو سکتا ہے۔ تمہارے شریر میں اس کا استھان کنٹھ چکر ہے۔ یہ ماتا ہے جس کے دامن سے تمام لوگ جو روحانی نقطہ نگاہ سے ابھی بچے ہیں۔ لٹکے رہتے ہیں۔ اور اُس سے طلب مدد کیا کرتے ہیں۔ یہ اُس کی بڑائی ہے۔

سورج کے اُپاسک سوریہ کہلاتے ہیں۔ باہر رچنا میں سب کا ہرتا دھرتا سورج ہے۔ اسی سے سب کی اُتپتی اور سب کا پرلے ہوتا ہے۔ یہ صاحب جلال تیجسوی اور سب کا زندگی بخشنے والا ہے۔ یہ گُپت اور پرگھٹ دونو ہے۔ اور سب جگہ اپنی سرشٹی کے منڈل میں پری پورن ویاپک ہے۔ یہی شیو کا تیسرا نیتر ہے۔ یہی گیان کی آنکھ ہے۔ اور جو سورج لوگ کے خواہشمند ہوتے ہیں۔ اُس کی اُپاسنا کرتے ہیں۔ دنیا کے تمام مذاہب چاہے صوفی ہوں۔ پارسی ہوں یا عیسائی ہوں۔ یا کچھ ہوں اسی کو اپنا لکش بناتے ہیں۔ ورشٹی سادھن کرنے والے اسی کو منتہائے نظر قرار دیتے ہیں۔ اُن کے یہاں یہی روحانی ترقی کا معیار ہے اور یہ روحانی ترقی کا مددگار ہوتا ہے۔ لوگ اس کی حقیقت کو اگر سمجھ جائیں تو پھر بآسانی پتا پا سکیں کہ اُن کے مذاہب کی تعلیم کہاں سے شروع ہوئی ہے۔

صوفیوں کا اور شمسیوں کا منتہائے نظر آفتاب ہی ہے۔ اور وہ اسی کے سمجھنے بوجھنے کی تعلیم دیتے ہیں۔ عیسائی ہماری بات کب ماننے لگے۔ مگر جو ذرہ اپنے مذہب کی اصلیت کی تحقیقات کریں تو فوراً پتا لگ جائے۔ یہی سورج قدیم جاپانیوں، قدیم مصری۔ قدیم پارسی قدیم چینی۔ قدیم صوفی۔ قدیم ہندو۔ غرضیکہ سب کا ماحصل رہا ہے اس کے آگے کسی کی نگاہ نہیں گئی۔ سب نے اسی کو اپنا مرکز تسلیم کیا۔ اور سورج بان کی راہ کی طرف چل نکلے۔ اسی سورج سے ہمارا قدیم ہندو گھرانا سورج بنس کہلایا۔ اسی سے چینی مذہب کی ابتدا ہوئی۔ اور سارے مذہبوں کی جان یہی ہے۔

ساری دنیا کے مذاہب سورج کے خیال سے نکلے ہیں۔ یہ سورج کل برہمانڈ کی آنکھ ہے اور تمہارے جسم میں اُس کا قائم مقام تمہاری اصلی آنکھ ہے۔ جو ان دو دو اندریوں کے بیچ ہے۔ اور جس کو شیو نیتر نقطۂ سویدا اور دوسرے اصطلاحات سے یاد کیا جاتا ہے۔ ان میں سے کوئی اس سے آگے نہیں جاتا۔ کیونکہ آگے بھی جو اور نظام شمسیوں کا مرکز ہے وہ بھی سورج ہی ہے۔ برہمانڈ میں لاکھوں کروڑوں و بیشمار سورج ہیں۔ اور انہیں کا اشٹ درجہ بدرجہ بندھایا جاتا ہے اس سورج کے بعد جو روح کے مرحلے آتے ہیں۔ وہ اتنے لطیف ہیں۔ کہ لوگ اُن کو

؎ مولانا روم (۱) در بشر روپوش کردست آفتاب۔ فہم کن واللہ اعلم بالصواب
(۲) آفتاب آمد دلیل آفتاب۔

نہ سمجھ سکینگے۔ اس لئے ہم زیادہ کھول کر کہنا نہیں چاہتے جن کو اتنی سمجھ آجائیگی۔ وہ خود روحانی ترقی کرتے ہوئے سمجھ والے بنینگے۔

ان سب پر اُن کو فوقیت کا رتبہ حاصل ہے۔جو پرماتما کو اپنا اشٹ بناتے ہیں۔

الغرض اسی طرح اور اسی انداز پر دائرے کے مکمل کرنے کے لئے سارا برہمانڈ گردش میں ہے۔ اور جب دائرہ مکمل ہو جاتا ہے اور آتم پد کی سمجھ آجاتی ہے۔ پھر وہ سکھ۔ وہ موکش۔ وہ پرم گتی۔ اور پرم آنند پراپت ہوتا ہے۔جس کے لئے سب دیدہ دانستہ نادیدہ و نادانستہ عمل کر رہے تھے۔

مبارک ہیں وہ لوگ جو اس کو ذہن نشین کر لیتے ہیں۔کیونکہ وہ پھر بھرم میں نہیں پھنسینگے۔ اور بہ آسانی اپنا کام بنا لینگے۔ جو ان سب کو سمجھ لینگے۔ اور گیان درشٹی سے ایک مرتبہ بھی اس کو دیکھ لینگے۔گیان کلپدرم کے پھل کھائے ہوئے بغیر نہ رہ سکینگے۔ اور میری طرح مست ہو کر گاتے پھرینگے۔

سنت دیا۔ ست گورسیا۔ پایا۔ آد اناد
گنت مت گنتے نا بنے۔ سرت بھئی بسماد

حضور رادھا سوامی صاحب

جنہیں کچھ خبر میرے برتانت کی
غرض میں نے فکر اُن کی سب شانت کی ہے
کسی نے عبث ڈر کے بھی کچھ لیا ہے
جگت متھیا ہے جگت متھیا ہے   منا
بکھیڑوں سے دنیا کے کیوں تم ڈریں ہو   بکھیڑ
جہاں خواب ہے اور تم خواب میں ہو   منادی جہ
نہ برہما کی پدوی کی تم چاہ کرنا   کہ برہما بھی
بس اک ستیہ تم ہو دم اپنا ہی بھرنا   منادی جہاں ہے
نہ کچھ دھرم میں ہے نہ کچھ دھیان میں ہے   نہ کچھ کرم میں ہے نہ
یہ سب محض مایا کے امکان میں ہے   منادی جہاں میں یہ ویدا
وہ تم ہو جو مایا سے کوئی بری ہے   سوار اس کے سر پر ہو یہ سر
یہی بہتری ہے یہی برتری ہے   منادی جہاں میں یہ ویدانت کی
وہ تم ہو جو چھوٹا ہے مایا سے کوئی   عبث فکر میں عمر کیوں تم نے کھوئی
یہ ہے سِر مخفی کرد راز جوئی   منادی جہاں میں یہ ویدانت کی ہے